معاد

مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ
بین الاقوامی امور

معاد

مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ
بین الاقوامی امور

خمینی، روح‌الله، رهبر انقلاب و بنیانگذار جمهوری اسلامی ایران، ۱۲۷۹ ـ ۱۳۶۸. معاد.
اردو / تهران: مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی(س)، ۲۰۰۳ م - ۱۳۸۲. ۴۹۲ ص.
ISBN 964 ـ 335 ـ 560 ـ 8 : ۱۸۰۰۰ ریال

فهرستنویسی براساس اطلاعات فیپا.

اردو . کتابنامه: به صورت زیرنویس. ۱. خمینی، روح‌الله، رهبر انقلاب و بنیانگذار جمهوری اسلامی ایران، ۱۲۷۹ ـ ۱۳۶۸ . ـ نظریه دربارهٔ معاد ـ پیامها و سخنرانیها. ۲. معاد ـ مقاله‌ها و خطابه‌ها. الف. مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی(س). معاونت امور بین‌الملل. ب. عنوان.

DSR ۱۵۷۴ / ۵ / ۵۶ م ۶۰۴۶ — ۹۵۵/۰۸۴۲

کتابخانه ملی ایران — ۸۱ ـ ۳۶۵۳۶ م

کد / م ۱۵۹۹

مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

امور بین‌الملل

نام کتاب: **معاد**

از: **حضرت امام خمینی** (رحمة الله علیه)

ناشر: مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ ـ بین الاقوامی امور

چھاپ: اول ـ ۲۰۰۳

پتہ: جمہوری اسلامی ایران

تہران ـ خیابان شہید باہنر، خیابان یاسر، خیابان سودہ ۵/

پوسٹ کوڈ: ۱۹۷۷۶ پوسٹ بکس: ۱۹۵۷۵/۶۱۴

ٹیلی فون: ۵ ـ ۲۲۹۰۱۹۱ ـ ۲۲۸۳۱۳۸

فیکس: ۲۲۸۷۷۷۳ ۲۲۹۰۸۷۸

تعداد: ۳۰۰۰

ایمیل: info@imam-khomeini.org

قیمت: ۱۸۰۰۰ ریال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

انسان ہمیشہ سے زندگی و موت، فنا و بقا، حیات لے دائمی و عارضی ہونے کائنات کے عالم مادہ تک محدود ہونے یا غیر مادی جہان تک اس کے وسیع ہونے اپنے اندر غیر فانی اور پائیدار عنصر کی موجودگی اور سرچشمہ حیات و بقائے ابدی سے متصل ہونے کے امکان کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا ہے اور ابدی زندگی و لامحدود حیات کا حصول اور طبیعت کی حدود و قیود سے نجات پانا، آرام و سکون و سعادت مطلق حاصل کرنا اور حیات طیبہ اور عالم روحانیت میں زندگی گزارنا انسان کی وہ آرزوئیں ہیں جو ابھی تک اسے حاصل نہیں ہوئی ہیں۔ اسی لئے ادیان الٰہی نے ''ہستی کے آغاز اور انجام'' کی شناخت و معرفت کرانے کو اپنی سب سے بڑی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ادیان الٰہی نے وحی کے ذریعے مذکورہ دونوں مخفی و پوشیدہ امور کو واضح و آشکار کیا ہے۔ انسان نے بھی وحی و عقل میں سے کسی ایک کے ساتھ یا ان دونوں کی مدد سے ان مجہولات کو منکشف کرنے کی کوشش کی تاکہ ''مبداء و معاد'' کی معرفت کے سائے میں اپنی حقیقت سے آگاہ ہو سکے اور عظیم زندگی کے راستے پر گامزن ہو سکے۔

زیر نظر کتاب میں ''معاد'' کے بارے میں حضرت امام خمینیؒ کے آراء اور نظریات بیان کئے گئے ہیں جو آپ کے مکتوب آثار، فلسفہ کے دروس اور بیانات و خطابات سے اکٹھے کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب حضرت امام خمینیؒ کے نزدیک قابل قبول نظریات کے بارے میں آپ کے ناقدانہ جائزے اور وضاحت نیز آپ کے اپنے نظریات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کو بنظر غائر پڑھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ عظیم عالم ربانی ''موت و حیات'' اور

دنیا و آخرت کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے تھے جس کے پرتو میں دنیائے سیاست و دیانت کو اس قدر محکم و پرشکوہ انداز میں اپنے روحانی دست قدرت میں لینے اور دنیوی تسلط اور موت کے خوف پر غالب آنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہاں ہم معاد کے بارے میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریات پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں:

ا۔ معاد پر ایمان لانا ''عالم غیب اور مابعد الطبیعات'' کو تسلیم کرنے پر موقوف ہے۔ اور اسے تسلیم کرنا بجائے خود شناخت کے معیار اور کائنات سے متعلق نظریئے کی نوعیت پر موقوف ہے۔

مادہ پرستوں کے نزدیک کائنات کی شناخت کا معیار ''حس'' ہے۔ وہ ہستی اور وجود کو مادہ کے مترادف جانتے ہیں اور مادہ کے علاوہ کسی شئے کو موجود ہی نہیں مانتے۔ وہ خداوند کے وجود، وحی و نبوت، قیامت و معاد جیسے غیبی عالم کو ایک افسانہ خیال کرتے ہیں۔ جبکہ الٰہی نظریہ کائنات میں شناخت و معرفت کا معیار حس کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ہیں۔ لہٰذا ان کی نظر میں ہستی اور وجود، غیب و شہادت (مادہ و غیر مادہ) دونوں پر مشتمل ہے۔

دین و برہان کے مطابق، عالم طبیعت کے علاوہ ایک دوسرا جہان بھی ہے۔ انسان کا وجود بھی ایک غیر مادی و غیر فانی حقیقت کا حامل ہے اور انسان عالم طبیعت سے مجرد، ایک حقیقت ہے۔ انسان کے اندر جو خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ مابعد الطبیعات عالم پر دلالت کرتی ہیں۔ انسان اور حیوان میں ایک اور چیز بھی موجود ہے کہ جو مادہ سے بالاتر اور اس کے علاوہ ہے اور انسان و حیوان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس کا نام ''نفس اور روح'' ہے اور یہ ایک مجرد موجود ہے۔

حضرت امام خمینیؒ حکمت متعالیہ کے پیروکار دوسرے فلاسفہ کی مانند پیدائش نفس کے بارے میں فرماتے ہیں:

مادہ یا ہیولائے اولیٰ، ایک حقیقت واحدہ ہے کہ جو پست ترین مراتب سے عالی ترین مراتب کی طرف اپنا سفر طے کرتا ہے اور یہ ایک ایسی ہویت ہے کہ جو مختلف مراتب کی درمیان محفوظ رہتی ہے۔ یہ محفوظ ہویت اور سیال چیز جب تک عالم طبیعت میں ہوتی ہے، اس وقت تک مختلف شؤن

واحکام کی حامل ہوتی ہے مثلاً آغاز میں ''علقہ'' پھر ''مضغہ'' وغیرہ۔ یہاں تک کہ یہ ایک ایسے مرتبہ تک جا پہنچی ہے کہ جس کے مادہ کا نام 'بدن' ہوتا ہے۔ یہ حقیقت واحدہ کہ جو عالم طبیعت کی پست ترین منزل سے مابعد الطبیعۃ کی طرف حرکت کرتی ہے، ''نفس'' کہلاتی ہے کہ جسے عالم طبیعت سے خارج ہوتے وقت ''عقل'' کہتے ہیں۔ پس یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ نفس اکمال بدن کے بعد کسی دوسری جگہ سے آ کر، بدن سے ملحق ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس اسی عالم طبیعت سے پیدا ہوتا ہے اور اسی عالم مادہ ہی کا خلق کردہ ہے۔

رہی بات ''تجرد نفس اور بدن سے مفارقت کے بعد اس کی بقا'' کی بحث کی تو یہ معاد کے اثبات میں ہی بنیادی اور ضروری مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ تجرد کو دو قسموں ''خیالی ومثالی اور تجرد عقلانی'' میں تقسیم کرنے کے بعد فرماتے ہیں: موت کے بعد بقائے نفس کو ثابت کرنے کے لیے تجرد مثالی ہی کافی ہے کہ جو مرتبہ ''وہم وخیال'' کے حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا وہ حیوانات کہ جو قوت خیال اور وہم کے حامل ہوتے ہیں نفس مجردہ کے حامل ہونے کی وجہ سے برزخی ہو جاتے ہیں اس لئے وہ بھی محشور ہوں گے۔

البتہ انسان اپنے جوہری ذاتی تجرد جو کہ جبری ولازمی ہے، کے ساتھ ساتھ کمالات وفضائل اور معارف حاصل کر کے عقلانی مجرد موجود بھی بن سکتا ہے۔ حتی عقلانی تجرد تام کے مرتبہ پر بھی فائز ہوسکتا ہے۔

نفس ناطقہ کچھ مراتب ونشأت کا حامل ہوتا ہے۔ الٰہی حکماء وفلاسفہ نشآت وجودیہ کے تین نشآت: ''دنیا، برزخ اور آخرت'' کی تقسیم کے مطابق نفس انسان کے لیے بھی تین نشآت: شہادت، برزخ اور غیب کے معتقد ہیں۔ امام خمینیؒ مذکورہ تقسیم کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسانی نفس ناطقہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے وحدت وکمال بساطت کے باوجود مختلف نشآت ہیں۔ اہم ترین، تین نشآت ہیں: پہلا، دنیوی ظاہری ملکی نشئہ کہ جس کا مظہر، ظاہری حواس اور دنیوی بدن، اس کا پست ترین چھلکا ہے۔ دوسرا: متوسط برزخی نشئہ ہے، جس کا مظہر، باطنی حواس برزخی

بدن اور مثالی جسم ہے۔ تیسرا: باطنی غیبی نشئہ ہے کہ جس کا مظہر، قلب اور قلبی شوؤن ہیں۔

یہ مراتب اور نشآت، آپس میں بہت ہی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ کے نزدیک ان کے درمیان ''ظاہریت و باطنیت'' اور ''جلوہ و متجلّی'' کی نسبت ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ہر مرتبہ کے آثار و خواص اور انفعالات، دوسرے مرتبہ کی طرف سرایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر بصری حاسہ کسی چیز کا ادراک کرتی ہے تو اس سے اس نشئہ کی مناسبت سے برزخی حس بصر بھی متأثر ہوتی ہے۔ اور اس سے قلبی و باطنی بصر پر اثر پڑتا ہے اور اپنے نشئہ کی مناسبت سے وہ بھی متأثر ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح دوسرے دو نشآت پر بھی قلبی آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

دوسرے مقام پر امام خمینیؒ کے نزدیک نفس کے مرتبہ عالی اور مرتبہ دانیہ کے درمیان، ''اندراج و اشتمال'' کی نسبت پائی جاتی ہے۔ یعنی ما تحت مرتبہ کے کمالات کا مافوق مرتبہ میں اندراج اور دانی (پست) مرتبہ پر عالی مرتبہ کا اشتمال۔ اسی طرح، امامؒ نے مرتبۂ نازلہ اور مرتبۂ عالیہ کے درمیان نسبت کو ''ستاریت'' کا نام دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ظاہری لباس، ملکی بدن کا ساتر (چھپانے والا) ہے جبکہ خود بدن، برزخی بدن کا ساتر ہے۔ اور برزخی بدن، نفس کیلئے ساتر وحجاب ولباس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ نفس، قلب کا ساتر ہے اور قلب، روح کا ساتر ہے اور روح، سرّ (راز) کی ساتر ہے اور یہ لطیف وخفی ساتر ہے۔ پس ہر مرتبۂ نازلہ، مرتبۂ عالیہ کا ساتر وحجاب ہے۔

یہاں پر ہم مذکورہ بحث کی مناسبت سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ برزخی بدن، جو برزخ میں نعمت اور عذاب کا حامل ہوتا ہے، اس وقت بھی موجود ہے، لیکن دنیوی بدن کے حجاب وستر میں چھپا ہوا ہے۔ یہ بدن وہی جسم ہے کہ جو عالم طبیعت میں تھا اور جس نے تکاملی حرکت کے ذریعے اور جسم کے مختلف ترقیات کے سبب، اپنے آپ کو برزخی جسم میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ تغیّرات وتبدّلات، اخروی بدن کے پیدا ہونے تک اسی طرح جاری رہتے ہیں۔

۲۔ حضرت امام خمینیؒ موت کو ملکی دنیوی وجود سے کامل تر ''حیات ثانوی ملکوتی'' جانتے

ہیں۔اور بہت سے دوسرے لوگوں کے برعکس کہ جو موت کو ''نیستی وفنا'' خیال کرتے ہوئے موت وحیات کو ہستی ونیستی کے مترادف قرار دیتے ہیں اور انھیں دو وجودی وعدمی چیزوں کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، موت کو ''وجودی امر'' اور متعلق جعل' قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: موت، ظاہری ملکی نشئہ سے باطنی ملکی نشئہ کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے یا یہ کہ موت، حیات اولی ملکی کے بعد، حیات ثانوی ملکی سے عبارت ہے۔ بہر حال موت ایک ''امر وجودی'' ہے بلکہ وجود ملکی سے کامل تر ہے۔الغرض ''حیات ملکوتی'' کو ''موت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ وہ سننے والوں کیلئے سنگین نہ ہو، اور یہ ''حیات ملکوتی'' ذات اقدس الہی کی قدرت کے ماتحت، جعل وخلقت سے متعلق ہوتی ہے۔

مرنا، فنا نہیں ہے بلکہ نقص سے کمال کی طرف منتقل ہونا ہے، مرنا، حیات ہے اور عالم آخرت، حیات ہے۔ ہمارے خیال میں دنیا میں رہنا زندگی ہے اور دنیا میں نہ رہنا نقص ہے! جبکہ دنیا کی زندگی عالم غیب سے آنے والی حقیقت کی صورت نازلہ ہے۔ الغرض موت نہ فقط حیات کا فقدان یا اس کے مرتبہ کا تنزل نہیں بلکہ اگر موت، انسانی ہو تو یہ اسی پہلے مرتبہ کی طرف لوٹنا ہے۔

اس جگہ موضوع کی مناسبت سے قبض روح کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جان کا نزع اور روح کا قبض، عزرائیلؑ اور اس کے مظاہر وشوؤن کے ذریعے انجام پاتا ہے۔یعنی عالم طبیعت کے اندر انتقالات واستمالات اور عالم طبیعت سے عالم مثال اور وہاں سے عالم نفوس کی جانب ارواح کا نزع اور منتقل ہونا، حضرت عزرائیلؑ کے وجودی مرتبہ اور بلند مقام کی وجہ سے، انہی کے مظاہر وشوؤن کے توسط سے انجام پاتا ہے۔ البتہ ظاہر ومظہر کے اتحاد کی وجہ سے درحقیقت خود حقیقت عزرائیلیہ، اس نزع وانتقال کا سبب بنتی ہے۔لیکن عالم نفوس سے عالم عقل کی طرف انتقال کہ جو آخری نزع وانتقال ہے، عالم نفوس میں تو بالمباشرہ اور دوسرے عوالم میں بالواسطہ، خود عزرائیل علیہ السلام کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے۔خود عزرائیلؑ کا نزع اور عقلی موجودات وغیرہ کا نزع، بعض اسماء اللہ کے توسط سے خود خداوند متعال کے ذریعے انجام پذیر ہوتا ہے۔

۳۔ موت کے بعد کی زندگی اور عالم آخرت کے بلند مرتبہ وعظیم الشان ہونے اور دنیوی

و مادی زندگی کے پست و ناقص ہونے کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کہ ان دو بلند مرتبوں کے درمیان واسطے کی کڑی کی حیثیت رکھتی ہے یعنی مبدائے وجود وہستی میں حیات کہ جو زندگی کا مرتبۂ نازلہ ہے بلکہ وجود کا پست ترین مرتبہ ہے، زندگی گزارنے کا مقصد وہدف کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت امام خمینیؒ کہ جو پورے سلسلۂ وجود کو جمیل مطلق کے مظاہر وتجلیات جانتے ہیں اور وجود ہستی کے تمام مراتب کو کمال مطلق کی جانب کمالی حرکت سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں:

وجود، خیرونور اور درخشندگی کا سراپا ہے۔ وجود جتنا بھی قوی ہوگا اس کی نورانیت اور درخشندگی بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ عالم مادہ وہیولیٰ اپنے مرتبۂ وجود کی پستی، ناقص فعلیت کے سبب، ظلمت ووحشت کا مقام اور شر وبدی کا گھر ہے۔ لیکن اس کے باوجود، دنیا شجرۂ انسانیت کی بالیدگی کا مقام، حقائق وجودیہ کے پھلنے پھولنے کا بوستان اور انوار طاہرہ کے منکشف ہونے کی جگہ ہے۔ اگر عالم دنیا نہ ہوتا تو کوئی بھی موجود، درجات کمال طے نہ کرتا اور کسی کو ذات حق میں فنا ہونے کا موقع نہ ملتا۔ لہذا عالم مادہ وہیولیٰ انتہائی پستی اور نازل مرتبہ میں ہونے کے باوجود 'تمام حقائق کی اصل' اور 'ثواب رحمت کی کلید' شمار ہوتی ہے۔

اگر یہ ملکی مواد اور طبیعی، جوہری وارادی حرکات، وتغیرات نہ ہوتے تو نفوس ناقصہ میں سے کوئی بھی اپنے موعود کمال اور اپنے دار قرار وثبات تک پہنچ نہ سکتا اور ملک وملکوت کے اندر ایک بڑا نقص پیدا ہو جاتا۔ جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے: ﴿قَدْ عَلِمَ اُولُوا الأَلْبابِ کُلَّ ما هُناكَ لا يَعلَمُ اِلّا بِما هٰيهُنا﴾۔

عالم آخرت، عالم وحدت وبساطت کے قرب، ظرف وجود کی وسعت اور جسمانی مادہ سے خالی ہونے کی وجہ سے، ایسی خصوصیات اور اوصاف کا حامل ہے جو اسے ذاتاً، عالم طبیعت سے جدا کر ڈالتی ہیں۔ عالم آخرت زندہ اور حی ہے، اس میں مادہ اور ہیولیٰ نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی کیونکہ آخرت میں حیات کے جاری رہنے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ''نیستی وعدم'' کی حدود وقیود کا

مبداء یعنی مادۂ جسمیہ وہاں نہ ہو۔

مقدار ''جسم طبیعی'' کے لوازم میں سے ہے بلکہ درحقیقت یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں کہ جن کا فرق، ابہام وتعیین سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض افراد (مثلاً قاضی سعید قمیؒ) کا نظریہ کہ جسمانی مادۂ کے بغیر صور مقداریہ کا وجود ایک ایسی بات ہے کہ جس کا محال ہونا، واضح ہے، لیکن حضرت امام خمینیؒ ان لوگوں کے برعکس حکمت متعالیہ کی مشرب کے مطابق فرماتے ہیں: ابتدائے وجود میں صورت کو مادہ کی ضرورت کا سبب، اس کا ناقص اور مشخص نہ ہونا ہے، لیکں جب صورت تام اور بالذات مشخص ہوجاتی ہے تو مادۂ قابلہ کی ضرورت کے بغیر، وجودی استقلال حاصل کرلیتی ہے۔ اس حالت میں اسے فقط اپنے فاعل تام اور قیوم مطلق کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس مطلب کا بہترین شاہد، انسان کی خیالی صورتیں ہیں کہ جو مادۂ قابلہ کی ضرورت کے بغیر، فقط نفس کے انشاء اور ایجاد کے ذریعے، موجود ہوجاتی ہیں۔ اس بات یعنی ''آخرت میں مادۂ جسمیہ کے نہ ہونے'' کو قبول کرنے سے، 'جسمانی معاد اور اخروی جسم کے وجود' کے صحیح ہونے کی بحث شروع ہوجاتی ہے۔ یہاں سؤال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آخرت میں مادۂ جسمیہ کا وجود ناقابل قبول ہے تو کیا اخروی جسم کا وجود بھی ناقابل قبول ہوگا کہ جو' جسمانی معاد'' کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح جسمانی معاد اور رجعت وغیرہ جیسے ضروری اعتقادات بھی مخدوش ہوجائیں گے؟ عوالم سہ گانہ میں جسم کے تطورات کی تحقیق اور وحدت شخصیہ کے محفوظ اور صورت جسمیہ کے باقی رہتے ہوئے اور ہیولائے منضمہ کے فنا کے ساتھ دنیوی جسم کے اخروی جسم میں تبدیل ہونے کی کیفیت سے آگاہی اور آخرت میں نفس کی قدرت وتوانائیوں سے آشنا ہونا ''اخروی بدن'' کی حقیقت وماہیت کو واضح وروشن کردیتا ہے جس کے نتیجے میں مذکورہ بالا نظریات کو صحیح جانا جاتا ہے۔

۴۔ ''قیامت'' کا واقع ہونا، خداوند متعال کی طرف مکمل رجوع اور معاد کا برپا ہونا، عالم وجود کے عظیم ترین تغیرات میں سے ہے۔ دنیا میں بنیادی تبدیلی اور دگرگونی اور مرتبۂ ہستی کی اس صورت کا ابدی تداوم قیامت کی عظمت کو زیادہ آشکار کرتا ہے۔

حضرت امام خمینیؒ اپنی عرفانی نگاہ اور ربانی بیان کے ساتھ قیام قیامت کی زیبائی وحسن کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عوالم عقول مجردہ، انوار عالیہ، مُثل نوریہ اور طبیعت سافلہ میں سے کسی ایک میں بھی خداوند متعال کے نور عظمت وجلال کا مشاہدہ کرنے کی طاقت نہیں۔ پس اگر ''قہار'' ان پر اپنے نور عظمت وہیبت کے ساتھ تجلّی فرمائے تو ان سب کا وجود اس کی عظمت اور قہر کے نور میں فانی ہو جائے، سات آسمانوں کے ارکان زمین بوس ہو جائیں اور تمام موجودات عالم، اس کے جلال وہیبت سے مدہوش ہو جائیں۔ عظمت حق کے نور کی تجلّی کا دن کہ جب ذات کبریا کے نور اور تسلط کے پرتو میں تمام کا تمام دائرہ وجود نابود اور مستہلک ہو جائے گا۔ ''رجوع تام'' ''نزع مطلق'' احدیت مطلق اور مالک وقہار ومعید جیسے اسماء کی حکمرانی کے ظہور کا دن ہوگا۔ اور ''یوم الدین'' وہ دن ہے جب خداوند کے نور ہیبت وجلال کی تجلی کے ساتھ عوالم نازلہ ہوں اور عالم مجردات (عقول مقدسہ، ملائکہ مقربہ) یعنی تمام عوالم میں نزع مطلق اور رجوع تام واقع ہوگا اور قیامت کبریٰ برپا ہوگی۔

اس دن، نامۂ اعمال کھولا جائے گا اور اس خطاب ﴿اِقرء کتابك کفیٰ بنفسك الیوم علیك حسیبا﴾ کی گونج ہوگی۔ صفحۂ قلب، لوح نفس اور پورا عالم انسان کے نامۂ اعمال ہیں اور انسان کے تمام اعمال وافعال کہ جو اس کے وجودی لوازم ہیں ان میں لکھے جاتے ہیں۔ صراط، دنیا سے آخرت کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ اس کا ایک سرا عالم طبیعت کی طرف ہے اور دوسرا، عالم الوہیّت کی جانب، یہ ہم پر موقوف ہے کہ ہم کس راستے کا انتخاب کریں۔ انسانیت کے صراط مستقیم کا یا دائیں یا بائیں مڑ جانے والے راستے کا۔

صراط مستقیم کا باطن اسی دنیا میں ہے۔ اخروی صراط، دنیوی صراط کی تجلّی ہے۔ ﴿علی بن أبي طالب والأئمة من ولد فاطمة صراط الله فمن اباهم سلك السبل﴾ ولایت کی باطنی صورت ہی حقیقت صراط ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ہر موجود کی اپنی خاص صراط ہے ﴿الطرق الیٰ اللّٰہ بعدد انفاس الخلائق﴾۔ چونکہ ہر تعیّن میں ایک ظلمانی حجاب ہوتا ہے اور ہر وجود وانیّت میں ایک نورانی حجاب ہوتا ہے۔ اور انسان، تعینات اور وجودات کا جامع اور دوسرے ہر موجود سے زیادہ خداشناس کی نسبت مجحوب ہے۔ اس لیے انسانی صراط سب سے زیادہ طولانی اور تاریک ہے۔ نیز انسان کا رب، حضرت اسم اللہ اعظم ہے، اس لیے خود انسان کو اس راستے کے آخر میں مقام برزخیت کبریٰ تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی صراط سب سے زیادہ دقیق صراط ہے۔

۵۔ جہنم اور عذاب الیم کہ جس کا وجود تمام ادیان کی ضروریات میں سے ہے اور برہانی لحاظ سے جو واضحات میں شمار ہوتا ہے ہمیشہ سے انسان کے ذہن کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے اور انسان کو خوف زدہ کیے رکھتا ہے۔

ایسے عذاب الیم اور دردناک آگ کی ضرورت کیا ہے؟ ایسا عذاب اور ایسی آگ کہ جو خود اپنی حرارت کی شدت وسختی کی شکایت خداوند سے کرتی ہے اور رسول خداؐ، جبرائیل امینؑ جس کی صفات سن کر گریہ کرنے لگتے ہیں اور غمگین ہوجاتے ہیں۔ اگر ایک الٰہی حکیم وفلسفی اور عارف پورے جہان کو حق تعالیٰ کی رحمت رحمانیہ ورحیمیہ کی تجلی گاہ جانتا ہے اور خداوند متعال کو ''رحمان دنیا اور رحیم آخرت'' بلکہ ''دنیا کا رحمان اور دنیا وآخرت کا رحیم'' قرار دیتا ہے اور اس کے علاوہ نشئہ آخرت کو حکومت رحیمیّت کا روز طلوع اور اس کی سلطنت کے ظاہر ہونے کا دن جانتا ہے تو وہ کس طرح جہنم اور اس کے عذاب کی تفسیر کرتا ہے؟ یہ توجیہہ حضرت امام خمینیؒ کے عرفانی بیان اور رحمانی نظریئے میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

جہنم کی باطنی صورت، لطیف اور رحمت الٰہی ہے کہ جو گناہ گار مومنین کو خالص کرنے اور انہیں ابدی سعادت تک پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے۔ جہنم ان لوگوں کیلئے غضب کی شکل میں رحمت ہے کہ جو ابدی سعادت تک پہنچنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ اگر جہنم میں انجام پانے والے تطہیرات وتخلیصات نہ ہوتے تو یہ لوگ ہرگز سعادت تک نہ پہنچ پاتے۔ جہنم کی آگ، انسان کے رخسار

فطرت سے اجنبی و تاریک نقش و نگار مٹا کر، اہل توحید گناہ گاروں کو شفاعت و مغفرت کے درجے پر فائز ہونے کے قابل بناتی ہے۔اور جوار قرب الٰہی کا راستہ ان کے سامنے کھولتی ہے۔

قیامت کے مواقف اور برزخیں، ایسے دارالشفاء کی مانند ہیں کہ جہاں گناہگار مؤمنوں کے نفسانی و روحانی امراض کا آگ اور عذاب جیسی تلخ دوا کے ذریعے علاج کیا جاتا ہے تاکہ ان کے ضمیر کی لوح سے گناہ کی ظلمت اور تاریک گرد و غبار صاف ہو جائے۔ اگر انسان اپنے اعمال و کردار کے ذریعے یہ آگ نہ بھڑکاتا تو جہنم بھی سرد ہوتی۔ ہماری روایات کے مطابق انبیاء اور ائمہ علیہم السلام سے منقول ہے کہ جب ہم صراط سے گزرے تو آتش جہنم بجھی ہوئی تھی ﴿جزنا وھی خـامدة﴾ چونکہ خمود (آگ کا بجھنا) خود انسان کے ذریعے شروع ہوتا ہے۔ جب جہنم خود انسان میں ہی بجھا ہوا ہو، تو اخروی جہنم بھی بجھ جاتا ہے۔ برزخ اور قیامت کی تاریکیاں اور وحشتیں، انسان کے باطل عقائد اور برے اخلاق کے ظلمانی سائے کے سوا کچھ نہیں۔اگر بنی نوع انسان کے اعمال نہ ہوتے اور ہمارے برے اعمال کی غیبی صورتیں نہ ہوتیں تو کوئی جہنم بھی نہ ہوتی اور پورے کا پورا عالم غیب سرد و سالم ہوتا۔

انسان جب تک عالم دنیا میں ہے عبادات اور دوسرے نیک کاموں کے ذریعے تمام نفسانی امراض کی اصلاح کرسکتا ہے خواہ وہ نفس میں اپنی جڑیں پکی ہی کیوں نہ کر چکے ہوں اور ملکہ بن چکے ہوں، لیکن اگر وہ برے ملکات، خبیث اوصاف کے ساتھ عالم آخرت میں منتقل ہو تو اس صورت میں اگر اس کی ذات اور باطن کے اندر نور فطرت اور ایمان محفوظ ہو لیکن اصلاح و تزکیہ اور تصفیۂ نفس اس کے اختیار سے نکل گیا ہو بلکہ بدن سے روح کے نکلنے سے پہلے ہی انسان سے اختیار سلب ہو جائے تو پھر اس کی اصلاح کیلئے دوسرے طریقے استعمال کیئے جاتے ہیں۔ مثلاً قبض روح اور حالت احتضار کی سختیاں اور فشار، ملائکہ مؤکلہ کی رؤیت سے وحشت اور اسی طرح دوسرے عذاب قبر وغیرہ سے (اس کی اصلاح کا امکان باقی رہتا ہے) اگر ان برزخی سختیوں اور تکلیفوں سے اس کے نفس کی کدورت ختم ہوگئی تو وہ سعادت قیامت تک پہنچ جائے گا اور

شافعین علیہم السلام کی عنایات کے سائے میں اپنے مقام موعود پر فائز ہو جائے گا اور اگر خدانخواستہ یہ کدورت نفس (یہاں بھی) زائل نہ ہو سکی تو پھر اسے قیامت کے عذاب اور اس کے پنجاہ گانہ مواقف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر ان ہولناک مواقف میں بھی اس کے نور فطرت نے غلبہ حاصل نہ کیا تو آخرکار اسے جہنم میں جانا پڑے گا۔ پس اسے جہنم کے مختلف عذابوں اور طبقات میں محبوس کرلیا جائے گا تاکہ اس کے باطن نفس اور فطرت کا گردوغبار صاف ہو جائے۔ اور اسے فطرۃ اللہ کے خالص طلا و جواہر کہ جو دار کرامت کے لائق ہیں، حاصل ہو جائیں۔

۶۔ تجسّم اعمال اور تجسّم اخلاق ان امور میں ہے جو اہل نظر و محققین کے نزدیک مسلّم ہیں۔ بعض روایات تو تجسّم عقائد پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ ہر اچھے اور برے عمل اور خلق کی عالم ملکوت وغیب میں ایک غیبی ملکوتی صورت ہوتی ہے۔ پس صحیح اعمال و صحیح اعتقادات نورانی صورت میں اور برے اعمال و باطل اعتقادات، ظلمانی و قبیح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اپنے فاعل کو یا خوشی وسرور عطا کرتے ہیں یا غم واندوہ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

کیا سب دنیوی اعمال، ملکوتی حیات حاصل کر کے بارگاہ الٰہی میں مقبول واقع ہوتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت امام خمینیؒ ایک اہم اور لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جان لینا چاہیئے کہ ظاہری صوری اعمال اس وقت تک ملکوت میں مقام غیب وحشر کے لائق نہیں ہوتے جب تک انھیں باطن روحانیت اور لباب قلب سے مدد نہ پہنچے اور انھیں حیات ملکوتی نہ بخشی جائے۔ وہ روحی نفخہ، کہ ''خلوص نیّت'' و ''نیّت خالص''، جس کی صورت ہے، روح و باطن کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی تابعیّت میں جسد بھی ملکوت میں محشور ہوتا ہے اور قبولیّت کے لائق بن جاتا ہے۔

'نیّت'، عمل کی فعلی صورت وملکوتی جنبہ ہے۔ اس حدیث میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ ﴿النیّة أفضل من العمل الا وانّ النیّة هي العمل﴾ نیت، عمل سے افضل ہوتی ہے، بلکہ

عمل کی تمام تر حقیقت نیت ہی ہوتی ہے۔ نیت، عمل کی صورت کامل اور اس کا نچوڑ ہے۔ اعمال کے نقص و کمال اور صحت و فساد کا دارومدار اسی پر ہے۔ چنانچہ ایک ہی عمل، نیت کی وجہ سے، کبھی تعظیم شمار ہوتا ہے اور کبھی توہین، کبھی ناقص، کبھی کامل اور کبھی ملکوت اعلیٰ میں سے خوبصورت و زیبا صورت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی ملکوت اسفل سے وحشتناک و دہشت آور صورت میں بدل جاتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ انسان کے اعتقادات، اعمال اور اخلاق کی غیبی صورت تھی۔ لیکن خود ''انسان'' کس صورت میں مبعوث اور محشور ہوگا؟

جس طرح انسان دنیا میں ایک ملکی دنیوی صورت رکھتا ہے کہ جسے خداوند تعالیٰ نے حسن وخوبصورتی کے کمال اور ترکیب بدیع کے ساتھ خلق فرمایا ہے۔ اسی طرح اس کی ایک ملکوتی وغیبی شکل ہوتی ہے اور وہ صورت، عالم بعد الموت میں خواہ وہ قیامت ہو یا برزخ ملکات نفس اور خلق باطن کے تابع ہوتی ہے۔

دنیا میں انسان اتفاقاً یا قوت ماسکہ کی شدت کی وجہ سے روحی اخلاق کو ظاہر ہونے سے روک سکتا ہے۔ لیکن یہ حفاظت چونکہ جبری اور خلاف طبیعت ہوتی ہے اس لئے لامحالہ ایک دن ختم ہو جائے گا۔ آخرت میں کہ جو حقائق کے ظاہر ہونے اور رازوں کے منکشف ہونے کا دن ہے، نفس کی قدرت، قوت ماسکہ پر غلبہ حاصل کرے گی۔ لہذا لامحالہ باطن میں پوشیدہ امور ظاہر ہو جائیں گے اور راز فاش ہو جائیں گے۔ یہ سب رشح وسرایت کے ذریعے نہیں ہوگا بلکہ علیّت ومعلولیت کے ذریعے اور روح کے احدی التعلق ارادے کے ذریعے ہوگا۔ آخرت میں اظہار کو روکنا ممکن نہیں ہوگا وہاں انسان کے تمام روحانی امور ظاہر اور تمام راز، برملا ہو جائیں گے۔ اور مختلف طرح کے ملکوتیوں کی شکلیں اور صورتیں ملکوتی ہو جائیں گی۔ آخرت میں انسان کی ظاہری صورت اور مقام جسمانیت، روحانی صورت اور مقام نفس کے تابع ہوگا اور نفس کی غیبی و باطنی قوتیں (مثلاً قوت عاقلہ، واہمہ، غضبیہ اور شہویہ)، تمام اچھے و برے ملکات کا سرچشمہ اور تمام

ملکوتی و غیبی صورتوں کا سرچشمہ ہوں گی۔ پس ان قویٰ میں سے ہر ایک قوت کے مملکت بدن پر غلبہ وتسلط کے مطابق، اور اس کے ساتھ تناسب رکھنے والی صورت متعیّن ہو جائے گی۔ لہذا اگر انسان کے باطنی اخلاق اور ملکات انسانی ہوں گے تو اس کی ملکوتی صورت بھی، انسانی ہوگی۔ لیکن اگر اس کے ملکات غیر انسانی ہوئے تو اس کی صورت انسانی نہیں ہوگی بلکہ انہی ملکات کے تابع ہوگی۔

البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ دو یا چند قویٰ کی ترکیب سے، ملکوتی صورتیں تشکیل پائیں اور ایسی صورت بن جائے جو مختلف صورتوں سے مرکب اور مختلف قوتوں کے مطابق ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ انسان آخرت میں، آن واحد میں ایک سے زیادہ صورتوں کا حامل ہو یا ہر حالت میں، اسی حالت کے تناسب سے اس کی صورت ہو۔ کیونکہ آخرت دنیا کی مانند نہیں کہ ایک چیز، ایک سے زیادہ صورتوں کو قبول نہ کر سکے۔

حق تعالیٰ کی بارگاہ پر کرامت میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور حضرت امام خمینیؒ کے تمام پیروکاروں اور حقیقی اسلام کے عاشقوں کو ان عظیم معارف کو عملی شکل دینے کی توفیق وسعادت عنایت فرمائے اور اپنے لقاء کا شوق ہمارے اندر پیدا کرے۔ اور ہماری موت وزندگی، اس نفس مطمئنہ اور روح الٰہی کی موت وزندگی کے مانند بنا دے اور محشر کے دن، اس کی ولایت وشفاعت اور معصومین علیہم السلام کی شفاعت اور ارحم الراحمین کی شفاعت ہمارے شامل حال ہو۔

﴿سلام علیہ یوم ولد و یوم مات و یوم یبعث حیا﴾

زیرنظر کتاب کی خصوصیات

۱۔ یہ کتاب مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ کے معاون تحقیقاتی ادارے کی ''معارف اسلامی کمیٹی''، نے مرتب کی ہے۔ اس کی سولہ فصلیں ہیں۔

۲۔ اس کتاب کو مرتب کرنے میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ ہر عنوان کو حضرت امام خمینیؒ کی

تمام کتابوں سے مکمل طور پر تلاش کیا جائے۔ لیکن جو کچھ یہاں پیش کیا گیا ہے وہ ہر موضوع کے بارے میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریات کا جامع خلاصہ ہے جو خاص خاص نظریات و آراء کے اصلی نکات پر مشتمل ہے۔ لہذا ممکن ہے کسی محقق یا قاری کو اسی قسم کے مطالب آپ کی کسی دوسری کتاب میں بھی نظر آئیں کہ جنہیں ہم نے فقط تکرار سے بچنے کی خاطر یہاں ذکر نہیں کیا۔

۳۔ خداوند تعالیٰ کے فضل اور مدد سے ادارے نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں حضرت امام خمینیؒ کے ان کلامی و فلسفی نظریات و آراء کو شائقین کی خدمت میں پیش کرے جو آپ نے ''اسفار اربعہ'' کی تدریس کے دوران بیان فرمائے ہیں اور جو ابھی تک نشر نہیں ہو سکے ہیں۔ یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ان مباحث کا اصلی منبع حضرت امام خمینیؒ کے دروس ہیں جن کو حجۃ الاسلام والمسلمین ملا عبدالغنی اردبیلیؒ نے تقریرات کی صورت میں تحریر کیا ہے اور ضروری فنی وادبی اصلاحات کے بعد یہاں ذکر کی گئی ہیں۔ مذکورہ اصلاحات میں پوری طرح کوشش کی گئی ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کا اصل کلام و بیان محفوظ رہے۔

ان دروس کا اصلی محور نفس، تناسخ اور معاد جسمانی جیسے مباحث تھے جو تقریباً سب کے سب اس کتاب میں پیش کیئے گئے ہیں اور دوسرے مطالب بھی موضوع کی مناسبت سے موضوعی کتب کے سلسلے ''تبیان'' کی دوسری کتابوں میں، عدل، ولایت، نبوت اور توحید کے عناوین کے تحت خواہشمند حضرات کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ اس کتاب کی فصلوں اور ہر فصل کے تحت عناوین کی ترتیب، بحث معاد کے بارے میں فلسفی و کلامی کتابوں کی ترتیب اور خود حضرت امام خمینیؒ کی طرف سے پیش کیئے گئے مطالب کی ترتیب کے مطابق ہے۔ آپ نے ''معاد'' کے موضوع پر کوئی جداگانہ کتاب نہیں لکھی بلکہ زمان و مکان کی ضرورت کے مطابق اور موضوع کی مناسبت سے، اپنی مختلف کتابوں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہذا مطالب کا انتخاب اور اس کتاب کی ترتیب، مرتبین کے ذوق کے مطابق ہے۔

۵۔ بعض فصول میں معاد کے بارے میں کچھ اشکالات اور شبہات کی طرف صراحت کے

ساتھ اشارہ ہوا ہے اوران کا جواب دیا گیا ہے۔ لیکن بعض سوالات وشبہات کا جواب حضرت امام خمینیؒ کے بیان کردہ مطالب کے ضمن میں لایا گیا ہے۔ اور اصل سوال پیش نہیں کیا گیا۔ کیونکہ سلسلہ ''تبیان'' کی کتابوں میں اصل بنیاداس بات پر رکھی گئی ہے کہ ان میں صرف حضرت امام خمینیؒ کے بیان کردہ مطالب پیش کیئے جائیں۔ اور کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ لہذا اس قسم کے اضافات کو حاشیہ میں درج کیا گیا ہے جس سے بعض موضوعات زیادہ واضح ہو گئے ہیں۔ ان مطالب کا مکمل ادراک قارئین پر اوران کی وضاحت وشرح اور تفسیر محققین اور اسلام شناس حضرات پر چھوڑ دی گئی ہے۔

آخر میں ہم ''معارف اسلامی کمیٹی'' کے تمام اراکین کا شکریہ ادا کرنا ضروری جانتے ہیں جن کی محنت وکوشش سے یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے۔

ادارۂ تنظیم کتب موضوعی

پہلی فصل:

معاد، زندگی کا دوام اور استمرار

معاد کی عمومیّت

جان لو کہ عالم غیب وشہادت اور دنیا وآخرت کے موجودات میں سے ہر ایک کیلئے ایک مبدا ہے اور ایک معاد، اگر چہ مبداء کل اور مرجع کل ذات الٰہی ہے۔ لیکن چونکہ اسماء کے پردے کے بغیر موجودات عالیہ یا سافلہ پر ذات مقدس حق تعالیٰ جل وعلا کی بالذات کوئی تجلی نہیں اور اس مقام کے مطابق جو ایک بے اسم و بے رسم ''لامقامی'' ہے اور اسمائے ذاتی، صفاتی وافعالی سے متصف نہیں اور موجودات میں سے کسی ایک کو بھی اس سے نہ کوئی تناسب ہے اور نہ ہی کسی قسم کے ارتباط واختلاط کی گنجائش۔ ﴿أین التّراب وربّ الأرباب﴾ (خاک کہاں، رب الارباب کہاں) چنانچہ اس لطیف نکتہ کی تفصیل ہم نے ''مصباح الهدایۃ'' میں تفصیل سے بیان کر دی ہے۔ پس اس کی ذات مقدس کی مبدائیت ومصدریت اسماء کے حجاب میں ہے اور اس کا اسم، اس کا عین مسمیٰ ہونے کے باوجود، اس کا حجاب بھی ہے۔ لہذا عالم غیب وشہادت میں تجلی، اسماء کے مطابق اور اسماء ہی کے پردے میں ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور علمی میں ذات مقدس الٰہی کے اسماء وصفات کے جلوہ میں تجلیات ہیں کہ جن کو اہل معرفت ''اعیان ثابتہ'' کہتے ہیں۔ بنابریں ہر تجلی اسمی کیلئے حضور علمی میں ایک ''عین ثابتہ'' ضروری ہے اور ہر اسم کیلئے تعین علمی کے ساتھ مرحلہ خارجیہ میں ایک مظہر ہے کہ جس کا مبدا ومرجع وہی اسم ہے جو اس سے تناسب رکھتا ہے اور عالم کثرت کی موجودات میں سے ہر موجود کی بازگشت جس غیب اسم کی طرف ہوتی ہے اور جو اس کا

مبدا و مصدر ہے، وہی اس کی ''صراط مستقیم'' ہے۔ پس ہر ایک کیلئے ایک مخصوص ''سیر و صراط'' ہے اور ایک مبدا و مرجع ہے جو طوعا و کرہاً، حضرت علم میں مقدر ہے اور مظاہر و صراط کا اختلاف، ظاہر اور حضرات اسماء کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ [1]

انسان کی دنیوی و اخروی زندگی

انسان کی دو زندگیاں ہیں: ایک مادی و دنیوی زندگی کہ جو اس جہاں میں ہے اور دوسری روحانی و اخروی زندگی کہ جو دوسرے جہان میں ہے، ان دونوں زندگیوں میں سے ہر ایک کے اپنے خاص وسائل ہیں جن کے حصول کیلئے انسان کو کوشش کرنا پڑتی ہے۔ فلسفۂ اولیٰ، قرآن کریم اور تمام انبیاءؑ کی تعلیمات سے ثابت ہے کہ اس دنیا کا ساز و سامان اور وسائل اسی دنیا میں آمادہ کرنے چاہئیں۔ اور اس دعوے کے اثبات کیلئے انبیاءؑ کی روحانی تعلیمات ہی کافی ہیں۔ [2]

دنیوی زندگی، اخروی زندگی کا پیش خیمہ ہے

ہر باشعور شخص کی عقل کہتی ہے کہ اس بچگانہ زندگی کے علاوہ ایک اور عظیم جہان بھی ہے اور خداوند نے طبیعت کے ان بچوں کو اس زندگی کیلئے خلق فرمایا ہے۔ اور اس جہان کا ساز و سامان آمادہ کرنے کیلئے کچھ راہنما بھیجے ہیں۔ اور یہ الٰہی قوانین اسی جہان کی زندگی کے وسائل کی فراہمی کیلئے ہیں۔ اگرچہ دنیا کی زندگی کیلئے بھی کچھ قوانین بنائے گئے ہیں۔ لیکن اصلی مقصد اس جہان آخرت کی ابدی زندگی (کے مقصد کو) پورا کرنا ہے۔ اسی لیے خداوند متعال نے اس دنیا کی زندگی کو اپنی کتاب میں 'لہو و لعب' [3] اور بچگانہ کام کہا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ [4]

۱۔ آداب نماز، ص ۲۹۳۔۲۹۲ ۲۔ کشف الاسرار، ص ۳۱۱۔۳۱۲

۳۔ 'انما الحیوٰة الدنیا لعبٌ ولهو' (تحقیق دنیا کی زندگی، کھیل تماشا ہے)۔ سورۂ محمد/۳۶۔

۴۔ کشف الاسرار، ص ۳۰۴۔

حس پسندی کی وجہ سے معاد کا انکار

مادہ پرستوں نے اپنے تصور کائنات میں ''حس'' کو معیار شناخت بنا رکھا ہے جو چیز ''محسوس'' نہ ہو اسے وہ علم کی قلمرو سے خارج سمجھتے ہیں اور ہستی کو مادہ کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ جو چیز مادی نہ ہو اسے موجود ہی نہیں جانتے۔ لہذا وہ لوگ عالم غیب، مثلاً وجود خداوند متعال، وحی و نبوت اور قیامت کو محض ایک افسانہ خیال کرتے ہیں۔ جبکہ الٰہی تصور کائنات میں ''حس و عقل'' دونوں ہی شناخت کے ذرائع ہیں اور جو چیز معقول ہو وہ قلمرو علم میں داخل ہے چاہے محسوسات میں سے نہ ہو۔ لہذا ہستی میں غیب و شہادت دونوں شامل ہیں غیر مادی چیز بھی موجود ہو سکتی ہے۔ جس طرح مادی چیز مجرد (معقول) کے سہارے قائم ہے اسی طرح حسی شناخت کا انحصار بھی عقلی شناخت پر ہے۔ [1]

اخروی زندگی کی طرف جبری حرکت

انسان کو اس طور پر خلق کیا گیا ہے کہ وہ طبیعی حیات کے علاوہ ایک مابعد الطبیعات زندگی بھی رکھتا ہے اور وہ مابعد الطبیعات زندگی ہی انسان کی حقیقی زندگی ہے۔ دنیا میں فقط حیوانی زندگی ہے۔ اسی لیے لوگ صحیح راستہ تلاش کرنے کیلئے وحی کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ اور خداوند متعال نے بھی لوگوں پر احسان کرتے ہوئے انبیاءؑ مبعوث فرمائے ہیں تا کہ وہ انھیں راستہ دکھائیں۔ انبیاء کرامؑ کی تمام تعلیمات کا مقصد انسان کو وہ راستہ دکھانا ہے جسے انسان کو بہر حال عبور کرنا ہے۔ انسان اس عالم طبیعت سے ایک دوسرے عالم کی طرف جانے پر مجبور ہے۔ [2]

دنیا راستہ ہے اور ماورائے دنیا منزل

انبیاءؑ کے نزدیک یہ دنیا وسیلہ ہے، ایک راستہ ہے۔ ایک ایسی اعلیٰ منزل تک پہنچنے کا راستہ

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۲۱ ص ۲۲۰۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج ۹ ص ۱۱۔

ہے جسے خود انسان نہیں جانتا۔ لیکن انبیاءؑ جانتے ہیں۔ وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ اگر انسان کو ہر طرح کی آزادی دے دی جائے تو اس کا انجام کیا ہوگا اور اگر اسے کسی حد تک پابند بنایا جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

وہ تمام امور جو ان (دنیوی) حکومتوں کی نظر میں منزل ہیں انبیاءؑ کی نظر میں راستہ ہیں۔ انبیاءؑ کی نظر میں خود یہ دنیا مقصد و مراد نہیں۔ اور نہ ہی منزل ومحراب ہے بلکہ محض ایک راستہ ہے کہ اس کے ذریعے اس مرتبے تک پہنچنا ہوتا ہے جو انسان کا عالی ترین مرتبہ ہے۔ اگر کوئی انسان، اس اعلیٰ انسانی مرتبے تک پہنچ جائے تو یہ اس کیلئے سعادت ہے۔ اور اس کی یہ سعادت دنیوی زندگی تک محدود نہیں اسی دنیا میں بھی سعادت ہے لیکن منحصر نہیں، اس جہاں کے علاوہ ایک دوسرا جہاں بھی ہے۔ انبیاءؑ نے مابعد الطبیعات کو دیکھا ہے عالم غیب کہ جو فی الحال ہمارے لیے مجہول ہے انہوں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ [۱]

انسانی معاد اور دیگر موجودات کے معاد میں پایا جانے والا فرق

خلقت انسان کی غایت ''عالم غیب مطلق'' ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے: ﴿يَا ابْنَ آدَمَ خَلَقْتُ الْأَشْيَاءَ لِأَجْلِكَ وَخَلَقْتُكَ لِأَجْلِي﴾ [۲] اور قرآن شریف میں حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ [۳] اور فرمایا: ﴿وَأَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ [۴]

پس انسان، مخلوق ''لاجل اللہ'' ہے اور اسی ذات مقدس کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور موجودات

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۱۱ص ۴۵۰۔

۲۔ ''اے فرزند آدم! میں نے ہر چیز کو تیرے لیے اور تجھ کو اپنے لیے پیدا کیا ہے''۔ علم الیقین، ج ۱ص ۳۸۱۔

۳۔ اور ہم نے تم کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔ سورۂ طٰہٰ ر ۴۱۔

۴۔ اور ہم نے تم کو منتخب کر لیا۔ سورۂ طٰہٰ ر ۱۳۔

کے درمیان وہی مصطفیٰ ومختار (منتخب اور چنا ہوا) ہے۔ اس کی سیر کی انتہا باب اللہ، فنا فی اللہ اور عکوف فی فناء اللہ ہے اس کی بازگشت الی اللہ، من اللہ، فی اللہ اور باللہ (اللہ کی طرف، اللہ سے، اللہ میں اور اللہ کے وسیلہ سے) ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ﴾[1] دوسرے موجودات انسان کے توسط سے ''اللہ'' کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا مرجع ومعاد انسان کی طرف ہے۔ چنانچہ زیارت جامعہ میں مقامات ولایت کا کچھ تذکرہ فرمایا ہے جس میں آیا ہے کہ: ﴿وَإِيَابُ الخَلْقِ إِلَيْكُم، وَحِسَابُهُم عَلَيْكُم﴾ اور فرماتے ہیں: ﴿بِكُم فَتَحَ اللهُ، وَبِكُم يَخْتِم﴾ [2،3]

عوالم وجودیہ کا مرجع ومعاد

احتمال ہے کہ امامؑ کا یہ کلام کہ جس میں آپؑ نے فرمایا: ممازجت واختلاط کے ذریعے بازگشت ہے نہ مجاورت وہمجواری کے ذریعے[4] اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جو بعض بزرگان

۱۔ بے شک ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ سورۂ غاشیہ/۲۵۔

۲۔ 'مخلوقات کی بازگشت آپ کی طرف اور ان کا محاسبہ آپ پر ہے..... خدا نے آپ کے سبب سے (خلقت کا) آغاز کیا اور آپ ہی پر ختم کرے گا'۔

من لایحضرہ الفقیہ، ج۲ ص۳۷۰۔۳۷۵ باب ۲۲۵۔ زیارت جامعہ کبیرہ۔

۳۔ آداب نماز، ص۲۶۳۔

۴۔ امیر المؤمنینؑ سے منقول حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ جسے قاضی سعید قمی نے 'فوائد الرضویہ' میں ذکر کیا ہے:

﴿..... فقال: ما النفس الحيوانية؟ قال عليه السلام: قوة فلكية وحرارة غريزيّة، اصلها الافلاك، بدء ايجادها عند الولادة الجسمانية، فعلها الحياة والحركة والظلم والغسم والغلبة واكتساب الاموال، والشهوات الدنيويّة، مقرها القلب، وسبب فراقها اختلاف المتولّدات، فاذا فارقت عادت الى مأمنه، بدأت عود ممازجة لاعود مجاورة فتعدم صورتها ويبطل فعلها ووجود ما فيضمحل تركبها.....﴾۔

التعلیقۃ علیٰ شرح فوائد الرضویہ، ص ۱۱۰ حدیث، کلمات مکنونہ فیض کاشانی، ص۶۷ پر بھی موجود ہے۔

حکمت وفلسفہ[۱] کے نزدیک ثابت ہے۔ مادہ میں ڈوبے ہوئے قویٰ کا معاد، جب تک تجردخیالی تک نہ پہنچ جائے، عالم عقل کے ساتھ اتصال کے ذریعے، تحقق پذیر ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوزے کے اندر کا پانی دریا کے قریب پہنچتا ہے تو جب کوزہ ٹوٹتا ہے اس کا پانی تو دریا سے متصل ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس، وہ قویٰ کہ جو تجردخیالی کے ذریعے مجرد ہوئے ہیں اور وہ نفوس ناطقۂ قدسیہ کہ جن کا رجوع وبازگشت عالم روحانیات کی طرف، ان کی فعلیات مجردیہ کے باقی رہنے سے ہے۔ ہماری نظر میں تمام وعالم وجود کا مرجع وجائے بازگشت، مرتبۂ غیب سے لیکر مراتب شہود تک اطلاق وجود اور عدم محض کو وجہ سے ہے کہ جو حقیقت کے طلوع شمس اور سلطنت وحدانی کے ظہور اور مالکیت مطلق کے وقت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ چونکہ مقام مالکیت، مقام قبض وجود ہے جیسا کہ مقام روحانیت ورحیمیت، مقام بسط وجود اور بسط کمالات وجود ہے۔[۲]

انسان کامل کے توسط سے موجودات کا معاد

علوم الٰہیہ میں ثابت ہوچکا ہے کہ تمام موجودات کی معاد ایک انسان کامل کے توسط سے وجودِ

۱۔ فتوحات مکیہ، ج ۳ ص ۱۲۔ اسفار، ج ۹ ص ۲۵۲۔

۲۔﴿ویتحمل أن یکون قوله: "عَوْدُ مُمَازِجَةٍ لاعَودُ مُجاوِرَةٍ" اشارة الیٰ ما هو المحقق عند بعض أساطین الحکمة، أنّ القوی المنغمرة في المادة مالم تتجرّد تجرّد الخیال، معادها یکون بالاتصال الی العالم العقليّ، اتّصال الماء الذي في الکیزان علیٰ شاطئ البحر اذا انکسرت الکیزان واتّصل الماء بالبحر، بخلاف القوی المجرّدة تجرداً خیالیاً والنّفوس القُدسیّة النطقیّة فانّ رجوعها الیٰ عوالم الروحانیات مع بقاء فعلیّاتها التجرّدیّة، وعندنا کلّ العوالم الوجودیّة، من المراتب الغیبیّة والشهودیّة، مرجعها الی الاطلاق الوجوديّ والعدم المحض عند طلوع شمس الحقیقة وبروز سلطنة والوحدانیّة والمالکیّة المطلقة، فانّ مقام المالکیّة مقام قبض الوجود، کما أنّ مقام الرحمانیة والرحیمیّة مقام بسطه وبسط کماله﴾۔

تعلیقة علی الفوائد الرضویہ، ص ۱۰۸، ۱۰۷۔

میں آتی ہے: ﴿کَمَا بَدَأَكُم تَعُودُونَ﴾[1] ﴿بِكُم فَتَحَ اللّٰه وَبِكُم يَختِمُ﴾ ﴿وَاِيَابُ الخَلقِ اِلَيكُم﴾[2]، [3]۔

انسان کامل کے توسط سے ایجاد اورموجودات کی معاد

تمام موجودات کی خداوند متعال کی طرف بازگشت، ولی مطلق، صاحب نفس کلی الٰہی اور صاحب مرتبۂ عقل کے توسط سے ہے۔ اور موجودات انسان کامل کے قویٰ، ابزار و آلات اور شاخوں کی مانند ہیں۔ پس جس طرح بارگاہ غیب میں موجودات کی ایجاد کی ابتدا، بارگاہ شہادت میں، ربّ انسان کامل کے توسط سے اور خود انسان کامل کے ذریعے ہوئی ہے، اسی طرح ان کی بازگشت اور خاتمہ بھی اسی ترتیب سے ہے۔ اسی لیے، امت کی استقامت رسول اللہؐ کی استقامت ہے اور خود آنحضرتؐ سے خداوند متعال کے اس فرمان: ''پس استقامت کرو جس طرح تمہیں فرمان دیا گیا ہے''[4] کے بارے میں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: 'سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے'[5] اور یہ سب اسی آیت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر امت کی استقامت کا مسئلہ نہ تھا تو آپ کا وجود مقدس تو خود استقامت کا معیار و میزان ہے۔[6]

۱۔ اسی طرح، جس طرح تم کو شروع میں پیدا کیا تھا واپس پلٹو گے۔ سورۂ اعراف ۲۹/۔

۲۔ خدا نے تم سے ابتدا کی ہے اور تمہیں پر انتہا کرے گا اور تمام مخلوق کی بازگشت تمہاری طرف ہے۔

۳۔ آداب الصلاۃ، ص ۱۳۹۔

۴۔ ﴿فَاستَقِم كَمَا أُمِرتَ﴾ سورۂ ہود ۱۱۲/۔

۵۔ ﴿شَيَّبَتنِي سُورَةُ هُود﴾ مجمع البیان، ج ۳ ص ۱۹۹۔ الکشاف، ج ۲ ص ۲۹۵۔ تفسیر بیضاوی، ص ۳۰۷۔

۶۔ ﴿أنّ عود الموجودات الى الله تعالىٰ بتوسّط الولي المطلق صاحب النّفس الكليّة الالهيّة وواجد رتبة العقل، وأنّ الموجودات بمنزلة القوىٰ والآلات والمتفرّعات من وجود الانسان الكامل، فكما أنّ بدو ايجادها من الحضرة الغيب بتوسّط ربّ الانسان الكامل، وفي الحضرة الشهادة بتوسّط نفس الانسان الكامل، كذلك عودها وختمها، ولهذا كانت استقامة الأمّة استقامة رسول اللّٰه صلى الله عليه وآله وسلم

<--

عالم عقل سے اتصال کا حق کیطرف بازگشت کی شرط ہونا

عوالم نازلہ میں ظاہر شدہ عقل، ظاہر و مظہر کے اتحاد کے اعتبار سے ثواب وعقاب (جزا و سزا) کی مولّد قرار پاتی ہے اور ہر چیز کا معاد اسی کے توسط سے ہے۔ بلکہ تمام موجودات کا معاد، اسی کے معاد سے تحقق پذیر ہوتا ہے۔ پس موجودات جب تک عالم عقل تک نہ پہنچ جائیں اور اس میں فنا نہ ہو جائیں، اس وقت تک حق کی طرف بازگشت نہیں کریں گی۔ اگر چہ (دراصل) تمام کا معاد، انسان کامل کے توسط سے ہے کہ یہ عقل، اسی کی عقل کا ایک مرتبہ ہے۔[1]

معاد، اسی عالم میں تحول کا نام نہیں

'معاد' کوئی ایسی چیز نہیں کہ جو اسی طبیعت کے مرحلے میں واقع ہو۔ یہ معاد اور رجوع الی اللہ کا انکار اور عالم طبیعت کی تثبیت وتخلید ہے۔ امر معاد، شجر و درخت کے گل سڑ جانے اور مٹی ہو جانے اور پھر ان اجزا کا وقت گزرنے اور طبیعت کی تبدیلی وتغیر کے ساتھ ساتھ دوبارہ درخت وشجر کی صورت اختیار کرنے کی طرح نہیں۔ چونکہ درخت کا تغییر کرنا، دوسرے مرحلے میں جانے کی مانند نہیں۔ جبکہ تمام شرائع (آسمانی) میں یہ بات ضروریات (دین) میں سے ہے کہ معاد سے مراد ایک اور مرحلے اور فوق الطبیعہ، جہان کا اثبات ہے۔ اور لفظ معاد کے معنیٰ بھی ''عود الی اللہ'' کے

<-- وورد منه ؐ عند قوله تعالیٰ. في سورة هود. ﴿فَاسْتَقِم كَمَا أُمِرت﴾ ﴿شَيَّبَتْني سُورَةُ هُود﴾ لمكان هذه الآية، والاّ فهوؐ بوجود المقدس ميزان الاستقامة۔

تعلیقۃ علی الفوائد الرضویۃ، ص۱۰۹۔

۱۔ ﴿العقل الظاهر في العوالم النازلة يثاب ويعاقب باعتبار اتحاد الظاهر والمظهر، ومعاد كلّ شيء بتوسط، بل بمعاده: فانّ الاشياء الكونيّة لاتعود الى الحق مالم تصل الى العالم العقلي، أو تفنى فيه: وان كان معاد الكلّ بتوسط الانسان الكامل الذي كان العقل هو مرتبة عقله﴾۔

مصباح الہدایہ، ص۷۱۔

ہیں۔ معاد کو ''عود الی اللہ'' جاننا، اس قربت کی وجہ سے ہے کہ جو وہ مرحلہ عالم الوہیت سے رکھتا ہے۔ بعض آیات میں ''رجعت'' کی جس تعبیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اسی مناسبت سے ہے

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجِعُون﴾[۱] ﴿کَما بَدَأکُم تَعُودُون﴾[۲،۳]

قرآن کتاب دعوت ہے وہ انسان کو اصل حقائق کی طرف بلاتی ہے۔ اور ان دینی عقائد کو بیان کرتی ہے جو دنیوی آرام وسکون، اصلاح اور درجات وجودی کی بلندی ورفعت اور اخروی کمال وسعادت میں مؤثر اور عام لوگوں کے شوق کا موجب ہیں۔ مثلاً علی الاطلاق الٰہی جزاء وسزا کی عدالت میں حاضر ہونے کا اعتقاد یا اعمال کے ثواب وعقاب کے ملنے کا اعتقاد جیسا کہ (آیۂ مجیدہ میں) فرمایا گیا ہے ﴿فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقالَ ذَرَّۃٍ خَیراً یَرَہ☆ وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقالَ ذَرَّۃٍ شَرّاً یَرَہ﴾[۴] یا عام لوگ جس زندگی سے آشنا ہیں اس کے ماوراء ایک زندگی کا اعتقاد۔ البتہ آئندہ کی زندگی کی کیفیت اور اموات کے احیاء اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کی وضاحت ایک ایسی بات ہے کہ جو ایک دعوت دینے والی کتاب کی ذمہ داری نہیں۔ بالخصوص ایسے مطالب کو بیان کرنا کہ جو فلسفی ومنطقی مقدمات کے محتاج ہیں۔

قرآن میں اصل معاد کا بیان

اگر قرآن ایک فائدہ مند، برحق عقیدہ پیدا کرنے کے علاوہ، اس کی کیفیت وماہیّت کے بارے میں بھی گفتگو کرتا تو مقدمات (فلسفی وعلمی) کی پیچیدگی اور عام لوگوں میں عدم استعداد اور فکری کمزوری کی وجہ سے، اصل بات رہ جاتی اور اصلی موضوع کے بارے میں عقائد بنانا اور انہیں پرورش دینا مشکل ہو جاتا۔ لہٰذا قرآن کا فقط اصل معاد کو بیان کرنا اور موت سے قبل والے جسم

۱۔ ہم خدا ہی کیلئے ہیں اور اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ سورۂ بقرہ/۱۵۶۔

۲۔ سورۂ اعراف/۲۹۔ ۳۔ تقریرات اسفار، ۔ ۴۔ پس جو کوئی ذرہ بھر نیکی بھی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا، اور جو کوئی ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ سورۂ زلزال/۸،۷۔

وہیکل اور شخصیت پر مبنی زندگی اور حیات کو پیش کرنا ہی کافی ہے۔ آیات میں بھی اس سے زیادہ وضاحت نہیں ملتی، کیونکہ مقصد تک پہنچنے کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ [1]

زندگی پر عقیدهٔ معاد کی تاثیر

اگر انسان یہ باور کر لے کہ اس عالم کا ایک مبداء ہے اور انسان سے ایک (دن) پوچھ گچھ ہوگی، ایک مرحلے کے بعد، مرنا، فنا نہیں، مرنا ایک نقص سے کمال کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے، تو یہ بات اسے ہر چیز سے اور ہر قسم کی لغزش سے، اس کی حفاظت کرے گی۔ [2]

عقیدهٔ معاد، مانع گناه هے

آیا ممکن ہے کوئی شخص جہنم اور اس کی آگ کے دائمی ہونے کا احتمال رکھتا ہو، اس کے باوجود برائی کا ارتکاب کرے؟ آیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی خداوند متعال کو حاضر و ناظر جانتا ہو، اپنے آپ کو محضر ربوبی میں دیکھتا ہو اور جانتا ہو کہ اس کے قول و فعل پر جزا و سزا ہے، حساب و عقاب ہے، اس دنیا میں وہ جو بھی بات کرتا ہے، جو بھی قدم اٹھاتا ہے، جو بھی عمل انجام دیتا ہے وہ لکھا جاتا ہے، خداوند کے رقیب و عتید ملائکہ اس کے نگران ہیں اور اس کے تمام اقوال و اعمال ثبت کرتے ہیں، ان سب باتوں کے باوجود وہ برے اعمال کے ارتکاب سے کسی قسم کا باک نہ رکھتا ہو؟ [3]

سفر آخرت کی فراموشی کے علل و اسباب

انسان جب تک اس بات پر متنبہ نہ ہو کہ وہ ایک مسافر ہے اور مسافر کیلئے سفر اور مقصد کا ہونا ضروری ہے اور (یہ سمجھنا بھی) ضروری ہے کہ وہ اس مقصد کی طرف حرکت کرنے پر مجبور ہے اور حصول مقصد (بھی) ممکن ہے (اس وقت تک) اسکے اندر عزم پیدا نہ ہوگا اور نہ وہ صاحب ارادہ

۱۔ تقریرات اسفار۔ ۲۔ تفسیر سورہ حمد، ص ۱۰۹۔ ۳۔ جہاد اکبر، ص ۵۰۔

ہوگا۔ یہ تمام امور وضاحت طلب ہیں۔ اور وضاحت کی صورت میں کلام طولانی ہو جائیگا۔

اور یہ بات جاننا چاہیئے کہ اس بیداری کا سب سے بڑا مانع جو مقصد کے بھولنے کا سبب اور ضرورت سفر کی فراموشی (کی سب سے بری علت) ہے اور جو انسان کے عزم وارادے کو مار ڈالتی ہے وہ انسان کا یہ گمان ہے کہ (ابھی) سفر کیلئے بہت وقت پڑا ہے۔ اگر آج منزل کی طرف نہ چلا تو کل چل پڑونگا اور اگر اس ماہ یہ سفر نہ کیا تو آئندہ ماہ کرلونگا۔ یہ لمبی امیدیں، طولانی توقعات، بقاء کا گمان، زندگی کی امید اور وقت کے وسیع ہونے کی امید، انسان کو اصل مقصد یعنی آخرت اور آخرت کی طرف سفر کی ضرورت اور زاد راہ اکٹھا کرنے سے روک دیتی ہے اور انسان بالکل آخرت کو بھول جاتا ہے اور وہ (اپنے) مقصد کو فراموش کر دیتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کسی کو دور دراز کا پر خطر سفر در پیش ہو وقت تنگ ہو اور ساز و سامان ضروری ہو، مگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے اصل مقصد کو بھول جائے۔ واضح سی بات ہے کہ اگر وہ اسے بھول جائے گا تو اسے زاد وراحلہ کی کوئی فکر نہیں ہوگی اور وہ زاد سفر کا انتظام نہیں کرے گا اور مجبوراً جب اسے سفر پر جانا پڑے گا تو سفر سے عاجز آ جائے گا راستے ہی میں گر پڑے گا، ہلاک ہو جائے گا اور منزل تک نہ پہنچ پائے گا۔

علم وعمل، زاد وراحلۂ آخرت ہے

پس اے عزیز! جان لو کہ ایک پر خطر لازمی سفر در پیش ہے جس کا توشہ وراحلہ علم اور نفع بخش عمل ہے۔ وقت سفر بھی معلوم نہیں کہ کس وقت یہ سفر کرنا ہوگا؟ ہو سکتا ہے یہ وقت بہت تنگ ہو اور موقع ہاتھ سے نکل جائے۔ انسان کو معلوم نہیں کہ کس وقت کوچ کا نقارہ بج جائے گا اور اسے مجبوراً سفر کرنا پڑ جائے گا۔ یہ طولانی امیدیں جو ہم لوگ رکھتے ہیں، یہ حبّ نفس اور شیطانی جال، اس ملعون کا شاہکار ہیں کہ جس نے ہم کو عالم آخرت سے اس طرح روک رکھا ہے کہ ہم کو اس کی کوئی فکر ہی نہیں۔ اگر ہم کو سفر کے خطرات اور موانع کا احساس تو ہو جائے لیکن ہم توبہ وانابت کے

ذریعے اپنی اصلاح کر کے حق کی طرف رجوع نہ کریں اور کسی بھی قسم کا زاد و راحلہ اکٹھا کرنے کی فکر نہ کریں تو اچانک موت آ جائے گی اور ہم کو بغیر زاد و راحلہ کے اور بغیر تیاری کے سفر پر مجبور کر دے گی۔ حالانکہ نہ ہمارے پاس عمل صالح ہوگا اور نہ علم نافع جبکہ اس دنیا کا دارومدار انہی دو چیزوں پر ہے۔ اور ہم نے کسی ایک کا بھی انتظام نہیں کیا ہوگا۔ اگر ہم نے کوئی عمل بھی انجام دیا ہوگا تو وہ خالص اور بغیر ملاوٹ کے نہیں ہوگا، بلکہ اس کے قبول ہونے کے ہزاروں موانع کے ساتھ اسے بجالائے ہونگے۔ اور اگر علم حاصل کیا ہوگا تو وہ بھی لاحاصل اور بے فائدہ علم ہوگا کہ خود یا تو لغو و باطل ہے یا آخرت کے راستے کیلئے رکاوٹ ہے۔

اگر ہمارا یہ علم و عمل سودمند ہوتا تو ہم سالہا سال سے جس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اس کا ہمارے اندر کچھ واضح اثر ہوتا۔ ہمارے اخلاق و اطوار میں کچھ فرق پڑ چکا ہوتا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے چالیس پچاس سالہ علم و عمل نے ہمارے دلوں پر برعکس اثر کیا ہے اور ہمارے قلوب کو سنگ خارا سے زیادہ سخت کر دیا ہے؟ نماز جو مؤمن کی معراج ہے، اس سے ہم نے کیا فائدہ حاصل کیا ہے؟ خوف و خشیت جو علم کا لازمہ ہے کہاں ہے؟ اگر ہم خدانخواستہ اسی حال میں مر گئے تو ہم بہت بڑے نقصانات اٹھائیں گے اور ہمیں بہت زیادہ حسرتوں کا سامنا ہوگا جو کبھی بھی زائل نہیں ہونگی۔

پس نسیان آخرت ان چیزوں میں سے ہے کہ اگر حضرت ولی اللہ اعظم امیر المؤمنین علی علیہ السلام اس کی وجہ سے یعنی ہماری ''لمبی امیدوں'' [1] سے ہمارے بارے میں ڈرتے تھے تو وہ حق بجانب تھے، کیونکہ ان حضرتؑ کو معلوم تھا کہ یہ سفر کتنا پرخطر ہے اور انسان کو چاہیئے کہ ایک لحظہ کیلئے چین

۱۔ حضرت امیرؑ کے اس کلام کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں آپؑ نے فرمایا: ﴿انما اخاف علیکم اثنین: اتباع الهوی وطول الامل. اما اتباع الهوی فانّه یصدّ عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرة﴾
یعنی میں تمہارے بارے میں دو چیزوں سے ڈرتا ہوں، ہوائے نفسانی کی پیروی اور لمبی امیدیں۔ ہوائے نفسانی کی پیروی تمہیں حق سے روک دے گی اور لمبی آرزوئیں، آخرت کی فراموشی کا سبب بنتی ہیں۔
اصول کافی، ج ۲ ص ۳۳۵، ۳۳۶ کتاب ایمان وکفر، باب اتباع الھویٰ، حدیث ۳۔

سے نہ بیٹھے بلکہ ہر آن، توشہ و راحلہ جمع کرنے کی فکر میں رہے ایک سیکنڈ کیلئے بھی اس سے غافل نہ ہو، کیونکہ اگر وہ آخرت کو بھول گیا اور خواب (غفلت) میں چلا گیا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ ایسا بھی ایک عالم ہے اور ایسا بھی سفر پیش آسکتا ہے تو اس پر کیا گزرے گی اور وہ کن عذابوں میں گرفتار ہوگا۔

امرآخرت کا پرخطر ہونا

بہتر ہے کہ یہاں پر تھوڑا سا حضرت علیؑ اور حضرت رسول اکرمؐ جو افضل مخلوقات اور خطا ونسیان ولغزش وطغیان سے معصوم ہیں، کا ذکر کریں اور دیکھیں کہ ہم کس حال میں ہیں اور وہ حضراتؑ کس حالت میں تھے۔ سفر کے خطرات کے علم نے ان ذوات مقدسہ سے راحت وآرام چھین لیا تھا اور ہماری جہالت نے ہمیں نسیان میں مبتلا کر دیا ہے۔ حضرت ختمی مرتبتؐ نے اتنی ریاضت کی تھی اور آپؐ حق تعالیٰ کے سامنے اس قدر قیام فرماتے تھے کہ آپؐ کے قدم مبارک سوج گئے تھے۔ یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی: ﴿طٰہٰ مَاأَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ﴾ ۱،۲ حضرت علیؑ کے خوف اور عبارت سے تو سب ہی آگاہ ہیں۔

پس جان لو کہ سفر بہت ہی پر خطر ہے اور ہمارا نسیان اور فراموشی شیطان اور نفس کے مکر وفریب کی وجہ سے ہے اور یہ آرزوئیں اور لمبی امیدیں ابلیس کے عظیم جال ہیں اور نفس کا مکر ودھوکہ ہے۔ لہذا اس خواب سے بیدار ہو جاؤ اور ہوشیار رہو!

جان لو کہ تم مسافر ہو اور تمہاری ایک منزل ہے۔ تمہاری منزل دوسرا جہان ہے۔ تم چاہو یا نہ چاہو، تم کو بہر حال اس جہان سے لے جائیں گے۔ اگر تم نے سفر کی تیاری کر لی اور زاد و راحلہ کا

۱۔ اے طٰہٰ (اے رسولؐ) ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم اس قدر مشقت میں پڑ جاؤ۔ طٰہٰ/آیت ۱،۲

۲۔ امام باقرؑ اور امام صادق (علیہما السلام) سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿كان رسول اللهؐ اذا صلّىٰ، قام علىٰ اصابع رجليه حتىّٰ تورّمت، فأنزل الله تبارك وتعالىٰ: طه......﴾ ۔ تفسیر علی بن ابراہیم، ج۲ ص ۵۸۔

انتظام کرلیا تو اس سفر میں درماندہ نہیں ہوگے اور اس سفر میں بے کس نہیں رہوگے۔ ورنہ بے کس و بے یار و مددگار رہو جاؤ گے اور ایسی بدبختی و شقاوت میں مبتلا ہو جاؤ گے جس میں کسی قسم کی سعادت نہیں ہوگی۔ ایسی ذلت ہوگی جس (کے بعد) عزت نہیں ہوگی۔ ایسا فقر ہوگا جس (کے بعد) غنا نہیں ہوگی۔ ایسے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے جس کے بعد کبھی بھی راحت و آسائش نہیں ہوئی۔ ایسی آگ (میں جلو گے) جو بجھے گی نہیں۔ ایسا فشار ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ایسا حزن واندوہ ہوگا جس کے بعد کبھی مسرت نہیں ہوگی۔ ایسی حسرت و ندامت ہوگی جس کی انتہا نہ ہوگی۔

اے میرے عزیز! ذرا دیکھو تو خدا سے مناجات کرتے ہوئے ''دعائے کمیل'' میں مولاؑ کیا عرض کرتے ہیں:

﴿أَنْتَ تَعْلَمُ ضَعْفِي عَنْ قَلِيلٍ مِنْ بَلاءِ الدُّنيا وَعَقُوباتِها﴾

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: ﴿وَهٰذا ما لاتَقُومُ لَهُ السَّمٰواتُ وَالأرْض﴾[۱]

یہ کونسا عذاب ہے کہ آسمان و زمین اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے جو تیرے لیے مہیا کیا گیا ہے، لیکن تو پھر بھی نہیں جاگتا بلکہ روز بروز فراموشی و خواب غفلت میں ڈوبتا جا رہا ہے بلکہ یہ خواب گہرا ہوتا جاتا ہے؟!

ہاں؛ اے دل غافل! خواب غفلت سے اٹھ، سفر آخرت کیلئے آمادہ ہوجا: ﴿فَقَدْ نُودِيَ فِيكُم بالرَّحِيل﴾[۲] کوچ کرنے کی آواز بلند ہو چکی ہے۔ حضرت عزرائیلؑ کے ماتحت کام کرنے والے اپنے کام میں مشغول ہیں اور ہر آن تجھے عالم آخرت کی طرف ہنکا رہے ہیں۔ اس کے باوجود تم غافل و نادان ہو۔

۱۔ معبود تو جانتا ہے کہ میں دنیا کے تھوڑے سے عقوبات اور بلاؤں کے اٹھانے سے عاجز ہوں...... اور یہ تو وہ چیز ہے کہ اس کا اٹھانا آسمانوں اور زمین کے بس کی بات نہیں۔ دعائے کمیل؛ مصباح المتجد، ص ۵۸۷۔

۲۔ صدائے رحیل گونج اٹھی ہے۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۵۔

﴿اَللّٰهُمَّ اِنّي أسألُكَ التَّجافي عَنْ دارِ الْغُرُور،وَالانابَةِ الىٰ دار السُّرُورِ وَالاستِعْدادِ لِلمَوتِ قَبلَ حُلُولِ الفَوتِ﴾ ۔[۱،۲]

۱۔ پالنے والے میں تجھ سے پُر فریب گھر (دنیا) سے دوری کی دعا کرتا ہوں اور دار سرور (جنّت) میں آنے کی اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کی توفیق طلب کرتا ہوں۔

یہ دعا معمولی اختلاف کے ساتھ حضرت امام سجادؑ سے نقل ہوئی ہے۔ اقبال، ص ۲۲۸؛ المراقبات فی اعمال السنہ، ص ۱۵۵؛ مفاتیح الجنان، اعمال شب ۲۷ ماہ رمضان۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۱۷۶،۱۷۷۔

دوسری فصل:

اثبات معاد کے دلائل

ادیان کے نزدیک معاد کامسلم ہونا اور اس کی برہان

اس بات کے تمام ادیان قائل ہیں اور اس پر برہان قائم ہے کہ اس عالم طبیعت کے علاوہ ایک دوسرا عالم (آخرت) بھی ہے۔[1]

معاد پر ایمان کا فطری ہونا

معرفت، توحید، ولایت (یعنی رسل پر ایمان)، یوم معاد (آخرت) پر ایمان اور ملائکہ وکتب الٰہیہ پر ایمان لانا، یہ سب ایمان کے اصول وارکان ہیں اور ان کا شمار فطریات میں ہوتا ہے۔[2]

فطرت بشر کے ذریعہ معاد کا اثبات

ایک فطرت الٰہیہ کہ جس پر تمام بنی نوع انسان کو پیدا کیا گیا ہے 'راحت وآسائش سے عشق کی فطرت ہے۔ اگر بنی نوع انسان کے تمام ادوار کی طرف رجوع کیا جائے خواہ وہ تمدنی دور ہو یا وحشیانہ دور، دینداری کا دور ہو یا خودسری کا، اگر تمام افراد سے سوال کیا جائے، خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل، پست ہوں یا شریف، دیہاتی ہوں یا شہری کہ یہ مختلف تعلقات (دنیوی) اور خواہشات پراگندہ کس لیے ہیں اور زندگی میں ان سب مشقتوں کے تحمل اور زحمات کے اٹھانے کا مقصد کیا

۱۔صحیفۂ امام، ج۳ص۲۲۸۔ ۲۔شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص۹۸۔

ہے تو سب بیک زبان ہوکر صراحت کے ساتھ ایک ہی جواب دیں گے: کہ ہم سب جو کچھ بھی چاہتے، وہ اپنی آسائش وراحتی کیلئے چاہتے ہیں۔ (ہمارا) اصل مقصد اور آرزو، مطلق راحت وآسائش ہے۔ زحمت ومشقت سے خالی استراحت ہے۔ جب ایسی مطلق اور زحمت سے خالی راحت وآسائش اور رنج وغم سے عاری استراحت سب کی آرزو ومعشوق ہے اور اپنے اس گمشدہ معشوق کو ہر شخص کسی نہ کسی چیز میں خیال کرتا ہے تو جس میں بھی اسے اپنے (اس) محبوب کا گمان ہوتا وہ اس سے تعلق جوڑنا شروع کردیتا ہے۔ جبکہ اس عالم اور پوری دنیا میں ایسی مطلق راحت وآسائش کہیں بھی نہیں ملتی۔ اور (یہاں) ایسی بے خلل استراحت ناممکن ہے۔

اس عالم کی تمام نعمتیں، زحمتوں اور طاقت فرسا مشقتوں کے ہمراہ ہیں، دنیا کی تمام لذّتیں، آلام ومصائب میں لپٹی ہوئی ہیں اور اس پورے عالم کو، کمرشکن درد والم، غم واندوہ اور رنج ومشقت نے گھیر رکھا ہے۔

آسائش مطلق سے عشق

انسانی زندگی کے تمام ادوار میں ایک بھی شخص ایسا نہیں ملے گا جس کا غم واندوہ اس کی آسائش کے برابر ہو اور جس کی نعمت اس کی قمت وسختی کے مساوی ہو چہ جائیکہ وہ مطلق آسائش وراحت کا حامل ہو۔

پس بنی نوع انسان کا یہ معشوق (مطلق راحت وآسائش) دنیا میں نہیں مل سکتا اور دوسری جانب تمام سلسلۂ میں پایا جانے والا فطری، جبلی بالفعل عشق، معشوق موجود بالفعل کے بغیر ممکن نہیں۔

پس دار تحقق اور عالم وجود میں ایک ایسا عالم ہونا چاہیئے جس میں راحت وآسائش رنج وغم کے ہمراہ نہ ہو اور وہاں درد وغم اور زحمت سے خالی مطلق استراحت ہو اور حزن وغم کے بغیر خالص خوشی میسّر ہو اور وہ حق تعالیٰ کا دار نعیم اور (اس کی) ذات مقدس کا عالم کرامت ہے۔

قوائے انسانی کا تدریجاً ایجاد ہونا

جب اجسام میں سے معتدل ترین جسم، یعنی مغز جنین میں پیدا ہوتا ہے تو درحقیقت جسم کا آخری درجہ کہ جسے عرش جسم کہتے ہیں، پیدا ہوتا ہے اور جب مغز حرکت کرتا ہے تو احساس کا پہلا مرتبہ پیدا ہوتا ہے، یعنی جسم حرکت کے ذریعے حس لمس میں تبدیل ہو جاتا ہے، چونکہ اس حس کا مرتبہ جسم کے مرتبے کے نزدیک ہے اور تدریجاً حرکت کرتا ہے اور مشاعر کی اس حرکت کے نتیجے میں دوسرے احساسات پیدا ہوتے ہیں اور قوهٔ خیالیہ وجود میں آتی ہے۔ یہ حس ترقی کرتی ہے، چونکہ عالم طبیعت کا آخری مرتبہ، تجرد کا اولین مرتبہ ہے۔ لہذا جب یہ قویٰ تدریجاً تکمیل (کے مراحل طے) کرتے ہیں تو عالم غیب کی طرف چل پڑتے ہیں اس سے ایک قسم کی وحدت حاصل ہوتی ہے جسے نفس کہا جاتا ہے اور نفس اپنی وحدت کے ساتھ ان تمام کثرات کا جامع اور ان پر حاوی ہوتا ہے۔

تجرد نفس کے مراتب کا تدریجی حصول

نفس تدریجاً حرکت کرتا ہے اور (علم) طبیعت کے اندر ہوتے ہوئے حرکت جوہری کے ذریعے مرتبہ بہ مرتبہ اپنے آپ کو (عالم) طبیعت سے باہر لے جاتا ہے۔ لیکن جونہی اس کا ایک مرتبہ، تجرد حاصل کر لیتا ہے تو اس کا دوسرا مرتبہ، مرتبۂ طبیعی (ہی) ہوتا ہے۔ درحقیقت (یہ) عالم غیب و شہود کا ایک اختلاط ہے اور تجرد کے ساتھ طبیعت و مادہ کا اختلاط ہے اور لطیف کے ساتھ کثیف کا اختلاط ہے۔ یہاں تک کہ نفس تکاملی حرکت کے ذریعے اپنے آپ کو طبیعت سے باہر لے جاتا ہے اور مجرّدات کے کاروان سے منسلک ہو جاتا ہے۔

درحقیقت یہ نفس ایک ایسا سوار ہے کہ جو طبیعت کے نقطۂ آغاز اور عالم ہیولیٰ سے بلند ہوتا ہے اور موجودات عالم طبیعت کے قافلے کے ساتھ ہو جاتا ہے، لیکن تدریجاً، طبیعت سے آگے نکل جاتا ہے اور طبیعت و تجرد کی سرحد تک جا پہنچتا ہے اور قافلۂ طبیعت کو الوداع کہتا ہے۔ ہم اسی کو

'موت' کہتے ہیں۔ یہ طبیعی و جبری فراق و جدائی اور یہ اجباری وداع اور یہ زبردستی کی مسافرت، ایک جبلّی (وفطری) امر ہے:

﴿فَاِذا جاءَ أجَلُهُم لایَستَأخِرُونَ ساعَةً وَلایَستَقدِمُون﴾ ۱

حریت اور نفوذ ارادہ کی طرف میلان

اس عالم کو 'فطرت حریّت اور نفوذ ارادہ' سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہر بشر کی فطرت میں پائی جاتی ہیں۔ چونکہ اس عالم کے مواد، اس دنیا کی اوضاع اور اس کی زحمتیں اور اس کی تنگی، انسانی ارادے کی حریت اور اس کو عملی جامہ پہنانے سے سرکشی کرتی ہے، اس لیے دار وجود میں ایک ایسے عالم کا وجود ضروری ہے جہاں حریت ہو) ارادہ کا نفوذ ہو اور اس عالم کے مواد نفوذ ارادہ سے سرکشی نہ کرسکتے ہوں اور انسان اس عالم میں ایسے ہی 'فعال مایشاء اور حاکم مایُرید' ہو جیسا کہ فطرت کا تقاضا ہے۔

پس راحت و آسائش سے عشق اور حریت و آزادی سے عشق دو ایسے پر ہیں کہ جو نہ بدلنے والی فطرت الٰہی کے مطابق انسان کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں جن کے ذریعے انسان ملکوت اعلیٰ اور عالم قرب الٰہی تک کی پرواز کرتا ہے۔ ۲

آخرت میں راحت و نفوذ ارادہ کا حصول

ہر انسان کی فطرت میں راحت و آسائش اور حریت و آزادی سے عشق موجود ہے۔ حریت سے مراد حریت مطلقہ ہے اور نفوذ ارادہ اس کے شؤون میں سے ہے اور دنیوی زندگی میں یہ دو

۱۔ جب ان کی اجل (موت) آجائے گی تو ایک گھڑی کیلئے نہ پیچھے ٹل سکتی ہے اور نہ آگے بڑھ سکتی ہے۔ سورۂ اعراف/۳۴۔

۲۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۱۸۶، ۱۸۷۔

چیزیں ناممکن ہیں، چونکہ مطلق راحت و آسائش کسی صورت میں نہیں ملتی بلکہ تمام آسائشیں رنج وغم کے ہمراہ ہیں انھیں حاصل کرنے کیلیئے بھی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ انکے حاصل ہوتے ہوئے بھی اور انکے بعد بھی رنج اٹھانا پڑتا ہے۔

انسان آسائش مطلق سے عشق کرتا ہے اور وہ اس عالم میں میسّر نہیں۔ لیکن جیسا کہ اہل شرائع نے خبر دی ہے[۱] یہ راحت و آسائش مطلق 'عالم ملکوت' میں موجود ہے۔ لہذا انسان فطرتاً ایک ایسے عالم کی طرف متوجہ ہے کہ جس میں رنج وغم کے بغیر راحت و آسائش اور زحمت و پریشانی کے بغیر لذت موجود ہے۔

اسی طرح فطری طور پر، انسان آزادی و حریت کا عاشق ہے، یعنی جو چاہے کرے۔ حتیٰ اس کا ارادہ بھی نافذ ہو اور اس کی سلطنت و قدرت کے مقابلے میں کسی قسم کی مزاحمت و رکاوٹ نہ ہو۔

واضح ہے کہ اس دنیا میں اس قسم کی قدرت اور نفوذ ارادہ موجود نہیں۔ اور اس عالم کی طبایع ارادۂ انسان کے تحت رہنے سے گریز کرتی ہیں۔ پس واضح ہے کہ اس قسم کی سلطنت و قدرت عالم مابعد الطبیعہ کہ جو اہل اطاعت کی بہشت ہے کے سوا کہیں اور موجود نہیں ہے۔[۲]

بقائے ابدی سے عشق

انسان حق مطلق تک پہنچنا چاہتا ہے تا کہ خدا میں فنا ہو جائے اصولاً ہر انسان کی سرشت میں 'ابدی زندگی' کی خواہش، 'موت سے محفوظ ابدی دنیا' کے وجود کی علامت ہے۔[۳]

۱۔ دیکھیے، بحار الانوار، ج ۸ ص ۷۱ باب الجنۃ و نعیمھا۔

۲۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۱۰۱، ۱۰۲۔

۳۔ صحیفۂ امام، ج ۲۱ ص ۲۲۳۔

عالم غیب اور ابدی دنیا ہی معشوق فطرت ہے

تمام بنی نوع انسان کی فطرت میں بقائے ابدی سے عشق ثبت ہے۔ البتہ جن کی اصلی فطرت پر پردے پڑ چکے ہیں وہ تطبیق میں غلطی کرتے ہیں اور اس محبت کے نتیجے میں وہ دنیا سے دائمی محبت اور موت سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

موت سے نفرت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جن کی اصلی فطرت پر پردے پڑ چکے ہیں، انکے دل میں موت کے بعد کی دنیا اور زندگی اور بقائے ابدی کا ایمان داخل نہیں ہوا اور وہ موت کو فنا سمجھتے ہیں۔ چونکہ فطرت، فنا سے متنفر ہے اور بقاء کی عاشق ہے۔ لہذا اہل حجاب میں موت سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ فطرت اصلیّہ کہ جو بقائے ابدی کی عاشق ہے، وہ یہی معاد اور مابعد الموت کی دنیا سے دائمی محبت و عشق ہے۔ کیونکہ دنیوی زندگی کا ابدی ہونا ممکن نہیں اور وہ فنا پذیر ہے۔ لہذا فطرت اس سے متنفر ہے اور نشئہ ثانیۂ غیبیہ کہ جو نشئہ باقیہ ہے، وہی معشوق فطرت ہے۔ پس یوم آخرت پر ایمان یعنی 'نشئہ مابعد الدنیا' فطریات میں سے ہے۔[۱]

دنیا میں مجرموں کو عذاب دینے کی قابلیت کا نہ ہونا

ہم ایک ایسے آدمی کو کہ جس نے محمد رضا (پہلوی) جتنے جرائم کا ارتکاب کیا ہو، سزا نہیں دے سکتے، انسان اپنی تمام قوتوں کے ساتھ دے ان جرائم کی سزا نہیں دے سکتا کہ جن کا وہ مرتکب ہوا ہے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ایک شخص کے مقابلے میں ایک شخص ہے جبکہ اس (محمد رضا پہلوی) نے تو پوری ایک ملت کو نابود کیا ہے۔ ہم کس طرح اسے اس ظلم کی سزا دے سکتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے ایک اور عالم ہے کہ جہاں یہ سب مسائل حل ہو جائیں گے ایک ابدی دنیا ہے، ایک دائمی جہنم ہے، ہمیشہ کا ایک عذاب ہے کہ جس کا ہم تصور بھی

۱۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۱۰۱۔

نہیں کر سکتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک دوسرا عالم ہونا چاہیئے تا کہ مجرمین کو اس عالم میں سزا دی جائے۔ ہم اس عالم میں ان کو پوری سزا نہیں دے سکتے ہیں۔[1]

دنیا میں مکمل عدالت برقرار کرنے کی قابلیت نہ ہونا

انسان میں ایسے مجرموں[2] کو انکے اعمال کی سزا دینے کی قدرت نہیں ہے۔ انسان اسی قدر طاقت رکھتا ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی ایک شخص کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے قاتل کو قتل کر دے۔ لیکن اگر کسی شخص نے پوری ایک قوم وملت کا اس طرح کہ جس طرح آپ اب دیکھ رہے ہیں، قتل عام کیا ہو، لمبی لمبی قید کی (سزائیں دی ہوں) اور ہمارے جوانوں کو قید ہی میں بڑھاپے تک پہنچا دیا ہو، ان (جوانوں) میں سے بعض کہ جو پندرہ سال قید میں رہے ہیں، یہ لوگ پہلے جب مجھ سے مصافحہ کرتے تھے، تو اس وقت ان کا ہاتھ ایک پہلوان کا ہاتھ (محسوس) ہوتا تھا اور وہی لوگ اب مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کا ہاتھ ایک عام انسان جیسا ہے۔ وہ تکالیف اور مصیبتیں جو ہمارے جوانوں، ہمارے روشن فکروں، ہمارے علماء، ہمارے دانشمندوں، ہمارے تاجروں کو دی گئی ہیں جو پریشانیاں اور جلا وطنی کی مصیبتیں اور اس قدر زحمتیں جو ان کو دی گئی ہیں اور جو انھوں نے برداشت کی ہیں، ان سب کی تلافی ہم نہیں کر سکتے۔

وہ (پہلوی) ایک جان سے زیادہ تو نہیں رکھتا۔ آپ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو اس سے وہی ایک جان ہی لے سکتے ہیں۔ یہ جو اس نے اسلام کے بہترین فرزندوں کی ہزاروں جانیں لی ہیں کیا ہم ایک ایسے آدمی کی جان لینے کو کہ جس کا اپنی ملت کی نسبت غیروں سے ارتباط قوی ہے، تلافی کہہ سکتے ہیں۔

فرض کریں وہ آپ کے ہاتھ چڑھ بھی جائے، (آپ) اس کے ہاتھ پیر وغیرہ کاٹ دیں،

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۸ ص ۲۴۶۔

۲۔ یہاں محمد رضا پہلوی (سابق شاہ ایران) مراد ہے۔

آنکھیں نکال دیں تب بھی یہ اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ایک دوسری دنیا (بھی) ہے ان چیزوں کی تلافی اس دنیا میں نہیں ہوسکتی۔ (لیکن) جو طولانی تکالیف اور دکھ اس نے ہمارے جوانوں کو دیئے ہیں، انکے بدلے طولانی تکالیف اور (سزائیں) تا ابد ممکن ہیں، ہر قتل کے بدلے قتل اور پھر زندہ کرنا اور پھر مارنا اور زندہ کرنا ممکن ہے۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص آئے اور تیس پینتیس سال ان لوگوں پر اس طرح جابرانہ حکومت کرے اور اس کے کارندے پورے ملک میں ہمارے بیوی بچوں، ہمارے پیر و جوان ہمارے علماء سے اس طرح کا سلوک کریں اور ہم اس کی تلافی نہ کرسکیں، اگر وہ ہماری دسترس میں آجائے تب بھی ہم تلافی نہیں کرسکتے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ خداوند متعال اس قسم کے کام کی اجازت دے کہ ایک شخص اس قسم کے کام کرے اور اس کی سزا یہی ہو کہ اسے قتل کر دیا جائے، اس کا مال لے لیں، بس یہی اس کی سزا ہو۔ ہمارے جوانوں میں بعض اشخاص ایسے بھی تھے کہ جن کو جوانی میں جیل میں ڈال دیا گیا اور ان کی عمر کے پندرہ سال ضائع ہوگئے۔ وہ اگر علماء میں سے تھے تو کتابیں لکھ سکتے تھے، رشد و ہدایت کرسکتے تھے، اگر روشن فکر افراد میں سے تھے کتابیں لکھ سکتے تھے (علم کی) روشنی پھیلا سکتے تھے (لوگوں کیلئے) مسائل بیان کرسکتے تھے اگر طبیب تھے تو بہت سے لوگوں کو موت سے بچا سکتے تھے، ہمارے یہ تمام طبقات کہ جنہیں قید کیا گیا، ان کی زندگی کا زیادہ حصہ ضائع ہوگیا ہے۔ جیل میں کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا، انھیں تمام کاموں سے روک دیا گیا تھا (یہ وہی جانتے ہیں)، کیا یہ سب کچھ محمد رضا (پہلوی) کو قتل کر دینے سے واپس آسکتا ہے؟ اس کی تلافی ہوسکتی ہے؟ اس نے ہر قسم کی عیاشی اور ہر قسم کا ظلم کیا ہے اور اب تقریباً عمر کے آخری حصے میں ہے۔ ایک ایسا شخص کہ جس نے اس قدر جرائم و مظالم کا ارتکاب کیا ہو کیا اب ہوسکتا ہے کہ ہم کہیں کہ اس کی دولت اس سے لے لیتے ہیں۔ فرض کریں کہ آپ اس سے اس کا سب کچھ لے لیں لیکن کیا آپ وہ بھی اس سے لے سکتے ہیں؟ جو اس نے ضائع کیا ہے ایک پوری ملت کی طاقت جو اس نے ضائع کی ہے، اس کی تلافی ہوسکتی ہے؟ اس نے ہماری یونیورسٹیوں کو ایسی حالت تک پہنچا دیا کہ ہماری افراد

قوت ضائع ہو رہی ہے۔ کاش وہ فقط ضائع کرتا (لیکن) اس نے ہماری افرادی وانسانی قوت کو غیر انسانی قوت میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ سینما کہ جو اس کے دور میں سرگرم عمل تھے یہ فحاشی کے مراکز کہ جو اس نے بنائے تھے۔ یہ سب مراکز فحاشی اس لیے بنائے گئے ہیں کہ ہمارے جوانوں کو ختم کر ڈالیں اور انھیں اپنے زندگی ساز مسائل سے غافل کر دیں۔ ان مراکز کی وجہ سے ہمارے ملک کی خدمت کی صلاحیت رکھنے والی افرادی قوت ناکارہ ہونے کے علاوہ، غیر انسانی طاقت میں تبدیل ہو گئی۔ ہم ان مظالم کی تلافی کیسے کر سکتے ہیں؟ انسان ان جرائم کی تلافی نہیں کر سکتے ہے۔ اس عالم کے ماوراء ایک عالم ہے جس میں اس کی تلافی ہو گی اور جاں لو کہ یہ تلافی ہو کر رہے گی۔ قرآن نے بتایا ہے کہ جو شخص ذرّہ بھر کوئی کام کرتا ہے اس کی تلافی ایک ایسے عالم میں ہو گی: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَه ☆ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَه ﴾[۱] وہ اپنے (عمل) کو دیکھتا ہے۔ یہ قرآن کا فرمان ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، اس عمل کی شکل وہاں ایک طرح کی مناسبت کے ساتھ منعکس ہو گی اور اس جگہ وہ اپنے (عمل) کو دیکھے گا اور ان سب باتوں کی تلافی ہو گی۔ اگر آپ کی رسائی اس تک نہیں ہے تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کی رسائی اس تک ہو بھی جائے تب بھی آپ تلافی نہیں کر سکتے ہیں۔ ان جرائم ومظالم کی تلافی وہاں ہو گی۔[۲]

ابدی دنیا میں عدالت کا برقرار ہونا

جو شخص کسی ایک کو قتل کرتا ہے اور اس کی جان لیتا ہے تو اس کی جان بھی مقتول کی جان کے برابر ہے۔ تو مقتول کی جان کے بدلے اس کی ایک جان ہی لی جا سکتی ہے۔ جس نے لاکھوں انسانوں کا قتل کیا ہو جس نے لاکھوں انسانوں کو زندانوں میں اور گوشۂ تنہائی میں تکالیف پہنچائی

۱۔ سورۂ زلزال/آیت ۷،۸۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج ۵ ص ۵۰۴،۵۰۷۔

ہوں، اس کو سوائے ایک ایسے عالم کے کہ جو ابدی (عالم) ہے (سزا نہیں دی جا سکتی) وہاں ہر ایک سے حساب لیا جائے گا۔ اس دنیا میں ایسے کام کی طاقت (کسی میں) نہیں۔ ہم ایک شخص کے عوض ایک ہی شخص کو قتل کر سکتے ہیں۔ اشخاص کی جانوں، خواہ وہ شاہ ہو یا گدا، مجرم ہو یا غیر مجرم، میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ ان کی جانیں اس سے زیادہ محترم ہیں۔

ہم میں سے کوئی بھی انسان ان بالذات مجرموں سے انتقام نہیں لے سکتا۔ چونکہ ان کو جتنی بھی تکلیف دی جائے، بالآخر ایک ہی شخص کو تکلیف دی جاتی ہے جبکہ اس ایک نے ہزاروں کو تکالیف پہنچائی ہیں۔ ہم کس طرح یہ کر سکتے ہیں، ہم ایک شخص کے مقابلے میں ایک شخص کو قتل کر سکتے ہیں، اس نے تو ہزاروں کو قتل کیا ہے، اسے ہزار دفعہ تو قتل نہیں کر سکتے۔ لیکن آخرت میں کہ جہاں خداوند انتقام لے گا وہ قتل کرے گا، پھر زندہ کرے گا اور پھر قتل کر کے زندہ کرے گا۔ وہ مقتولین میں سے ہر ایک کے عوض، اسے تکلیف پہنچائے گا اور وہ بھی کیسی تکلیف اور کیسی سزا کہ جو یہاں کی تکالیف کی طرح نہیں ہے[1]

قیامت کا برپا ہونا، حرکت جوہری کا تکامل ہے

حرکت جوہری، نقص سے کمال کی طرف حرکت ہے نہ کہ کمال سے نقص کی طرف اور یہ حرکت ذاتی اور جبری ہے، اس کی مخالفت ممکن نہیں اور اس کے مطابق، کمال سے نقص کی طرف چلنا محال ہے۔

پہلے پہل انسان ایک جماد ہوتا ہے۔ پھر رحم میں وارد ہوتا ہے، رحم میں اس کی ابتدائی زندگی، درحقیقت نباتات جیسی ہے (بغیر اس کے کہ وہ حیوان ہو یا انسان) وہ درخت کی مانند ہے، جو فقط قوت نامیہ رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ حرکت کرتا ہے وہ ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۶ ص ۳۴۲۔

حیوانیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح وہ حرکت جوہری کے ذریعے حرکت کر کے، عالم تجرد کی طرف بڑھنے لگتا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ تکاملی حرکت نہ کرے۔ یہ موجود حتماً عالم تجرد کی طرف حرکت کرتا ہے اور یہ اس کی ذاتیات میں سے ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ انسان حرکت جوہری کے ذریعے، تکامل جوہری کا حامل ہے اور اسی کے مطابق وہ تجرد کی طرف اور قیامت کے برپا ہونے کی طرف جا رہا ہے۔ حتیٰ اگر انبیاء کرامؑ نہ بھی ہوتے تب بھی اس کی یہ حرکت جوہری، ذاتی و جبری ہوتی ہے۔[1]

۱۔ تقریرات اسفار۔

تیسری فصل:

تجرد نفس اور روح کی بقا

حیوان اور انسان کی غیرمادی حقیقت

یہ بات بدیہیات میں سے ہے کہ مادہ وجسم جیسا بھی ہو، اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ پتھر کا مجسمہ ہو یا انسان کا مادی مجسمہ، اس کی ہر جہت اپنی دوسری جہت سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ حالانکہ ہم واضح طور پر جانتے ہیں کہ انسان اور حیوان اپنے تمام اطراف سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ کہاں ہیں، انکے اردگرد کیا ہو رہا ہے اور دنیا میں کیا غوغا برپا ہے۔ پس حیوان اور انسان میں کوئی اور چیز ہے جو مادہ سے بالاتر ہے اور عالم مادہ سے جدا ہے اور مادہ کے مرجانے کے ساتھ وہ نہیں مرتی بلکہ باقی رہتی ہے۔[۱]

انسان کا مجرد ہونا

انسان، اس عالم طبیعت سے مجرد، ایک حقیقت ہے۔ انسان کے اندر موجود خصوصیات اس بات پر دال ہیں کہ اس طبیعت کے ماوراء بھی کچھ ہے۔ انسان کا ایک ماوراء ہے فلسفہ میں براہین سے ثابت ہے کہ انسان میں اس طبیعت کے ماوراء بھی کچھ ہے۔ اور انسان ایک عقل کا حامل ہے جو بالامکان مجرد ہے اور بعد میں مجرد تام ہو جائے گی۔[۲]

۱۔ صحیفۂ امام، ج۲۱ ص۲۲۳۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج۴ ص۱۸۸۔

تجرد عقلانی، رسالت انبیاءؑ کا مقصد ہے

قرآن کریم کی بعض آیات، ایک بلند مقام کی طرف رجوع پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً آیات رجعت، ایک نشئہ مجرد کا بعض لوگوں کی جائے پناہ قرار دیتی ہیں۔ انبیاء کرامؑ کا مقصد سب کو اس مقام تک پہنچانا ہے۔ لیکن سب کا اس مقام تک پہنچنا، ان اعمال واثرات اور افعال کی وجہ سے ناممکن ہے جو بنی نوع انسان سے صادر ہوتے ہیں۔ اور اس مقام پر سوائے ایک قلیل گروہ کے اور کوئی فائز نہیں ہوسکتا۔ اور اگر انسان اس مقام شامخ اور ماورائے اعلا کے راستے میں ہی رہ جاتے ہیں۔ انبیائے کرامؑ خصوصاً نبی اکرمؐ اس بات پر کمر ہمّت باندھے ہوئے تھے کہ سب کو اس مقام تک پہنچائیں، جس تک وہ خود پہنچے ہوئے تھے۔ اگر خداشناسی کا فضل وکرم نہ ہوتا اور انبیاء مرسلینؑ نہ آتے تو اکثر لوگوں کا تجرد، اسی تجرد حیوانی کی حد تک باقی رہتا۔ لیکن خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتب کا انزال اور رسل واولیاء اور اوصیاء کا ارسال ہوا، یہاں تک کہ وہ تجرد ذاتی وجوہری کہ جو جبری وقہری ہے، انجام پانے لگا۔ چنانچہ انسان نے اپنے اعمال وافعال اور کردار کو شرعی احکامات کے مطابق ڈھال کر اپنے قلبی اعمال اور نیات کو خالص کرلیا۔ (اس طرح) اس نے فضائل ومعارف سے کچھ کمالات اکتسابیہ حاصل کیے تا کہ وہ ایک مجرد عقلانی موجود بن سکے۔[1]

تجرد نفس کے بارے میں محدثین ومحققین کا اختلاف

جان لو کہ محدثین ومحققین کے درمیان ملائکۃ اللہ کے تجرد اور تجسم کے بارے میں اختلاف ہے۔ تمام حکماء (فلاسفہ) ومحققین فقہاء انکے اور نفس ناطقہ کے تجرد کے قائل ہیں اور انھوں نے اس بات پر محکم براہین قائم کیے ہیں۔ اور بہت سی آیات شریفہ اور روایات سے بھی تجرد کا استفادہ ہوتا

۱۔ تقریرات اسفار۔

ہے۔ چنانچہ محدث محقق مولانا محمد تقی مجلسی[۱] جو کہ مجلسی مرحوم[۲] کے والد گرامی ہیں، نے شرح فقیہ میں بعض روایات کے ذیل میں فرمایا ہے کہ یہ نفس ناطقہ پر دلالت کرتی ہیں۔[۳]

بعض بزرگ محدثین عدم تجرد کے قائل ہیں اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ تجرد کو ماننا منافی شریعت ہے اور اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ذات مقدس حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی مجرد نہیں ہے۔ اس کلام میں کوئی وزن نہیں، کیونکہ ان کی نظر میں شاید سب سے اہم دو باتیں ہوں:

اول؛ عالم کے حدوث زمانی کا قضیہ۔ ان کو یہ توہم پیدا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی موجود کا مجرد ہونا عالم کے حدوث زمانی کے منافی ہے۔

دوم؛ حق تعالیٰ کا فاعل مختار ہونا، وہ گمان کرتے ہیں کہ عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کا مجرد ہونا حق تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے کے منافی ہے اور یہ دونوں مسئلے علوم عالیہ کے اہم مسائل میں سے ہیں۔ اور اس طرح کے مسائل کا موجود مجرد کے منافی نہ ہونا واضح ہو چکا ہے، بلکہ نفوس ناطقہ اور عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کو مجرد نہ ماننا بہت سے مسائل الٰہیہ اور عقائد حقہ کے منافی ہے جن کے بیان

۱۔ ملا محمد تقی بن مقصود علی اصفہانی، المعروف 'مجلسی اول' (۱۰۷۰ھ ق)، ان کی مشہور ترین کتابیں یہ ہیں: شرح زیارت جامعہ، روضۃ المتقین درشرح من لا یحضرہ الفقیہ، احیاء الاحادیث درشرح تہذیب شیخ طوسی، اربعون حدیثاً اور حاشیہ صحیفۂ سجادیہ۔

۲۔ ملا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی اصفہانی، المعروف 'علامہ مجلسی' (۱۰۳۷۔۱۱۱۱ھ ق) وہ علم حدیث میں بزرگ شیعہ علماء میں سے ہیں۔ انھوں نے ۶۰ سے زیادہ کتابیں (عربی، فارسی) میں لکھی ہیں۔ ان کی اہمترین تالیف: بحارالانوار ہے اور ان کی دوسری کتابیں یہ ہیں: مرآۃ العقول درشرح کافی، حیٰوۃ القلوب، زادالمعاد، حق الیقین، جلاء العیون، حلیۃ المتقین، الاربعون حدیثاً۔

۳۔ منجملہ اور روایتوں کے حضرت امام صادقؑ سے اس روایت: ﴿اذا قُبِضَتِ الرُّوحُ فَهِيَ مُظِلَّةٌ فوقَ الْجَسَدِ﴾ کے ذیل میں یوں لکھا ہے: ﴿وهذا الخبر والخبر الذي يجيء بعده وماثلهما من الاخبار الكثيرة وغيرهما من الاخبار بالغة حد التواتر وظواهر الآيات تدل على المعاد الروحاني وهو بقاء النفس بعد خراب البدن......﴾۔ روضۃ المتقین، ج ۱ص ۴۹۲۔

کا یہاں موقع نہیں ہے اور حدوث زمانی عالم، جس طور سے ان لوگوں نے گمان کیا ہے، اصل مسئلہ حدوث زمانی کے منافی ہے۔ مزید یہ کہ بہت سے قواعد الٰہیہ کے بھی منافی ہے۔[۱]

تجرد نفس کے بارے میں فلاسفہ کی آراء

فلسفہ اعلیٰ میں قطعی براہین اور محکم عقلی ادلّہ سے ثابت ہے کہ روح، بدن سے نکلنے کے بعد کہ جسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے، باقی رہتی ہے۔ اور موت کے بعد اس عالم پر، ارواح کاملہ کا احاطہ اور زیادہ ہو جاتا ہے اور (موت کے بعد) روح کے نابود ہونے کو فلاسفہ محال جانتے ہیں۔

تجرد نفس کا مسلّمات فلسفہ میں سے ہونا

اور یہ مسئلہ، مسائل فلسفہ کے مسلّمات میں سے ہے یعنی جب سے فلسفہ کا آغاز ہوا ہے (یہ مسئلہ) فلسفے کے بزرگ دانشوروں کے نزدیک ثابت تھا خواہ وہ قبل از اسلام کے فلاسفہ ہوں یا بعد از اسلام کے۔ اور تمام ملل و مذاہب اعم از یہود و نصاریٰ اور مسلمین نے اس مطلب کو واضحات اور اپنے ضروریات دین میں سے شمار کیا ہے۔ بلکہ روح کی بقا اور اس کا احاطہ، یورپ کے الٰہی و روحانی فلاسفہ کے نزدیک بھی مسلّم اور واضح ہے۔ اختصار کے پیش نظر اس جگہ گنجائش نہیں کہ ایسے اہم مسئلہ کے بارے میں مزید بحث و تحقیق کی جائے کہ جس کیلئے ایک مکمل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں فقط بعض بزرگ فلاسفہ کی رائے نقل کرنے پر ہی اکتفاء کیا جاتا ہے کہ جن کی رائے قابل اعتماد ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو اہل برہان جانتا ہے وہ ان (فلاسفہ) کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے تاکہ اس بات کی صحت اس پر روشن ہو جائے۔

اگرچہ قبل از اسلام کے فلاسفہ میں سے بعض قدماء نے رمز و راز میں کلام کیا ہے اور متأخرین

۱۔ آداب نماز، ص ۳۳۸، ۳۳۹۔

نے انکے کلمات کوحل کرنے کیلئے چند احتمالات پیش کیے ہیں، لیکن (اس کے باوجود) ان میں سے بہت سے افراد کے کلمات میں بقائے نفس اوراس کے روحانی ہونے کا مسئلہ (کہ جس کالازمہ بقا ہے) صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

ثالیس (Thales) ملطی کی رائے

ثالیس ملطی جو''حکمائے سبعہ''میں شمار ہوتے ہیں کہ جنھیں اساطین فلسفہ (فلسفہ کے ستون) کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ:''خدا نے ایک عنصر کو ابداع کیا ہے کہ جس میں تمام موجودات ومعلومات کی صور موجود ہیں'' وہ مزید کہتے ہیں کہ:''اس عنصر کا ایک حصّہ خالص وصاف ہے،اور دوسرا میلا ہے جو کچھ اس کے صاف حصّے سے پیدا ہوا ہے وہ جسم ہے اور جو کچھ میلے سے ہے وہ جرم ہے۔ جرم فانی ہوتا ہے اور جسم فانی نہیں ہوتا، جرم، کثیف وظاہر ہے اور جسم، لطیف اور باطن ہے اور نشئہ دیگر میں جسم ظاہر ہے اور جرم زائل''۔

واضح ہے کہ جو اوصاف انھوں نے جسم کیلئے بیان کئے ہیں اور یہ جو کہا ہے کہ''جسم'' باطن ہے اور لطیف وباقی ہے، اس سے ان کی مراد''جسم مثالی'' ہے کہ جو عالم برزخ میں ہے۔ وہ عقول اور انفس کو عوالم دیگر کی طرف مائل جانتے ہیں اور کہتے ہیں: بقاء دوسرے نشئہ (عالم آخرت) میں ہے۔[۱،۲]

انکسیمانس (Anaximenes) کی رائے

اس بزرگ فلسفی کے پراسرار کلمات میں بھی کچھ ایسے شواہد پائے جاتے ہیں جن سے نفس حتیٰ نفوس خبیثہ شریرہ کی بقا ثابت ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے:''تمام حیاتی آثار، عالم عقل سے ہیں اور

۱۔ اسفار اربعہ، ج ۸ ص ۳۴۳۔ حاشیہ حاج ملاہادی سبزواری، السفر الرابع، الباب الخامس، الفصل السادس۔

۲۔ الملل والنحل، ج ۲ ص ۳۷۴، ۳۷۸ الباب الثانی، الفلاسفۃ، الفصل الاول، الحکماء السبعہ۔

یہاں کا ثبات و بقا اسی قدر ہے کہ جتنا نور عقل اس میں ہے اور اس عالم کا فقط نچلا ثقیل جز نابود ہوتا ہے۔ چونکہ یہ چھلکا ہے اور چھلکے کو پھینک دیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ’اس عالم جسمانی کی کثافات بہت زیادہ ہیں اور جو بھی اس سے چمٹ جائے وہ عالم علوی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور جو بھی اس سے روگردانی کرے وہ (عالم) بالا کی طرف جاتا ہے، ایسا عالم کہ جو بہت ہی لطیف ہے اور اس کا سرور و (لذت) دائمی ہے۔[1]

انباد قلیس (Empedecles) کی رائے

یہ بزرگ فلسفی حضرت داؤدؑ کے زمانے میں تھے اور انھوں نے حکمت (وفلسفہ) حضرت داؤدؑ اور لقمان حکیم سے حاصل کیا تھا۔ جو کچھ ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں ان کی آراء واضح وروشن ہیں۔ وہ تمام اختلافات اور تضاد (کا سرچشمہ) عالم مادہ کو جانتے ہیں اور باہمی الفت ومحبت کو روحانیات کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں: ’ہر نفس سافل (پست) نفس عالی کا چھلکا (حجاب) ہے، نفس نامیہ، نفس بہیمیہ کا چھلکا ہے۔ اور وہ نفس ناطقہ کا اور نفس ناطقہ عقل کا حجاب ہے اور خالص نفس کے ذریعے اپنے عالم کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ اور نفوس جزئیہ، نفس کلیہ کے اجزاء سے ہیں اور نفس جزئی، عالم اعلیٰ سے آیا ہے اور وہاں ہی لوٹ جاتا ہے۔[2]

فیثاغورس (Pythagore) کی رائے

یہ فلسفی حضرت ’’سلیمانؑ‘‘ کے زمانے میں تھے انہوں نے فلسفہ وحکمت انہی سے حاصل کی تھی۔ ان کی آراء ونظریات رمزی صورت میں ہیں۔ انھوں نے الٰہی آراء ونظریات کو ریاضی کی صورت میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ’’انسان فطرتاً تمام عوالم کے مقابلے میں ہے اور انسان

۱۔ ایضاً، ص ۳۸۰۔۳۸۲۔

۲۔ الملل والنحل، ج ۲ ص ۳۸۲، ۳۸۸ الباب الثانی، الفلاسفہ، الفصل الاول، الحکماء السبعہ۔

'عالم صغیر' ہے اور عالم ''انسان کبیر'' اور نفس، بدن سے متصل ہونے سے پہلے تألیفات عددیہ اولیہ سے پیدا ہوا ہے۔ پس اگر خلق (اخلاق) کو فطرت کے مطابق مہذب بنایا گیا اور بیرونی تعلقات سے تجرد پیدا کیا گیا تو (نفس) اپنے اصلی عالم سے متصل ہو جاتا ہے اور عوالم غیبیہ کے سلسلہ سے آراستہ ہو کر پہلے سے بھی زیادہ جمیل و کامل صورت میں آ جاتا ہے۔ 'خرنیوس' اور ''زینون'' بھی فلاسفہ میں سے تھے وہ بعض نظریات میں فیثاغورس کے تابع تھے۔ ان کا کہنا ہے: ''اگر نفس ہر قسم کی برائی سے پاک و طاہر ہو تو وہ عالم میں اپنے مناسب مسکن کی طرف چلا جاتا ہے'' ۔ [1]

سقراط (Socrate) کی رائے

عظیم الشان الٰہی فلسفی سقراط نے حکمت (و فلسفہ) 'فیثاغورس' اور ''ارسالادوس'' سے سیکھا۔ اس نے حکمت اور اس کے فنون میں سے الٰہیات و اخلاقیات پر توجہ دی اور زہد و ریاضت نفس اور تہذیب اخلاق میں مشغول ہو گیا۔ اس نے دنیا سے روگردانی کرتے ہوئے ایک پہاڑ کی غار میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور لوگوں کو شرک اور بتوں سے اجتناب کرنے کو کہا۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے حاکم کو اس کے قتل پر مجبور کر دیا۔ لہذا اسے مسموم کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس کا یہ واقعہ مشہور ہے۔ الٰہیات اور علم ماقبل الطبیعہ و مابعد الطبیعہ کے بارے میں اس کے محکم نظریات ہیں۔

سقراط، نفوس انسانی کے بارے میں کہتا تھا: یہ ابدان سے پہلے ایک قسم کے وجود کے ساتھ موجود تھے۔ ابدان سے نفوس کا اتصال، استکمال کیلئے تھا اور ابدان، نفوس کیلئے قالب و آلات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس ابدان، ختم ہو جاتے ہیں اور نفوس عالم کلی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ جس بادشاہ نے سقراط کو قتل کیا تھا، سقراط نے اس سے کہا: ''سقراط ایک حُبّ (مٹی کے ظرف) میں ہے اور بادشاہ کے پاس فقط اتنی ہی طاقت ہے کہ وہ اس حُبّ کو توڑ دے اور جب وہ حُبّ ٹوٹے گا تو پانی دریا کی طرف لوٹ جائے گا'' ۔ [2]

۱۔ ایضاً، ص ۳۸۸، ۴۰۱۔

۲۔ الملل والنحل، ص ۲ ص ۴۰۱، ۴۰۷۔

افلاطون کی رائے

یہ بزرگ فلسفی حکمت (وفلسفہ) الٰہی کے اساطین میں سے ہیں اور توحید وحکمت (کے عنوان) سے معروف ہیں۔ وہ ''اردشیر بن دارا'' کے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور انھوں نے سقراط کے پاس حکمت وفلسفہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ جب سقراط کو زہر دیا گیا تو اس کے مرنے کے بعد یہ اس کے جانشین بنے۔ ان کے اساتذہ میں سے ایک ''طیماوس'' بھی ہے۔ الٰہیات کے بارے میں ان کی آراء اور نظریات (انتہائی) متین اور محکم ہیں۔ شیخ شہاب الدین فیلسوف اشراقی اور معروف اسلامی فلسفی صدر المتألہین نے انکے بعض نظریات، مثلاً: مُثل افلاطونیہ اور مُثل معلقہ وغیرہ کو براہین وادلہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اس فلسفی کے اقوال میں سے ہے کہ: ''نفوس دوسرے عالم میں تھے۔ وہ اپنے عالم میں خوش وخرم تھے اور جو کچھ اس عالم تھا وہ سب بہجت وسرور (خوشحالی) ہی تھا۔ پس وہ (نفوس) اس عالم سے، اس عالم کی طرف نازل ہوئے ہیں تاکہ جزئیات اور وہ چیزیں جو ان کی ذات میں نہیں تھیں انھیں آلات کے ذریعے حاصل کریں۔ پس انکے پر گر گئے یہاں انھوں نے کچھ پر حاصل کئے اور پھر اپنے عالم کی طرف پرواز کر گئے'' [1]

ارسطوطالیس (Aristotle) کی رائے

ارسطو بن نیقوماخوس، سٹیگیرا کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار دنیا کے عظیم فلاسفہ میں ہوتا ہے۔ منطقی تعلیمات اور علم میزان کے قواعد کہ جو تمام علوم کی اساس ہیں، اسی عظیم شخص کی زحمات کا نتیجہ ہیں۔ وہ علم منطق کی بنیاد رکھنے کی وجہ سے ''معلم اول'' کے نام سے مشہور ہیں۔ نابغۂ روزگار، شیخ الرئیس (ابن سینا) اس بزرگ شخصیت کی تعلیمات کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہیں۔

۱۔ الملل والنحل، ج ۲ ص ۴۰۷، ۴۱۴ الباب الثانی، الفلاسفہ، الفصل الاول، الحکماء السبعہ۔

شیخ الرئیس کے بقول، ارسطو نے جن منطقی قواعد کی بنیاد رکھی، ان پر اب تک کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اور ان کی متین آراء ونظریات کو مسترد نہیں کیا جاسکا، گو کہ فرانسیسی فلسفی 'ڈیکارت' نے بزعم خود اور ہمارے بعض اہل قلم کے نزدیک، منطق میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے، لیکن جو لوگ علم وبصیرت کے ساتھ اس میدان میں وارد ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس باب میں اور الہیات میں ڈیکارت کی معلومات کس قدر بچگانہ ہیں۔ افسوس کہ ہم اہل یورپ سے اتنے زیادہ وحشت زدہ ہوچکے ہیں کہ احساس کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جن علوم میں ہم مہارت رکھتے ہیں اور اہل یورپ، ہزار سال کے بعد بھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ انھیں معمولی خیال کرتے ہیں۔ جس کے پاس منطق الشفاء، حکمۃ الاشراق اور ملاصدرا شیرازی کی حکمت متعالیہ ہے، اسے ایسے اہل یورپ کی منطق وحکمت (فلسفہ) کی کیا ضرورت ہے کہ جو ابھی طفل مکتب ہیں۔ انکے خیال میں اگر ایک مملکت نے مادی ترقی کی ہو تو وہ حکمت الٰہی میں بھی ترقی یافتہ ہے۔ اور یہی ہماری بڑی غلطی ہے۔ اور اسے مشرق کے مسلمان اہل قلم کی گمراہی شمار کرنا چاہیئے۔

ارسطو ''بقائے نفس'' کے بارے میں کہتے ہیں: ''انسانی نفوس قوۂ علم وعمل میں کامل ہونے کے بعد، خدائی آیت (خدا کی نشانی) بن جاتے ہیں، اس کی مانند ہوجاتے ہیں اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ یہ تشبّہ، اس کی طاقت کے مطابق ہے یا استعداد کے مطابق یا جدوجہد کے مطابق ہے۔ چونکہ جب وہ اس بدن سے مفارقت کرتا ہے تو روحانیین اور ملائکہ مقربین سے متصل ہوجاتا ہے اور اس کیلئے تمام لذائذ اور مسرت وسرور کامل ہوجاتے ہیں اور نفوس خبیثہ میں اس کے برعکس ہوتا ہے'' ۔[۱]

اس سلسلے میں اسکندر جیسے دوسرے عظیم حکماء وفلاسفہ کے اقوال بھی ہیں لیکن ہم نے ان کا ذکر یہاں ضروری نہیں جانا۔ اب بعض اسلامی فلاسفہ کے اقوال (ونظریات) پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ الملل والنحل، ج ؟ ص ۴۶۰، ۴۶۱ الباب الثانی، الفلاسفہ، والفصل الثالث: متأخرو الحکماء الیونیان رای ارسطوطالیس، المسألۃ السادسۃ عشرہ۔

سب جانتے ہیں کہ تمام مسلمان خواہ وہ فلاسفہ ہوں یا غیر فلاسفہ، موت کے بعد روح کو باقی جانتے ہیں اور روح کے بارے میں زوال وفنا کے قائل نہیں ہیں، لیکن ہم بطور نمونہ، بزرگ اسلامی فلاسفہ میں سے چند افراد کے نام یہاں ذکر کرتے ہیں:

شیخ الرئیس ابوعلی سینا کی رائے

شیخ الرئیس ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا[۱] بخارا کے رہنے والے تھے۔ انکے والد بلخی تھے ان کی زندگی اور تحصیل علم (کے واقعات) اور تالیفات ایسے عجائب وغرائب سے پر ہیں کہ جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انھوں نے کتاب ''قانون'' سولہ سالہ کی عمر میں تصنیف کی تھی۔ ان سے منقول ہے کہ: ''جب میں چوبیس سال کی عمر کو پہنچا تو میں سمجھنے لگا کہ دنیا میں کوئی ایسا علم نہیں جو میں نہیں جانتا'' کہا جاتا ہے: ''بغیر کسی کتاب کی جانب رجوع کیے ہوئے وہ ہر روز کتاب ''شفا'' کی الٰہیات اور طبیعیات کے پچاس صفحات لکھتے تھے۔

یہ فلسفی کہ جن کی تصانیف انکے علمی مقام کی شاہد ہیں، بدن کے فاسد ہوجانے کے ساتھ نفس کے فانی نہ ہونے اور نفس کی نابودی کے محال ہونے کے بارے میں اپنی اکثر کتابوں میں بحث کرتے ہیں اور (اس مسئلہ کو) برہان کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ ''اشارات'' میں تقریباً ان الفاظ میں یہ مطلب ادا کرتے ہیں: چونکہ نفس ناطقہ، صور معقولہ کا موضوع ہے۔ لہذا کسی جسم میں قائم اور منطبع نہیں، بلکہ جسم اس کا آلہ ہے۔ پس اگر موت کے ذریعے ممکن نہ ہو کہ جسم (نفس) کا آلہ بنے تو اس سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ وہ جواہر باقیہ کے ذریعے باقی ہے'۔

۱۔ حسین بن عبداللہ (۳۷۰۔۴۲۷ یا ۴۲۸ ھ ق) عظیم مسلمان اطباء اور مشائی فلاسفہ میں سے ہیں۔ ان کی تصانیف یہ ہیں: 'الاشارات والتنبیہات' جو منطق، طبیعیات اور الٰہیات پر مشتمل ہے۔ 'الشفاء' جو منطق، ریاضیات، طبیعیات اور الٰہیات پر مشتمل ہے۔ 'النجاۃ' جو فلسفہ میں ہے۔ 'المبدأ والمعاذ' 'قانون' علم طب میں ہے۔ اور قصیدۂ عینیہ اور التعلیقات۔

وہ مزید کہتے ہیں: ''چونکہ نفس ناطقہ بلکہ اتصال کے ذریعے عقل فعال کا استفادہ کرتا ہے۔ لہذا آلات کا فقدان اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کا تعقل کرتا ہے نہ کہ آلات کا''۔ انھوں نے اپنی دوسری کتابوں میں بھی اسی طرح کی بحث کی ہے اور اس مطلب پر برہان قائم کی ہے۔[1]

شیخ اشراق کی رائے

شیخ مقتول، ابوالفتوح یحیی بن حبش المعروف شہاب الدین سہروردی[2] جو نفیس کتابوں اور گرانمایہ تصانیف کے مصنف اور افلاطون کے طریقہ اور حکمت کے زندہ کرنے والے تھے۔ ان کی تصانیف میں سے ایک ''حکمۃ الاشراق'' ہے کہ جس سے فلسفۂ عالیہ ذوقیۂ اشراقیہ میں ان کا بلند مقام ومرتبہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ مقام خلوت وتجرد اور صفائے باطن کے حامل تھے۔

اس اشراقی فلسفی نے موت کے بعد نفوس کے حالات اور انکے طبقات کے بارے میں بہت زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور ہر طبقے کیلئے ایک حکم بیان کیا ہے۔ وہ نفوس کاملہ کے بارے میں کہتے ہیں: ''انوار اسپہبد یہ یعنی نفوس مجردہ کیلئے جب عالم نور محض سے ملکۂ اتصال حاصل ہوجائے اور جب ان کا جسد خراب ہوجائے تو وہ (نفوس مجردہ) چشمۂ حیات میں جذب ہوجاتے ہیں اور وہ اس جگہ سے عالم نور محض کی طرف چلے جاتے ہیں اور قدسی بن جاتے ہیں اور 'متوسطین' کے بارے میں کہتے ہیں: 'متوسطین میں سے اہل سعادت اور اہل زہد، مُثل معلقہ کے عالم کی

۱۔ الاشارات والتنبیہات، ج ۳ ص ۲۶۴ النمط السابع، فی التجرید؛ تنبیۃ: فی بیان مراتب الموجودات من البدأالی منتہی مراتبہا ومن العود الی ذروۃ الکمال۔

۲۔ یحییٰ بن حبش (شہاب الدین سہروردی) جو 'شیخ اشراق'، 'شیخ مقتول' اور 'حکیم مقتول' کے عناوین سے بھی مشہور ہیں۔ وہ سنہ ۵۸۱ ھ میں ۳۶ سال کی عمر میں قتل ہوئے ہیں۔ ان کی تصانیف یہ ہیں: حکمۃ الاشراق، بستان القلوب، البارقات الالہیہ، البروج، شرح اشارات اور آواز پر جبرائیل۔

طرف نجات پا جاتے ہیں‘۔۱

صدرالمتالہین کی رائے

محمد بن ابراہیم شیرازی۲ جو عظیم الٰہی فلسفی، قواعد الٰہیہ کے مؤسس اور حکمت مابعد الطبیعہ کے مجدد ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مبدأ و معاد کو ایک ’عظیم و نا قابل خلل اصل‘ کی بنیاد پر پیش کیا اور معاد جسمانی کو عقلی برہان کے ساتھ ثابت کیا اور علم الٰہی کے بارے میں شیخ الرئیس (ابن سینا) کے اعتراضات کو روشن کیا اور شریعت مطہرہ و حکمت (فلسفہٗ) الٰہیہ میں ہم آہنگی پیدا کی۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ جس نے بھی ان پر کوئی اعتراض وغیرہ کیا ہے تو اس کے اپنے نقص کی وجہ سے اور انکے بلند پایہ مطالب کے عدم ادراک کے سبب کیا ہے۔ اور (یہ حقیقت ہے کہ) ایسی ابحاث میں (بغیر کسی ابتدائی علم کے) ہٹ دھری کے ساتھ داخل ہونا کہ جن کی بنیاد بہت ہی دقیق اور متفرق اصول (ومبانی) پر قائم ہے، بلند پایہ دینی و فلسفی شخصیات کے بارے میں بدگمانی کا باعث بنتا ہے۔ یہاں تک کہ اشاعرہ و معتزلہ کے بارے میں صدرا کے جو اعتراضات (علمی) ہیں انھیں (انسان) جہالت کی وجہ سے، دین و مشائخ مذہب پر حملہ خیال کرنے لگتا ہے۔

عظیم الشأن فلسفی نے ’’بقائے نفس اور مابعد الموت کے حالات‘‘ کی بہت زیادہ وضاحت کی ہے۔ جس کیلئے ان کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

صدر المتألہین ’’معاد روحانی‘‘ کے بھی قائل ہیں اور ’’معاد جسمانی‘‘ کے بھی۔ وہ روحانی

۱۔ حکمۃ الاشراق، مقالہ پنجم: معاد و نبوات و مقامات، فصل، انوار طاہرہ کی رہائی اور عالم نور کی طرف ان کا انتقال۔ ص ۳۶۶۔ ۳۷۴۔ فصل: نفس ناطقہ کے احوال بعد از مفارقت از بدن۔ ص ۳۷۴، ۳۷۷۔

۲۔ محمد بن ابراہیم شیرازی المعروف صدر المتألہین (۹۷۹۔ ۱۰۵۰ ھ ق) کہ جو حکمت (وفلسفہ) متعالیہ کے بانی ہیں۔ انکے اہم ترین علمی آثار میں ایک ’اسفار اربعہ‘ ہے اس کے علاوہ ان کی دوسری کتابیں یہ ہیں: تفسیر القرآن الکریم، شرح اصول کافی، مبدأ و معاد، مفاتیح الغیب، شواہد الربوبیہ، اسرار الآیات اور حاشیہ بر شفا۔

معاد کے بارے میں کہتے ہیں: ''جب ہمارے نفوس کامل ہو جاتے ہیں، قوت حاصل کر لیتے ہیں اوران کا بدن سے تعلق ختم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی حقیقی ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اوراپنے مبدع کی طرف رخ کرتے ہیں تو (اس وقت) انھیں ایسی مسرت وسعادت حاصل ہوتی ہے کہ جس کی توصیف یا جس کا لذّات حسیّہ سے موازنہ کرنا ممکن ہی نہیں''۔ اسی فصل میں وہ مزید کہتے ہیں: ''جسمانی وجود، موت وغفلت اور ہجران وفوت کے ہمراہ ہے اور جتنا بھی مادہ سے تعلق زیادہ ہوگا تو حضور وادراک (اتنا ہی) ناقص ہوگا۔ یہاں تک کہ بدن سے مفارقت کے وقت ہمارا اپنے بارے میں ادراک زیادہ شدید ہوتا ہے۔ اوراکثر لوگ، ابدان مادیہ اورانکے انتقال میں استغراق کی وجہ سے اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں اوراپنی ذات کا ڈروخوف نہیں رکھتے'' [۱]

یہ ہیں فلاسفۂ اسلام (وقبل از) اسلام کی آراء ونظریات، چونکہ بہت سے قارئین کی نظر میں یورپی فلاسفہ کی آراء ونظریات بہت زیادہ اہمیّت کے حامل ہیں۔ لہذا ہم ان میں سے بعض کے نظریات وآراء اختصار کے ساتھ یہاں نقل کرتے ہیں۔

چند صدیاں پہلے یورپی فلاسفہ میں سے ''روحیّون'' کو نفسیات کی فکر لاحق ہوئی تو پہلے مرحلہ میں انکے فلاسفہ مثلاً یونانیوں نے برہان کے ساتھ، روح کے دوام اور بقا کو ثابت کیا اور آج تک وہ اپنے حسی تجارت اور محسوس خوارق عادات کی بناء پر روح کی بقا اوراس عالم میں اس کے تصرف کو ثابت اور محسوس جانتے ہیں۔

ڈیکارٹ کی رائے

ڈیکارٹ [۲] فقط روح عاقلہ کا قائل تھا اور وہ روح وجسم کے امتزاج کی کیفیت کے بارے

۱۔ اسفار اربعہ، ج ۹ ص ۱۲۱۔۱۲۵۔ الباب العاشر، فی تحقیق المعاد الروحانی، فصل اول، فی ماہیۃ السعادۃ الحقیقیۃ۔

۲۔ رنہ ڈیکارٹ (۱۵۹۶۔۱۶۵۰ء) کو جو فرانسیسی فلسفی، ریاضی دان اور سائنسدان تھا۔ اس کی کتابوں کے نام یہ ہیں: 'قواعدی برای رہبری فکر' بحث دربارۂ روش، اصول فلسفہ، بحث دربارۂ عواطف روح۔

میں زیادہ اہمیت کا قائل تھا۔ وہ روح کی صفات میں سے 'فکر' کو اور جسم کی صفات میں سے 'امتداد' کو خاص قرار دیتا تھا۔ اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز جانتا تھا۔ اس کا کہنا ہے: چونکہ روح ایک چیز ہے اور جسد ایک دوسری چیز۔ پس یہ تصور درست نہیں کہ روح حال اور مسیر میں جسم کے تابع ہوئی ہے۔

ڈیکارت کی پیروی کرنے والے افراد۔ بہت زیادہ ہیں اگرچہ انھوں نے روح عقلانی اور جسم کے امتزاج کے بارے میں اس کی مخالفت کی ہے اور واسطہ کو ثابت کیا ہے۔ اہل یورپ کے نزدیک ڈیکارت فلسفہ میں اس قدر بلند مقام و منزلت رکھنے کے باوجود، کہتے ہیں کہ اس نے 'خلود روح' (روح کی ابدیت) کے مسئلہ کو خیال و فکر کی حد سے (زیادہ) حقیقت اور وجود کی حد تک پیش نہیں کیا۔ یہاں تک کہ عصر جدید کے روحانی علماء نے روح کے وجود اور جسم سے اس کے تمایز اور موت کے بعد اس کی بقا کو 'احضار ارواح' کے علم سے ثابت کیا۔ اور اب یورپ اور امریکہ میں یہ نظریہ قبول عام کی حیثیت رکھتا ہے حتیٰ کہ جو لوگ مادیت پر اصرار کرتے تھے وہ 'روحانی' ہو گئے ہیں اور بقائے روح کے بہت زیادہ طرفدار بن گئے ہیں۔ ارواح کے بارے میں عجیب و غریب قصے مشہور ہیں اور انکے بڑے بڑے دانشور انھیں نقل کرتے ہیں۔

'فرید وجدی'[۱] صاحب دائرۃ المعارف نے کہ جو خود علم 'تنویم و احضار ارواح' کے معتقدین میں سے ہے، انگلستان، فرانس، امریکہ اور آسٹریلیا کی ۷۴ علمی شخصیات کا نام لیا ہے کہ جو ان خارق عادت حکایات پر اعتقاد رکھتی تھیں۔ ان کا کہنا ہے: ہم اس بات کے معتقدین اور طرف داروں کے نام گنوانے کے درپے نہیں تھے ورنہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اور جو شخص ان کی عجیب و غریب حکایات کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس بارے میں لکھی جانے والی کتابوں کی طرف رجوع کرے اور ان قصوں کا مطالعہ کرے جو یورپی فلاسفہ نے نقل کئے ہیں تاکہ وہ روح کے زندہ ہونے

۱۔ فرید وجدی (۱۲۹۵۔۱۳۷۳ھ ق) مصری مؤلفین و محققین میں سے ہیں ان کی (ایک اہم تألیف) 'دائرۃ المعارف القرن العشرین' ہے۔

پر یقین کر سکے۔

یہ یونانی وغیر یونانی اور اسلامی وغیر اسلامی فلاسفہ کے نظریات و آراء کی ایک جھلک تھی۔[۱]

تجرد نفس کا اثبات

نفس کی ایک حالت، حالت تجرد ہے۔ عظیم حکما (وفلاسفہ) نے اتنی اہمیت کسی مسئلہ کو نہیں دی جتنی اہمیت اس مسئلہ (تجرد نفس) کو دی ہے۔ اس نہ ہی اس طرح کسی مسئلہ کو براہین کے ساتھ واضح کیا ہے۔ ہم اس وقت اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں۔ یہاں (فقط) بعض ایسی دلیلوں پر اکتفا کرتے ہیں جن کے مبادی بہت زیادہ مشکل نہیں اور (اصل) مقصد بیان کرتے ہیں۔

اطباء اور علم اعضاء سے آگاہ علماء کا اتفاق ہے اور تجربہ بھی بتاتا ہے کہ انسانی بدن کے تمام اجزاء، ام الدماغ کہ جو ادراک کا مرکز اور قوائے نفس کے ظہور کی جگہ ہے، سے لیکر بدن کے آخری اجزاء تک (یعنی صلب کی ہڈی تک، تیس یا پینتیس سال کے بعد کمزور ہونے لگتے ہیں اور ضعیفی و کمزوری کے افق کے نزدیک جا پہنچتے ہیں۔ خود ہمارا تجربہ ہے کہ (اس عمر میں) پورے بدن میں ضعف اور سستی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اسی دوران یعنی تیس، چالیس سال کی عمر کے بعد روحانی قوتیں اور عقلی ادراک کامل ہونے اور ترقی کرنے لگتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقل کے قوائے ادراکیہ جسمانی نہیں ہیں (بلکہ مجرد ہیں) کیونکہ اگر یہ قوا جسمانی ہوتے نہیں ہونا چاہیئے کہ فکری قوتوں کے کثرت استعمال اور عقلی قوتون کے تجربات کی وجہ سے یہ عقلی قوتیں، قوی ہو گئی ہیں۔ کیونکہ تمام جسمانی قوتیں کثرت استعمال اور زیادہ فعال ہونے کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہیں نہ کہ قوی و طاقتور لہذا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ عقلی قوتیں جسم ہیں، نہ جسمانی۔ اور یہ اعتراض

۱۔ کشف الاسرار، ص ۳۰، ۳۸۔

کہ بڑھاپے میں فکری قوتیں بھی ناقص ہو جاتی ہیں، غلط ہے۔ اس لیے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی بھی جسمانی قوت بڑھاپے تک ترقی نہیں کرتی تا کہ ہم یہ کہیں کہ جسم کا فلاں حصّہ ادراکات عقلیہ کا محل ہے۔ اور بڑھاپے تک قوی ہوتا ہے لیکن اب چونکہ وہ حصہ کمزور ہو گیا ہے اس لیے قوت فکر بھی کمزور ہو گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ (اگر ایسا ہے تو) بڑھاپے میں فکر بھی کمزور ہو جائے گی، کیونکہ وہ بھی جسم میں حلول کیے ہوئے ہے یا جسمانی قوتوں کی محتاج ہے، لیکن خالص ادراکات اور ملکات فاضلہ یا خبیثہ بھی اس وقت پہلے سے زیادہ قوی ہو جاتے ہیں اگر چہ ان کا اظہار یا ظہور کم ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ ہمارے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے چالیس، پچاس سال کی وہی قوت ادراک ہی کافی ہے۔

بڑھاپے میں فکری قوتوں کا ناقص ہوجانا

اس نقضی اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نفس جب ملک بدن سے اپنی بساط لپیٹتا ہے اور اس کی قوتیں اس کے باطن ذات کی طرف رجوع کرتی ہیں تو تمام وہ قوتیں جو عالم جسم و جسمانی سے نزدیک ہوتی ہیں وہ تھکن اور سستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور جو دور ہیں وہ دیر سے کمزور ہوتی ہیں۔ لیکن جو قوتیں عالم تجرد و ملکوت سے ہیں وہ زیادہ قوی اور شدید ہو جاتی ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نفس جسم ہے نہ جسمانی۔

نفس کے آثار کا خواص جسم کے برعکس ہونا

نفس کے افعال، آثار اور خواص، مطلق اجسام کے افعال و آثار اور خواص کے برخلاف ہوتے ہیں۔ پس یہ بھی نفس کے جسم نہ ہونے کی دلیل ہے۔ مثلاً ہم واضح طور پر جانتے ہیں ایک جسم، ایک سے زیادہ صورتیں قبول نہیں کرتا۔ اگر دوسری صورت، قبول کرنا چاہے تو یہ پہلی صورت کے ختم ہونے کے بعد ہی ممکن ہے۔ مثلاً ایک کاغذ کے اوپر ایک تصویر بنی ہوئی ہے تو جس جگہ تصویر

بنی ہوئی ہے بالکل اسی جگہ دوسری تصویر نہیں بن سکتی، جب تک پہلی تصویر مٹا نہ دی جائے۔ اور یہ حکم تمام اجسام میں عقلی طور پر جاری ہے۔ لیکن نفس کے اندر ایک وقت میں متعدد و متضاد صورتیں نقش ہو سکتی ہیں بغیر اس کے کہ پہلی صورت زائل ہو۔

ہر جسم میں متناہی و محدود صورتوں کو نقش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نفس کے اندر غیر متناہی اور غیر محدود صورتیں نقش ہو سکتی ہیں، اس لحاظ سے نفس غیر متناہی امور پر حکم کر سکتا ہے۔

نیز یہ کہ جسم کی صورت زائل ہو جانے کے بعد جب تک اس صورت کیلئے از سر نو سبب پیدا نہ ہو دوبارہ وہ صورت پیدا نہیں ہو گی لیکن نفس سے جو صورتیں غائب ہو جاتی ہیں وہ بغیر کسی خارجی سبب کے دوبارہ پلٹ آتی ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ نفس اپنے خواص و آثار اور افعال میں تمام اجسام کے برعکس ہے۔ لہذا نفس مجرد ہے اور جسم و جسمانیات کی قسم سے نہیں۔

بدن کے نابود ہونے سے نفس نابود نہیں ہوتا

مجردات نابود نہیں ہوتے جیسا کہ اپنی جگہ پر براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک مادۂ قابلہ نہ ہو وہ نابود نہیں ہوتا اور مجرد میں مادۂ قابلہ ہوتا ہی نہیں کیونکہ مادۂ قابلہ، اجسام کے لوازم میں سے ہے۔ پس وہ (مجردات) خراب نہیں ہو سکتے۔

پس اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ بدن کے نابود ہو جانے کے بعد اور نفس کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد (بھی) نفس نابود نہیں ہوتا بلکہ دوسرے عالم میں باقی رہتا ہے، اس کیلئے فنا نہیں۔ اور یہی نفوس اور ارواح کیلئے قیامت سے پہلے 'معاد روحانی' ہے اور یہ ان کیلئے اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک ان (نفوس و ارواح) کے ابدان میں پلٹ جانے کے بارے میں ارادۂ الٰہی ظاہر نہیں ہو جاتا۔[۱]

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۰۰، ۱۹۸۔

اسفار میں تجرد نفس کی ادلہ

اگر بحث کو ایسے بسیط امور میں فرض کریں جن میں تقسیم عقلاً محال ہے، مثلاً ذات باری تعالیٰ اور ایسی وحدت یا (امور) بسیط کہ جن سے مرکبات تألیف پاتے ہیں، ایسے بسایط سے متعلق علم، ایک ایسے محل (ومقام) کا محتاج ہے جسے ہم 'نفس' کہتے ہیں۔ اگر یہ علم، کچھ بسایط اور اجزاء میں تقسیم کیا جائے تو ان اجزاء اور اقسام میں سے ہر ایک (قِسم و جز) یا تو علم کی جنس سے ہے یا نہیں ہے اور اگر اجزا، علم کی جنس سے نہ ہوں تو ان کا مجموعہ بھی علم کی جنس سے نہیں ہوگا۔ کیونکہ علم 'اجتماع اجزاء سے حاصل ہونے والی ہیات (شکل وصورت)' کا نام ہے۔ اب ہم اس حاصل شدہ ہیأت (اشکال وصور) میں بحث کرتے ہیں۔ اگر یہ ہیات (اشکال وصور)، تقسیم کو قبول کریں یعنی اس کے کچھ اجزاء ہوں اور وہ اجزاء، علم کی جنس سے ہوں تو لامحالہ تقسیم سے پہلے والے علم کے علوم واجزاء کیلئے کوئی متعلق ہوگا۔ اور اگر اس علم بسیط سے متعلق، تقسیم شدہ، جزئی علوم میں سے ہر ایک کیلئے کوئی متعلق ہو کہ جو تقسیم سے پہلے والے علم کا متعلق ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک شئے کا جز اس کے کل کے مساوی ہو جائے۔ اور اس بسیط کا ایک جز، اجزا میں سے ہر ایک کے متعلق ہو جائے یعنی لازم یہ آتا ہے کہ جس کو ہم نے بسیط فرض کیا تھا، وہ بسیط نہ ہو اور یہ خلف ہے۔

اس سے ہم یہ نتیجہ لیتے ہیں کہ یہ علم جو انسان میں ہے اور جس کا متعلق بسیط ہے، وہ خود بھی بسیط ہے۔ لہذا اس کا محل ومقام بھی بسیط ومجرد ہونا چاہیئے۔ پس ثابت ہوا کہ ہم میں ایک بسیط ومجرد چیز ہے کہ جس کا نام 'نفس' ہے۔ یہ ایک مکمل وتام دلیل وحجت ہے۔[۱]

دلیل اول کا جائزہ

البتہ اس حجت ودلیل کے ساتھ تمام افراد بشر کے تجرد نفس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے

۱۔ صدر المتألہین نے اس باب (ج ۸ ص ۲۶۰۔۳۰۲) میں تجرد نفس پر گیارہ دلیلیں ذکر کی ہیں، جن خلاصہ امام خمینیؒ کے بیان میں یہاں پیش کیا گیا ہے۔

کہ بسائط کا علم (تمام) بنی نوع انسان کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ علم فقط ایک خاص گروہ سے مخصوص ہے کہ جو 'عارف باللہ' ہیں۔ لہذا یہ دلیل فقط اس گروہ کے تجرد نفس کو ثابت کرتی ہے۔ لیکن عام لوگوں کو اس قسم کے بسائط کا صرف مفہوم ہی حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً وہ ذات الٰہی کی حقیقت سے کسی قسم کی آگاہی نہیں رکھتے بلکہ فقط ایک ذہنی مفہوم سے آگاہ ہیں جو مفہوم 'اللہ' سے زیادہ نہیں۔ مگر 'عارفین باللہ' کو حقیقت ذات کی معرفت، اپنی وسعت اور تجرد کے مطابق حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے فہم کے مطابق ذات محبوب کے حسن و جمال سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

تجرد نفس، اثبات معاد کا مقدمہ ہے

بنی نوع بشر صور خیالیہ کے حامل ہیں۔ اگر چہ وہ اشیاء کا مکمل عقلانی تجرد کی حد تک ادراک نہیں کر سکتے۔ لیکن انکے اندر موجود یہی صور خیالیہ، ہماری بحث کے نتیجے یعنی اثبات معاد کیلئے کافی ہیں۔ یہ اس لیے کہ اگر کوئی تجرد خیالی کے مرتبے تک پہنچ جائے یعنی وہ مرتبہ کہ جو مادہ سے تو مجرد ہو لیکن مقدار و شکل سے مجرد نہ ہو۔ تو اس کیلئے معاد ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ہم ان حیوانات تک کے محشور ہونے کے قائل ہیں کہ جو خیالی تجرد تک پہنچ جاتے ہیں۔

کلیات کے ادراک کے ذریعے تجرد نفس کا اثبات[1]

ہمارا نفس 'انسان کلی' کے مفہوم کا ادراک کرتا ہے کہ جو (تمام) انسانی افراد کے درمیان مشترک ہے اور یہ معقول، وضع و شکل معین سے مجرد ہوتا ہے۔ چونکہ معین اشکال اور اوضاع کے حاملین، متعدد افراد کے درمیان مشترک نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ 'صورت مجردہ' موجود ہے اور دوسری جانب اپنی جگہ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے 'کلی' خارج میں موجود نہیں۔ بلکہ اس کا

۱۔ شارح (رحمۃ اللہ علیہ) نے بظاہر تجرد نفوس ناطقہ پر دوسری دلیل کی وضاحت نہیں کی یا لکھنے والے نے اسے نہیں لکھا۔

محل وجود ذہنی ہے۔ پس اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس صورت کا محل (وجود) یا جسم ہے یا غیر جسم۔ اس کے محل کا جسم ہونا، محال ہے کیونکہ اگر اس کا محل، جسم ہو تو اس صورت معقول کیلئے بھی محل کی پیروی میں، معین کم (مقدار) اور معین وضع ضروری ہے۔ اور اگر ایسا ہو تو، صورت، تجرد سے خارج ہو جاتی ہے اور اگر وہ تجرد سے خارج ہو جائے تو 'کلی' نہیں رہتی۔ اور یہ بات واضح طور پر باطل ہے۔ پس اس صورت کا محل (وجود) جسم نہیں بلکہ 'مادہ سے مجرد جوہر' اس کا محل ہے۔[1]

غیر متناہی امور کا انجام پانا

انسانی قوۂ عاقلہ، غیر متناہی افعال کی انجام دہی پر قدرت رکھتی ہے۔ جبکہ کوئی بھی جسمانی قوت، غیر متناہی افعال انجام نہیں دے سکتی۔ پس قوۂ عاقلہ کا کوئی بھی حصہ، جسمانی نہیں۔ لہذا اسے مجرد ہونا چاہیئے۔[2]

اعضائے بدن پر قوۂ عاقلہ کا عدم انطباع

اگر قوۂ عاقلہ، اعضائے بدن میں سے کسی عضو مثلاً قلب یا دماغ پر منقش ہو جائے، تو یا وہ ہمیشہ اس عضو کو تعقل کرتی ہے یا مطلقاً اس عضو کو تعقل نہیں کرتی۔ چونکہ نہ تو وہ دائماً اس عضو کو تعقل کرتی ہے اور نہ ہمیشہ اس عضو کے تعقل کے بغیر رہتی ہے بلکہ کبھی اسے تعقل کرتی ہے، کبھی نہیں کرتی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی عضو میں منقش نہیں ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ تالی کے باطل ہونے کی وجہ سے مقدم بھی باطل ہو جائے گا۔[3]

۱۔ اس دلیل پر مفصل تحقیق وتبصرہ حضرت امام خمینیؒ کی 'تقریرات اسفار' میں بیان ہوا ہے۔

۲۔ حضرت امام خمینیؒ کی 'تقریرات اسفار' میں ان دو مقدمات کی مفصل تحقیق و بحث پیش کی گئی ہے۔

۳۔ اس دلیل پر مفصل تحقیق وتبصرہ حضرت امام خمینیؒ کی 'تقریرات اسفار' میں بیان ہوا ہے۔

بڑھاپے میں قوۂ عاقلہ کا ضعیف نہ ہونا

اگر قوۂ عاقلہ جسمانی ہوتو اس سے قوۂ عاقلہ کا بڑھاپے کے زمانے میں ہمیشہ ضعیف ہونا لازم آتا ہے۔لیکن یہ قوۂ کہولت اور بڑھاپے میں ہمیشہ اور ہر شخص میں ضعیف نہیں ہوتی۔البتہ اگر کوئی ایک شخص ایسا ہو جس کی عقل کہولت اور بڑھاپے میں کمزور نہ ہوئی ہوتو ہمارا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے اور حجت تمام ہو جاتی ہے۔اور ضروری نہیں کہ ہم ثابت کریں کہ بڑھاپے میں تمام افراد کی قوۂ عاقلہ قوی ہو جاتی ہے۔بلکہ اگر بعض افراد کی قوی ہو یا اگر بعض کی ضعیف نہ ہوتو ہمارا مطلب ثابت ہو جاتا ہے۔

قوۂ عاقلہ میں جسمانی خواص کا عدم تحقق

یہ برہان کہ جو ثالث قیاس کی شکل میں ہے،اس طرح ہے:

جس کے ذریعے بوڑھا اشخاص،اشیاء کا تعقل کرتا وہ ''قوۂ عاقلہ'' ہے۔اور ایسا بھی نہیں کہ ﴿ کلما یعقل به الشیخ تَکِلُّ عند الشیخوخة وکلُّ قوّة عاقلة تکلّ عند الشیخوخة ﴾(یعنی جس (چیز) کے ذریعے بھی بوڑھا تعقل کرتا ہے وہ بڑھاپے کے وقت سست پڑ جاتی ہے۔

(لہذا) ہر قوۂ عاقلہ،بڑھاپے کے وقت سست ہو جاتی ہے) پس،اس برہان کا صحیح ہونا اس بات پر مبنی نہیں کہ بوڑھے کی عقل بالکل،سست نہیں ہوتی۔بلکہ اگر کوئی عقل،بڑھاپے کے وقت سست نہیں پڑتی تو جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کے صحیح ہونے کیلئے کافی ہے۔البتہ بوڑھے سے مراد،ایک سو ستر سالہ بڈھا نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے کہ جس کی طاقت اور جسمانی قوت،کا دور گزر چکا ہو۔

فعل کی انجام دھی میں نفس کا محلّ سے مستغنی ہونا

اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ سوچ وبچار اور گہرا عقلی ادراک،دماغ کی کمی،بدن کے کمزور اور نفس کے کامل ہونے کا باعث ہے۔(کیونکہ اس حالت میں،معقولات قوت سے فعلیت میں

بدل جاتے ہیں) اور یہ بھی واضح ہے کہ ایک ہی شئے، ایک شئے کے نقص وکمال کا باعث نہیں بنتی۔ اگر قوۂ عاقلہ، جسمانی ہوتو اسے بدنی خاصیتوں کے تابع ہونا چاہیئے۔ اوراس بات کالازمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی بدن کے نقصان کا سبب ہوگی وہی نفس کے نقصان کا بھی سبب ہوگی۔ لیکن ہم نے کہا ہے کہ معقولات میں گہرا (سوچ وبچار) عقل کی قوت کا سبب بنتا ہے۔ درحالیکہ وہ بدن کے نقصان کا سبب ہوگی۔

نفس اپنے فعل میں محل (ومقام) سے بے نیاز وغنی ہوتا ہے اور جو چیز بھی اپنے فعل میں، محل سے بے نیاز ہو، اپنی ذات میں بھی محل سے بے نیاز ہوگی۔ پس نفس مجرد ہے کیونکہ محل سے غنی وبے نیاز ہے۔[1]

بیک وقت شدید وضعیف امور کو درک کرنا

بدنی قوئ کثرت افعال کی وجہ سے تھک جاتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں۔ قوا، ضعیف ہو جانے کے بعد دوبارہ قوی نہیں ہوتے اور قوی ہوجانے کے بعد، ضعیف کام کرنے پر (بھی) قادر نہیں ہوتے۔ مثلاً جب انسان سورج کی طرف دیکھتا ہے (اس کے بعد) اگر وہ اپنی آنکھ کو ایک شمع کی طرف کرے تو اسے نہیں دیکھ سکتا اور (اسی طرح) اگر وہ کسی قوی ومہیب رعد کی آواز کو سنے تو (اس کے بعد) کافی دیر تک ضعیف آواز کو نہیں سن سکتا۔ جسمانی قوتوں کی حالت یہ ہوتی ہے۔ جبکہ نفس اس طرح نہیں کیونکہ وہ ضعیف چیز کے تصور کے بعد، قوی چیز کے تصور پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اسی طرح قوی چیز کے تصور کے بعد، ضعیف چیز کا تصور بھی کرسکتا ہے۔

۱۔ اس دلیل کی مفصل تحقیق، حضرت امامؒ کی 'تقریرات اسفار' میں موجود ہے۔

نفس کو تاثیر وتاثر میں کسی خاص حالت اور محاذات کی ضرورت نہ ہونا

ابن مسکویہ[1] نے اپنی کتاب میں انسان کے عقلی ادراک کے بارے میں ایک بحث کی ہے اور کہا ہے کہ: جسمانی قوتوں میں تاثیر وتاثر، بغیر وضع اور محاذات (مدمقابل ہونے) کے ممکن نہیں۔ مثلاً جو پتھر پھینکا جاتا ہے وہ پھینکنے والے کے ہاتھ میں ایک خاص وضع وحالت رکھتا ہے کہ جو قوت اور حرکت کے مبدا کو ایجاد کرتا ہے اور فی الحال، پتھر کی حرکت کا تعلق اس قوت سے ہے نہ کہ پھینکنے والے کے ہاتھ کی طاقت سے (کہ جواب پتھر کے مدمقابل ہونے سے نکل چکا ہے)۔ یا اگر ایک وزنی جسم، اوپر سے نیچے آرہا ہو تو وہ اپنے طبیعی میلان کی وجہ سے (نیچے آتا) ہے۔ کیونکہ جسم ایک خاص وضع وحالت رکھنے کی وجہ سے مرکز کی طرف میلان رکھتا ہے۔ یہ یا تو قوہٗ جاذبہ کی وجہ سے ہے کہ کسی چیز کے ساتھ خاص وضع (میں ہوجانے) کے بعد اسے جذب کرتا ہے۔ لیکن اگر جسم اس وضع سے نکل جائے تو جاذبہ (کی قوت) اسے جذب کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ مثلاً زمین، چاند کے اردگرد سے اشیاء کو اپنی طرف جذب نہیں کرسکتی۔ پس، جسمانی قوتوں میں تاثیر، محاذی (مدمقابل) ہونے اور خاص وضع کی محتاج ہے۔ لیکن نفس میں تاثیر، وضع ومحاذات کی محتاج نہیں۔ اسی لیے نفس، معدوم چیز میں تاثیر رکھتا ہے اور 'اعدام' کا تصور کرسکتا ہے۔ مثلاً 'شریک الباری' کو درک کرسکتا ہے اور 'مجردات' کا بھی ادراک رکھتا ہے[2]،[3]۔

عالم تجرد میں نفس کی بقا

مجرد کے فنا کا محال ہونا

جب تک صورت، تجرد کی حد تک نہ پہنچے (اگرچہ تجرد، برزخی وخیالی ہی ہو نہ کہ تجرد تام عقلی)،

۱۔ احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ (۳۲۰۔۴۲۱ھ ق) نامور اسلامی طبیب اور فلسفی تھے ان کی کتابوں میں سے یہ ہیں: السعادۃ، تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق، جاویدان خرد، آداب الفرس والہند، تجارب الامم وتعاقب الہمم۔

۲۔ دسویں وگیارہویں دلیل یا تو لکھی نہیں گئی یا اس کی تدریس نہیں ہوئی۔

۳۔ تقریرات اسفار۔

(اس وقت تک) وہ ثبات وبقا کی قابلیت وصلاحیت نہیں رکھتی۔ لیکن اگر مادہ، عالم طبیعت میں لایتقفی (لامحدود) سیر وحرکت کے ساتھ، عالم طبیعت سے خارج از طبیعت کی جانب سیر (وحرکت) کرے اور عالم طبیعت کی حدود میں سے کسی بھی حد پر توقف نہ کرے اور کوئی مانع اور رکاوٹ بھی پیش نہ آئے اور نہ ہی کوئی حادثہ رونما ہو دوسرے الفاظ میں وہ 'لابشرط' ہو جائے اور اس کے بعد یہ 'لابشرط' موجود، طبقہ نبات سے گزر کر، تجرد (خواہ تجرد خیالی ہی سہی) کے اندازے کے مطابق حیوانیت کی حد تک جا پہنچے۔ تو پھر اس کے تجردی پہلو پر زوال وفساد اور فنا عارض ہونا محال وناممکن ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی موجود، اپنی حرکت وسیر (کے دوران) عالم طبیعت اور دنیا کے تمام مراتب کو طے کر لے اور آخر کار عالم طبیعت کی آخری حد تک یعنی وہ جگہ کہ جو مادہ کی پرواز کا انتہائی ممکنہ درجہ ہے، جا پہنچے تو وہیں رک جاتا ہے (اور اس سے آگے) اس کے پر جلنے لگتے ہیں۔ کیونکہ ایک طبیعی موجود اس مرحلہ سے آگے پرواز نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس کی انتہائی وجودی حد یہیں تک ہے۔ اس جگہ تک، مادہ سے جو فعلیت، ظاہر ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ (اس کے بعد اس کی) تمام قوتیں، فعلیت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس وقت، صورت (یعنی نفس) مادہ کو چھوڑ کر غلاف طبیعت سے نکل آتی ہے اور ایک مجرد، موجود (مخلوق) بن جاتے ہے (اور یہ) یا تو مجرد برزخی ہوتی ہے یا مجرد عقلانی۔

عدم فاعل کے توسط سے مجرد سے عدم کا دور ہونا

افق تجرد تک پہنچنے سے پہلے، نفس پر بغیر کسی شائبہ مجاز کے، احکام طبیعت جاری ہوتے ہیں۔ اور غلاف مادہ سے نکلنے کے بعد، (نفس) بالکل (عالم) طبیعت سے دور ہو کر، تمام موجودات طبیعت کے مخالف ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح) مجرد ہو جانے کی وجہ سے، اس پر عدم سوائے ایک جانب کے کسی بھی طرف سے وارد نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اس فاعل کی جانب ہے کہ جس کے ذریعے

یہ مجرد (مجرد) بنا ہے۔اس عدم کے علاوہ اور کوئی عدم، مجرد پر وارد نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ مادہ ہی نہیں رکھتا تا کہ اس کی جانب سے اس پر عدم طاری ہو سکے۔ ہاں! اگر وہ مادہ رکھتا تو جب تک اس کا مادہ ایک صورت کو قبول کرنے کی فاعلیت رکھتا، تو وہ اس صورت کو قبول (وحفظ) کرتا۔ اور جب کسی آفت کے آجانے یا اپنی استعداد کو کھو دینے کی وجہ سے اس کی قابلیت ختم ہو جاتی تو وہ صورت سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ جب تک کسی زمین میں قابلیت و استعداد ہوتی ہے وہ نباتات کی حفاظت کرتی ہے اور ان کی پرورش کرتی رہتی ہے لیکن جب اس کی یہ استعداد اور قابلیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی قوت کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو اس میں موجود پودے زرد اور خشک ہو جاتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے مجرد میں مادہ ہوتا ہی نہیں تا کہ اس کے انعدام کے ساتھ، مجرد بھی منعدم ہو جائے۔

مجرد کی علت فاعلی یا تو واجب الوجود ہے یا کوئی دوسرا مجرد موجود ہے کہ وہ (موجود) واسطہ بنتا ہے تا کہ مجرد، واجب الوجود تک پہنچے۔ کیونکہ (ایک) مجرد، موجود کی تمام (کی تمام) ہویت (شناخت اور حقیقت) مبدأ سے متعلق ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی جہت نہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے مبدأ اور فاعل مجرد سے متعلق نہ ہو۔ چونکہ مجرد، ایک بسیط چیز ہے اور فاعل بھی بسیط ہے اور یہ مجرد، اس بسیط سے متعلق ہے اور چونکہ ہر دو، فعلیت محض ہیں اور ان میں قوت کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ لہذا، اس مجرد بسیط کی تمام ذات، اس فاعل بسیط کی تمام ذات سے بعینہ متعلق ہے اور فاعل اپنی تمام تر ہویت کے ساتھ، اس کا مقوم ہے۔ پس اگر مقوم، واجب الوجود ہے چونکہ مبدأ میں عدم محال ہے، تو اس کے متعلق پر بھی عدم کا جاری ہونا محال ہوگا۔

مجرد پر عدم کے محال ہونے کی علت

لیکن اگر اس مجرد کا مقوم، مبدأ کے علاوہ کوئی اور مجرد ہو تو اسی طرح اس فاعل و مقوم مجرد میں بھی یہی مطلب (جاری) ہے۔ اگر مقوم و فاعل، مبدأ ہو تو، بات ختم ہے (اور اگر ایسا نہ ہو) تو

اسے مبدأ تک منتہی ہونا چاہیئے۔ چونکہ اس مبدأ پر عدم محال ہے، پس جو بھی اس سے متقوم ہے کہ جس طرح کا تقوم ہم نے کہا ہے (یعنی اسی کی تمام تر ذات، فاعل کی تمام تر ذات سے متقوم ہو) تو اس پر (بھی) عدم محال ہے۔ لہذا مذکورہ معیار کے مطابق، قوس نزولی میں جس چیز کی تمام ذات، کسی ایسی چیز سے متعلق ہے کہ جس کی تمام تر ہویت، مبدأ سے متعلق ہے تو اس پر عدم (کا طاری ہونا) محال ہوگا۔ اس طرح یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قوس نزولی میں، تمام مجردات پر عدم محال ہے اور اسی معیار کے مطابق قوس صعودی میں بھی (جس مرتبہ سے بھی تجرد شروع ہوتا ہے وہاں سے) مجردات پر عدم محال ہو جاتا ہے۔

عالم طبیعت پر عدم کا وارد ہونا

لیکن عالم طبیعت میں، جو طبیعی موجودات خیالی تجرد کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہوں ان پر عدم وارد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ طبیعی موجودات میں مادہ ہوتا ہے اور ان کی تمام ہویت، فاعل مجرد کی تمام ہویت سے متعلق نہیں ہوتی۔ بلکہ مادہ، زمان و مکان اور ہوا وغیرہ بھی ان کی موجودیت میں، مادہ کی صورت میں دخالت رکھتی ہیں اور مادہ پر صورت کا افاضہ انہی چیزوں سے مشروط ہے۔ البتہ خود زمان بھی ذاتاً تغیّر و تدرّج کا حامل ہوتا ہے۔ لہذا ان امور کا انعدام، صورت کے منعدم ہونے کا باعث بنتا ہے۔ پس عالم طبیعت میں، تغیر و تبدل آ سکتا ہے۔ بلکہ طبیعت تو تغیر و تبدل کا مرکز اور زوال و خرابی کا منبع ہے۔ لیکن عالم مجردات میں، تغیر و خرابی کیلئے کوئی راستہ نہیں اور محال ہے کہ کوئی مجرد مخلوق خراب ہو جائے۔ بلکہ وہ ابدی سلامتی کی حامل ہے اور حی و قیوم کی ابدیت کے ساتھ ابدی ہے۔

نفس کیلئے تجرد تک پہنچنا ضروری ہے

یہاں تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ ملا صدراؒ کے نظریے کے مطابق عالم تجرد میں نفس کی بقا کا

اثبات ہے۔انھوں نے نفس کے سلسلے میں ایک بنیادی اصول وضع کیا ہے اور جسے یہاں تک پہنچایا ہے۔خلاصہ کلام یہ کہ عالم تجرد میں نفس کے وارد ہونے کے فرض کے بعد، اس کی بقا اور عدم انعدام کا اثبات اسی طرح ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔لیکن، میری نظر میں، تجرد تک نفس کے پہنچنے کی کیفیت کو کہ جو حرکت جوہری کے ذمہ ہے، ضروریات میں سے جاننا چاہیئے نہ کہ نظریات میں سے۔[1]

حرکت جوہری کے ذریعے نفس کا مادہ سے رہائی پانا

مادہ، (عالم) طبیعت کی اولین منزل سے حرکت کرتا ہے اور اس کی حرکت عالم طبیعت کے آخری نقطہ تک جاری رہتی ہے کہ (جس کے دوران) صورت، مادہ سے رہائی حاصل کرتی (رہتی) ہے اور جب صورت اس عالم میں پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ حرکت نہیں کرتی چونکہ مادہ سے خالی ہو جاتی ہے۔

حرکت جوہری کے نتیجے میں، مادہ سے نفس کے رہائی پانے کے بارے میں ایک شبہہ پیدا کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے: 'اگر نفس، بدن کے ساتھ ایک (ہی) ہویت (رکھتا) ہو اور حرکت جوہری کے ذریعے مادہ سے نجات حاصل کرے اور مجرد ہو جائے، تو اکثر اشخاص کا نفس، انکے بدن کے فانی ہو جانے کے ساتھ ہی فنا ہو جائے۔کیونکہ اکثر لوگ تجرد تک نہیں پہنچتے'۔

بقائے نفس کے اثبات کیلئے خیالی تجرد کا کافی ہونا

اس شبہہ کے جواب میں ملا صدرا کہتے ہیں: 'بدن سے مفارقت کے بعد، بقائے نفس کیلئے ضروری نہیں کہ سب (لوگ) عقلانی تجرد تک پہنچیں' 'خیالی و مثالی تجرد' بھی کافی ہے۔تجرد دو قسم کا ہے۔ایک 'مثالی تجرد' ہے اور یہ تجرد 'وہم و خیال' کا مرتبہ حاصل ہونے کے ساتھ پیدا ہوتا ہے،

۱۔تقریرات اسفار، ۔

موجود کا نفس کہ جس نے خیالی ومثالی تجرد پیدا کرلیا ہو، اپنے مثالی تجرد کے سبب، باقی (رہتا) ہے۔ پس مثلاً اگر کوئی جنین ساقط ہوجائے اور وہ اس کے اثر سے تجرد کے اس مرتبہ تک نہ پہنچ پائے تو ہمارے لیے ضروری نہیں کہ اس کے حشر اور بقائے نفس کو (بھی) لازمی جانیں۔ چنانچہ کافی کی بعض روایات سے بھی یہ نکتہ استنباط ہوتا ہے کہ بعض نفوس فنا ہوجاتے ہیں ۔[1] خلاصہ یہ کہ اکثر لوگ تجرد مثالی کے مرتبہ میں ہونگے۔ اور اسی مثالی تجرد کے ساتھ محشور ہونگے۔ اور بہت ہی قلیل بزرگ ہستیاں کہ جنہوں نے تجرد عقلانی حاصل کرلیا ہوگا، اس مقام کے ساتھ، محشور ہوں گی۔[2]

برزخی تجرد کے حامل حیوانات کا حشر اور بقائے نفس

ہم نے کہا ہے کہ بدن سے مفارقت کے بعد بقائے نفس کیلئے 'خیالی ومثالی تجرد' بھی کافی ہے اور لازم نہیں کہ سب عقلانی تجرد تک پہنچیں۔ اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ تجرد مثالی 'وہم وخیال' کا مرتبہ حاصل ہوجانے کے ساتھ، حاصل ہوجاتا ہے۔ لہذا جیسا کہ روایات بھی اسی بات کی تائید کرتی ہیں۔ ہم معتقد ہیں کہ: حتیٰ جو حیوانات خیال اور وہم کی قوت رکھتے ہیں، وہ بھی فانی نہیں ہوتے اور انکے نفوس، تجرد مثالی کے ذریعے باقی رہیں گے۔ ہاں! وہ حیوانات کہ جو اس مرتبہ تک نہیں پہنچتے، اور فقط قوت لامسہ کے حامل ہیں۔ مثلاً کیچوا (سرخ برساتی کیڑے جیسے حشرات) فنا ہوجائیں گے۔ کیونکہ قوت لامسہ، مرتبۂ تجرد میں نہیں۔ بلکہ ایک جسمانی قوت ہے اور قوت جسمانی بھی، امتداد جسم تک پھیلی ہوئی ہے۔[3]

۱۔ فروع کافی، ج ۳ ص ۲۳۵ باب المسائلۃ فی القبر۔ جیسا کہ مرحوم مفید نے تصحیح الاعتقاد، ص ۲۱۳، ۲۱۵ نے اس قسم کی روایات سے یہی کچھ اخذ کیا ہے۔ نیز بحار الانوار، ج ۵۸ ص ۸۱ باب حقیقۃ النفس۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

۳۔ تقریرات اسفار، ۔

حیوانات کا برزخ و محشر میں حاضر ہونا

بہت سے حیوانات مستقل برزخی تجرد تک پہنچتے ہیں اور اس صورت میں جب (جوہری حرکت کے ذریعے) ان کی سیر و حرکت ختم ہو جاتی ہے تو انکے برزخی نفوس مجرد باقی رہتے ہیں۔ اس قسم کے حیوانات برزخ میں ہیں اور ان کا حشر بھی ہوگا اور وہ بہت سے انسانوں کے ہمنشین بنیں گے۔[۱،۲]

حیوانات کی برزخی سعادت وشقاوت

بندر حیوان کی صورت میں محشور ہوگا۔ البتہ بندر حیوانیت میں زیادہ قوی ہوتا ہے اور اس کے 'برزخی نفس' کی وسعت، گدھے جیسے دوسرے حیوانات کے نفس سے زیادہ ہوتی ہے۔ بندر جزئی طور پر سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے اور یہ سعادت، خاص حیوانی سعادت ہوتی ہے ہر حیوان اپنی تجردی وسعتوں کے مطابق، سعادت حاصل کرتا ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے ملکات وخلق کے مطابق برزخی شقاوت کا بھی حامل ہو۔ البتہ یہ سب امور، ان کی ذات میں (موجود) حرکت جوہری کی وجہ سے ہیں۔ اور اس چیز میں، حرکت کے شدید وضعیف ہونے کے مطابق، ان حیوانات میں فرق پایا جاتا ہے۔[۳]

تجرد اور روحانی زندگی پر نقلی دلائل

قرآن اور روحانی زندگی

مرنے کے بعد روح کا زندہ ہونا، سب دینداروں، عقلا اور فلاسفہ حتی، تناسخ کے قائلین کے نزدیک مسلمہ امور میں سے ہے۔ لیکن ہم اس مطلب کو (مزید) واضح کرنے کیلئے، قرآن کریم کی چند آیات پیش کرتے ہیں تاکہ شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے:

۱۔ مفاتیح الغیب، ص ۵۲۹، المفتاح الثامن عشر: فی اثبات الحشر الجسمانی والابدان۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔ ۳۔ تقریرات اسفار، ۔

﴿اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْأَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِي قَضیٰ عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْأُخْرَیٰ إِلیٰ أَجَلٍ مُسَمًّی اِنَّ فِي ذٰلِکَ لَآیَاتٍ لِقَوْمٍ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾[1]

خداوند، روحوں (نفسوں) کوان کی موت کے وقت پورا پورا لے لیتا ہے اور جونہیں مرتا اس کواس کی نیند میں (پورا پورا لے لیتا ہے)۔ پس جس پر موت کا حکم جاری ہوگیا، اسے روک لیتا ہے اور دوسرے کومقرر مدت کیلئے بھیج دیتا ہے یقیناً اس میں غور وفکر کرنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ خداوند تمام مردوں کی روح کوان سے مختص عالم میں محفوظ رکھتا ہے۔

﴿حَتّٰی إِذَا جَاءَ أَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحاً فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا إِنَّہَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَائِلُہَا وَمِنْ وَرَائِہِمْ بَرْزَخٌ إِلیٰ یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾[2]

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آئے گی (تو) وہ کہے گا اے میرے پروردگار مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک عمل کروں یہ ہرگزنہیں ہوگا۔ یقیناً یہ ایک بات ہے کہ وہ اس کا کہنے والا ہے اور انکے پیچھے اس دن تک جس دن وہ (زندہ کرکے) اٹھائے جائیں گے (عالم) برزخ ہوگا۔

﴿وَلَا تَقُوْلُوا لِمَنْ یُقْتَلُ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْیَاءٌ وَلٰکِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾[3]

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوا فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾[4]

جولوگ راہ خدا میں قتل کیئے گئے ہیں انھیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور رزق پاتے ہیں۔

۱۔ سورۂ زمر، آیت/۴۲۔

۲۔ سورۂ مؤمنون، آیت/۹۹، ۱۰۰۔

۳۔ سورۂ بقرہ، آیت/۱۵۴

۴۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۶۹۔

﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ☆ اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوّاً وَعَشِيّاً وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾[۱]

اور آل فرعون کو بدترین عذاب نے گھیر لیا۔ وہ جہنم جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت برپا ہوگی تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو بدترین عذاب میں داخل کردو۔

﴿قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ﴾[۲] یہاں اصحاب قبور (مردوں) سے مایوسی کو کفار کی خصوصیات میں سے شمار کیا گیا ہے۔[۳]

تجرد نفس پر قرآن کی دلالت

تجرد نفس پر نقلی شواہد میں سے ایک یہ آیت ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ☆ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ☆ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾[۴]

نکتہ یہ ہے کہ (خداوند عالم) فرماتا ہے (پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنادیا) سابقہ تمام تبدلات میں 'خلق' کہا گیا ہے لیکن یہاں، عبارت کو تبدیل کر کے اسے 'انشاء' سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا ہے: 'اس کیلئے ہم نے ایک دوسری انشاء اور خلق آخری مرحلہ میں قرار دی ہے'

۱۔ سورۂ مؤمن، آیت/۴۵، ۴۶۔

۲۔ سورۂ ممتحنہ، آیت/۱۳۔ ۳۔ کشف الاسرار، ص ۳۸، ۳۹۔

۴۔ ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے خلاصہ (وجوہر) سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسے محفوظ جگہ پر نطفہ بنا کر رکھا ہے۔ پھر نطفہ کو علقہ بنایا ہے اور پھر علقہ سے مضغہ پیدا کیا ہے اور پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کی ہیں اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ہے۔ پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنادیا ہے۔ تو کس قدر بابرکت ہے، وہ خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے۔ سورۂ مؤمنون، آیت/۱۲۔۱۴۔

درحقیقت (یہ آیت) بتا رہی ہے کہ یہ موجود (مخلوق) جوہر کے اعتبار سے اپنے سابقہ وجود سے مختلف ہے۔ مثلاً یہ مجرد ہو گیا ہے جبکہ سابق (موجود) جسم تھا۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحسَنُ الخَالِقِين﴾ یہ جملہ خداوند متعال نے مادیات اور جسمانیات میں سے کسی کے بارے میں نہیں فرمایا، بلکہ فقط اس جدید انشا، (خلقت) کو اس کی شرافت کے سبب ﴿أَحسَنُ الخَالِقِين﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ مخلوق ایک شریف، اور جسم وجسمانیات سے ماورا موجود ہے۔ جیسا کہ اس کی انتہائی شرافت (وتقدس) یہ ہے کہ اس کے بارے میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِذَا سَوَّيتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾[1]

البتہ یہ اسے شرافت بخشنے کی وجہ سے ہے کہ 'تسویہ' کی نسبت (خداوند نے) اپنی طرف دی ہے۔

آیۂ مجیدۂ 'علم آدم الاسماء' سے استدلال

تجرد نفس پر دلالت کرنے والی دوسری آیات میں سے ایک آیت یہ ہے:
﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَى المَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسمَاءِ هَؤُلَاءِ إِن كُنتُم صَادِقِين﴾[2]

اس کی وضاحت یہ ہے کہ 'اظلۂ نفس' نفس کے عین بسیط ہونے کے باوجود، بعض علم نفس کی مظہر ہیں، بعض اس کی رؤیت کی مظہر ہیں اور بعض دوسری اس کی قدرت کی مظہر ہیں۔ مثلاً مغز علم کا مظہر، آنکھ رؤیت کی مظہر، بازو قدرت کے مظہر، قوۂ خیال، خیال کی مظہر اور دوسری قوتیں، دوسری صفات کی مظہر ہیں۔ ان قوتوں کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے باوجود انکے تمام

۱۔ پس جب میں اسے درست کر چکوں اور اس میں اپنی ذرہ سی روح پھونک دوں...... سورۂ ص، آیت ۷۲/۔

۲۔ اور اس (خدا) نے آدمؑ کو سب اسماء کا علم دے دیا پھر ان سب کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان سب کے نام بتاؤ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۱/۔

کمالات، مرتبۂ نفس میں جمع ہیں۔ اسی طرح، میری قوت عاقلہ اور آپ کی قوت عاقلہ یا تمام افراد کی قوت عاقلہ، (اپنی اپنی) جگہ کمالات کی حامل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کمالات، ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اور جس طرح افراد میں غیریت پائی جاتی ہے اسی طرح ان (کے کمالات) میں بھی غیریت ہوتی ہے۔ (مثلاً زید کے کمالات، عمرو کے کمالات سے جدا ہیں)، لیکن وہ سب کے سب 'ربّ النوع' میں جمع الجمع کے طور پر موجود ہیں۔ اسی طرح، عالم وجود کے تمام کمالات ذات باری میں جمع الجمع اور احدیت جمع کے طور پر موجود ہیں۔ اور تمام مظاہر وجود، مظہر حق ہیں۔ اگرچہ (ان میں سے) بعض اسم علیم کے مظہر ہیں، بعض اسم قدیر کے مظہر ہیں اور بعض اسم قابض اور دوسرے اسما کے مظہر ہیں۔ مثلاً جبرائیلؑ اسم علیم کا مظہر اور دوسرے ملائکہ، دوسرے اسماء کے مظہر ہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ مرتبۂ ذات میں کہ جو بسیط محض ہے، قدرت، عین علم ہے اور علم عین قدرت ہے، لیکن دوسرے مرتبہ میں، ذات کے مختلف مظاہر ہیں۔ لہذا اگرچہ تمام موجودات، اسمائے الٰہی کے مظہر ہیں، لیکن، ہم مظاہر میں 'غلبۂ اسمی' بھی دیکھتے ہیں۔

بہرحال ہم نے کہا ہے کہ ملائکہ میں سے ہر ایک، اسماء خداوند میں سے کسی ایک اسم کا مظہر ہے۔ کوئی اسم علیم کا مظہر ہے تو کوئی قدیر کا مظہر ہے اور دوسرا اسم قابض کا مظہر ہے اور (یہ سب) مجرد موجودات ہیں۔ پس آدمؑ کہ جو تمام اسمائے الٰہیہ کا مظہر اور تمام ملائکہ سے برتر ہیں، بلکہ تمام موجودات عالم سے افضل ہیں، ان کا جسمانی بدن تو اسم الٰہی کا مظہر نہیں ہو سکتا، لہذا معلوم ہوا کہ کوئی اور چیز ہے کہ جو مجرد ہے۔ اور وہ (فقط) 'نفس' ہے کہ جو 'صقع ربوبی' سے ہے اور تمام ملائکہ کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ہوا اور وہ وہی اسم جامع 'اللہ' کا مظہر ہے۔

دوسری آیات میں سے ایک یہ آیت بھی تجرد نفس پر دلالت کرتی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِي اِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ﴾۱

۱۔ اور اس طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ سورۂ انعام، آیت/۷۵۔

البتہ حضرت ابراہیمؑ نے ملکوت کی رؤیت، اس (ظاہری) آنکھ کے ساتھ نہیں کی، بلکہ ان کی رؤیت، شہودی اور عقلانی تھی۔

حضرت ابراهیمؑ کا شهود اور تجرد نفس کا اثبات

آیۂ شریفہ: ﴿نُرِي ابراهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْض﴾ میں ملکوت کو جس معنیٰ میں بھی لیں، نفس ابراہیمی کا تجرد ثابت ہوتا ہے۔ ملکوت کا پہلا معنیٰ ہم 'مرتبۂ اسماء وصفات' لیتے ہیں، کیونکہ ملکوت، مالکیت میں مبالغہ ہے طاغوت کی مانند کہ جو طغیان میں مبالغہ ہے۔ اسم ملکیّت و مالکیّت پر تجلّی کا مرتبہ، ایک بہت ہی معتدل اور صحیح مرتبہ ہے کہ جس کے مطابق، ہم تمام موجودات عالم کو مالکیت حقّہ الٰہیہ کے تحت دیکھتے ہیں۔ اور یہ (بھی) مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ سب زمینیں اور آسمان اور پورا عالم مملوکیت احدی میں چل رہا ہے اور گردش موجودات کا تعلق کچھ اس طرح ہے کہ حق تعالیٰ ﴿كيف يشاء يتملك ويتصرف﴾ ہے۔ حتیٰ کہ اشیاء کے جوہر میں بھی تصرف ہوتا ہے۔ اگر یہ مرتبہ، حضرت ابراہیمؑ کو عطا کیا جائے گا تو اس کیلئے ضروری ہے کہ حضرت ابراہیمؑ عالم کے وجہ الٰہیہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت رکھتے ہوں اور یہ مناسبت وسنخیت اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک آپؑ میں ایک الٰہی قوت نہ ہو کہ جو تمام موجودات، حتیٰ مجردات سے بھی افضل ہو۔ تاکہ اس کے توسط سے وہ تمام موجودات حتیٰ، مجردات میں، مالکیت حقّہ حق کی تجلّی کو دیکھ سکیں اور یہ بات، حضرت ابراہیمؑ کیلئے تجرد سے (بھی) بالاتر مقام کو ثابت کرتی ہے۔

لیکن اگر ملکوت کا معنیٰ 'عالم ملک' کریں تو میں کہتا ہوں: جسمانی قوت کے ساتھ، ایک قلیل سی مدت میں، اس قدر (بڑا) عالم حضرت ابراہیمؑ کو نہیں دکھایا جاسکتا۔ پس ایک تجردی قوت کے بغیر چارہ نہیں کہ جس کے توسط سے پورے 'عالم ملک' پر احاطہ کیا جاسکے۔ ان سب باتوں کے علاوہ، آیات کے صدر وذیل کو دیکھتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے، ایک دوسرے انداز

میں بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ حضرت ابراہیمؑ کے سلوک سے متعلق آیات شریفہ کے معنیٰ کی حقیقت کے بارے میں تحقیق ہے۔ جس کے مطابق آپؑ نے (عالم) طبیعت کے پردوں کو چاک کر کے سمجھ لیا تھا کہ ان کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے فلک، قمر، زہرہ و شمس وغیرہ کا نور، اپنا نور نہیں ہے، بلکہ ان کی نورانیت کسی اور مبدأ سے ہے۔

حضرت ابراھیمؑ کے مشھودات

شمس و قمر سے حضرت ابراہیمؑ کے گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عالم طبیعت سے بالکل گزر گئے تھے اور انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ سب ظاہری 'نمود' اور نمائش ہے۔ اور ان کا اپنا کوئی حسن نہیں، سب کے سب محو ہونے والے اور زوال پذیر ہیں اور بنیادی طور پر (ایک) ممکن الوجود، زوال پذیر چیز ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے ان سب کو آفل اور زوال پذیری کی حالت میں دیکھا ہے۔ تو انھیں عالم امکان میں کوئی بھی چیز افول و زوال پذیر کے علاوہ نظر نہیں آئی۔ لہذا انھوں ان سب کو رد کر دیا اور فرمایا: ﴿انّي وَجَّهتُ وَجهِيَ لِلَّذي فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالأرضَ حَنيفاً وَما أنَا مِنَ المُشرِكين﴾[1] یعنی انھوں نے شرک کی تمام اقسام کو رد کر دیا۔ البتہ انھوں نے یہ جو کہا ہے کہ: ﴿وَجَّهتُ وَجهِيَ لِلَّذي فَطَرَ السَّمٰوات﴾ تو ایسا نہیں کہ انھوں نے فقط 'مرتبۂ اسماء' میں فاطریت کو دیکھا ہو، بلکہ انھوں نے 'مرتبۂ اسماء' کو بھی 'مرتبۂ ذات' میں آفل اور فانی پایا ہے۔ البتہ، ان کا 'فطر' کی تعبیر لانا، ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے نہ یہ کہ اس مرتبہ کی جانب، استقلالی نظر سے دیکھا جائے۔

الغرض حق اور 'فاطر السمٰوات' کی طرف توجہ، مادی اور جسمانی صورت و چہرے کے ساتھ ممکن نہیں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ، انسان کے روبرو نہیں کہ اس کی طرف جسمانی صورت کے ساتھ،

ا۔ یقیناً میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کیا ہوا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں راہ حق پر ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ سورۂ انعام، آیت/۷۹۔

توجہ کی جائے بلکہ یہاں 'وجّہت' کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضرتؑ نے (اپنے) وجہ نفس کو الٰہی کرلیا تھا اور وہ وجہ الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے قائل نہیں تھے۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اس دریچے اور دروازے کو بالکل بند کردیا کہ پہلے جس کے ذریعے وہ موجودات ممکن کو اس خیال کے ساتھ دیکھتے تھے کہ ان کا نور، اپنا ہے (لیکن اس دریچۂ فکر کو بند کرنے کے بعد) انھوں نے فقط وجہ الٰہیہ کی طرف رخ کرلیا۔ اور یہ نفس ابراہیمیؑ کے مجرد ہونے کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

پس اس بیان کے ساتھ، نفس ابراہیمیؑ کا تجرد ثابت ہوجاتا ہے۔ اور 'عدم فصل' کے قول کے مطابق، جب نفس ابراہیمؑ مجرد ہوجاتا ہے تو (دوسرے) بشری نفوس بھی مجرد ہوجائیں گے۔ کیونکہ ابراہیمؑ بشر تھے۔ البتہ یہ ممکن نہیں کہ ہمارے نفوس، تجرد نفس ابراہیمیؑ کے مقام و مرتبہ تک پہنچ جائیں ہمارے مخاطب وہ لوگ ہیں کہ جو مطلقاً نفس انسانی کے تجرد کے منکر ہیں۔ بلکہ (انکے نزدیک) ایک جسمانی قوت ہے جیسا کہ غیر الٰہی اطبا کا کہنا ہے۔ (انکے نزدیک)، بدن کی مثال، چراغ اور تیل کی طرح ہے جب تیل ختم ہوجاتا ہے تو چراغ بھی بجھ جاتا ہے اور اس کی نورانیت (روشنی) ختم ہوجاتی ہے اور پھر اس نور کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

ہم کہتے ہیں: آپ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے اندر اور کوئی چیز نہیں تھی کہ جو مجرد ہوتی، پس وہ مجرد چیز یقیناً ان کا نفس (مبارک) ہے کہ جو ایک انسانی نفس ہے۔

مطھرین کا قرآن کو مس کرنا اور تجرد نفس کا ثابت ہونا

تجرد نفس پر دلالت کرنے والی آیات میں سے ایک یہ آیۂ شریفہ ہے: ﴿فَلا أُقسِمُ بِمَواقِعِ النُّجُوم ☆ وَاِنَّهُ لَقَسَمٌ لَو تَعلَمُونَ عَظِيم ☆ اِنَّهُ لَقُرآنٌ كَرِيم ☆ في كِتابٍ مَكنُون ☆ لا يَمَسُّهُ اِلّا المُطَهَّرُون ☆ تَنزِيلٌ مِن رَبِّ العالَمِين﴾[۱]

۱۔ اور میں تو تاروں کے منازل کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اور تم جانتے ہو کہ یہ قسم بہت بڑی قسم ہے۔ یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ -->

بعض روایات کے مطابق، شب، میں کہ جو حضرت ختمی مرتبت کا قلب نورانی ہے، قرآن اس قلب مبارک پر نازل ہوا ہے اور بعض دوسری روایات کے مطابق 'شب قدر' کہ جو ایک مخصوص رات ہے کہ پورا قرآن اس رات کو نازل ہوا ہے۔[۱]

شب قدر، نزول قرآن کے سبب، شریف و مقدس ہوگئی ہے اور اس رات کو اسماء و صفات الہی، کلی رحمت اور قرآنیت کے طور پر نازل ہوئے ہیں۔ خداوند متعال نے اس رات کو (اپنی) رحمت عامہ کے دروازے کو موجودات پر کھولنا چاہا اور تمام اسماء و صفات کو بشر کی دسترس میں دے دیا۔ یہ قرآن ایک مکنون (سربستہ) کتاب میں ہے کہ اس مکنون کتاب کو 'مَس' کرنا، انسانوں کیلئے ممکن نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ جو مطہّر (پاک و پاکیزہ) ہیں۔ البتہ یہ بات مسلّم ہے کہ وہ مکنون کتاب، انتہائی عزت وارتقاء کی حامل کتاب ہے کہ جس تک پست موجودات کی رسائی نہیں اور اگر کوئی اس تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کو مکمل طور پر مَس کرنا چاہتا ہے تو اس کی پوری زندگی اور اور وجود کو مطہر ہونا چاہیئے اور یہاں تطہیر سے مراد حجابات طبیعت سے طاہر و پاک اور طبیعی و جسمانی آلودگی سے مجرد ہونا ہے۔ لہذا انسانی نفس ناطقہ کیلئے ایک تجردی مقام و مرتبہ ہونا چاہیئے کہ جس میں 'کتاب مکنون' کو 'مَس' (چھونے) کرنے کی قدرت ہو۔ پس ان آیات سے بھی نفس انسانی کا تجرد ثابت ہوتا ہے۔[۲]

۷۔ یہ رب العالمین کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ سورہ واقعہ، آیت ۷۵ تا ۸۰۔

۱۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۵ ص ۶۲۴، ۶۳۰، تفسیر سورہ قدر، احادیث: ۵۳، ۵۵، ۸۴۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

چوتھی فصل:

حدوث نفس اور بدن سے اس کا رابطہ

نفس ناطقہ کے نشآت اور ایک دوسرے پر ان کی تاثیر

جان لو کہ انسانی نفس ناطقہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو عین وحدت اور کمال بساطت میں چند نشآت کی حامل ہے۔کلی طور پر ان میں سے زیادہ تین نشآت ہیں:

اول: دنیوی، ملکی اور ظاہری نشئہ۔اس کا مظہر ظاہری حواس ہیں۔اور اس کا ادنیٰ قشر بدن مُلکیّہ ہے۔

دوم: متوسط برزخی نشئہ ہے جس کا مظہر، باطنی حواس اور برزخی بدن ومثالی قالب ہے۔

سوم: باطنی غیبی نشئہ ہے جس کا مظہر، قلب اور قلبی احوال ہیں ان مراتب میں سے ہر ایک کی دوسرے نسبت وہی ہے جو ظاہر کو باطن سے اور جلوہ کو جلوہ گاہ سے ہوتی ہے۔اسی لیے ہر مرتبہ کے آثار وخواص اور انفعالات دوسرے مرتبے میں سرایت کرتے ہیں۔چنانچہ اگر حاسۂ بصری کسی شئی کا ادراک کرے تو اس کا اثر برزخی حس بصری پر بھی، اس نشئہ کے تناسب سے پڑتا ہے اور اس سے باطنی بصر قلبی (بھی) اس نشئہ کے تناسب سے متأثر ہوتا ہے اسی طرح قلبی آثار دوسرے دو نشئہ میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔یہ بات جہاں محکم وقوی برہان سے ثابت ہے وہاں ضمیر کے مطابق بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام شرعی وصوری آداب کا باطن پر اثر، بلکہ آثار مرتب ہوتے ہیں اور اخلاق حسنہ میں سے بھی ہر ایک کہ جو نفس کے مقام برزخیت کے حظوظ میں سے ہے، ظاہر و باطن پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔معارف الٰہیہ اور عقائد حقّہ میں سے ہر ایک کے، برزخی وظاہری

دونوں نشآت پر آثار مرتب ہوتے ہیں[1]

انسان کے وجودی نشآت کا مقام

سالک الی اللہ کیلئے (اس کے) وجودی نشآت کے مطابق (کچھ) مقامات ہیں:

پہلا مقام: نشئہ طبیعیہ اور مرتبۂ ظاہرہ دنیویہ ہے کہ جس کا مقام 'ارض طبیعت' ہے......

دوسرا مقام: ظاہری و باطنی قوتوں کا مرتبہ ہے کہ جو نفس کے ملکی وملکوتی جنود ہیں۔ ان کا مقام ومحل 'ارض طبیعت انسان' ہے کہ جو یہی جسم وڈھانچا اور تن و بدن ہے۔

تیسرا مقام: قلب سالک کا غیبی نشئہ ہے کہ جس کا مقام ومحل 'نفس کا غیبی و برزخی بدن' ہے کہ جو خود نفس کی خلاقیت وانشاء سے پیدا ہوتا ہے[2]

نفس کے مراتب ومقامات

انسان دو نشئہ و دو عالم کا حامل ایک اعجوبہ ہے (اس کا پہلا نشئہ) ظاہری دنیوی وملکی نشئہ ہے کہ جو اس کے بدن سے متعلق ہے اور (دوسرا) باطنی غیبی وملکوتی نشئہ ہے کہ جو دوسرے عالم سے متعلق ہے اور اس نفس کہ جو عالم غیب وملکوت سے ہے، کچھ درجات ومقامات کا حامل ہوتا ہے کہ جنہیں بعض اوقات کلی طور پر سات قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے[3] اور کبھی چار اقسام میں[4] اور

۱۔ آداب الصلاۃ، ص۸۵،۸۶۔ ۲۔ آداب الصلاۃ، ص۱۰۲،۱۰۳۔

۳۔ جناب ملاہادی سبزواریؒ نے نفس کے ہفتگانہ اطوار کو حاشیۂ اسفار، ج۷ص۳۶، پر اس طرح شمار کیا ہے: نفس، قلب، عقل، روح، سرّ، اخفیٰ۔ شاہ آبادیؒ نے کتاب 'الانسان والفطرۃ' میں عقل کو قلب سے پہلے ذکر کیا ہے، لیکن صدر المتألہینؒ نے یوں شمار کیا ہے: طبع، نفس، قلب، عقل، روح، سرّ، خفی، (انھوں نے) مرتبۂ اخفیٰ کو ذکر نہیں کیا بلکہ طبع کا اضافہ کیا ہے۔ اسفار، ج۷ص۳۶۔

۴۔ انسان کی عقل کیلئے چار مرحلے شمار کئے گئے ہیں: عقل ہیولانی، عقل بالملکہ، عقل بالفعل اور بالمستفاد۔ شواہد الربوبیہ، ص۲۰۲، ۲۰۷۔ <--

کبھی تین[۱] حصوں میں اور کبھی دو حصوں میں[۲]

بدن کا پہلے مقام کی تجلّی ہونا

جان لو کہ نفس کا پہلا مقام اور اس کی ادنیٰ (اسفل) منزل، اس کی ملکی (دنیوی) اور ظاہری منزل ہے کہ اس کے غیبی انوار اور شعاعیں، اس محسوس بدن اور ظاہری ڈھانچے پر پڑی ہیں اور اسے عَرَضی زندگی عطا کی ہے۔ اس کی ظاہری قوتیں، اس کا لشکر ہیں کہ جو'اقالیم سبعہ مُلکیہ' یعنی: کان، آنکھ، زبان، پیٹ، فَرَج (شرمگاہ) اور ہاتھ پاؤں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

منزل ملک میں انسانی قوتیں

اور یہ تمام قوتیں کہ جو ممالک سبعہ (کان، آنکھ، زبان......) میں منتشر ہیں، مقام 'وہم' پر نفس کے تصرف میں ہوتی ہیں چونکہ 'وہم' نفس کی ظاہر و باطنی قوتوں کا سلطان (حاکم) ہوتا ہے۔

۔۔۔ اسی طرح صدرالمتألہین'' نفس انسان کو'سرّ وعلن' اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کو'ظاہر و باطن' میں تقسیم کرتے ہیں کہ جو نفس کے چار مرحلے بن سکتے ہیں۔ اسفار، ج۷ ص۳۶۔

۱۔ بو علی سیناؒ نے قوائے نفس کی پہلی تقسیم میں اسے تین مرتبوں: نفس نباتی، نفس حیوانی اور نفس انسانی میں تقسیم کیا ہے۔ اور دوسری سہ گانہ تقسیم، مُلک، برزخ اور عقل کے مراتب کے پیش نظر کی ہے۔ امام خمینیؒ اسی حدیث کی شرح میں نفس کیلئے تین مقام و مراتب کے قائل ہوئے ہیں۔ پہلا مقام، مقام مُلک وظاہر اور دنیائے نفس ہے۔ دوسرا مقام، باطن اور ملکوت نفس ہے اور تیسرا مقام، حدیث اول کی شرح کے آخر میں بغیر کسی اشارے کے اور بغیر شرح کے چھوڑ دیا ہے کہ جو عقل ہے۔ جیسا کہ اربعین کی حدیث نمبر۲۴ کی شرح میں بیان ہوا ہے۔

۲۔ دو مرتبوں کی تقسیم، نفس کے ظاہر و باطن کی تقسیم ہے اور دوسری تعبیر کے مطابق، اس کی مثال: سرّ وعلن، مُلک وملکوت ور دنیا و آخرت ہے۔

نفس کا دوسرا مقام

نفس انسان کیلئے ایک دوسری مملکت اور مقام بھی ہے جو کہ اس کی باطنی مملکت اور نشئہ ملکوت ہے......، جو کچھ مملکت ظاہر میں ہے، وہ وہاں سے تنزل کر کے، ''ملک'' میں ظاہر ہوا ہے۔

منزل ملکوت پرنفس کی قوتیں

خداوند متعال نے اپنے دست قدرت اور حکمت سے نفس کے عالم غیب و باطن میں کچھ قوتیں خلق فرمائی ہیں......، اس وقت ہمارے زیر بحث تین قوتیں ہیں یعنی قوت واہمہ، قوت غضبیہ اور قوت شہویہ۔[1]

حدوث نفس کے بارے میں مختلف اقوال

حدوث نفس کی کیفیت کے بارے میں مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کیا جارہا ہے۔

حکیم ھندی کا نظریہ

نفس، روح سے پہلے موجود تھا اور بدن کی تدبیر کیلئے یہاں آیا ہے۔ بعض قدیم ادبی اور اخلاقی کتابیں، اسی نظریہ کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ مثلاً کلیلہ ودمنہ کے مؤلف، حکیم ہندی اپنی اس معروف کتاب میں، اخلاقیات وادبیات کے ضمن میں، قصوں اور حکایتوں کے ذریعے گویا اسی نظریہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ 'طوق دار کبوتر' کے قصے میں لکھتے ہیں:

کبوتر کے کمزور نفس، ساتھی کہ جو دانہ چگنے کیلئے آئے تھے، شکارچی کے دام میں آگئے۔ شکارچی نے دانوں کے نیچے ایک جال بچھایا ہوا تھا۔ (لہذا) کبوتر شکارچی کے جال میں پھنس

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۲، ۱۳۔

گئے۔ طوق دار کبوتر نے اپنے ساتھیوں سے اظہار محبت کرنے اور انھیں جال سے نجات پانے کا طریقہ سکھانے کیلئے، خود کو بھی جال میں پھنسا دیا اور کہا: اب جبکہ ہم سب جال میں پھنس چکے ہیں، اگر ہر ایک، کسی ایک طرف حرکت اور پرواز کرے گا تو ہم مزید جال میں الجھتے جائیں گے اور جال کی گرہیں مزید ہمارے بالون اور پروں سے لپٹ جائیں گی۔ پس ہم سب کو ایک ہی جانب حرکت کرنی چاہیئے تا کہ جال کو توڑ کر آزاد ہو جائیں ۔[۱]

اس حکایت سے حکیم ہندی کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء اور اوصیاءؑ کے نفوس کامل ہوتے ہیں اور انھیں، اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ (اپنے نفوس کو) کامل کرنے کیلئے، عالم طبیعت میں آئیں، لیکن امت کے نفوس کمزور ہوتے ہیں۔ اور ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ انھیں کامل کرنے کیلئے عالم طبیعت میں آئیں۔ لہذا وہ اسی لیے اس کے دام میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ کامل افراد کے نفوس بطور مہربانی اور محبت اور دار طبیعت سے نجات پانے کا طریقہ بتانے کیلئے، اس دنیا میں آئے ہیں اور انھوں نے دوسروں کی نجات کیلئے اپنے آپ کو جال میں پھنسایا ہے۔ یہ قول اور نظریہ، وہی نفس اور اس کی کیفیت پیدائش کے بارے میں قدما کا نظریہ ہے۔

شیخ الرئیس بوعلی سیناکا نظریہ

شیخ الرئیسؒ کہتے ہیں: نفس، بدن کے ساتھ ہی خلق ہوتا اور اس میں داخل ہو جاتا ہے۔[۲] شیخ الرئیس کے قول کی مانند ایک اور قول اور نظریہ بھی ہے مگر فرق یہ ہے کہ اس نظریئے کے مطابق بدن کے خلق ہونے کے ساتھ ہی نفس کسی دوسری جگہ خلق ہوتا ہے اور پھر بدن میں داخل ہو جاتا ہے۔[۳] آخوند مرحوم فرماتے ہیں کہ: نفس کوئی جدا چیز نہیں کہ بدن میں داخل ہو۔ خواہ بدن کی تخلیق سے پہلے موجود ہو یا تخلیق بدن کے ساتھ ہی خلق ہوا ہو۔ اور یہ وقت تخلیق، چاہے، اسی دنیا میں ہو یا

۱۔ کلیلہ و دمنہ، ص ۱۳۶، تصحیح عبدالعظیم قریب۔

۲۔ مبدأ و معاد، ابن سینا، ص ۹۵۔ ۱۰۷، نجات، ص ۱۸۳، شفا (طبیعات) ص ۵، ۱۸۷۔ ۳۔ ایضاً۔

ملات اور مقام بھی ہے جو کہ اس کی باطنی مملکت او

وہ وہاں سے تنزل کر کے، ''ملک'' میں ظاہر ہوا

قوتیں

قدرت اور حکمت سے نفس کے عالم غ

ہمارے زیر بحث تین قوتیں ہیں یعنی:

مختلف اقوال

کے بارے میں مختلف اقو

وجود تھا

کر رہا

یچ ایف .

طوق دار کبوتر نے اپنے ساتھیوں سے اظہار محبت کرنے اور انھیں جال سے نجات پانے کا دکھانے کیلئے، خود کو بھی جال میں پھنسادیا اور کہا: اب جبکہ ہم سب جال میں پھنس چکے ہیں، ایک، کسی ایک طرف حرکت اور پرواز کرے گا تو ہم مزید جال میں الجھتے جائیں گے اور جال ہیں مزید ہمارے بالوں اور پروں سے لپٹ جائیں گی۔ پس ہم سب کو ایک ہی جانب نی چاہیے تاکہ جال کو توڑ کر آزاد ہو جائیں۔[1]

اس حکایت سے حکیم ہندی کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء اور اوصیاءؑ کے نفوس کامل ہوتے ہیں اور اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ (اپنے نفوس کو) کامل کرنے کیلئے، عالم طبیعت میں لیکن انسانوں کے نفوس کمزور ہوتے ہیں۔ اور ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ انھیں کامل کرنے عالم طبیعت میں آئیں۔ لہذا وہ اسی لیے اس کے دام میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ کامل افراد کے مہربانی اور محبت اور دار طبیعت سے نجات پانے کا طریقہ بتانے کیلئے، اس دنیا میں آئے انھوں نے دوسروں کی نجات کیلئے اپنے آپ کو جال میں پھنسایا ہے۔ یہ قول اور نظریہ، وہی نفس کی کیفیت پیدائش کے بارے میں قدما کا نظریہ ہے۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا کا نظریہ

شیخ الرئیس کہتے ہیں نفس، بدن کے ساتھ ہی خلق ہوتا اور اس میں داخل ہو جاتا ہے۔[2] شیخ کے قول کی مانند ایک اور قول اور نظریہ بھی ہے مگر فرق یہ ہے کہ اس نظریئے کے مطابق بدن ہونے کے ساتھ ہی نفس کسی دوسری جگہ خلق ہوتا ہے اور پھر بدن میں داخل ہو جاتا ہے۔[3] قوم فرماتے ہیں کہ نفس کوئی جدا چیز نہیں کہ بدن میں داخل ہو۔ خواہ بدن کی تخلیق سے ہو یا تخلیق بدن کے ساتھ ہی خلق ہوا ہو۔ اور یہ وقت تخلیق، چاہے، اسی دنیا میں ہو یا

۱۔ ...، ص ۱۳۶، تصحیح عبدالعظیم قریب۔

۲۔ مبدء و معاد، ابن سینا، ص ۹۵-۱۰۷، نجات، ص ۱۸۳، شفا (طبیعات) ص ۵، ۱۸۷۔ ۳۔ ایضاً۔

کسی دوسری جگہ ہوئی ہو۔نفس بنیادی طور پر،'جسمانیۃ الحدوث اور روحانیۃ البقا' ہے۔نفس عالم طبیعت کی پیدائش ہے۔کیونکہ نطفہ، جوہر میں حرکت اور مراتب طبیعت میں سیر کے ساتھ، نشئہ طبیعت کے احکام و آثار کے تقیّد سے جدا (ہوکر) دوسرے نشئہ و عالم سے متعلق ایک موجود میں تبدیل ہوجاتا ہے۔انسان کے دو چہرے ہوتے ہیں اس کا طبیعی چہرہ، بدن اور جسم ہے اور اس کا برزخی و تجردی چہرہ، نفس ہے اور نفس جب تدریجاً مراتب وجودی میں ترقی کرتا ہے تو مستقل ہوجاتا ہے، پس (نفس) 'روحانیۃ البقاء' ہے۔

صدرالمتالھین کا نظریہ

مرحوم آخوند (ملاصدراؒ) فرماتے ہیں: افلاطون، ارسطو اور دوسرے قدما بھی اسی قول کے معتقد تھے لیکن وہ اپنے زمانے میں تقیّہ میں گرفتار تھے اور صراحت کے ساتھ اپنا مقصد اور مقصود بیان نہیں کرسکتے تھے۔ وہ عام لوگوں کے عقیدے کے مطابق بات کرتے تھے۔اب بھی بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہے کہ نفس، بدن سے پہلے موجود تھا اور پھر بدن میں داخل ہوتا ہے۔حالانکہ یہ عقیدہ، مسلمانوں کا نہیں ہے بلکہ قدیم زمانے سے لوگوں کے دلوں میں متمرکز ہوچکا ہے۔کچھ لوگوں نے اس کے اثبات کیلئے چند روایات سے تمسک کیا ہے کہ جو مشخص سند نہیں رکھتیں اور نہ ہی شیعہ کتابوں میں ہیں، بلکہ یہ روایات اہل سنت کی کتابوں سے لی گئی ہیں اور ان کا معنیٰ بھی صحیح طور پر نہیں کیا گیا اور نہ ہی سمجھا گیا ہے۔انھیں، قطعی السند روایات کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔اور یہ عقیدہ اس قدر راسخ ہوچکا ہے کہ گویا، اس کا شمار ضروریات دین میں سے ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے بعض محدثین کے اذہان شریف میں کبھی کبھار کوئی ایسا مطلب آجاتا تھا کہ جو اصول مذہب میں سے بعض اصولوں کے منافی ہوتا تو وہ گمان کرنے لگتے تھے کہ اگر فلاں مطلب کے قائل ہوگئے تو مذہب کی بنیاد خطرے میں پڑ جائے گی۔لہذا وہ اس مطلب کو قبول نہیں کرتے تھے اور اس کے قائلین کی تکفیر کے فتوے دینے لگ جاتے۔مثلاً مرحوم مفیدؒ تجردِ نفس کے

قائل تھے اور اسے انھوں نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے۔[۱] مرحوم مجلسیؒ کے والد گرامی بھی تجرد نفس کے قائل تھے۔[۲] لیکن اس کے باوجود، علامہ مجلسی مرحوم کی نظر میں، تجرد نفس (کا نظریہ) اصول مذہب کے ساتھ منافات رکھتا ہے۔ لہذا انھوں نے تجرد نفس کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے: ''حق تعالیٰ اور واجب الوجود کے علاوہ، کوئی مجرد نہیں ہے'' کیونکہ اگر حق تعالیٰ کے علاوہ بھی مجرد یا مجردات ہوں تو حشر و تعذیب و تألیم اور تنعیم کے قضیے کا بطلان اور اسی طرح خداوند متعال کا فاعل موجب ہونا اور تعدّد قدما لازم آتا ہے۔ لہذا وہ تجرد نفس کے منکر ہو گئے۔[۳]

جبکہ (علامہ) مجلسیؒ کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر ہم تجرد کا انکار کر دیں اور عالم مجردات کو قبول نہ کریں تو اس سے ذات واجب الوجود اور اس کے ارادے کا ممکن ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ معلول اور علت میں تناسب و سنخیت ہونی چاہیئے اور ذات واجب الوجود اور اس کے اوصاف کے امکان کا قول، توحید، واجب الوجود اور مبدائے عالم کے انکار کے مترادف ہے۔[۴]

عالم طبیعت کے ساتھ نفس کا ارتباط

نفس کا مولود عالم طبیعت ہونا

نفس، طبیعت کا مولود ہے اور جوہری حرکت کے ساتھ اسی عالم (طبیعت) سے حرکت شروع کرتا ہے اور جب تک اختر امی (حادثاتی) موت یا طبیعی موت کے ذریعے عالم مادہ سے جدا نہیں ہوتا، اسی عالم طبیعت میں رہتا ہے۔ ایک نفس، بدن کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن آزادی پاتے اور بدن

۱۔ تصحیح الاعتقاد، ص ۲۱۶، فصل فی النفوس والارواح۔

۲۔ روضۃ المتقین، ج ۱ ص ۴۹۳، کتاب الجنائز۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۵۸ ص ۱۰۴ کتاب السماء والعالم، باب حقیقۃ النفس والروح واحوالہما۔

۴۔ تقریرات اسفار، ۔

سے خارج ہوتے ہی نفس بھی معدوم ہو جاتا ہے اور بدن بھی۔ البتہ نفس کے معدوم ہونے اور بدن کے معدوم ہونے میں یہ فرق ہے کہ نفس جونہی طبیعت سے خارج ہوتا ہے اور مادہ سے آزادی حاصل کر لیتا ہے تو اپنے طبیعی چہرے کو کھو دیتا ہے اور پھر طبیعت سے استفادہ نہیں کرتا۔ لہذا پھر اسے 'نفس' کے عنوان سے یاد نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اسے نفس کہا ہی اس لیے جاتا ہے کہ وہ طبیعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور طبیعت سے استفادہ اور رشد حاصل کرتا ہے (لیکن) جونہی اس کا طبیعت سے استفادہ کرنا ختم ہو جاتا ہے تو نفس ایک مجرد موجود میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ جو روحانیۃ البقا ہے اور اب اس کیلئے کوئی بدن نہیں، کیونکہ بدن کو بدن کہنا بھی اس کے نفس کے ساتھ ذاتی تعلق کی بنا پر ہے۔ جب (یہ) ذاتی تعلق ختم ہو جاتا ہے تو پھر کوئی بدن ہی نہیں رہتا اور جو کچھ ہمارے سامنے ہوتا ہے وہ فقط ایک ڈھانچہ ہے کہ جو یہاں پڑا ہوا ہے اور یہ ڈھانچہ دور پھینکا گیا ہے۔ پھر اس سے خارج ہونے والی شئے یعنی نفس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا ہے۔

اس کے بعد، نفس کے ساتھ اس ڈھانچہ اور دوسرے تمام جمادات و اجسام و اجساد کی نسبت مساوی ہو جاتی ہے۔ یہ ڈھانچہ کہ جسے عرف میں بدن کہتے ہیں، سانپ کی اس کھال کی مانند ہے جس کو وہ اتار دیتا ہے۔

نفس، بدن اور صورت و مادہ

الغرض نفس اور اس کی پیدائش کے باب میں جو عقیدہ اور مسلک آخوند (ملا صدراؒ) کا ہے اس کے مطابق، نفس، حرکت جوہری کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ نفس صورت ہے اور ایک مادہ کا حامل ہے کہ 'مشترکہ مادہ' ہے۔ یہ مادہ ہمیشہ تبدیل و متغیر ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ حرکت جوہری کے ذریعے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ جس میں حاصل ہونے والی صورت کو 'نفس' کہتے ہیں۔ درحقیقت (ہم) یہ کہہ سکتے ہیں: طبیعی موجود کی ایک جہت (اس کی) 'فعلیت' ہے اور ایک جہت (اس کا) بالقوہ ہونا ہے۔ اس کی فعلیت کی جہت کو 'نفس' کہا جاتا ہے اور اس کی 'بالقوہ' جہت

کو'بدن' کہتے ہیں۔

درحقیقت 'بدن' مادہ ہے اور نفس اس کی صورت ہے۔ اور صورت مادہ ایک ہی ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ دو وجود ہوں اور ان کی مصاحبت اتفاقی ہو۔ (بلکہ) وہ ایک وجود ہے (لیکن) اسے 'بالقوہ' و'بالفعل' لحاظ کیا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے اسے 'بدن' اور 'نفس' کہتے ہیں (کہ جو حقیقت میں صورت اور مادہ ہی نہیں۔ صورت، مادہ کی فعلیت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ البتہ جب تک اس میں بالقوہ ہونے کی جہت ہوتی ہے وہ ہمیشہ متغیر و متبدّل ہوتا ہے۔ (دوسرے الفاظ میں اس کی سیر کمالی وجودی، بھی موجود رہتی ہے)۔

نفس کے بدن سے متعلق ہونے کی کیفیت

جس موجود میں، بالقوہ ہونے کی جہت ہوتی ہے وہ آہستہ آہستہ 'ما بالقوہ' کو 'ما بالفعل' میں تبدیل کرتا رہتا ہے اور تدریجاً اس کی فعلیت کی جہت قوی ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی تمام قوتیں ختم ہوجاتی ہیں اور آخرکار وہ ایک 'محض الفعلیہ' وجود ہوجاتا ہے۔ جب تک مادہ ہے، نفس بھی ہے۔ اور وہ عالم طبیعت سے استفادہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن بتدریج، قوت کی جہت فعلیت کی طرف جانے لگتی ہے اور فعلیت کا پہلو قوی ہونے لگتا ہے کہ جو نفس کہلاتا ہے۔ اور یہی مادہ و بدن سے نفس کے تعلق اور استفادے کے معنیٰ ہیں۔ جب مادہ، اپنی تمام بالقوہ جہات کو حرکت جوہری کے ذریعے، بالفعل بنا دیتا ہے تو پھر نفس نہیں ہوتا۔ چونکہ 'نفس' کو مادہ سے تعلق رکھنے اور بالقوہ ہونے کی وجہ سے نفس کہا جاتا ہے۔ اب جبکہ مادہ ہی نہیں تو بدن بھی نہیں۔ جب مادہ نہیں تو صورت بھی نہیں بلکہ فقط ایک مجرد موجود ہے۔ اگرچہ وہ پہلے ایک طبیعی موجود تھا لیکن اب نہ کوئی نفس ہے نہ کوئی بدن اور وہ ڈھانچہ جو جدا پڑا ہوا ہے۔ اس مجرد موجود سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتا اس کی مثال سانپ کی اتاری ہوئی کھال کی مانند ہے۔

نفس وبدن کے درمیان لزومی ارتباط

بہر حال، نفس اور بدن کے درمیان، لازمی وذاتی رابطہ ہے۔اوران کا تعلق، ذاتی ہے۔اور محال ہے کہ یہ دو ایک دوسرے سے جدا ہوں۔نفس اور بدن کا ایک ساتھ منعدم ہونا اور لازم وملزوم ہونا عقلی ہے۔پس ان دونوں کی صحابت 'لازمی وذاتی صحابت' (رفاقت) ہے۔نفس، بدن کی نسبت، صورت ہے اور بدن اس کا مادہ ہے۔پس بقول آخوند (ملاصدراؒ) کے بدن، نفس کا مادہ ہے اور نفس کی موجودیت میں دخیل ہے۔البتہ جب تک وہ نفسیت کی صورت کا حامل ہے۔لیکن جب وہ مادہ سے الگ ہو کر مجرد ہو جاتا ہے تو پھر وہ نفس نہیں۔اور ہم نے کہا ہے کہ بدن، مقام نفسیت کے ساتھ، وجود نفس کی شرط ہے۔لیکن نفسیت کے زوال کے ساتھ، اور اس کے مجرد بن جانے کے بعد، پھر بدن، اس موجود مجرد 'من حیث ہو مجرد' کے وجود کی شرط نہیں ہے۔[۱]

نفس وبدن کے رابطہ کے بارے میں افلاطون کا نظریہ

افلاطون کا کہنا ہے: نفس کی تکوین (پیدائش) کے بعد، نفس اور بدن کے درمیان ایک قسم کا 'جذب وانجذاب' واقع ہوتا ہے۔یا تو جذب نفس کی طرف سے ہوتا اور انجذاب، بدن کی طرف سے یا اس کے برعکس ہوتا ہے۔یہ ایسے ہی ہے جیسے لوہے اور مقناطیس کے درمیان جذب وانجذاب ہوتا ہے اور لوہا منجذب ہے۔البتہ مقناطیس، فقط لوہے کو جذب کرنے میں دخیل ہوتا ہے اس کے وجود میں نہیں۔لہذا اگر طرفین میں سے کسی ایک میں خرابی پیدا ہو جائے کہ جو اس کے ختم ہو جانے کا سبب بنے تو ایک کے تزلزل کے سبب کہ جو خراب ہو چکا ہے، دوسرے کا وجود متزلزل نہیں ہوتا۔(البتہ جذب وانجذاب بھی ختم ہو جاتا ہے) بدن کے ساتھ نفس کی بھی یہی نسبت ہے یعنی 'تصرف' کے لحاظ سے وہ، بدن کا محتاج ہے۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

صدرالمتالهین کا جواب

آخوندؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: افلاطون نے جو مثال، نفس اور بدن کے بارے میں بیان کی ہے اور کہا ہے 'یہ دونوں لوہے اور مقناطیس کی طرح ہیں' یہ بات درست نہیں ہے۔ بدن کے ساتھ، نفس کا تعلق ذاتی ہوتا ہے اور جب تک انسان (عالم) طبیعت میں رہتا ہے، نفس، بدن کی صورت ہوتا ہے اور بدن اس کا مادہ ہوتا ہے۔ 'نفس' ایک سیال چیز کے ایک مرحلے کا نام ہے کہ جس میں حرکت ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ حدوث نفس کی ابتدا سے لے کر فنا فی اللہ کے مرحلے تک ایک واحد موجودی ہوتا ہے کہ جس کی وجودی وسعتیں بہت زیادہ ہیں۔ یہ طبیعی وجود جب تک عالم طبیعت میں ہوتا ہے، عالم طبیعت کی دوسری موجودات کے ہم افق اور اہم جنس ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ دوسرے موجودات کے تبدلات کے مافوق، جوہری تبدلات کا حامل ہے اور یہ طبیعی موجودات کا ہم سفر موجود آئندہ زیادہ سے زیادہ ترقیات کی امید رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مادہ اور ہیولائے اولیٰ کہ جس نے صورت میں حرکت کی ہے (کہ جو صورت مافیہ الحرکۃ اور متحرک مادہ ہے)، ایک واحد حقیقت ہے کہ جو نچلے وادنیٰ مرتبے سے عالی مراتب کی طرف راستہ طے کرتا ہے اور ایک ہی ہویت (وحقیقت) ہے کہ جو ہمیشہ مختلف مراتب کے درمیان محفوظ رہتی ہے۔ یہ ہویت (اور حقیقت)، ماورائے طبیعت کی جانب سیر و پرواز کے دروان اپنی حرکت کے آغاز سے ہمیشہ حدود کو پھلانگ کران سے گزرجاتی ہے۔

مادہ کی حرکت اور مرتبہ نفس وعقل تک اس کا پہنچنا

وہ سیال چیز اور محفوظ ہویت (وحقیقت) کہ جو ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے۔ عالم طبیعت میں مختلف احوال کی حامل ہوتی ہے۔ مثلاً ابتدا میں 'علقہ' ہے۔ علقہ ساکن نہیں ہوتا (بلکہ) اوپر کی جانب حرکت میں ہوتا ہے۔ جب وہ ایک ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے کہ علقہ کی حد ختم ہو جاتی ہے، تو اس سے مختص تمام آثار چھوڑ کر سب سے ہاتھ اٹھالیتا ہے۔ اور 'مضغہ' کی منزل تک پہنچ جاتا ہے اگر

مضغہ کے ہزار اثر ہوں تو جب تک اس کی حد میں ہے، اسی حد تک محدود رہتا ہے اور اس کے لوازم و آثار کا ملتزم ہوتا ہے۔ جب اس منزل کی مسافت بھی طے ہو جاتی ہے، تو اس سے مختص تمام آثار کو چھوڑ کر ایک دوسرے مرتبے میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ ہویت (وحقیقت) واحدہ، طبیعت کے تمام مراتب میں مادہ کے ساتھ متحد رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتی ہے کہ جہاں اس کے مادہ کا نام 'بدن' ہوتا ہے۔ اور جب تک یہ ہویت (وحقیقت) مراتب طبیعت کے جس مرتبے و جس منزل میں بھی ہوتی ہے تو اس کا بدن سے تعلق ذاتی اور طبیعی ہوتا ہے۔

یہ حقیقت واحدہ کہ جو عالم طبیعت کی ادنیٰ ترین منزل سے ماورائے طبیعت کی طرف حرکت کرتی ہے، وہی 'نفس' ہے جسے عالم طبیعت سے خارج ہوتے وقت 'عقل' کہا جاتا ہے۔

بہرحال ایک حقیقت واحدہ ہے کہ جس کا ہر مرحلہ پر ایک نام ہے مثلاً بدن کی صورت ہونے کے مرتبہ پر اس کا نام نفس ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کا اس سے بلندتر مرتبہ نہ ہو کہ جسے 'عقل' کہتے ہیں۔

پس نفس، بدن کے اکمال کے بعد، کسی دوسری جگہ آ کر اس سے متعلق نہیں ہوتا ہے بلکہ یہی اجسام اور طبیعی عناصر، تکاملی سیر و حرکت کرتے ہیں اور تدریجاً، جوہر میں حرکت کے ذریعے ترقی کرتے ہیں اور ایک دوسرے افق میں داخل ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت نفس اسی (عالم) طبیعت کا پیدا کردہ ہے اور طبیعت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔[۱]

عمر کے مختلف حصوں میں نفس کی بدن میں مشغولیت

انسان کا جسم ستائیس یا تیس سال (یا کچھ کم بیش) کی عمر تک ترقی و رشد و نمو کرتا رہتا ہے اور جب چالیس سال کو پہنچتا ہے تو تدریجاً قوتیں تنزل کرنے لگتی ہیں۔ اور چالیس سال کے بعد، بدنی قوتیں عموماً ضعف کا شکار ہو جاتی ہیں تیس سال تک، نفس مزاج کی تقویت میں مشغول ہوتا ہے۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

اسی لیے، اس عمر تک قوت عاقلہ کی قدرت اور شدت کمتر ہوتی ہے اس کے بعد جب تیس، چالیس سال گزر جاتے ہیں تو قوت عاقلہ، بیس یا پچیس سال کی نسبت بغیر کسی مشکل کے قوی تر ہو جاتی ہے۔ جب انسان چالیس سال کو پہنچ جاتا ہے تو (اس کا) نفس، بدن سے اپنی توجہ کم کر لیتا ہے جس کے نتیجے میں مزاج تنزل کرنے لگتا ہے۔ نفس جس قدر بھی بدن سے اپنے تعلقات کم کرتا ہے اور اپنی جانب متوجہ رہتا ہے، اسی قدر قدرت نفسانی زیادہ، قوت عاقلہ قوی تر اور محکم تر ہوتی ہے۔

نفس اور جسمانی قوتوں میں رابطے ،

اور نفس اور قوت عاقلہ میں رابطے کا ایک دوسرے کے برعکس ہونا

نفس جب تک بدن میں ہوتا ہے، طبعاً بدن میں مشغول رہتا ہے۔ البتہ، ابتدا سے تیس تا چالیس سال تک وہ بدن پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور جب اس حد سے گزر جاتا ہے تو اس کی توجہ میں کمی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں بدنی ترقی بھی کمتر ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر مزاج کو کوئی نقصان پہنچے تو نفس بدن پر زیادہ توجہ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے کیونکہ جس بدن کے مزاج میں اختلال پیدا ہو جائے تو طبیعی تحلیل کے علاوہ اس کی بنیاد بھی بیماری اور صدمے سے متأثر ہونے لگتی ہے۔ پس نفس کو چاہیئے کہ وہ اپنی توجہ کو دوسری جگہ سے ہٹا کر اپنے مرکوب کی جانب مبذول کرے۔ لہذا یہ بات نفس کے عقلی ادراکات کمزور ہونے کا باعث بنتی ہے۔ (کیونکہ اس کی توجہ مزاج کی تقویت کی جانب ہوتی ہے)۔

انسان کا نفس کہ جو بدن کے سوار کی طرح ہے، اس سے طبیعی تعلق و لگاؤ رکھتا ہے جسے اصلاح مزاج میں مشغولیت کہتے ہیں۔ یہ طبیعی توجہ چالیس سال کے بعد آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہے۔ لیکن مرتے دم تک، مزاج اور بدنی قوتوں کی تدبیر میں یہ اشتغال جاری رہتا ہے اور چالیس سال کے بعد چونکہ تدریجاً طبیعت اور بدن سے نفس کا لگاؤ کم ہو جاتا ہے۔ لہذا بدن ضعیف اور عقلی

ادراکات، قوی ہو جاتے ہیں۔[۱]

جسمانی قوتوں کا ضعف اور عقلانی قوتوں کی قوت

طبیعی موجود، اپنے جوہر میں کمالی حرکت کے ذریعے تدریجاً بلند سے بلندتر ہو کر تکامل حاصل کرتا ہے۔ اور اس کی سیر و پرواز جس قدر بلند ہوتی ہے، اسی قدر وہ (عالم) طبیعت سے جدا ہوتا جاتا ہے اور جسم و جسمانیت سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھر وہ جسمانیت کی کوئی اعتنا نہیں کرتا۔

دوسرا، جب قوت میں ترقی ہوتی ہے تو عالم غیب کی طرف توجہ (کہ جو فطری و جبلی توجہ ہے) زیادہ ہو جاتی ہے۔ لہذا 'نفس' جسمانیت اور طبیعت کی تقویت کیلئے (استعمال ہونے والے) آلات کو کمتر استعمال کرنے لگتا ہے۔ اور وہ آلات بتدریج ضعیف ہو جاتے ہیں اور انکے ساتھ جسم بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ یہ قوتیں بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً سماعت میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے، قوت باصرہ ضعیف ہو کر کم دیکھنے لگتی ہے اور جس قدر یہ اس طرف سے ضعیف ہوتی جاتی ہیں، اسی قدر اس طرف عقلانی قوت قوی تر ہو جاتی ہے۔[۲]

نفس کا بدن کے تابع ہونا

عام لوگوں کا خیال ہے کہ نفس، بدن کے تابع و ماتحت ہوتا ہے اگر بدن بیٹھے جائے تو نفس بھی اس کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے اور اگر وہ چل پڑے تو یہ بھی اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ اگر بدن موٹا ہو جاتا ہے تو نفس بھی قوی، ہو جاتا ہے اور اگر بدن بھوکا رہ جائے تو نفس کمزور ناتوان ہو جاتا ہے اگر بدن دبلا ہو جائے تو نفس بھی ضعیف ہو جاتا ہے اور اگر وہ رشد و نمو کرنے لگے تو نفس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح) جب بھی بدن میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو نفس میں بھی اختلال

۱۔ تقریرات اسفار، ۔ ۲۔ تقریرات اسفار، ۔

ایجاد ہونے لگتا ہے۔

شئے کی شیئیت اور تحصّل کی عامل صورت ہے

مرحوم آخوند (ملاصدراؒ) مزید فرماتے ہیں کہ: یہ نظریہ فقط ظاہر کو دیکھنے والے عوام کا ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ جب تک فقط ہیولیٰ موجود ہوتا ہے اور نفس ایجاد نہیں ہوا ہوتا تو صورتحال روشن ہوتی ہے۔ لیکن نفس کے ایجاد ہو جانے کے بعد، نفس بدن کی صورت ہوتا ہے اور شئے کی شیئیت بھی صورت کی وجہ سے ہوتی ہے مادہ کی وجہ سے نہیں۔

مادہ خود بخود حاصل نہیں ہوتا، جنس کا بھی اپنا تحصّل نہیں ہے۔ فصل، جنس کی محصّل ہے اور صورت، مادہ کی محصّل ہے۔ جب تک فصل اور صورت نہ ہو، جنس اور مادہ حاصل نہیں ہو سکتے اور ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی سوائے بالقوہ ہونے کی حیثیت کے۔

اہل منطق کا کہنا ہے: فصل، مقوم جنس ہے، جنس ابہام کی حالت میں ہوتی ہے اور اس کا کوئی تعیّن و تحصّل نہیں ہوتا۔ جنس کا تعین و تحصّل اور اس کا ابہام سے خارج ہونا، فصل کے ذریعے ہوتا ہے۔[۱] اسی طرح، ہیولائے اولیٰ کہ جو 'مادۃ المواد' ہے۔ اس کی تمام تر حیثیت، دوسروں کی وجہ سے ہے۔ (مشائین کہ جو ہیولیٰ کے قائل ہیں وہ بھی اسے متحصّل شئے نہیں جانتے اور اس کیلئے بالقوہ ہونے سے زیادہ حیثیت کے قائل نہیں ہیں)۔ البتہ ہیولیٰ کو بالقوہ ہونے میں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن فقط بالقوہ ہونا، تعیّن، و تحصّل عطا نہیں کرتا۔ اس کے باوجود کہ وہ واحد شخصی ہے لیکن خود سے تحصّل (وثبوت) نہیں رکھتا، بلکہ مبہم ہے۔

بدن کے نفس کے تابع ہونے کی کیفیت

بحث یہ تھی کہ 'شئے کی شیئیت، اس کی صورت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے مادہ سے اور تحصّل

۱۔ اسفار اربعہ، ج ۲ ص ۲۲ سفر اول، مرحلۂ رابعہ، فصل ۴۔

(وثبوت) صورت سے ہے نہ کہ مادہ سے۔ اس اصل کی بناء پر، بدن کو کوئی اصالت وحیثیت حاصل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ نفس کے تابع ہے یہ تکلفاتی اور اعزازی تبعیت نہیں ہے بلکہ ذاتی وقہری تبعیت ہے۔ نفس، چاہتا ہے، ارادہ کرتا ہے اور حرکت کرتا ہے، بدن بھی قہراً اس کی تابعیت میں حرکت کرتا ہے، نفس کا ملال، بدن کا ملال ہے، اس کی خوشی ومسرت، اس کی خوشی ونشاط ہے۔ جب تک نفس بدنی امور کے انتظام کی طرف متوجہ رہتا ہے، بدن منظم اور ترقی ورشد کی حالت میں رہتا ہے۔

اوائل (یعنی جوانی کے اوائل) میں نفس زیادہ تر طبیعت اور بدن کے نظام میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جوانی میں، جسمانی رشد ونمو اور ترقی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ، جوہری حرکت کے ذریعے نفس کے جوہر میں کچھ کمالات پیدا ہوتے ہیں اور وہ عالم غیب وتجرد کی طرف جانے لگتا ہے اور جس قدر اس (عالم) کے نزدیک ہوتا ہے (عالم) طبیعت سے دور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایسے افق تک جا پہنچتا ہے کہ جو دونوں افقوں (عالم طبیعت اور عالم تجرد) کے درمیان حد وسط ہے۔ جب نفس اس طرح، ذاتی بلندی کی طرف قدم اٹھاتا ہے اور قہری وجبلی ترقی (کے ذریعے) حرکت جوہری کرتا ہے تو آخرکار، الگ ہو جاتا ہے اور طبیعت سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اس وقت وہ بدن سے مکمل طور پر جدا ہو جاتا ہے اور اپنے دنیوی جسم کو دور پھینک دیتا ہے۔

نفس کا صورت بدن ہونا

خلاصہ کلام یہ کہ نفس، بدن کی صورت ہے۔ اگر وہ فقط نباتی نفس ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تو جب خراب ہونے کے اسباب اس پر عارض ہوتے ہیں، چونکہ نباتی نفس، تجرد نہیں رکھتا، اور وہ نباتی جسم میں ایک قوت سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہوتا۔ لہذا جب جسم کی عمر ختم ہو جاتی ہے تو وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اس مرتبہ سے ترقی کر کے تجرد تک پہنچ جائے خواہ تجرد کا پہلا درجہ ہی حاصل کر لے کہ تجرد کا یہ درجہ بچوں میں بھی ہوتا ہے۔ (تو وہ) بدن سے مفارقت کرنے کے بعد،

اپنے تجرد کے مطابق باقی رہے گا۔ اگر مادہ میں حرکت جوہری کے ذریعے 'نفس' کے پیدا ہونے کی استعداد پائی جاتی ہو تو 'نفس' کے پیدا ہو جانے کے بعد اور اسی کمالی حرکت کے ذریعے، تدریجاً اس کا تجرد زیادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تک تجردی پہلو غلبہ حاصل نہ کر لے اور طبیعت سے نفس کا تعلق زیادہ ہو (تو) بدن کی قوت اور ترقی کا امکان ہوتا ہے۔ جب انسان ایسی عمر کو پہنچ جاتا ہے کہ جس کے بعد اکثر (نفس کی) طبیعت میں مشغولیت رک جاتی ہے۔ مثلاً جب انسان ستائیس سال یا تیس سال یا پینتیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو حرکت جوہری کے اقتضا کے مطابق، نفس جدائی اور تجرد کی طرف بڑھنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ طبیعت سے اپنا تعلق کم کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس عمر کے بعد احساسات کی روشنی کم ہونے لگتی ہے۔ مثلاً آنکھوں کے کسی حصے میں بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن وہ ضعیف ہونے لگتی ہیں۔ اسی طرح قوت لامسہ اور ذائقہ وشامہ میں کسی قسم کا خلل نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اچانک ان پر کمزوری طاری ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں ہمیں کہنا چاہیئے کہ خورشید نفس، افق طبیعت سے غروب ہو چکا ہے اور اس کی روشنی اور شعاعیں بدن سے رخصت ہو چکی ہیں اور 'طبیعی موت' کا مطلب یہی ہے۔

پس ایسا نہیں کہ نفس، بدن کے تابع ہو بلکہ بدن، نفس کے تابع ہے۔ جہاں بھی نفس کی نظر وتوجہ کم ہوتی ہے خرابی اور سستی عارض ہو جاتی ہے کہ جو طبیعی موجودات کا لازمہ ہے۔ اس کے علاوہ، فساد اور خرابی کے اسباب بھی زیادہ ہیں۔ مثلاً جراثیم کے ذریعے، اعضا بیمار اور خراب ہو جاتے ہیں۔ پس بطور کلی، معدے کی کمزوری، دل کی کمزوری اور (دوسری) قوتوں کا ضعف 'نفس' کی بے اعتنائی اور بے توجہی سے ہے کہ جو کسی نہ کسی عضو سے اپنا سایہ اٹھا دیتا ہے۔ لہذا ہمیں نفس کو کہنا چاہیئے کہ خدا تیرا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے!

طبیعی عالم (فزکس دان) کہ جو نفس کا قائل نہیں ہوتا۔ کہتا ہے: سب کچھ اسی بدن میں منحصر ہے اور ہر خرابی بدن سے متعلق ہے۔ ایک دن بدن قوی ہوتا ہے اور ایک دن، ناراحت وضعیف ہو جاتا ہے۔ نیز جس طبیب کی توجہ نفس کی طرف نہیں ہوتی اور جو تجرد وغیرہ سے آگاہ نہیں ہوتا وہ

فقط ظاہر کو دیکھ کر حکم لگائے گا کہ اس کمزوری وضعف کا تعلق بدن سے ہے۔ اس کی توجہ اس طرف نہیں ہوتی کہ بدن کی یہ کمزوری، نفس کا تعلق اس سے کم ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ لیکن ایک حکیم اور فلسفی کہ جس نے برہان کے ساتھ نفس کے تجرد کو ثابت کیا ہوتا ہے۔ ان باتوں کو قبول نہیں کرتا بلکہ وہ تمام حیثیات کو متحصّل صورت کی طرف نسبت دیتا ہے۔ وہ اس غیر متحصّل موجود یعنی مادہ کیلئے کسی قسم کی حیثیت وفعلیت کا قائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ 'شیئیة الشيء بکماله 'اور' صورت' شئے کے کمال کا سبب ہے نہ کہ مادہ کا کہ جو اس کے نقصان کا موجب بنتا ہے۔[۱]

وجود انسان اور عالم کے مراتب میں واسطوں کا ہونا

سلسلۂ نزولی میں قاعدۂ 'امکان اشرف' کی بناء پر ثابت ہو چکا ہے کہ مبدائے اعلیٰ سے پہلے ایک عقلانی وبسیط مجرد موجود، صادر ہونا چاہیئے۔ (البتہ) عالم طبیعت، اپنے طبیعی پہلو کی وجہ سے صادر اول نہیں (بن سکتا) اور ممکن بھی نہیں کہ وہ ابتداً اس مقام سے صادر ہو۔ پھر اس بسیط ومجرد موجود سے کہ جو مبدائے اعلیٰ سے صادر ہوا ہے، ایک دوسرا مجرد موجود صادر ہوتا ہے اور پھر...... یہاں تک کہ جس قدر طولی عقول کے موجود ہونے کا امکان ہوتا ہے (یہ سلسلہ جاری رہتا ہے) اور عالم طبیعت میں عقول مجردہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے، انکے درمیان 'عالم برزخ اور مُثُل معلقہ' کا وجود ہوگا اور یہ عالم عقول سے اس عالم کے استفاضہ کا واسطۂ فیض ہونگے (جیسا کہ اسی قاعدہ سے نفوس فلکیہ کو بھی ثابت کیا گیا ہے)۔

پس، وجود کی قوس نزولی اور قوس صعودی کے مراتب کے درمیان تناسب برقرار ہونا چاہیئے۔ اس اصل کے مطابق، جو موجود بھی، قوس نزولی میں، نچلے مرتبے میں ہوتا ہے وہ 'اقلّ فعلاً واکثر انفعالاً' ہوگا۔ اور قوس صعودی میں وہ جس قدر بھی اوپر جائے گا وہ 'اکثر فعلاً اور اقلّ انفعالاً' ہوگا۔ یہاں تک کہ قوس نزولی میں وجود، 'ہیولیٰ' کے مرتبہ تک جا پہنچے گا کہ جو انفعال محض ہے اور

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

قوس صعودی میں 'عقل' کے مرتبہ تک چلا جائے گا کہ جو فعل محض ہے۔ البتہ جیسا کہ ہم نے کہا ہے: ایسا نہیں کہ عالم عقل اور عالم طبیعت کے درمیان کوئی فاصلہ ہی نہ ہو۔ بلکہ انکے درمیان، ایک ایسا عالم ہونا چاہیئے کہ جو 'برزخ بینهما' ہو کہ جہاں عالم عقل کا اولین مرتبہ، عالم برزخ کے آخری مرتبے کے ساتھ ہم افق مناسب اور ہم سنخ ہو۔ اسی طرح عالم برزخ کا اولین مرتبہ عالم طبیعت وشہادت کے اعلیٰ مرتبے کے ہم سنخ اور اس سے مربوط ہو جائے۔

مرتبۂ شہادت سے تجرد عقلانی تک نفس کی حرکت

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ حرکت جوہری کے ذریعے کہ جو ایک کمالی حرکت ہے، متدرّج الوجود موجود، نقص سے کمال کی طرف جاتا ہے۔ مثلاً ایک بوڑھا کھوسٹ، وہی نطفۂ اولیہ ہے کہ جو تدریجی حرکت کے ساتھ۔ بوڑھے مرد میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اب اگر بڑھاپے اور نطفے کے درمیان مراتب کو ختم کر کے دیکھا جائے تو یقیناً ان دونوں میں جدائی وغیریت نظر آئے گی لیکن اگر ایک مرتبے کو دوسرے مرتبے کے بعد اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو دیکھا جائے تو کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا کہ ان تمام مراحل میں، فقط ایک صاحب مراتب موجود کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ انسان وہی نطفہ ہونے کے باوجود حرکت جوہری کے ذریعے بلند مراتب کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک عقل مجرد کا مالک بن جاتا ہے۔ انسان ایک ذو مراتب حقیقت ہے۔ لیکن نہ اس طرح کی حقیقت کہ جس کے مراتب کا آپس میں کوئی ربط ہی نہیں۔ اگر کوئی شخص (اس کے) ظاہری مرتبے کو دیکھ کر کہے کہ انسان فقط یہی گوشت و پوست، خون اور رگوں کا مجموعہ ہے تو وہ چشم بصیرت سے محروم ہے اور اسے نفس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں اور اگر وہ فقط اس کے تجرد کو دیکھے اور نفس کو ان مراتب کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھے۔ تو بھی نفس کے بارے میں صحیح معرفت نہیں رکھتا۔ علم النفس کی حقیقی معرفت وہ شخص رکھتا ہے کہ جو اسے مرتبۂ شہادت (ظاہر) سے لے کر عقلانیت کے مرتبے تک دیکھتا ہے اور اس کے سلسلۂ مراتب کو مدنظر رکھتا ہے۔ اس صورت میں وہ

اچھی طرح جان لیتا ہے کہ نفس اسی مرتبۂ شہادت کی پیدائش ہے اور یہی ظاہری مرتبہ، جوہری حرکت کے ذریعے نفس میں تبدیل ہوگیا ہے۔ لیکن اگر وہ صرف حرکت کے مقام آغاز اور جائے قرار کو دیکھے اور اس کے درمیانی مراحل سے بے اعتنائی کرے تو وہ انکے درمیان کسی قسم کا تناسب نہیں دیکھے گا اور یقیناً وہ عقلانی تجرد کے مقام کو جدا اور مقام شہادت سے الگ کوئی چیز قرار دیگا۔

انسان کے مرتبۂ شہادت وعقل کے درمیان وسائط کا ضروری ہونا

انسان میں مرتبہ شہادت اور مرتبہ عقل کے درمیان وہی نسبت ہے جو عالم عقول کی عالم طبیعت کے درمیان ہے کہ وہ نور ہے اور یہ ظلمت و تاریکی اور بظاہر انکے درمیان کسی قسم کا ارتباط نہیں۔ کیونکہ عالم عقل کہ جو انتہائی لطیف وظریف (عالم) ہے، اس کا اس جسم سے کوئی تناسب نہیں کہ جس میں انتہائی درجہ کی کثافت اور گاڑھا پن ہے اور اس میں وہ بلا واسطہ تصرف نہیں کرسکتا۔ لہذا انکے درمیان کچھ وسائط کی ضرورت ہے۔ اور ہم نے قاعدۂ 'امکان اشرف' سے ثابت کیا ہے کہ یہ وسائط 'عالم برزخ اور عالم مثال' ہیں۔ انسان بھی مرتبہ عقلانیت کا حامل ہوتا ہے اور یہ مرتبہ واسطوں کی وساطت کے بغیر سب سے زیادہ کثیف مرتبہ، جوکہ بدن سے عبارت ہے، میں تصرف نہیں کرسکتا ہے۔

پس عقل، فعالیت کے وقت خیال کے مرتبۂ اعلیٰ پر افاضہ فیض کرتی ہے۔ خیال روحانی وعقلانی حیثیت اور طبیعی وجسمانی حیثیت رکھنے کے باوجود بطور مستقیم جسمانی کثیف مرتبہ کہ جو بدنی چھلکے کی حیثیت رکھتا ہے کے ساتھ مرتبط نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بعنوان واسطہ، جسمانیت کے مراتب میں سے کوئی ایک مرتبہ، لطافت ونورانیت میں، مرتبہ برزخیہ کی مانند ہونا چاہیئے جو برزخی مرتبہ کی آخری حد تک اس پر اثر انداز ہو اور اسی ترتیب کے ساتھ اس کی نزولی حرکت، جاری رہے۔ یہاں تک کہ تدریجاً عقلانیت کے مقام سے فیض، بدن تک پہنچے اور بدن وہاتھ وپاؤں وغیرہ میں حرکت پیدا ہوسکے۔ اس حرکت کے مطابق ہم کہتے ہیں کہ سب سے پہلے افعال کو تعقل کیا جاتا ہے

پھر عالم خیال کا نزول ہوتا ہے اور اس کی جزئی صورت کو تصور کیا جاتا ہے۔ (یہی وہ مقام ہے کہ جہاں فائدہ اور نقصان اور صلاح و بگاڑ کو دیکھا جاتا ہے)۔ اس مقام سے بھی تنزل کے بعد جسمانیت کے آخری اور اعلیٰ مرتبہ تک پہنچا جاتا ہے۔ اور یہ مرتبہ، لطافت و نورانیت میں مرتبہ برزخیہ کا مترقی ترین مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ کے بعد بخار (سانس) پر مبنی روح پیدا ہوتی ہے جو بعد میں خون تک جا پہنچتی ہے۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ دل کی طرف نزول کرتی ہے اور تدریجاً عضلات، جلد اور رگوں میں سرایت کرنے لگتی ہے اور قشری (چھلکا نما) جسم میں پھیل جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ محال ہے کہ مقام عقلانیت سے بدنی کثیف جسم پر بغیر کسی واسطہ کے بطور مستقیم افاضۂ فیض ہو بلکہ اس کیلئے واسطوں کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ جوہری حرکت میں موجود ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف حرکت کرتا ہے اور اس کا جو مرتبہ بھی اوپر جاتا ہے وہ اپنے سے نیچے والے مرتبہ کے نزدیک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ تناسب رکھتا ہے۔ یہاں تک وہ تجرد عقلانی کے مقام تک جا پہنچتا ہے اور جب وہ اس مقام سے عالم طبیعت پر افاضۂ فیض کرنا چاہتا ہے تو یہ افاضہ بغیر ان واسطوں کے نہیں ہوسکتا جن کے ذریعے وہ اوپر گیا تھا۔ پس وہ مجبور ہے کہ نزول کے وقت بھی اسی راستے سے فیوضات کو عالم شہادت محض پر ظاہر کرے اور انھیں فعلیت تک پہنچائے۔[1]

عالم برزخ اور قیامت میں بدن کے ساتھ روح کا ارتباط

خداوند متعال نے اس (عزیر) کو اور اس کے گدھے کو موت دے کر اور پھر زندہ کر کے اس کا اپنا اور گدھے کا گواہ بنایا۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

﴿ فَاَمَاتَهُ اللهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ﴾[2]

(خداوند تعالیٰ نے اسے سو سال تک کیلئے موت دے دی اور پھر اسے زندہ کیا) اس قول

۱۔ تقریرات اسفار، ۔ ۲۔ سورۂ بقرہ، آیت/۲۵۹۔

'بالماتتھما واحیائھما' کے بارے میں ہمارے استاد، عارف کامل مدظلہ[1] فرماتے ہیں: بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ موت کے بعد روح اور بدن کا تعلق باقی رہتا ہے۔ چونکہ بدن، نفس کی نشو ونما اور قرار وسکون کا مقام ہے اور اس کا مادۂ ظہور ہے۔ اس لیے دنیا میں، مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ اور کہہ سکتے ہیں کہ اس کو زندہ کرنے سے مراد اس کا اپنے حسی یا مثالی بدن میں تمثل پانا ہے؛ وہ بدن کہ جو اس کے ہمراہ اس عالم میں منتقل ہوا ہے۔ چنانچہ رجعت میں بھی مسئلہ اسی طرح ہے۔ یعنی ان مذکورہ دو وجوہات پر تصحیح کرنا چاہیئے۔

اموات کی زیارت کا راز

میں کہتا ہوں: جو کچھ (مرحوم شاہ آبادی) نے ابتدا میں فرمایا ہے اسی کی طرف محقق داماد قدس اللہ نفسہ[2] نے اپنے فارسی رسالے 'سرّ زیارات اموات' میں اشارہ کیا ہے۔ جس قدر مجھے یاد ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: نفس، بدن کے ساتھ دو طرح کے تعلق رکھتا ہے۔ صوری تعلق اور مادی تعلق، موت صوری تعلق کے سلب ہونے کا موجب بنتی ہے نہ کہ مادی تعلق کے۔ اسی لیے شرع مقدس نے 'اموات کی زیارت' کا حکم دیا ہے۔[3]

۱۔ میرزا محمد علی حسین آبادی اصفہانی شاہ آبادی (۱۲۹۲۔۱۳۶۹ھ ق) جو چودھویں صدی ہجری کے بلند پایہ فقیہ، اصولی، عارف اور فلسفی تھے۔ حضرت امام خمینیؒ انکے عرفان واخلاق کے درس میں شرکت کرتے تھے۔ ان کی تألیفات میں سے چند ایک یہ ہیں: شذرات المعارف، الانسان والفطرۃ، القرآن والعترۃ، الایمان والرجعۃ، منازل السالکین اور انکے علاوہ آپ نے کفایہ پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

۲۔ میر محمد باقر بن شمس الدین محمد المعروف 'میر داماد' (۱۰۴۱ھ ق)، اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ان کی تألیفات یہ ہیں: قبسات، تقدیسات، سدرۃ المنتہیٰ، حاشیہ بر کتاب من لایحضرہ الفقیہ۔ شاعری میں ان کا تخلّص 'اشراق' تھا۔ میر داماد، نجف اشرف میں مدفون ہیں۔

۳۔ تعلیقات علی شرح فصوص الحکم، ص ۱۷۴، ۱۷۵۔

موت کے بعد بدن سے روح کے تعلق کی حقیقت

موت کے بعد بدن سے روح کے تعلق سے مراد نفس کا اپنے حال کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ کیونکہ سکرات موت اور بدن کے نفس سے قطع تعلق کے بعد نفس دوبارہ بدن کی جانب ایک توجہ کرتا ہے۔ آیا نفس کا بدن وجسم سے تعلق یہی نہی کہ وہ بدن کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے؟ مذکورہ تعلق کا مطلب یہ نہیں کہ نفس دوبارہ اس چیز میں داخل ہوجاتا ہے جسے اس نے اپنے آپ سے جدا کرلیا ہوتا ہےاور جواب ایک لاش ومیت کے سوااور کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔گل سڑکر مٹی بن جانے والے اس جسد کے ساتھ نفس کی نسبت وہی ہے جودوسرے اجسام کے ساتھ ہے۔البتہ فرق یہ ہے کہ شارع مقدس، اس کیلئے احترام کا قائل ہے۔ چونکہ پہلے یہ ایک مؤمن کا بدن تھا۔اس کے علاوہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ان دونوں (نفس اور مردہ جسد) کے درمیان کوئی اور نسبت وتعلق نہیں ہے۔[۱]

طبیعی بدن کا برزخی بدن میں تبدیل ہونا

اگر چہ نفس، خودعالم طبیعت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔لیکن جب تک وہ عالم طبیعت میں ہوتا ہے، جوہری حرکت اور تدریجی وکمالی سیر وحرکت کے ذریعے طبیعت سے قطع تعلق کرنے کی استعداد وقابلیت رکھتا ہےاور تدریجاً، عالم طبیعت سے خارج ہوجاتا ہے۔گویا، طبیعی جہت نے، نہ تو ذات نفس کے لوازمات میں سے ہےاور نہ ہی اس کی ذاتیات میں سے بلکہ نفس کے غیر ذاتی لوازمات میں سے ہے۔یہ سیر وحرکت اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک طبیعی بدن، جوہری حرکت کے ذریعے، برزخی بدن میں تبدیل نہیں ہوجاتا۔یعنی، یہی مادہ کا حامل طبیعی جسم، تدریجاً، برزخی بدن میں تبدیل ہوجاتا ہے۔(جس طرح طبیعی بدن میں غذائیں، ہضم ہوکر تحلیل شدہ اجزاء کا بدل بن جاتی ہیں)۔[۲]

۱۔تقریرات اسفار، ۔ ۲۔تقریرات اسفار، ۔

برزخی بدن کا دنیوی بدن کے پردے میں رہنا

جس طرح ہمارے ظاہر کو چھپانے والا لباس ہوتا ہے جسے دنیوی بدن کا لباس کہتے ہیں، اسی طرح خود بدن بھی برزخی بدن کو چھپائے ہوئے ہے۔ برزخی بدن اب بھی موجود ہے لیکن دنیوی بدن کے پردے میں پنہان ہے اور یہ بدن اس کو چھپانے والا لباس ہے۔ اسی طرح برزخی بدن نفس کا حجاب اور چھپانے والا لباس ہے اور وہ، قلب کیلئے ساتر ہے اور قلب، روح کا ساتر ہے، اسی طرح روح سرّ وراز کی ساتر ہے اور وہ لطیفہ خفیّہ کا ساتر ہے۔ آخری مرتبے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور ہر نازل مرتبہ، عالی مرتبے کا ساتر ہے۔[۱]

طبیعی جسم کا برزخی جسم میں تبدیل ہونا

یہ وجود کمالی حرکت کے ذریعے آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے اور آخر کار طبیعی کمال میں اس جسم کے درجہ تک جا پہنچتا ہے کہ جو اجسام طبیعی میں سے سب سے زیادہ معتدل جسم ہے۔ البتہ یہ تب معلوم ہوتا ہے جب کوئی بصیر آنکھ اس تدریجی حرکت کو دیکھ رہی ہو اور عالم برزخ کی جانب بھی اس کی آنکھ کھلی ہو، جو عالم طبیعت کے آخری مرتبہ اور عالم برزخ و تجرد کے اولین درجہ کو ایک دوسرے سے الگ اور جدا دیکھتا ہو، بلکہ وہ اس حقیقت کے اس مرتبہ کو ضعیف اور اس مرتبہ کو قوی دیکھ رہا ہو۔ یہ طبیعی جسم سر سے پاؤں تک روز بروز وجودی و کمالی حرکت کے ذریعے اور نقص سے کمال کی طرف حرکت کرتے ہوئے، اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ جہاں وہ برزخی جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چونکہ عام طور پر ہم اپنی باطنی حرکت سے غافل ہوتے ہیں۔ لہذا بعد از موت کے عالم کو دنیوی زندگی کے مخالف اور اس سے جدا خیال کرنے لگتے ہیں۔ ہم اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ اس وقت بھی عزرائیلؑ قوی اور عوامل اور عزرائیلؑ کے ماتحت ملائکہ ہماری طبیعی زندگی اور جسم و قوی کو برزخی زندگی کی جانب لے جا رہے ہیں۔ اس وقت بھی وہ ہمیں عالم طبیعت

۱۔ آداب الصلاۃ، ص۹۱۔

سے نکالنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں ہماری زندگی لمبی ہوتی جاتی ہے، تدریجاً ہمارے کان کم سننے لگتے ہیں، دن بدن ہماری آنکھوں کی بینائی کم ہوتی جاتی ہے اور طبیعی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ طبیعت کے اس ضعف اور نقص کا مطلب یہی ہے کہ طبیعی جسم، برزخی جسم میں تبدیل ہو رہا ہے۔ یہی دنیوی طبیعی جسم ہے کہ جو برزخی جسم میں بدل رہا ہے، اور یہ اس کا مرتبۂ کمال ہے۔ البتہ ہم اس تبدیلی اور تبدّل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

یہ تبدّل وتصرّم درحقیقت، ملک کا ملکوت کی صورت میں قہراً تبدیل ہونا ہے۔ اس وقت بھی ہمارا جسم، برزخی جسم میں تبدیل ہو رہا ہے کہ جو ہیولیٰ سے خالی ہے۔ یہ جو ہم خواب میں اشیاء کو دیکھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں یا کسی سے ہاتھ ملاتے ہیں تو یہ سب، روح کی وسعت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ خواب میں ہم جو ہاتھ پاؤں یا بدن دیکھتے ہیں، یہ وہی برزخی جسم ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ عالم برزخ کے منکر ہو گئے تھے، خداوند متعال نے ان پر خواب کو مسلط کر دیا تاکہ اس عالم کو ثابت کر سکے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جسم تبدیل ہوتا ہے۔ لیکن اس کی شخصیت محفوظ رہتی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مرنے کے بعد روح کو دنیوی بدن سے نکال کر ایک دوسرے قالب اور مثالی جسم میں داخل کر دیتے ہیں کہ جو وہاں رکھا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عوالم میں ایک ہی جسم، ایک ہی حقیقت اور ایک ہی شخصیت ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کی طبیعی وکمالی حرکت ختم ہو جاتی ہے اور جب اس کے تمام طبیعی قویٰ ختم ہو جاتے ہیں اور جسم طبیعی، جسم برزخی میں تبدیل ہو جاتا ہے تو وہ استقلال حاصل کر لیتا ہے۔ گویا اپنا چھلکا اتار پھینکتا ہے اور پرانے غلاف سے نکل آتا ہے۔ اس کے بدن کو پھر اس پرانے غلاف اور چھلکے کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ اس غلاف وچھلکے کی طرف توجہ دے اور اس کی اعتنا کرے۔

اس مطلب کی وضاحت کیلئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ جب آپ اپنے ناخن کاٹتے ہیں اور انھیں پھینک دیتے ہیں تو پھر وہ آپ کے ناخن نہیں سمجھے جاتے بلکہ آپ کے ناخن تو

وہ ہیں جو آپ کے ہمراہ ہیں۔ آپ کا برزخی جسم بھی وہی ہے جو دنیا میں آپ کا دنیوی بدن تھا۔ برزخی بدن وہی ہوتا ہے جو عالم طبیعت میں تھا۔ البتہ وہ اب کامل ہو کر برزخی جسم میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اب آپ کو یہ سوال کرنے کا حق ہے کہ موت کے بعد اس دنیوی بدن کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اب بدن نہیں ہے، وہ تو اس غلاف اور چھلکے کی طرح ہے، جسے پھینک دیا گیا ہے۔ اس کی مثال اس ناخن یا داڑھی کے بال کی سی ہے جسے کاٹ کر پھینک دیا گیا ہو۔[۱،۲]

نفس اور عالم کبیر کے سہ گانہ مراتب

جس طرح عالم اور کون کبیر کے تین مراتب ہیں، اسی طرح نفس کے بھی تین مرتبے ہیں۔ عالم کے مراتب یہ ہیں: 'مرتبۂ طبع الکل' جو عالم مادہ اور مادیات پر مشتمل ہے اور یہی مرتبۂ شہادت ہے۔ دوسرا مرتبہ: 'مرتبۂ خیال الکل' ہے کہ جسے 'عالم برزخ' کہتے ہیں۔ اور تیسرا مرتبہ: 'مرتبۂ عقل' ہے۔ اسی طرح نفس انسان کے بھی تین مرتبے ہیں: مرتبۂ شہادت، برزخ اور عقل۔

ایک نکتہ کی جانب توجہ ضروری ہے: ایسا نہیں کہ مرتبہ شہادت میں تو قوت سامعہ و باصرہ اور لامسہ ہو لیکن مرتبۂ برزخ میں یہ قویٰ نہ ہوں۔ اس صورت میں بلند مرتبہ، بعض کمالات سے خالی ہوگا اور اس کا وجودی و کمالی رتبہ، اس کے نچلے مرتبہ سے کمتر ہو جائے گا۔ جبکہ نچلے مرتبے کے تمام کمالات، اس مرتبہ کے حدود و نواقص کے بغیر، عالم بالا میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی قاعدے واصول کے مطابق، عالم عقل میں بطور اعلیٰ و اکمل، سمع و بصر کے علاوہ تمام دوسرے قویٰ موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ عالم، اپنے سے نچلے عالم کے تمام وجودی کمالات کا حامل ہوتا ہے، حتیٰ اس عالم کے کمال جوہری کا بھی حامل ہے اور ہیولیٰ کی وجودی حیثیت بھی اس میں ثابت ہے۔

۱۔ اس بارے میں مکمل بحث کیلئے اسی کتاب کی فصل نہم 'جسمانی معاد' کی طرف رجوع کیجئے۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

نچلے مرتبہ کے کمالات کا مرتبۂ بالا میں موجود ہونا

بطور اجمال ہر وہ کمال کہ جس کی بازگشت، وجودی حیثیت کی طرف ہوتی ہے، وہ وہاں موجود ہے۔ البتہ بطور وحدت۔ جیسا کہ ارسطو کا کہنا ہے: جو شخص بھی عالم عقل میں، ہاتھ، پاؤں، سر، آنکھوں اور کانوں کے وجود کا ادراک نہیں کر پاتا گویا اس نے عالم عقل کو تعقل ہی نہیں کیا۔ البتہ یہ یہاں کی مانند نہیں ہے کہ ہاتھ، پاؤں سے جدا اور پاؤں، ہاتھ سے الگ اور کان، آنکھ کے علاوہ اور آنکھ کان کے سواء ہیں بلکہ وہ تمام کے تمام بطور مجموع ہیں۔ وہاں، یہاں کی طرح نہیں کہ ایک لمبا سا ہاتھ ہے، اور گول سر ہے۔ وہاں ہاتھ کو اس لیے ہاتھ کہتے ہیں کہ وہ ہاتھ والا کام انجام دیتا ہے۔ یعنی وہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو ہاتھ کا کام انجام دیتی ہے۔ پاؤں کا کام کرتی ہے قوت سامعہ و باصرہ کا فعل انجام دیتی ہے۔ لہذا جس لحاظ سے قوت سامعہ، سامعہ ہے، جس لحاظ سے قوت باصرہ، باصرہ ہے، جس لحاظ سے ہاتھ، ہاتھ ہے یہ سب اعضاء وہاں موجود ہیں لیکن وہاں یہ مجموعی صورت میں ہیں۔ جدا جدا شکل میں نہیں۔ ان اعضاء میں عقلانی سمع، عقلانی بصر اور عقلانی حس کی شکل میں ایک قسم کی وحدت پائی جاتی ہے۔

ہر مرتبہ میں قویٰ کا اپنے قانون کے مطابق ہونا

جب یہ مفاہیم، عالم طبیعت میں وقوع پذیر ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے جدا ہی ہونے چاہیں یعنی قوت باصرہ، قوت سامعہ سے جدا ہوتی ہے اور یہ اس عالم میں تنگی اور وسعت کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ یہ تنگی وضیق اس کی ذات میں ہے اور اس عالم کے وجود کے ضعف پر دلالت کرتی ہے۔ اسی کمزوری وضعف کے سبب اگر قوت سامعہ، ہوگی تو دوسرے اعضاء سے جدا اپنے خاص مقام پر ہوگی۔ اسی طرح باصرہ، الگ اپنے مخصوص مقام پر ہوگی، قوت باصرہ کو ہم قوت حاسہ کے مقام پر نہیں دیکھتے۔ کیونکہ ایک قوت ایک ساتھ دو حسّوں کو برداشت نہیں کرسکتی۔ البتہ توجہ رہے کہ یہ قوت سامعہ وقوت باصرہ کے ذاتی مقتضیات میں سے نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے جدا رہیں بلکہ

اس عالم طبیعت کی تنگی کی وجہ سے ان کو کثرت کی صورت میں رہنا پڑتا ہے۔ یا طبیعی سماعت اور طبیعی بصارت کے حصول کیلئے وضع، محاذات، صاف وشفاف جسم اور قرع وقلع جیسی شرائط کے پورا ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کون کبیر (کائنات) کی طرح یہ تین طولی مراتب انسان میں بھی ہیں۔ انسان تین مراتب کی حامل ایک حقیقت ہے جس کے تین عالم ہیں۔ لیکن اس کا ایک واحد تشخص ہے جو ان تین مراتب اور عوالم یعنی مرتبۂ طبیعت، مرتبۂ خیال ومرتبۂ عقل پر مشتمل ہے۔ البتہ نچلے مرتبہ کے مدرکات ہمیشہ اوپر والے مرتبہ میں موجود ہوتے ہی۔ مثلاً مرتبۂ خیال کہ جسے مرتبہ برزخ کہتے ہیں، میں رویت یا سماعت یا لمس کے قوی ہوتے ہیں یہ قوی مادی وطبیعی صورت میں نہیں ہوتے بلکہ سمع ورویت وبصر اور لمس کی حقیقت موجود ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کا واضح ترین مصداق خواب ہے۔ یعنی انسان خواب میں دیکھتا ہے، سنتا ہے، بات کرتا ہے، لمس کرتا ہے، بیٹھتا ہے۔ دوڑتا ہے، کھڑا ہوتا ہے، لیٹتا ہے، کھاتا اسی طرح درد کا احساس کرتا ہے۔ لذت بخش چیزوں سے حظ اٹھاتا ہے یا خوفناک شکل وصورت دیکھ کر یا آواز سن کر بیدار ہو جاتا ہے۔

خواب اور خیالی تصورات میں فرق

البتہ ضروری نہیں کہ اس عالم میں ان چیزوں کے وقوع پذیر ہونے کی مادی شرائط، مثلاً ہوا کا تموّج اور قرع وقلع وغیرہ بھی ہو۔ کیونکہ یہ عالم شہادت میں قوت باصرہ وسامعہ وغیرہ کے حصول کی شرائط ہیں۔ برزخی وخیالی مرتبہ میں (یعنی خواب وغیرہ میں) افعال واعمال انجام پاتے ہیں، لیکن ان کیلئے وہ شرائط ضروری نہیں ہوتیں جو اس عالم طبیعت میں ضروری ہوتی ہیں۔

توجہ رہے کہ خواب کا مسئلہ، خیال کرنے کی مانند نہیں کہ انسان آنکھیں بند کر کے کسی چیز کا تصور وخیال کرنے لگتا ہے۔ آواز کا خیال اور تصور، اور چیز ہے اور آواز کی حقیقت کچھ اور چیز۔

چنانچہ ہمیں تجربہ سے بھی پتہ چلتا ہے اگر ہم کسی انتہائی خوفناک آواز کا تصور بھی کریں تو ہم ڈرتے نہیں ہیں۔ لیکن خواب میں ہم اس سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ یا جب ہم زید کا تصور کرتے اور اسے خیال میں لاتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ 'ہم نے زید کو دیکھا ہے' کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ فقط خیال وتصور کر کے یہ کہنا کہ 'میں نے اسے دیکھا ہے' ایک غلط بات ہے۔ لیکن جب ہم خواب میں زید کو دیکھتے ہیں تو اگر ہم کہیں کہ 'میں نے زید کو دیکھا ہے' تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس پر حقیقی طور پر 'دیکھنا' صادق آتا ہے۔

اسی طرح 'عقلانی مرتبہ' میں بھی دیکھنا اور سننا ہوتا ہے۔ لیکن نہ مادی وطبیعی دیکھنا بلکہ دیکھنے اور سننے کی حقیقت وہاں موجود ہوتی ہے۔ البتہ وہاں کا دیکھنا اور سننا، مرتبۂ خیال میں دیکھنے اور سننے سے ارفع واعلیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ عالم، عالم برزخ سے زیادہ کامل ہے۔ لہذا اس عالم میں، بصر، سمع سے جدا نہیں اور لمس، بصر سے جدا نہیں۔ وہاں کا دیکھنا بھی عقلی ہے۔ البتہ ایسا نہیں کہ 'دیکھنا' تعقّل کیا جاتا ہے۔ بلکہ دیکھنے کی حقیقت موجود ہوتی ہے۔

عوالم بالا میں تکلم اور سمع کی حقیقت کا موجود ہونا

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جبرائیل امین علیہ السلام سے تکلم فرماتے تھے۔ جب جبرائیلؑ متمثّل ہو کر آتے یا جب آنحضرتؐ اپنی کامل حقیقت پر مشتمل قدرت کے ساتھ عالم طبیعت سے جدا ہو کر سنتے یا بات چیت کرتے اور ملائکہ سے کوئی مطلب اخذ فرماتے یا انھیں کوئی بات بتاتے تو حقیقت تکلم اور حقیقت سمع کے ساتھ تکلم فرماتے یا سماعت فرماتے تھے۔

ملا صدراؒ فرماتے ہیں: ہر انسان گویا تین انسان ہیں۔ ایک طبیعی انسان کہ جو اعضاء اور طبیعی ومادی وظاہری بدن پر مشتمل ہے۔ دوسرا مثالی انسان اور تیسرا عقلی انسان۔ مرتبۂ بالا کا کمال ضعیف شکل میں، نچلے مرتبہ میں موجود ہوتا ہے اور ادنیٰ مرتبہ کا سارے کا سارا کمال، بطور اعلیٰ واکمل، مرتبۂ اعلیٰ میں پایا جاتا ہے۔

ملاصدراؒ مزید فرماتے ہیں: اگر انسان اپنے آپ کو طبیعی قویٰ سے رہا کرالے تو اس کیلئے عالم برزخ منکشف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ انسان، خواب میں دیکھتا ہے، پیتا ہے، کھاتا ہے اور 'دیکھنے کی حقیقت' کو مدنظر رکھ کر کہتا ہے: 'میں نے دیکھا ہے' لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ اگر وہ بیداری کی حالت میں 'زید' کا خیال کرے تو اس خیالی زید کو 'دیکھنا' نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دیکھنے کا تخیل ہے۔ اس تخیل کے ساتھ کہنا کہ میں نے زید کو دیکھا ہے تو یہ غلط ہوگا۔

خواب کے عالم میں انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے، کھاتا ہے اور یہ سب چیزیں عالم برزخ کی موجودات ہیں، جن سے نفس اس مقام پر تعلق برقرار کر لیتا ہے۔

رؤیت برزخ کی شرط، طبیعت سے رہائی پانا ہے

بیداری کی حالت اور عالم طبیعت میں، طبیعی قویٰ کی قوت اور مادی امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے عالم آخرت کا دروازہ بند ہوتا ہے، خواب کی وجہ سے کسی حد تک عالم طبیعت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اس طرف کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس طرح ہو جائے کہ عقلانیات کا دروازہ بھی اس پر کھل جائے تو وہ عالم طبیعت اور عالم برزخ کے دروازوں کو بند کر کے ان میں مشغول ہونے سے بچ سکتا ہے (البتہ یہ بات اس وقت ممکن ہے کہ جب عقلانی قویٰ مکمل طور پر رشد حاصل کر لیں اور انسان عقلانیت کے مرتبہ پر فائز ہو چکا ہو)۔ اگر انسان اس مرتبۂ کمال تک پہنچ جائے تو وہ جبرائیلؑ کا اس کی اصلی حالت میں عقلانی وجود کے ساتھ ادراک کر سکتا ہے۔ یا اسرافیلؑ کو اس کی اصلی وجودی کیفیت میں دیکھ سکتا ہے۔ اگر یہ مرتبہ انسانی نفس میں پیدا ہو جائے اور بالفعل ہو جائے تو وہ عالم شہادت و برزخ کے تمام کمالات کو بطور اعلیٰ، ادراک کرنے لگے گا۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: ﴿أبيت عند ربي يطعمني ويسقيني﴾[1] (میں اپنے پروردگار کے پاس، شب بسر کرتا ہوں وہ مجھے سیر و سیراب کرتا ہے)۔

۱۔ صحیح بخاری، ج ۶ ص ۲۶۶۸، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من التعلق فی العلم۔ <--

آنحضرتؐ کی مراد وہ شب بسری نہیں کہ جو وہ اپنی ازواج کے پاس کرتے تھے، بلکہ یہ یہاں شب بسری کی حقیقت مراد ہے۔ اسی طرح یطعمنی سے مراد حقیقت اطعام ہے نہ کہ طبیعی و شہوانی اطعام۔

اسی طرح حس باصرہ کے بارے میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں: ﴿رُوِیَتْ لِيَ الأَرْضُ رَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا﴾[۱] یعنی زمین میرے لئے پھیلائی گئی اور میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔ البتہ یہ اس ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا لیکن عقلانی رؤیت ممکن ہے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا: خداوند متعال نے اپنا دست (میرے شانے پر) رکھا تو میں نے سردی محسوس کی۔[۲] اسی طرح دوسرے قویٰ کے بارے میں بھی کچھ روایات منقول ہوئی ہیں۔ جن سب میں ادراک کا مسئلہ پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے، عقلانی ادراک مراد ہے۔

ملا صدراؒ نے ایک دوسرے طریقے سے ثابت کیا ہے کہ عالم شہادت کے تمام کمالی حقائق، عالم غیب میں موجود ہیں، لیکن یہ برزخی غیب ہے۔ ان کا طریقۂ اثبات، وجدان ہے وہ فرماتے ہیں: نیند اور بے ہوشی کی وجہ سے جب جسمانی قویٰ کے اعمال معطل ہو جاتے ہیں تو انسان قوت باصرہ، سامعہ، لامسہ، شامہ اور ذائقہ کی حقیقت پر مبنی تمام حقائق کو اپنی ذات کے اندر محسوس کرتا ہے جبکہ اس کے جسمانی، سفلی و ظاہری اعضاء و جوارح، معطل شدہ حالت میں ہوتے ہیں۔

عالم غیب کا عالم شہادت کے کمالی حقائق پر مشتمل ہونا

ملا صدراؒ نے یہ مطلب انسان میں مرتبۂ برزخیہ کے وجود کو ثابت کرنے کیلئے بیان کیا ہے نیز یہ تمام قویٰ اور کمالی حقائق وہاں موجود ہوتے (البتہ اس صورت میں نہیں کہ جس طرح عالم طبیعت

>-- حدیث ۶۸۶۹ ـ معمولی اختلاف کے ساتھ۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲ ص ۱۳۰۶ کتاب الفتن، باب ۹ حدیث ۳۹۵۲۔

۲۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱ ص ۳۶۸۔

میں ہوتے ہیں) اس بات کو ثابت کرنے کیلئے انھوں نے کوئی برہان بھی قائم نہیں کی، بلکہ اس مطلب کو فقط وجدان کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ نفس کی برزخیت کا مرتبہ عام لوگوں کو بھی میسّر ہوتا ہے۔لہذا اسے وجدان کے حوالے سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔لیکن مرتبہ عقلانی کو لوگوں کی اکثریت درک نہیں کرپاتی۔لہذا اسے وجدان کے حوالے سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔اسی لیے ملاصدرؒ ایک دوسری فصل میں اس کے اثبات کیلئے برہان قائم کرتے ہیں (یہ وہی برہان ہے کہ جو ہم نے جوہری حرکت کے مطابق بیان کی ہے)۔البتہ ہر چند صدیوں بعد ایک یا دو افراد ایسے ملتے ہیں کہ جو وجودی ترقی اور نفسانی کمال کے ذریعے،اس عقلانی مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔جیسا کہ کتاب 'حکمۃ الاشراق' کے مصنف کہتے ہیں: 'میں نے اپنے روحانی وجود کو دیکھا اور اس نے کہا: تم کون ہو؟ تو اس نے کہا: میں تیری ذات ہوں' [1]

عقلانی مرتبہ میں نفس کا جامع کمالات ہونا

ملاصدرؒ مزید فرماتے ہیں: اس روحانی وعقلانی مرحلہ پر نفس بسیط اور تمام کمالات کا حامل ہوتا ہے۔کیونکہ بسیط الحقیقۃ، شئے جامع کمالات ہوتی ہے۔

البتہ ملاصدرؒ کی مراد یہ نہیں کہ ایک شخص کا نفس پورے عالم کے تمام وجودی کمالات کا حامل ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ بسیط مرتبہ ان تمام کمالات کا جامع وحامل ہے کہ جو اسی وجود کو نچلے مراحل میں حاصل تھے۔البتہ اگر ہم اس بات کے قائل ہوجائیں کہ ایک واحد شخصی جوہری حرکت، پورے جوہرۂ عالم میں جاری ہے کہ جس کے ذریعے وہ عالم سات زمینوں سے لے کر سات آسمانوں تک، سب کا سب، تجرد کی طرف جارہا ہے اور اس جوہری حرکت سے پورے عالم وجود کے نظام پر محیط ایک واحد عقلانی مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ وہ مرتبہ، عالم طبیعت کے تمام موجودات کے کمالات وجودیہ کا حامل ہے۔[2]

۱۔ مجموعۂ مصنفات شیخ اشراق، ج ا ص ۴۶۴۔ ۲۔ تقریرات اسفار۔

عالم برزخ میں جسمیت کا وجود

اصل 'جسمیت' تو عالم برزخ میں بھی موجود ہے اور جو چیز بھی جسم کی اصل جسمیت سے خارج اور اس پر زائد ہے (یعنی جو مادہ کی حامل ہے) تو وہ عالم برزخ میں نہیں ہوگی۔ مادے کا حامل ہونا طبیعی وجود کا لازمہ ہے۔ عالم طبیعت، عالم نقص اور عوالم ثلاثہ کا آخری مرتبہ ہے۔ اس لیے ممکن نہیں کہ زوائد کے بغیر جسمیت کی حقیقت، ہستی اور وجود سے بہرہ مند ہو۔ نیز یہ بھی ممکن نہیں کہ اس عالم میں، جسم کی خالص ماہیت موجود ہو۔

برزخی بدن کا طبیعی بدن کی قویٰ کے کمالات پر مشتمل ہونا

طبیعی وجود، واحد تشخص، ہویت اور وجود وحدانی کے ہوتے ہوئے جوہری حرکت کے ذریعے ہمیشہ کمال کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور تدریجاً عالم طبیعت کو چھوڑ کر احتضار کی حالت تک جا پہنچتا ہے اور پھر طبیعت کی آخری گرہ کو بھی کھول کر مادی قید و بند سے نکل کر عالم طبیعت سے اجنبیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس حالت میں وہ سابقہ نشہ کی تمام کمالی جہات کا حامل ہوتا ہے اور عالم طبیعت کے تمام کمالات کا نچوڑ اس میں موجود ہوتا ہے۔ مثلاً اصل جسمیت سے بہرہ مند ہونا اگرچہ وہ مادہ سے خالی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ قوت ذائقہ، شامہ، باصرہ اور لامسہ کا بھی حامل ہوتا ہے۔ ایسا موجود اگر مرتبۂ عقلانی پر فائز ہو جائے تو وہ برزخی جسم رکھنے کے باوجود، عقلانی مرتبہ کا بھی حامل ہوتا ہے۔ اس قسم کا موجود، جوہری حرکت سے فارغ ہونے کے بعد فقط برزخی وجود سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ یہ موجود جتنی بھی کمالی جہات عالم طبیعت میں رکھتا تھا وہی عالم برزخ میں بھی رکھتا ہے۔ مثلاً ذائقہ، شامہ، باصرہ، لامسہ اور جسم و بدن وغیرہ۔ لوگ خواہ عقلانی تجرد حاصل کر پائے ہوں یا نہیں وہ سب کے سب عالم طبیعت ہی کی مانند عالم برزخ میں بھی سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، کھاتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ وہاں بھی اصل جسم اور جسمانی قویٰ سے بہرہ مند ہیں۔ جس کی وجہ سے انھیں مکان کی ضرورت ہے۔ لہذا اسی لئے بہشت میں محل وقصر وغیرہ کا

تذکرہ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ خود حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقلانی تجرد میں، عقول کے ہم پلہ ہیں، پھر بھی جسم اور مکان و منزل رکھنے کی وجہ سے دار طبیعت کی مانند ہموار اور ہمسایہ رکھتے ہیں۔ البتہ یہ ہمسایہ اور مکان و منزل فقط برزخی و جسمانی عالم سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن عقلانی اور تجرد محض کے مرتبہ میں آپ کا کوئی ہم پلہ ہے ہی نہیں جس کی وجہ سے آپؐ کی کسی کے ہمسائے ہوں جو موجودات، مرتبہ طبیعت سے مافوق ہوکر عقلانی موجودات کے ہم پلہ ہوجاتے ہیں وہ برزخی جسم اور برزخی وجود بھی رکھتے ہیں۔ لہذا وہ بھی کھاتے ہیں، پیتے ہیں، راستہ چلتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں اور ازدواج وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ وہ جس طرح جسمانی لذات رکھتے ہیں۔ اسی طرح عقلی حقائق کے مشاہدات اور عقلانی لذات سے بھی بہرہ مند ہوتے ہیں اور عقلانی موجودات کے ہم رتبہ وہم پلہ ہوتے ہیں۔[۱]

حرکت کا مرتبۂ طبیعت سے مختص ہونا

قوت خیال، قوت باصرہ، قوت سامعہ اور قوت ذائقہ جیسی تمام قوئی اور اصل امتداد کہ جو جسم کی حقیقت ہے، برزخی بدن میں بھی موجود ہوتی ہیں۔ گویا یہ امور 'نفس کے ذاتی لوازمات' میں سے ہیں اور نفس کیلئے ان سے جدا ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ کسی چیز سے جوہر میں ترقی اور حرکت کے سبب ہی جدا ہوا جاسکتا ہے۔ جبکہ حرکت، عالم طبیعت سے مختص ہے۔ جب تک کوئی صورت مادہ کی حامل ہوتی ہے اس میں حرکت کا امکان ہوتا ہے۔ اگر اس کا مادہ ختم ہوجائے یا اگر کوئی چیز نفس کے ذاتی لوازم میں سے ہو تو نہ تو حرکت کا امکان ہے اور نہ ہی اس چیز کا نفس سے جدا ہونا ممکن ہے۔ پس جب انسان کا نفس عالم طبیعت سے نکل کر عالم برزخ میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ جس قدر بھی کامل ہو، برزخی قوئی اور بدن کا حامل ضرور ہوگا۔ ﴿فیأکل ویشرب ویذوق ویتکلّم ویبصر وغیرھا﴾ یعنی وہ کھائے پیئے گا، ذائقہ چکھے گا، بات کرے گا اور دیکھے گا۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

ادراک کا نفس کے برزخی مرتبہ سے مختص ہونا

البتہ عالم طبیعت میں نفس کا ان ادراکات اور حواس سے بہرہ مند ہونا، خود 'عالم طبیعت' سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یعنی یہ ادراکات عالم طبیعت کی وجہ سے نہیں ہیں (کیونکہ طبیعت بلحاظ طبیعت ادراک وشعور سے عاری ہوتی ہے) بلکہ ان ادراکات سے بہرہ مند ہونے کا سبب، 'نفس کی برزخیت' ہے اور یہ سب امور، نفس کے ذاتی لوازمات میں سے ہیں۔ لہذا برزخ، بہشت اور جہنم میں انواع واقسام کی لذات اور دکھ والم پائے جاتے ہیں۔ جس طرح برزخ میں حواس خمسہ، ادراکات اور ادراکی قویٰ کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔[1]

آخرت میں بدن کا نفس کی نافرمانی نہ کرنا

عالم آخرت، نفس کی حکمرانی کا مقام ہے اور ملک بدن وہاں پر نفس کی نافرمانی نہیں کر سکے گا۔[2]

طبیعی بدن کی جوہری حرکت

طبیعی بدن ایک ایسے ہیولیٰ کا حامل ہوتا ہے کہ جو اُم الطبیعۃ کہلاتا ہے اور جس کی آغوش میں طبیعی صور پروان چڑھتی ہیں۔ عالم کا طبیعی اور مادی ہونا بھی اسی ہیولیٰ کی وجہ سے ہے۔ اگر ہیولیٰ نہ ہوتا تو عالم طبیعت، عالم وجود کے مراتب میں سے ایک مرتبہ شمار ہی نہ ہوتا اور یہ عالم ہستی، فقط دو عوالم میں منحصر ہو جاتا۔ ایک عالم عقلی اور دوسرا عالم مثالی۔ طبیعی بدن اسی قوت اور اجنبی چیز کے ساتھ اختلاط اور مشغولیت کی وجہ سے، نفس کی نافرمانی کرتا ہے اور قویٰ کے بارے میں نفس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا۔ اس کے برعکس جو بدن نفس میں جذب ہو جاتا ہے وہ طبیعت کی ملاوٹ وآلودگی سے پاک ہوتا ہے اور نفس اور اس کے درمیان کسی قسم کی دوئیت وجدائی نہیں ہوتی۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۱۴۸۔

برزخی بدن کا نفس کی نافرمانی نہ کرنا

حرکت جوہری کی وجہ سے نفس تدریجاً عالم طبیعت کی قید و بند سے نجات حاصل کرتا رہتا ہے اور عالم طبیعت سے خارج ہونے کے دوران اپنے وجود کے نواقص اور اجنبی جہات کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ آخرکار جب وہ پوری طرح عالم طبیعت سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور اجنبی جہات وقید وبند سے پاک ہو جاتا ہے نیز مزید ترقی کی استعداد اور قابلیت یعنی 'ہیولائے معضمہ' کو چھوڑ دیتا ہے تو 'غیر' سے خالی بدن ہو جاتا ہے۔ ایسا بدن جو 'جسم خالص' کہلاتا ہے۔ پھر اس کا غیر سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا جسم ہے جس میں نہ مادہ ہے نہ ہیولیٰ۔ جب اپنے اندر سے اجنبی عنصر کو نکال دیتا ہے تو پھر نفس میں جذب ہو جاتا ہے اور کسی بھی وقت اس کی نافرمانی نہیں کرتا چونکہ اب وہ خود نفس ہے۔[1]

بدن کے ساتھ برزخی ابدان کا صدوری قیام

دنیوی ملکی زندگی مردہ طبیعی مواد سے مخلوط ہے اور ان کی حیات، ذاتی ملکوتی حیات کے برعکس، عَرَض زائل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ذاتی وملکوتی زندگی میں نفوس کو استقلال حاصل ہوتا ہے۔ وہ دار حیات ہے وہاں زندگی کے سب لوازمات مہیا ہوتے ہیں اور برزخی ومثالی ابدان، نفوس کے ساتھ صدوری قیام رکھتے ہیں۔[2]

نفس کا برزخی بدن کیلئے فاعل وخلاق ہونا

اس دنیوی عالم میں بدن کے ساتھ نفس کا تعلق بہت ہی ضعیف اور ناقص ہوتا ہے۔ اس عالم میں نفس کیلئے اپنی قوئی کے ساتھ ظاہر ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن عالم آخرت، ظہور نفس کا مقام ہے اور وہاں بدن کے ساتھ نفس کا تعلق 'فاعلیت وخلاقیت' کا تعلق ہے۔ جیسا کہ یہ بات اپنے مقام پر

۱۔ تقریرات اسفار، ۔ ۔ ۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۳۲۳۔

ثابت شدہ ہے۔[1] اور یہ تعلق، کامل واتم مرتبے کا تعلق ہے۔[2]

نفس کی نسبت، برزخی بدن کی عدم معلولیت

ایسا نہیں کہ بدن، نفس کی فعالیت کے نتیجے میں پیدا ہوتا کہ ہم اسے اس کا معلول قرار دیں اور پھر معلول اور علت میں غیریت کا حکم لگا سکیں اور انھیں دو الگ الگ ہویتیں شمار کریں۔ معلول، ایک الگ ہویت وتشخص رکھنے کے باوجود علت کے لوازمات میں سے ایک لازمہ ہے۔ اور یہ نظریہ کہ معلول، علت کے لوازمات میں سے ایک لازمہ ہے۔ انکے دو ہویت ہونے کے مانع نہیں بنتا۔

نفس اور عالم طبیعت میں مفارقت غیر کے ساتھ دوستی کے خاتمے اور اجنبی چیزوں کے امور کی تدبیر اور تغذیہ وغیرہ سے فراغت کے بعد، نفس جسمانی و جرم ومقدار پر مبنی اجسام جرمیہ جیسے معالیل کو ایجاد اور صادر کرسکتا ہے۔ یعنی جس طرح عالم طبیعت کے جسمانی و جرمی موجودات مادہ اور اس سے حاصل شدہ استعدادات کی مشارکت کے ساتھ فاعل سے صادر و ایجاد ہوتے ہیں، اسی طرح جرمی اجسام، مادہ اور اس سے حاصل شدہ استعدادات کی مشارکت کے بغیر فقط 'فاعلی حیثیات' کی جانب سے صادر اور ایجاد ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ افلاک کی مانند سابقہ مادہ کے بغیر ایجاد ہونے والے اجسام اولیہ ہوتے ہیں)۔

ارادے کے نفوذ کے سبب، مادہ سے نجات پانا

غیر مادی عالم میں، نفس مخلوق ومعلول کا حامل ہوتا ہے اور قوی الارادہ ہونے کی وجہ سے عالم طبیعت میں مشغولیت سے نجات حاصل کرلیتا ہے اور جو بھی ارادہ کرتا ہے وہ ایجاد ہو جاتا ہے۔

۱۔ اسفار اربعہ، ج ۸ ص ۱۳۷، ۱۴۳، ۱۵۵۔ سفر رابع وسفر ثالث، فصل ۱۱، ۱۵۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۸۸۔

لیکن جب تک وہ عالم طبیعت میں ہوتا ہے، مادہ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے اور اس کی قدرت کے تام نہ ہونے اور (ہیولائے منضمہ) جیسی رکاوٹ کے سبب، خارج میں جرمی مقدار کو ایجاد اور صادر کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ (جبکہ اسی عالم حس میں محسوس صورتیں، نفس کی فعالیت سے ایجاد ہوتی ہیں) مگر معصومین علیہم السلام کے انفاس مقدسہ، جیسے قوی نفوس شاذ و نادر ہی ملتے ہیں جو مادہ میں گرفتار ہوئے بغیر ایسی جرمی مقدار ایجاد و صادر کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نفس عالم آخرت میں جرمی مقادیر و اجرام اور موجودات کو ایجاد کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ مثلاً وہ ایک ایسی جنّت ایجاد کر سکتا ہے کہ جس کا طول و عرض، مشرق سے مغرب تک ہو۔ یا درخت، نہریں اور جو اس کی خواہش ہوگی وہ ایجاد کر سکتا ہے۔ ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾ [۱] (اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جو دل چاہیں گے اور آنکھیں لذت پائیں گی)۔ اس مطلب کی شاہد وہ احادیث ہیں کہ جو سب ہی مسلمانوں سے منقول ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ: اہل بہشت کیلئے ملائکہ اس مضمون پر مبنی مکتوب لے کر آتے ہیں: ﴿سلامٌ من الحيّ القيوم الى الحيّ القيوم﴾ اور اس مکتوب کے ذیل میں آیا ہے کہ عبد جو بھی ارادہ کرتا ہے وہ موجود ہو جاتا ہے...... [۲]

بہر حال، عالم آخرت میں نفس کا بدن، نفس کی فعالیت کا معلول و مخلوق نہیں بلکہ خود بدن ہی نفس ہے اور اس کا ایجاد و معدوم ہونا، خود نفس کا ایجاد و معدوم ہونا ہے۔ البتہ ممکن نہیں کہ شئے اپنی ہی فعالیت کے نتیجے میں موجود ہو جائے چونکہ اس کا لازمہ دُور صریح ہے جو کہ باطل ہے۔ اگر ملا صدراؒ کی عبارت سے اس بات کا شک ہوتا ہو کہ نفس فعالیت کے ذریعے، اپنے بدن کو 'ایجاد' کرتا

۱۔ سورۂ زخرف، آیت/۷۱۔

۲۔ من الحي القيوم...... الخ (حی قیوم کی جانب سے کہ جسے موت نہیں آتی حی قیوم کی جانب کہ جسے موت نہیں آتی۔ اما بعد: میں جس چیز کو کہتا ہوں: ہو جا! وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے تجھے بھی ایسا ہی بنایا ہے کہ جس چیز کو بھی کہو: ہو جا! وہ موجود ہو جاتی ہے)۔ فتوحات مکیہ، ج ۳ ص ۲۹۵ باب ۳۶۱... علم الیقین... ۔

ہے تو یہ محض لفظی خطا ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ ملا صدرؒ یا دوسرے فلاسفہ، اس مطلب کے قائل ہیں تب بھی یہ درست نہیں ہے اور ہم اس کی شدت کے ساتھ تردید کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی فعالیت کے مدعی افراد کی نفی کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم بھی نفس کی فعالیت کے قائل ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ نفس اپنے ربّ قادر کے اذن سے عظیم جرمی، اجسام اور مقادیر پر مبنی معالیل کو ایجاد کرسکتا ہے، جیسے وہ عالم طبیعت میں محسوس وخیالی صورتوں اور شکلوں کو ایجاد کرنے پر قادر ہے۔[1]

نفس کے ذریعے، ایجاد بدن کا مطلب

نفس کی فعالیت اور اس کے توسط سے مناسب بدن کے ایجاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نفس اپنے باطن کے مطابق، ظہور کرے اور شئے کا ظہور خود وہی شئے ہے نہ کہ کوئی اور شئے۔

دنیا میں جو انسان اپنی تمام حیثیات کو ایک حیثیت کے نیچے جمع کرلیتا ہے اور اس کے تمام قویٰ ضعیف ہوجاتے ہیں۔ مثلاً قوت شہویہ کے کارندے بن جاتے ہیں۔ ایسا انسان جب عالم آخرت میں جاتا ہے تو اس کا مبدأ فعال، بھی قوت شہوہ ہوتی ہے تو اس کا اخروی مادہ بھی قوت شہویہ ہی ہوگی۔ البتہ یہاں مادہ سے مراد، 'عالم آخرت کا مادہ' ہے۔ کہ جس کے معنیٰ 'مبدأ فعال' کے ہیں نہ کہ 'مادۂ انفعالیہ' کے۔ یہ تو عالم طبیعت کا ہیولیٰ ہے۔ جسے 'عالم طبیعت کا مادہ' کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر اخروی مادہ (یعنی، مبدائے فعّالہ) انسان کی قوت شہویہ ہو تو جب انسان عالم طبیعت سے خارج ہوتا ہے تو یہ مبدأ، اپنی فعالیت میں شدت پیدا کرلیتا ہے اور دوسرے تمام قویٰ اور عمال کو اپنی حکومت وتسلط کے تحت لے آتا ہے اور اپنے مناسب بدن کو ایجاد کرلیتا ہے۔ جس شخص کی قوت شہویہ اس قدر فعال ہوجاتی ہے کہ جس کے نتیجے میں وہ مطلق العنان سلطان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے اور وہ اپنی اس فعالیت کی وجہ سے اپنے اردگرد اپنے تمام قویٰ کو اپنا خدمتگار بنا کر ایک شہوانی خانوادہ بنالیتی ہے۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

اخروی مادہ کے مبانی واصول

اسی طرح اگر قوت غضبیہ فعال ہو جائے تو اس غضبناک شخص کا اخروی مادہ، قوت غضبیہ ہوگا کہ جو ایک غاضبہ خاندان تشکیل دے کر، مبدأ کی مناسبت سے، اس کے غضبناک درندے، اس شخص کے دوسرے مراتب پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور انھیں چیز نے پھاڑنے لگتے ہیں۔ اس سے کوئی مانع بھی نہیں کہ نفس کے مراتب میں سے کوئی ایک مرتبہ، مبدأ بن جائے اور اس کی وجہ سے اسی شخص کا دوسرا مرتبہ، درد و الم میں مبتلا ہو جائے۔ چنانچہ بعض اوقات غضب کی وجہ سے غضبناک انسان کے اندر ایک حرارت پیدا ہو جاتی ہے کہ جو قوت غضبیہ کے ملائمات میں سے ہوتی ہے۔ لیکن اسے کے دوسرے کسی مرتبہ کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ مثلاً اس کی فعالیت سے انسان کا دل پھٹ جاتا ہے۔

اسی طرح اگر انسان کا اخروی مادہ، قوت واہمہ اور شیطنت ہو تو اس کے باقی قویٰ اس کے آگے مسخر ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص آخرت میں شیطان کی شکل میں ظاہر ہوگا اور ایک شیطانی خانوادہ تشکیل دے گا۔

یہ تین قوتیں ایسے مبادی واصول کی حیثیت رکھتی ہیں کہ جو آخرت میں بطور کلی، اخروی مادہ بن سکتی ہیں۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک یہاں رشد و نمو حاصل کر لیتی ہے تو آخرت میں بھی فقط وہی اخروی مادہ ہوگی۔ نیز ممکن ہے دو صورتیں بن جائیں۔ اس صورت میں یہ دونوں یا تینوں قویٰ زندہ اور فعال ہو جائیں۔ چونکہ موجود مجرد، ہیولیٰ اور استعدادی امکان کے بغیر ہوتا ہے۔ جونہی وہ عالم طبیعت سے نکلتا ہے تو درد والم اور عذاب کے تمام اسباب اس کیلئے فراہم ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ عالم غیب مطلق کا ظہور اور سلطنت رحمانیہ کا غلبہ ہو جاتا ہے اور آخری شافع یعنی ﴿ارحم الراحمین﴾۔[۱] اپنی شفاعت کبریٰ کے ساتھ تجلی فرماتا ہے۔

۱۔ فتوحات مکیہ، مطبوعہ عثمان یحییٰ، ج ۲ ص ۳۳۴، باب ۱۲ فی معرفۃ دورۃ فلک سیدنا محمدؐ ' النوادر فی جمع الاحادیث، فیض کاشانی، ص ۲۵۴، باب ورود النار و حظ المؤمن منہا۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۸۶ و فیہ: (آخر من یشفع ھو ارحم الراحمین)۔

یہاں تک ہم نے اشقیا کے اخروی مادہ کے بارے میں بحث کی ہے۔ جہاں تک سعدا کے اخروی مادہ کا تعلق ہے تو وہ 'قوت عاقلہ' ہے جسے انسان زندہ اور فعال کرسکتا ہے تا کہ دوسرے قویٰ اس کے آگے مسخر ہو جائیں۔ اس صورت میں، آخرت میں قوت عاقلہ، مبدائے فعالہ اور اس کا اخروی مادہ ہوگی۔[۱]

دنیا اور برزخ میں نفس کی ایجاد شدہ صور میں فرق

انسان پر آخرت میں فقط ان فعلی صورتوں کے ذریعے عذاب نازل ہوگا جو اس کے دنیوی ملکات کے مطابق ایجاد ہوئی ہیں۔ اسی طرح وہ اخروی نعمتوں سے بھی بہرہ مند ہوگا۔ آخرت میں دنیوی صور ذہنہ کی طرح ملکات کے مطابق، ذہنی صورتیں ایجاد ہوتی ہیں، جو انسان پر نزول عذاب کا باعث بنتی ہیں۔ البتہ اخروی صورتیں، دنیوی ذہنی صورتوں کی مانند نہیں کہ جن کا کوئی خارجی وعینی وجود ہی نہیں ہوتا۔ دنیا کی ذہنی صورتیں انتہائی ضعیف ہوتی ہیں، بلکہ شدت ضعف کی وجہ سے انھیں موجودات میں شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ اس کی علت ایک تو عالم دنیا کا ضعف اور اس میں نفس کا ضعیف ہونا ہے۔ دوسرا طبیعی مشغولیت کی وجہ سے نفس کا اپنے فعل میں ضعیف ہو جانا ہے۔ اس دنیا میں صور ذہنیہ کا علم، خود ذہنی صورتوں کے ساتھ ایک ہی چیز ہے۔ چونکہ صورتیں بعینہ علم اور معلوم ہیں۔ لہذا ضروری نہیں کہ پہلے ان کو تصور کیا جائے پھر انھیں ایجاد کیا جائے، بلکہ ان کا تصور کرنا ہی ان کو ایجاد کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ ایجاد کا مرتبہ انتہائی ضعیف ہوتا ہے گویا اسے سب سے نچلی یا آخری نشست دی جاتی ہے اور اس کا کسی چیز میں شمار نہیں کیا جاتا۔

جب نفس ترقی کر کے طبیعت میں مشغولیت سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور اپنے آپ اور اپنے افعال کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی ایجادات قوی ہو جاتی ہیں تو صورتیں بھی عینیت حاصل کر کے وجود عینی میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اب یہ عالم طبیعت میں نفس کے تصورات کی مانند

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

نہیں رہتیں کہ جنہیں شدت ضعف کی وجہ سے وجود خارجی سے عاری موجود سمجھا جاتا ہے۔ جب عالم طبیعت سے خارج ہو کر ایک کامل برزخی وجود بن جاتا ہے تو پھر وہ فقط اپنی ہی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر چہ عالم غیب میں بھی مجذوب ہوتا ہے لیکن یہ مجذوبیت اتنی زیادہ نہیں ہوتی، بلکہ سکرات موت اور نزع روح نے اسے عالم غیب کی طرف متوجہ کئے ہوتا ہے۔ البتہ اس حالت میں بھی وہ دنیا سے کئی درجے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ چونکہ وہ مرتبۂ طبیعت کہ جو وجود کا سب سے آخری مرتبہ اور ضعیف ترین درجہ ہے، سے خارج ہو کر عالم برزخ میں داخل ہو چکا ہے۔ لہذا وہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اس کی ایجادات اور علمی صورتیں، خارج میں قوی ترین وجودات عینی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

عالم برزخ میں جو کچھ بھی ایجاد اور انشا ہوتا ہے وہ قوی الوجود موجود خارجی ہوگا۔ چونکہ اس کا سرچشمہ وجود، قوی الوجود ہے۔ نفس جتنا بھی تجرد کے نزدیک جاتا ہے، اس کی ایجادات بھی قوی اور شدت وجود کی حامل ہوتی ہیں۔ عالم برزخ میں، نفس کی ایجادات ایک عینی صورت اختیار کر لیتی ہیں کہ جو عالم طبیعت کے عینی موجودات سے کئی درجے زیادہ قوی ہوتی ہیں۔ کیونکہ عالم برزخ اور مثال، اس عالم سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ وجود جتنا بھی اوپر جاتا ہے اس کی شدت اور قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ روایات میں جو کچھ آیا ہے وہ شاید اسی مطلب کی وضاحت کیلئے ہے: ﴿انَّ هٰذِهِ النَّارَ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ غَسَلَتْ بِسَبْعِينَ مَاءٍ ثُمَّ نَزَلَتْ﴾[۱] (دنیا کی یہ آگ (دراصل)، جہنم کی آگ ہے کہ جسے ستر پانیوں سے دھویا گیا ہے اور پھر نازل کیا گیا ہے)۔ یعنی جہنم کی آگ ستر بار نزول کے مراحل سے گزری ہے تب جا کر اس آگ میں تبدیل ہوئی ہے کہ جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ جہنم ہی کی حقیقت ناریہ ہے، جس نے ستر بار وجودی تنزل کیا ہے۔[۲]

۱۔ اسفار اربعہ، ج ۲ ص ۷۸، مرحلہ چہارم، فصل نہم۔ بحار الانوار، ج ۸ ص ۲۸۸۔ جامع ترمذی، ج ۴ ص ۷۰۹۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

نفس کے اپنے فعل سے متالّم ہونے پر اعتراض

بعض نے نفس کے توسط سے دردناک موجودات کے ایجاد ہونے پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے: 'اگر بچھو اور آگ جیسی موجودات نفس کے معلول ہوں تو چونکہ علت و معلول کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہونی چاہیئے لہذا قاعدہ کی رو سے عالم آخرت میں نہ تو دردناک ہونی چاہیئے اور نہ ہی درد والم! یہ بات کیسے قبول کی جائے کہ نفس اپنے اختیار سے ایسی چیز کو ایجاد کرتا ہے جو اس کے درد والم کا سبب بنتی ہے یا وہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے عذاب میں مبتلا کرتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان دنیا میں اختیار رکھتا ہے تو پھر اسے غصہ کیوں آتا ہے؟ بہت سے افراد جب غصے میں ہوتے ہیں تو اپنا منہ اور سر پیٹنے لگتے ہیں اور اس سے انھیں صدمہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خودکشی کرلے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ خودکشی نفس کا فعل ہے۔ لہذا اس سے اسے صدمہ نہیں پہنچتا؟ البتہ ہر چیز کا معلول مثلاً غضب سے پیدا ہونے والی حرارت اور جلن، اپنی علت یعنی غضب کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے، لیکن بدن کے ساتھ ہم آہنگ نہیں۔ جو جلن اور سوزش غیظ وغضب سے پیدا ہوتی ہے، قوت غضبیہ سے مناسبت رکھتی، لیکن بدن کہ جو نفس کا ایک اور مرتبہ ہے، کو جلاتی ہے۔ چونکہ اس کے ساتھ اس کا تناسب و ہم آہنگی نہیں۔ غضب کی آگ اور بدن دونوں نفس کے معلول ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک مرتبہ کا دوسرے مرتبہ یا ایک معلول کا دوسرے معلول کو متاثر کرنے سے بھی کوئی مانع پیش نہیں آتا۔ جیسا کہ یہ پوری کائنات، حق تعالیٰ کی معلول ہے لیکن اس کے باوجود اسی عالم میں مخلوقات کے درمیان جنگ وجدال برقرار ہے۔

نفس کے اپنے فعل سے متالّم ہونے کی کیفیت

خلاصہ یہ کہ کسی چیز کے معلول کا اسی چیز کے کسی دوسرے مرتبہ پر اثر انداز ہونے سے کوئی مانع نہیں۔ یعنی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تضاد ومنافرت اور عدم تناسب پایا جائے۔ اگرچہ یہ معلول اپنی علت سے ہم آہنگ ہوتا ہے اور اپنی علت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہم

نے مثال دی ہے کہ غضب بدن کو تو متاثر کرتا ہے، لیکن اپنے مبدأ یعنی نفس پر کوئی اثر نہیں چھوڑتا۔

قیامت کے دن غضب، کفر و جحود جیسی صفات، اشقیا اور کفار کے نفوس میں راسخ ہو جائیں اور انکے نفس کے ساتھ انھیں وجودی اتحاد حاصل ہوگا۔ ایسی صفات رذیلہ قیامت کے دن، درندہ صورت میں تبدیل ہو جائیں گی اور تا ابد، ان سے درندگی ایجاد ہوتی رہے گی جو ان افراد کے ابدان اور اجساد کو چیرتی پھاڑتی رہیں گی۔ (چونکہ نفس تا ابد باقی رہے گا، لہذا عذاب بھی تا ابد باقی رہے گا) ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُم جُلُوداً غَيرَهَا لِيَذُوقُوا العَذَابَ﴾[۱] (جب ایک کھال پک جائے گی تو دوسری بدل دیں گے تا کہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں)۔[۲]

غم والم کے ادراک کے ذریعہ عذاب دینا

عالم برزخ میں اسی نفس اور نفس کے توسط سے ایجاد ہونے والے جسم پر عذاب نازل ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ غم والم اور عذاب اصل میں ادراک سے تعلق رکھتا ہے، اسی دنیا میں بھی اگر ادراک نہ ہو تو کوئی غم والم بھی نہیں ہوتا۔ نیز ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ادراک ہی مُدرِک ہوتا ہے جبکہ مدرک (ادراک کنندہ) نفس ہے۔ پس ادراک بھی وہی ہے یعنی ادراک بعینہ نفس ہے۔ لہذا عذاب بھی باطن نفس سے اور جو ملکات اس نے کسب کئے ہیں ان سے نازل ہوگا۔

یہاں دو نظرئے پیش کئے گئے ہیں: ایک غزالی کا نظریہ ہے۔ اور دوسرا قول ایک دوسرے گروہ کا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ: اگر نفس عذاب کے اسباب کا خلاق ہو تو جو کچھ اس نے ایجاد کیا ہے (مثلاً بچھو، آگ و آتش وغیرہ) تو وہ سب کا سب، معلول نفس ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ علت اور معلول میں ایک دوسرے کے ساتھ مکمل ہم آہنگی ہونی چاہیئے۔ منافرت نہیں اور معلول کو، علت کی ایذا کا موجب نہیں بننا چاہیئے۔

۱۔ سورۂ نساء، آیت/۵۶۔ ۲۔ تقریرات اسفار، ۔

تألم نفس کے بارے میں غزالی کا نظریہ

غزالی نے جو کچھ کہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آخرت کے عذاب اور آلام، صُقع نفس میں سے ہیں۔ یعنی یہ کہ نفس آخرت میں، اپنے اپنے اخلاقی ملکات کے مطابق، ذہنی صورتیں انشا وایجاد کرتا ہے۔ اوران صور ذہنیہ کی وجہ سے حقیقی طور پر رنجیدہ اور غمگین ہو جاتا ہے۔

تألم اور اس کے مقدمات کا اصلی سبب

غزالی مزید کہتے ہیں: ہماری باتیں 'خز الغایات واترک المبادی' کے باب سے ہوتی ہیں۔ اس دنیا میں جو عذاب والم، مثلاً آگ کا جلانا وغیرہ واقع ہوتا ہے یہ اس بات کا مقدمہ ہے کہ نفس میں کچھ صورتی ایجاد ہو جائیں اور پھر ان سے نفس کو عذاب والم پہنچے۔ نہ یہ کہ خارج سے نفس میں صورتیں ایجاد ہوتی ہیں۔ مثلاً عزیز واقارب کی موت واقع ہونے یا مصائب وبلایا نازل ہونے پر نفس میں یہ صورتیں ایجاد ہوتی ہیں۔ یہ رنج وغم نفس میں ایجاد ہونے والی صورتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ خارج سے نفس میں داخل نہیں ہوتا۔ البتہ خارجی موجودات، ان نفسانی صورتوں کے حصول اور نفس کے ذریعے انکے ایجاد ہونے کا مقدمہ ہیں۔ اگر ذہنی صورتیں نہ ہوتیں تو غم والم بھی نہ ہوتا۔ اسی طرح خوشی وفرح اور لذت بھی نہ ہوتی۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جب کسی کے ماں باپ یا دوست ومحبوب ابھی مرے نہ بھی ہوں لیکن جب اس کے ذہن میں ماں باپ یا دوستوں کی موت کا تصور آتا ہے، تو وہ اسی قدر غم والم میں مبتلا نظر آتا ہے، جیسا حقیقی طور پر انکے مرنے پر انسان غمگین ومتألم ہوتا ہے۔ یہ قضیہ اس کے برعکس بھی صادق آتا ہے۔ یعنی جب اس قسم کے واقعات وحوادث حقیقی طور پر واقع ہو جائیں، لیکن انسان ان سے بے خبر ہو اور نفس کے ذہن میں عزیزوں کی موت کا تصور نہ آئے تو اس میں کسی قسم کا غم والم نہیں ہوگا۔

پس خارجی حوادث کا وقوع، نفس کے توسط سے ذہنی صورتوں کے ایجاد وانشاء ہونے کا مقدمہ بنتا ہے۔ اگر کوئی انسان، ذات سے متحد بُرے ملکات اور اخلاق رذیلہ حاصل کر لیتا ہے تو

آخرت میں، ملکات کے مطابق حاصل شدہ فعلی صورتوں کے حصول کے ساتھ ہی وہ عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ اصل عذاب، ان صورتوں کی وجہ سے ہوتا ہے کہ جو ذہن میں ہوتی ہیں۔ عالم آخرت میں بھی دنیا کی طرح، ایجاد شدہ ذہنی صورتوں کے باعث ہی انسان پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ آخرت میں 'خذ الغایات واترک المبادی' کے باب سے اگر چہ صورتیں، عینی نہیں ہوتیں لیکن اس کے باوجود غایت، موجود ہوتی ہے کہ جو 'عذاب کا نازل' ہونا ہے۔

البتہ یہ بات یاد رہے کہ غزالی اپنی اس بحث کے دوران اس نتیجہ تک نہیں پہنچ پائے کہ آخرت میں خارجی موجود، نفس کے منشآت میں سے ہوگا۔ ان کا اعتقاد ہے کہ عذاب، انہی ذہنی صورتوں کی وجہ سے نازل ہوگا۔[1]

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

پانچویں فصل:

امتناع تناسخ کے دلائل

مادہ کی جوہری حرکت اور اس کے تحولات

یہ فصل مسئلہ 'تناسخ' جیسے اہم موضوع کے بارے میں ہے۔ تناسخ کے بارے میں شروع سے ہی شک وتردّد اور بحث ومباحثہ ہوتا رہا ہے۔ تناسخ کے قائل علماء نے اس موضوع کے بارے میں بہت زیادہ بحث ومباحثہ کیا ہے اور شرائع حقہ کے طرفدار علماء نے بھی انکے جواب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ملاصدرؒ نے بھی اس باب میں اپنے مسلک ونظریہ کے مطابق تفصیلی مطالب بیان کئے ہیں۔ انھوں نے حدوث نفس کی کیفیت، اس کی پیدائش وولادت کیفیت، مبدأ سے اس کے آغاز اور منتہا پر ختم ہونے یعنی نفس کے اول سے آخر تک کے مراحل، اسی طرح مرحلہ آغاز میں عالم طبیعت سے نفس کے تعلق اور عالم طبیعت سے اس کے خارج ہونے کی کیفیت اور عالم طبیعت میں اس کی زندگی کی کیفیت اور حالت کے بارے میں مطالب بیان کئے ہیں، تحقیق کی ہے اور تناسخ کی تمام اقسام کا جواب دیا ہے۔ انکے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان، طبیعت کا پیدا کردہ ایک ایسا موجود ہے وہ اسی عالم میں پیدا ہوا ہے اور اسی عالم طبیعت میں زندگی گزارتا ہے۔ البتہ وہ 'حرکت جوہریہ' کے ذریعے عالم طبیعت کے مافوق عوالم تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ اس عالم کے جوہر میں ایک ایسی حرکت ہے کہ جسے 'حرکت جوہری' کہتے ہیں۔ جس کی بناء پر ہمارا عقیدہ ہے کہ موجود آغاز میں اپنے پست ترین مراتب میں واقع ہوتا ہے اور اس کی حقیقت 'بالقوہ جوہر' ہوتی ہے۔ یعنی اس کی تمام تر حقیقت، قوۂ محض ہے جو کسی قسم کی فعلیت کی حامل نہیں ہوتی۔ سوائے 'فعلیت قوہ' کے۔ یہ قوت اس قدر ضعیف الوجود ہے کہ اس کا وجود تقریباً عدم کے مترادف ہے۔ یہ موجود عالم طبیعت کا

آخری نقطہ اور مقبض الفیض ہے۔اس کے جوہر میں حرکت ہے۔ یہ موجود اور ہویت ایسی فعلیات کی قوت کاملہ ہے کہ جس کا دار طبیعت میں ہی حاصل ہو جانا ممکن ہے۔البتہ اس حرکت کے راستے اور کیفیت میں طبیعی مجاری کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شئے آغاز میں حرکت جوہری کے ذریعے صورت جسمیّہ، اس کے بعد صورت عنصریہ، اس کے بعد صورت معدنیہ اور اس کے بعد صورت نباتیہ کے طور پر بالفعل ہوتی ہے۔ پھر وہ حیوانی غذا بنتی ہے اور پھر کچھ تغییرات کے بعد نطفہ کی شکل میں، رحم میں داخل ہو جاتی ہے۔ رحم میں نطفہ مخصوص حرارت کے تحت، (جوہری حرکت کے ذریعے) حرکت کر کے علقہ اور مضغہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ حرکت جاری رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قوت لامسہ کے اولین مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے۔ تدریجاً یہ قوت لامسہ، قوی ہوتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان تمام کمالات کو حاصل کر لیتی ہے جو ایک حیوان میں ہونے چاہئیں۔ طبیعت کے اس محدود مرتبہ یعنی 'حیوان' کی حد سے زیادہ ترقی و حرکت محال ہوتی ہے۔ حیوان کو انسانی کمالات تک پہنچے بغیر اسی منزل پر اپنی عمر گزارنا ہوتی ہے۔

مادہ کی حرکت اور جسم ونفس کا تشکیل پانا

لیکن اگر زمانے کے انقلاب و حوادث اور محل امکان کے تبدیل ہونے کے نتیجے میں ہیولیٰ کا ایک حصہ متحصص ہو کہ طبیعی سفر کے دوران خوش بختی سے انسانیت کے راستے پر آ جائے تو وہ طبیعت کے تمام مراحل کو جوہری حرکت کے ذریعے طے کر کے، انسانی ہاضمے میں آ جاتا ہے اور نظام ہاضمہ کے ذریعے بدن میں داخل ہو کر اس کا جز بن جاتا ہے اور پھر تجزیۓ اور تصفیۓ کے بعد نطفہ بن جاتا ہے۔ پھر انسانی رحم میں منعقد ہو جاتا ہے اور تدریجاً ذاتی جوہری حرکت کے ذریعے معمولی سی قوت لامسہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ حس قوی ہوتی جاتی ہے اور اس کی قوت سے ذاتی جوہری حرکت کے ذریعے دوسرے حواس کے شعبے وجود میں آتے ہیں اور آخر کار انسانی 'نفس' بن جاتا ہے۔

اس بیان کے ذریعے معلوم ہو گیا ہے کہ بالقوہ چیز، درجہ بدرجہ بالفعل چیز میں تبدیل ہوتی ہے۔ لہٰذا صرف الفقد ان موجود جو اپنی ذات اور فعلیت کہ جو بالقوہ فعلیت ہے کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی، آہستہ آہستہ اپنے جوہر ذات میں حرکت کرتی ہے اور تمام 'بالقوہ فعلیات' کو بالفعل کر دیتی ہے اور تدریجاً بالفعل صورت کی حامل بن جاتی ہے۔ سب سے پہلی فعلیت اور صورت جسے یہ بالقوہ قبول کرتی ہے، وہ صورت جسمیّہ ہے اور آخری صورت کہ جہاں ہیولیٰ ختم ہو جاتا ہے (یعنی ہر وہ قوت کہ جو بالفعل ہونے کا امکان رکھتی تھی اور بالفعل ہو چکی ہے) وہ صورت ہے کہ جسے قوتوں کے ختم ہو جانے کی وجہ سے مادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ ایک ایسی بسیط شئے بن جاتی ہے کہ جو صورت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتی۔ وہ بغیر مادہ کے بالفعل شئے ہے، اس سے اوپر کوئی اور بالقوہ فعلیت موجود نہیں۔ اس قسم کی صورت، 'انسانی صورت' کہلاتی ہے۔ اور یہ انسانی صورت صرف عالم طبیعت میں ہی نہیں بلکہ عالم طبیعت سے خارج ہو جانے کے بعد بھی 'انسانی صورت' ہی ہوتی ہے۔

مادہ کا حرکت وتغییر کی بنیاد ہونا

اس قسم کا موجود جب تک عالم طبیعت میں ہوتا ہے، مادہ کا حامل ہونے کی وجہ سے حقیقی طور پر حرکت میں ہوتا ہے۔ حرکت میں مشغول ہر وہ چیز کہ جو ابھی کسی فعلیت میں نہیں آئی، اسے کسی بھی نوع میں سے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بدن کہ جو ہیولیٰ ہی ہے، ذاتی ترقی اور تکامل کی وجہ سے ابتدائی مراحل کو طے کر کے اور جسمیّت، جمادیت، عنصریت اور معدنیت کے طور پر بالفعل ہو کر، فی الحال، 'نفس' نامی صورت کا حامل بن جاتا ہے۔ نفس بھی صورت ہونے کی وجہ سے بدن سے ذاتی تعلق رکھتا ہے۔ وہ اور اس کا مادہ ایک ہی چیز ہوتی ہے اور ان میں کسی قسم کی دوئیت نہیں پائی جاتی۔ دراصل یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو دوسری حقیقت میں تبدیل ہونے کی قوت رکھتی ہے۔ اس حقیقت سے کہ جو تبدیل ہونے کی قوت رکھتی ہے، ہم 'جنس' اخذ کرتے ہیں۔ اور اس حقیقت سے

کہ جو فی الحال تبدیل ہوگئی ہے، 'فصل' اخذ کرتے ہیں۔ درحقیقت جنس اور فصل ایک دوسرے میں مضمن ہیں۔

پس یہ شئے ایک ایسی واحد شئے ہے کہ جس کا بالفعل مرتبہ، اس ناقص شئے کا کامل تر مرتبہ ہے۔ اس طرح اس کا ہر وہ نقص کہ جس کا زائل ہونا ممکن ہے وہ زائل ہوجاتا ہے اور وہ تمام قوتیں کہ جو بالفعل ہوسکتی ہیں، بالفعل ہوجاتی ہیں (اور اس فعلیت کے نتیجے میں ایک اور فعلیت وقوع پذیر ہوتی ہے اور وجود ایک مرتبہ کمال سے ترقی کر کے دوسرے مرتبہ کمال تک پہنچ جاتا ہے) یہاں تک کہ اس شئے میں بالفعل ہونے کی تمام قوت ختم ہوجاتی ہے یعنی وہ شئے پھر کسی قوت کی حامل نہیں رہتی کہ جس کے ذریعے یہ حقیقت، کسی اور حقیقت میں تبدیل ہوسکے۔

فعلیت محض حاصل ہوجانے کی وجہ سے تناسخ کا محال ہونا

اس وقت ایک ایسی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور فعلیت حاصل ہوجاتی ہے کہ جس میں مادہ نہیں ہوتا۔ ایسی صورت مستقل ہوتی ہے اور مستقل ہونے کی وجہ سے عالم طبیعت سے خارج ہوجاتی ہے اور طبیعت سے خارج ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس میں کسی قسم کی بالقوہ جہت موجود نہیں۔ لہذا وہ ایک مادہ سے خالی موجود بن جاتی ہے۔ یعنی بغیر قوت کے کمال کی طرف حرکت کرنا اور بغیر مادہ کے صورت محض بن جانے والا موجود، وہی صورت ہے کہ جو انسانی بدن سے جدا ہوئی ہے اور مادہ سے بے نیاز ہوکر، غیر مادی بن گئی ہے۔ پس ایسے موجود میں تنزل اور ترقی محال ہے۔ کیونکہ اس میں قوت ہی نہیں اور اس کا وجود فعلیت محض بن چکا ہے۔ اب اگر یہ موجود ایک دوسرے جنین کے بدن کی طرف لوٹنا اور اس کی صورت بننا چاہے اور اس کے ساتھ اس طرح متحد ہونا چاہے کہ دونوں ایک موجود بن جائیں اور دونوں ایک ہی جہت قوت اور جہت فعلیت کے حامل ہوں تو یہ محال ہے۔ کیونکہ یہ موجود اس وقت ایسے مرتبہ میں ہے کہ جس میں کسی قسم کی جہت قوت نہیں پائی جاتی اور جو فعلیت محض کے درجہ تک پہنچ چکا ہے اس فعلیت کو تبدیل کرنا

ناممکن ہے۔ چونکہ اس میں مادہ ہے ہی نہیں تا کہ وہ تبدیل ہو سکے۔ پس وہ مجبوراً معدوم ہو جاتی ہے اور جو چیز معدوم ہو جاتی ہے وہ کس طرح دوسرے بدن کی صورت بن سکتی ہے؟

اس قضیہ کی صحیح شکل یہ ہے کہ اس چیز کو معدوم ہو کر دوبارہ نئے سرے سے خلق ہونا چاہیئے۔ اس نکتے کی جانب بھی توجہ رہے کہ انکے درمیان کوئی مرتبط کنندہ جہت بھی نہیں کہ جس کی وجہ سے کہا سکے کہ اس جنین کے بدن کی صورت اور اس بچے کا نفس، فلاں نفس ہے کہ جو تناسخ کی شکل میں دوسرے بدن میں داخل ہوا ہے۔[1]

حق تعالیٰ کی فاعلیت کی بناء پر تناسخ کا باطل ہونا

'بطلان تناسخ' اور 'حدوث نفس' کا مسئلہ، ایک ہی مادۂ برہان پر مشتمل ہیں۔ اس مادۂ برہان سے ہم تناسخ کو بھی باطل اور حدوث نفس کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ وہ مادۂ برہان یہ ہے کہ:

'واجب الوجود بالذات کو جمیع جہات سے واجب الوجود ہونا چاہیئے۔ پس واجب الوجود کو واجب الفاعلیۃ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ فاعلیت واجب میں نقص، ذات میں نقص کے برابر ہے اور واجب الوجود میں ذاتی نقص، اس کی ذات کے بطلان کے مساوی ہے، جو کہ محال ہے'۔

اب ہم کہتے ہیں کہ جب بدن، نفس کو حاصل کرنے کیلئے مستعد ہو جاتا ہے تو اس پر افاضۂ فیض واجب ہے۔ اس پر نفس کا افاضہ ہونا چاہیئے۔ البتہ، یہ 'چاہیئے' فقہی چاہیئے نہیں ہے، بلکہ الٰہی 'چاہیئے' ہے۔ بدن کو کامل ہو جانے کے بعد، ایک 'لحظہ' کیلئے بھی افاضہ فیض کیلئے منتظر نہیں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے فیض کا معطل ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

خلاصہ یہ کہ جونہی استعداد کامل ہوتی ہے، افاضہ ہو بھی جاتا ہے۔ استعداد کی تکمیل، موجود پر افاضۂ فیض سے جدا نہیں ہو سکتی۔ استعداد کے کامل ہو جانے کے بعد، بدن کو فیض پہنچنا، مقدم ہوتا ہے۔ خواہ یہ تقدم، عقلی رتبۂ ہی میں کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر نفس کسی اور جگہ ہو اور اسے لا کر کسی کمال

---

[1] تقریرات اسفار، ۔

یافتہ بدن میں داخل کریں تو بدن سے یہ الحاق افاضہ فیض نہیں کہلائے گا اور اسے فاعلیت الٰہیہ نہیں کہیں گے، بلکہ یہ ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہے، بغیر کسی الٰہی فاعلیت کے۔[۱،۲]

قوم کے نظریہ کے مطابق تناسخ کا باطل ہونا

یہاں تک تناسخ کے بطلان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ملا صدراؒ کے نظریہ کے مطابق تھا۔ ملا صدراؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ قوم کے نظریہ کے مطابق بھی اسی طرح ہے، کیونکہ قوم بھی نفس کو صورت بدن قرار دیتی ہے اور ان دونوں کے درمیان ذاتی اور طبیعی تعلق کی قائل ہے۔

نفس اور بدن کے درمیان جو نسبت پائی جاتی ہے وہ گاڑی اور اس کے ڈرائیور یا گھر اور اس کے مالک یا گاؤں اور اس کے نمبردار کے درمیان پائی جانے والی نسبت کی مانند نہیں ہے، بلکہ ان کی نسبت، صورت و مادہ کی نسبت ہے۔ مادہ اور صورت دو چیزیں نہیں ہیں کہ جو بطور اتفاق ایک ساتھ رکھ دی گئی ہوں اور ان میں سے ہر ایک، ایک دوسرے سے جدا، مستقل تشخص کی حامل ہو، بلکہ صورت اور مادہ جنس و فصل کا مبدا ہیں اور جنس و فصل خارج میں ایک ہی ہوتی ہیں۔ لہذا خارج میں مادہ، صورت کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ البتہ یہ اس چیز میں ایسا ہے کہ جو تبدیل ہونے کی قابلیت اور کسی کمال تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ (مثلاً نبات، حیوان میں یا معدن، نبات میں تبدیل ہو جائے)۔ تبدیل ہونے والی جہت کو 'مادہ' اور جس میں وہ تبدیل ہوتی ہے اسے 'صورت' کہتے ہیں۔

تناسخ یعنی مجرد کو مادی بنانا

قوم کے نظریہ کے مطابق بھی نفس بدن کی نسبت، سے صورت ہے اور وہ بدن کے ساتھ ذاتی

۱۔ حدوث نفس کے اثبات اور تناسخ کے ابطال کیلئے مادۂ برہان کا ایک ہونا، امام خمینیؒ کا نظریہ ہے۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

وطبیعی تعلق رکھتا ہے۔ لہذا بدن سے بے نیاز ہو جانے کے بعد، نفس، ایک مجرد ہویت حاصل کر لیتا ہے (یعنی بغیر مادہ کے ہو جاتا ہے) اور فعلیت محض بن جاتا ہے خواہ وہ اپنی اس فعلیت میں سعید (نیک بخت) عقلانی جوہر مجرد ہوا ہو یا شقی۔ بہر صورت وہ ایک غیر مادی اور مادہ سے خالی شئے ہے۔ لہذا اگر کوئی چاہے کہ غیر مادی شئے کو مادی بنائے تو وہ مادہ سے خالی ہونے کی وجہ سے تغییر وتبدل کو قبول نہیں کرے گی۔ تغییر وتبدیل کا مطلب یہ ہے کہ ایک محفوظ شئے ہو اور جو صورت پہلے رکھتی ہو اسے، اس سے سلب کر کے کوئی دوسری صورت دے دی جائے۔ لیکن جو شئے صورت محض اور بغیر مادہ کے ہو تو جب اسے تبدیل وتغییر کریں گے تو اس کی صورت معدوم ہو جائے گی یعنی اس کا تمام تر تشخص ختم ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ جو چیز ذاتاً بغیر مادہ کے ہو اسے مادی بنانا ہی دوسرے الفاظ میں تناسخ کہلاتا ہے جو کہ محال اور ممتنع ہے۔

بساطت نفس کے ذریعے تناسخ کا بطلان

جس طرح ملا صدرؒ نے بحث کی ہے اس سے تناسخ کا بطور مطلق یعنی اس کی تمام اقسام کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی نفس بسیط، ہو جائے تو اس کی بساطت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ﴿لاینقلب البسیط عن بساطتہ﴾۔ نفس جب مادہ سے اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے تو وہ بسیط اور فعلیت محض بن جاتا ہے۔ البتہ اگر ہم بسائط اور مجردات کیلئے جنس وفصل کے قائل ہو جائیں تو یہ فصل اور جنس عقلی ہو گی، یہاں جنس فقط دوسرے موجودات کے مقابلے میں اخذ ہو گی نہ یہ کہ خود موجود مجرد میں ایک جہت قوت پائی جاتی ہو تا کہ اسے جنس کا مأخذ قرار دیں۔ اسی طرح جہت قوت کے مقابلے میں ایک جہت فعلیت ہو کہ جسے فصل کا مأخذ قرار دیا جائے، ایسا نہیں ہے، بلکہ پوری کی پوری ہویت بسیطہٗ مجردہ 'فصل' ہے اور ہی سب کی سب 'جنس' ہے۔ لیکن عقلی اعتبار کرتے ہوئے بطور موازنہ ان دوسے عقل ترکیبی، بنائی جاتی ہے۔ جیسا کہ اعراض کے خارجی بسائط بھی خارج میں جنس وفصل نہیں رکھتے بلکہ یہاں بھی انسان ذہن میں عقلی موازنے کے ذریعے، رنگوں

میں سے ایک قسم کی رنگت قرار دیتا ہے جسے 'جنس' کہتا ہے اور پھر ایک 'فصل' قرار دیتا ہے۔ مثلاً بیاض (سفیدی) کے بارے میں کہتا ہے: ﴿لونٌ مفرقٌ للبصر﴾۔

خلاصہ یہ کہ نفس کا بساطت کی حالت میں، خارجی مرکب بننا محال ہے اور اس مطلب کی وضاحت کے بعد، ہر قسم کا تناسخ (خواہ وہ صعودی تناسخ ہو یا نزولی) باطل ہو جاتا ہے۔[1]

صعودی اور نزولی تناسخ

نزولی تناسخ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر انسانی روح اپنی زندگی کے دوران انسانی سعادت کے مطابق، تربیت نہ پا سکے اور ملکات حاصل نہ کر سکے تو پھر کسی ایسے جسم و قالب سے نکلنے کے بعد کہ کسی اعلیٰ انسان کا بدن ہے کسی ایسے بدن میں داخل ہو جاتی ہے کہ جو پہلے پیکر کی نسبت پست اور خبیث ہے۔ اگر اس میں بھی اچھی تربیت حاصل نہ کر سکے، بلکہ اس کے برعکس، قبیح کردار اور اعمال میں ملکات حاصل کر لے تو پھر ایسے بدن میں داخل ہوتی ہے جس کا مادہ غیر خالص ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسے فرد کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے کہ انسانیت میں جس سے زیادہ ضعیف اور کوئی نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ ایسے بدن سے بھی نکل جائے تو پھر وہ حیوانات کے فرد اعلیٰ کے بدن میں جگہ حاصل کر لیتی ہے کہ جو حیوانیت کے بلند ترین درجہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ نباتات کے بلند مرتبہ فرد تک جا پہنچتی ہے کہ جو حیوانیت کے ادنیٰ درجہ کے مساوی ہوتا ہے۔ (اس درجے میں مرجان وغیرہ شامل ہوتے ہیں)۔ اسی طرح یہ نزولی حرکت نباتات کے آخری درجے تک جاری رہتی ہے۔ اس تناسخ کو 'نزولی' کہتے ہیں، 'صعودی تناسخ' اس کے برعکس ہوتا ہے۔

تناسخ کی ایک اور قسم

ملاصدرؒ نے جو برہان قائم کی ہے وہ تناسخ کی تمام اقسام کو باطل قرار دیتی ہے خواہ وہ نزولی

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

تناسخ ہو یا صعودی۔ اسی طرح اس تناسخ کو بھی باطل قرار دیتی ہے جسے شیخ الرئیس بوعلی سینا نے بعض سے نقل کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ وہ تناسخ یہ ہے کہ 'نفوس بلہ یعنی کم عقل اور سادہ لوح افراد کے نفوس اور متوسط نفوس کہ جو عالم طبیعت میں تکامل حاصل نہیں کر سکتے، اور عقل مجرد نہیں بن سکتے، بدن سے خارج ہونے کے بعد اجرام فلکیہ میں سے کسی جرم میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اگر وہاں بھی تکامل نہ پاسکیں اور عقل مجرد بن کر عالم عقل میں داخل نہ ہوسکیں تو اسی طرح باقی رہتے ہیں۔ گزشتہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب بھی غلط ہے اور اس قسم کا تناسخ بھی باطل ہے۔[۱]

صعودی ونزولی تناسخ کا باطل ہونا

پہلے گروہ کا قول اور اس کا بطلان

تناسخ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ جن میں سے بعض نزولی تناسخ سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض صعودی تناسخ سے۔ تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی۔ ایک گروہ کا کہنا ہے: جب انسان کا نفس بدن سے خارج ہوجاتا ہے تو حیوانات کے بدن کے درمیان گردش کرتا رہتا ہے۔ یہ قول انتہائی نادرست ہے۔ اس کے بطلان کیلئے یہی کافی ہے کہ اس قول کو قبول کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک نوع مجبوراً اپنی انتہا کی طرف حرکت کرنے اور اپنی غایت ومقصد تک پہنچنے سے ہمیشہ بے بہرہ رہے گی اور اس بات کی الٰہی حکمت اور نظام لطف وعنایت میں کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ نظام اکمل میں کوئی ایسا موجود خلق نہیں ہوتا جو علت غائی نہ رکھتا ہو اور اس تک پہنچنے کیلئے حرکت نہ کرتا ہو۔ معالیل اپنے لیے خلق نہیں ہوتے بلکہ اپنی علت غائی کیلئے خلق ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو شئے کا علل اربعہ سے خالی ہونا لازم آتا ہے۔ نیز غرض وغایت کی حامل مخلوق کا وجود کہ جو اپنی غایت تک نہ پہنچ سکے، لغو ہوجاتا۔ جبکہ مبدأ اعلیٰ اور حکیم (مطلق) سے فعل لغو، صادر ہونا ناممکن

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

ہے۔لہذا تناسخ کے قائل،اس گروہ کا قول نا قابل اعتنا ہے۔

قائلین تناسخ کے دوسرے اور تیسرے گروہ کا قول

قائلین تناسخ کے دوسرے اور تیسرے گروہ میں سے ایک کا قول یہ ہے کہ چونکہ انسان فیض کا باب الابواب ہے، فیض، فاعل مفارق کو اپنی طرف کھینچتا ہے کہ جو اس کے قریب ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام موجودات طبیعت سے اس کے مقدم اور باشرف ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں کہ فیض موجودات کے دوسرے طبقات تک تو پہنچ جائے لیکن انسان تک نہ پہنچ سکے۔ پس انسانی نفوس، انسانی بدنوں میں ہوتے ہیں اور وہاں سے نکلنے کے بعد جو نفوس نیک اور سعید ہوتے ہیں اور انکے اندر انسانی صفات و اخلاق ملکہ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، وہ عالم عقل کی طرف عروج کر جاتے ہیں، لیکن جو کامل نہیں ہو سکتے وہ حیوانات کے بدن میں داخل ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ کام اعلیٰ فالاعلیٰ کے طور پر ہوتا ہے۔ یعنی یہ نفوس بالترتیب ایسے حیوانات کے بدن میں داخل ہوتے ہیں، جو انسانیت کے ادنیٰ مرتبہ کے ہم مرتبہ ہوں۔ اسی طرح آخری مرتبہ کے حیوان تک۔ اگر انسانی شقاوت اور بدبختی، پہلے مرتبہ سے بھی زیادہ ہو تو اس کا نفس، نباتات کے عالی مرتبہ جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے بھی پست تر جسم میں اور آخر کار جمادات تک جا پہنچتا ہے۔ یہ 'ذایوسفی' نامی گروہ کا نظریہ ہے کہ جن کا سرپرست 'ذایوسف' تھا۔

دوسرا گروہ اس نظریہ کے برعکس قائل ہے کہ: فیض پہلے نباتات تک پہنچتا ہے۔ جب نفس، نباتی جسم میں کامل ہو جاتا ہے تو پھر حیوانات کے ادنیٰ مرتبہ میں داخل ہوتا ہے (مثلاً کیچوا وغیرہ میں)۔ پھر حس اور قوت لامسہ کے حامل حیوانات میں داخل ہوتا ہے، اور جب وہ تدریجاً ترقی کر کے کچھ لیاقت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس بدن سے نکل کر کسی بلند مرتبہ موجود کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ انسان کے بدن میں داخل ہونے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔

ایک بدن کیلئے دو نفوس کا ہونا محال ہے

ملا صدراؒ ان لوگوں کے قول کو باطل ثابت کرنے کیلئے دو قسم کے دلائل لاتے ہیں: ایک قسم وہ ہے جو تناسخ کی تمام اقسام کو باطل قرار دیتی ہے۔ جنہیں 'ادلۂ عام' کہتے ہیں۔ دوسری 'خاص ادلہ' ہیں۔ جو تناسخ کے حوالے سے خاص اقوال کو رد کرتی ہیں۔

'عام ادلہ' میں سے ایک یہ ہے کہ مبدائے اعلیٰ اور مجردات میں جو کچھ بھی ہے وہ بالفعل ہے۔ واجب الوجود، تمام جہات سے واجب ہے یعنی جس طرح وہ وجود کے لحاظ سے واجب ہے۔ فاعلیت کے لحاظ سے بھی واجب ہے۔ قدرت وارادہ کے لحاظ سے بھی واجب ہے۔ مجردات امکان عام کے طور پر جو کچھ بھی رکھتے ہیں وہ بالفعل ہے۔ کیونکہ ان میں، مادہ نہ ہونے کی وجہ سے، انتظار اور تکمیل استعداد کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ لہذا ان کی فاعلیت بھی بالفعل ہوتی ہے۔

اس مقدمہ کے بعد ہم کہتے ہیں کہ مستفیض کو قابل فیض ہونا چاہیئے۔ اگر وہ ایک خاص حد سے زیادہ فیض کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو یہ اس کی عدم استعداد کی وجہ سے ہے۔ مستفیض کا نقص، اس کا حجاب اور زنگ آلود ہونا ہے۔ جونہی اس کا زنگ اور میل ختم ہو جاتا ہے تو بغیر کسی وقفہ کے نور کی شعاعیں اس پر پڑنے لگتی ہیں۔ اب اگر فاعل مفارق سے فیض، کسی قابل فیض مادہ پر افاضہ ہوتا ہے اور یہ مادہ، صاحب نفس ہو جاتا ہے تو پھر کسی نفس کے نسخۂ دوم کا اس مادہ اور بدن میں داخل ہونا محال ہے۔ کیونکہ نفس، بدن کا مدبر ہے اور بدن میں لازمی طور پر ایک ہی مدبر اور ایک ہی متصرف موجود ہوتا ہے ایک سے زیادہ نہیں چونکہ نفس، بدن کیلئے صورت ہے اور صورت، مادہ کی علت ہوتی ہے اور علت متعدد نہیں ہو سکتی۔

ہم جانتے ہیں کہ ہر شئے زبان استعداد سے اپنی قابلیت کے مطابق، عنایت والتفات کی مقتضی ہوتی ہے۔ اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ تناسخ کے قائلین میں اس گروہ کا قول بھی درست نہیں ہے جس کا کہنا ہے کہ: 'فیض نباتات سے شروع ہوتا ہے اور جب روح نباتی مکمل ہو جاتی ہے تو تناسخ کی شکل میں اپنے سے بلند مرتبہ (موجود) میں داخل ہو جاتی ہے'۔ کیونکہ یہ کیسے

ہوسکتا ہے کہ فیض، اشرف المواد اور فیض سے نزدیک، مادہ پر بطور مستقل افاضہ نہ ہو؟ جبکہ ہم نے کہا ہے کہ فاعل اور مفاض، تام الفاعلیہ ہوتا ہے اور مادہ لائقہ کی استعداد کے مکمل ہوتے ہی، ایک لحظہ کی کمی و پیشی کے بغیر اس پر افاضۂ فیض ہونا چاہیئے، ورنہ، ہر لحاظ سے مکمل، فاعل کا ناقص اور بالقوہ ہونا لازم آتا ہے۔ انسانی مادہ اشرف و اکمل ہونے کی وجہ سے ہر جدید فیض کو کسب کرنے میں اولیٰ ہوتا ہے۔

یہاں ایک اعتراض کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ: 'اشیاء میں کچھ ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انکے کچھ اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً مقناطیس میں لوہے کو جذب کرنے کی تاثیر ہوتی ہے اور یہ لوہے کی خاص خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ ضروری نہیں ہم یہ جواب دیں کہ: چونکہ انسان تمام اجسام میں اشرف و اکمل ہے، لہذا اسے بھی لوہے کو جذب کرنا چاہیئے۔ یہ جواب درست نہیں ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ شاید نباتات میں بعض خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک مخصوص فیض کو قبول کرنے کی قابلیت رکھتی ہیں اور یہ خصوصیات انسان میں نہیں پائی جاتیں۔

تناسخ کے قائلین کے دوسرے قول کا ردّ

اس اعتراض کا جواب ملا صدراؒ اس طرح دیتے ہیں: نباتات کسی خصوصیت کا موجود ہونا انکے باشرف ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جہاں کوئی شئے افق تجرد کے نزدیک ہو وہاں قاعدۂ 'امکان اشرف' جاری ہوتا ہے۔ کسی چیز کا لوہے کو جذب کرنا، افق تجرد سے اس کے قریب ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ لہذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ انسان اشرف ہے۔ پس اسے لوہے کو جذب کرنا چاہیئے، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو چیز بھی تجرد کے زیادہ قریب ہے وہی دوسری ان تمام چیزوں سے زیادہ باشرف ہے جو عالم تجرد سے دور ہیں۔ کیونکہ عالم تجرد میں وجود زیادہ قوی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کمال کا معیار و میزان 'وجود' ہے اور تقرب بھی کمال وجود سے حاصل ہوتا ہے۔ پس ہر وہ چیز جو عالم تجرد سے زیادہ نزدیک ہوگی وہی کسب فیض میں اولیٰ ہوگی۔ بنابرایں، مادۂ انسانی ہی اشرف ہے اور

کسب فیض کرنے میں اولیٰ ہے۔ یعنی افق تجرد کے زیادہ نزدیک اور مادۂ نباتات سے زیادہ لطیف ہے۔

استقلال کے بعد نفس کا معطل ہونا محال ہے

بطلان تناسخ کے بارے میں ادلہ عام میں سے دوسری دلیل یہ ہے کہ جب نفس دوسرے بدن کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس وقت دو لحظے 'مدنظر ہوتے ہیں ایک منتقل منہ، بدن سے خارج ہونے کا لحظہ۔ دوسرا منتقل الیہ، بدن میں داخل ہونے کا لحظہ۔ انتقال کے دوران (یعنی خروج اور دخول کے درمیان) نفس معطل ہو جاتا ہے جبکہ 'تعطیل نفس' محال ہے۔

استقلال کے بعد غیر مستقل کا محال ہونا

یہ بہترین قول ہے۔ اس کی بناء پر وجود میں تعطیل ممکن نہیں۔ ملا صدرا کے نزدیک نفس، صورت مادہ اور بدن کہلاتا ہے۔ اور بدن کے ساتھ نفس کا تعلق بھی ذاتی ہے۔ لہذا وہ کہتے ہیں: نفس کا قوت کی حالت سے نکل جانے اور فعلیت و استقلال کے مرتبہ تک پہنچ جانے کے بعد دوبارہ استقلال کو ہاتھ سے کھونا محال ہے۔ (اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ) نفس فعلیت محض سے تنزل کر کے دوبارہ تناسخ کے ذریعے دوسرے بدن میں داخل ہو جائے اور کسی دوسرے بدن کا مدبر اور صورت بن جائے اور اپنی بالقوہ جہات کو چھوڑ دینے کے بعد دوبارہ بالقوہ جہت اختیار کر لے۔

تناسخ نزولی کے بطلان کی ادلہ

تناسخ نزولی کے قائلین کے مقابلے میں ابطال تناسخ پر ادلہ خاصہ یہ ہیں کہ یہ لوگ وعظ کی صورت میں باتیں کرتے تھے۔ اور اس قسم کے اہل تناسخ کے پاس کوئی برہان نہیں ہوتی تھی وہ فقط خوش آئند الفاظ اور اعتباریات کے اوپر بھروسہ کرتے ہوئے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ لہذا

انھیں جواب بھی وعظ کی صورت میں ہی دیا جاتا ہے۔

اس گروہ کا اعتقاد ہے کہ ہرانسانی روح، بدن سے مفارقت حاصل کرنے کے بعد حیوانات کے بدن میں داخل ہوجاتی ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ اگر تمہاری یہ بات صحیح ہوتی تو جب بھی کوئی حیوان متولد ہوتا اس وقت ایک انسان کو مرجانا چاہیئے یا مثال کے طور پر یہاں اگر کوئی انسان مرتا ہے تو کسی دوسرے جزیرے میں جس حیوان کا مادہ مکمل ہوا ہے اسے متولد ہوجانا چاہیئے یا اگر کسی ملک میں کوئی وبا اور مرض پھیل جائے اور اس ملک کے لوگ مرجائیں تو اس ملک میں اسی سال، حیوانات کی تعداد اسی قدر زیادہ ہوجانی چاہیئے۔ اسی طرح جس سال لوگوں کی صحت وسلامتی زیادہ ہو تو حیوانات کی پیداوار میں بھی کمی آنی چاہیئے۔ جبکہ یہ سب باتیں یقیناً اور وجداناً باطل ہیں۔ شاید مذہب تناسخ کے پیدا ہونے کی اصلی علت قدیم فلاسفہ کا یہ قول ہو کہ 'بدن میں موجود نفس، حیوانی صفات کو خواہ وہ درندوں کی صفات ہوں یا چوپاؤں کی حاصل کر کے درندہ اور جانور بن سکتا ہے'۔ یاد رہے کہ یہ باتیں، عالم ملکوت کی مثالیں اور تشبیہات ہیں جو کہ ایک معقول بات ہے اور برہان وعقل سے ثابت ہے اور تناسخ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے[1]

نزولی تناسخ کے قائلین کا رد

تناسخ نزولی کے قائلین کا کہنا ہے کہ: 'انسان، فیض کے ابواب کا باب ہے، لیکن اگر وہ شقی وبدکار ہوجائے اور ملکات رذیلہ کسب کرلے تو وہ تنزل کر کے کسی حیوان کے پیکر و مادہ میں داخل ہوجاتا ہے'۔ ان لوگوں کے قول کو باطل ثابت کرنے پر دلیل خاص یہ ہے کہ جوہری حرکت، نقص سے کمال کی طرف حرکت ہے کمال سے نقص کی طرف نہیں اور یہ حرکت ذاتی اور جبری ہے۔ اس کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور اس کے مطابق کمال سے نقص کی طرف حرکت کرنا محال ہے۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

تجرد کی طرف جوھری حرکت

انسان ابتدا میں ایک بے جان چیز ہوتی ہے پھر وہ نطفہ کی شکل میں رحم میں داخل ہوتا ہے۔ اور رحم میں ابتدائی زندگی کے دوران درحقیقت وہ ایک نبات ہی ہوتا ہے۔ (بغیر اس کے اسے حیوان یا انسان کہا جائے) وہ درخت کی طرح ہوتا ہے کہ جو فقط قوت نامیہ رکھتا ہے۔ بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے بغیر کسی شائبہ مجاز کے، نباتات کی طرح ہوتا ہے۔ البتہ دوسرے نباتات اور اس میں فقط یہ فرق ہوتا ہے کہ اس میں نباتیت 'لا بشرط' ہوتی ہے اور درخت وشجر کی نباتیت، 'بشرط لا' ہے۔ یعنی وہ حیوان بن سکتا لیکن اشجار و درخت، حیوان نہیں بن سکتے۔ اس کے بعد یہ موجود حرکت کرتا ہے اور ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں حیوانیت بھی ہوتی ہے۔ وہ اسی طرح، جوہری حرکت کے ذریعے حرکت کرتے ہوئے، عالم تجرد کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اس حالت میں ممکن نہیں کہ وہ اس دوران تکاملی حرکت نہ کرے۔

یہ موجود یقینی طور پر عالم تجرد کی طرف حرکت کرتا ہے اور یہ اس کی ذاتیات میں سے ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ وہ اس حرکت کے دوران فضائل و معارف بھی کسب کرلے۔ اس صورت میں جب اس کی تجردی حرکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ایک موجود مجرد بن جاتا ہے تو ذاتی تجرد کے علاوہ، وہ فضائل و کمالات اکتسابی کا بھی حامل ہوتا ہے۔ اور اگر اس حرکت ذاتی کے دوران وہ رذائل اور گناہ کسب کرتا ہے تو وہ ایک ایسا مجرد موجود بن جاتا ہے کہ جس کے ملکات، رذائل اور شیطنت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو مادہ، نباتیت سے ترقی کرتا ہے وہ اس وقت انسان نہیں ہوتا بلکہ اس وقت انسان ہوتا ہے جب اس کا تجرد، راہ حق اور ملکات فاضلہ کسب کر کے اپنی منزل تک جا پہنچتا ہے۔ اگر یہ تجرد ملکات فاضلہ حاصلہ کر کے اپنی منزل تک نہ پہنچ سکا، تو تجردی کمال کو پالے گا لیکن ملکات رذیلہ کے ساتھ اس حرکت کو ختم کرنے کی وجہ سے وہ ایک مجرد موجود تو بن جاتا ہے لیکن اس کا یہ تجرد شیطنت میں ہوتا ہے۔ حتیٰ ممکن ہے کہ وہ شقاوت اور شیطنت میں شیطان سے بھی آگے نکل

جائے۔ یعنی ممکن ہے کہ انسان عقلانی تجردتام تک پہنچ جائے، لیکن اس کا یہ تجرد، شقاوت کے لحاظ سے ہو۔ خلاصہ یہ کہ انسان جوہری حرکت کے ذریعے جوہری تکامل کا حامل ہوتا ہے اور اس کے مطابق وہ تجرد کی طرف بڑھتا ہے۔ بالفرض اگر انبیاء نہ بھی ہوتے تو اس جوہری حرکت کے مطابق، قیامت کا برپا ہونا جبری و ذاتی ہوتا۔

تجرد میں ایمان وکفر اور سعادت وشقاوت کا کردار

ممکن ہے کہ جب انسان عالم نباتیت سے ترقی کر کے عالم حیوانیت تک پہنچ جائے تو وہ حیوانی قوئی کی حفاظت اعتدال کے ساتھ کر لے اور اس اعتدال کے بعد جب حیوانی قوئی ملکہ کی صورت اختیار کر لیں تو وہ عالم عقلانی جو کہ عالم انسانی ہے تک ترقی کر لے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ جب وہ ایسے مرحلہ پر ہو کہ جہاں وہ حیوان کے سوا کچھ بھی نہیں، تو وہ اعتدال کو چھوڑ دے اور حیوانی اوصاف میں سے فقط ایک یا دو اوصاف تک ترقی کر پائے اور اس کی جوہری حرکت، حیوانی وصف کے مطابق ہی ختم ہو جائے۔ یعنی فقط اسی وصف (حیوانی) تک کمال حاصل کر کے وہ مرتبۂ تجرد تک پہنچ جائے۔ ایسا شخص حیوانیت میں مرتبۂ تجرد تک پہنچتا ہے اور اس شخص کی قیامت بھی اسی تجردی حیوانیت کے جبری لوازم پر مشتمل ہوگی۔

عقلانی مجرد موجود کا سعید اور شقی میں تقسیم ہونا

البتہ اگر لطف الٰہی نہ ہوتا اور انبیاء و مرسلینؑ مبعوث نہ ہوتے تو اکثر لوگوں کی تجردی حرکت کا نتیجہ یہی حیوانی تجرد ہی ہوتا۔ لیکن لطف و مشیّت الٰہی یہ قرار پائی کہ کتب (سماوی) نازل ہوں، رسل و اولیاء اور اوصیاء مبعوث کیے جائیں تا کہ جوہری و ذاتی تجرد وقوع پذیر ہو کہ جو جبری و حتمی ہے۔ یعنی انسان اپنے اعمال و کردار کو شرعی دستورات کے مطابق انجام دے اور اپنی نیات کو خالص کرے تا کہ اس کے نتیجے میں اکتسابی کمالات اور فضائل و معارف کا ایک سلسلہ اس کے ہمراہ

ہو سکے اور اگر اس وقت وہ کوئی بھی گناہ نہ کرے تو وہ ایک عقلانی مجرد موجود میں تبدیل ہو جائے۔

خصوصاً ملا صدراؒ کے وعدے کے ساتھ اس مطلب کا اضافہ کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں: 'اگر انسان دنیا میں ہمیشہ یا اکثر اوقات اپنے آپ کو معارف وکمالی اوصاف کے بارے میں غور وفکر اور تعقل میں مشغول رکھے اور صحیح و برحق ادلہ و براہین کے ساتھ جمال حق اور واجب الوجود کی کلیات پر غور وفکر کر کے اپنے قلب کو تمام مرسلات (ملائکہ وغیرہ) سے ہم آہنگ کرے اور انکے بارے میں صحیح ادلہ و براہین کے ساتھ غور وفکر جاری رکھے تو یہ علوم، آخرت میں 'حضوری' ہو جائینگے اور انسان، انھیں علم حضوری کے ذریعے دیکھے گا'۔ ملا صدراؒ کا یہ نظریہ قبول کرتے ہوئے کہ جو قاعدہ 'اتحاد عاقل ومعقول' کو ثابت شدہ اور مبرہن جانتے ہیں، ہمیں قائل ہونا پڑے گا کہ ان مرسلات وکلیات کے ساتھ اتحاد یقینی ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں مفاہیم، انسان کے ساتھ متحد ہوتے لیکن آخرت میں جس چیز پر یہ مفاہیم صادق آتے وہ انسان کے ساتھ متحد ہو جائے گی۔

اس (تمہید) کے بعد اگر انسان اس تجردی وجبری اور ذاتی حرکت کے دوران کہ جو خود فیض کامل ہے، برے اخلاق، شیطنت، باطل وگمراہ کنندہ افکار ونظریات، ناپسندیدہ عادات، مکر وفریب، چاپلوسی اور شہوت میں مبتلا ہو جائے اور اس تجرد ذاتی کے راستے میں رذائل اور برائیاں کسب کر کے اور ظلم وعدوان کی کلیات کا تعقل کر کے، ذاتی وتجرد پر مبنی اس کی حرکت اس حالت تک پہنچ جائے کہ وہ ایک شقی، مجرد عقلانی بن جائے کہ جسے کسی قسم کی سعادت نصیب نہیں ہوتی تو اس صورت میں وہ تجرد، عقلانی کے باوجود شقاوت میں، شیطان سے بھی آگے جائے گا اور اگر انسان، کسب تجرد میں آگے تو بڑھ جائے لیکن کسی قسم کے اخلاقی رذائل یا اخلاقی فضائل حاصل نہ کر سکے تو وہ نہ سعید (نیک) ہوگا اور نہ ہی شقی (بدکار) بلکہ فقط ایک موجود مجرد ہوگا۔

سعادت وشقاوت کا تعلق میزان تجرد سے نہ ہونا

البتہ تجرد ایک چیز ہے اور سعادت وشقاوت ایک دوسری چیز ہے۔ ممکن ہے ایک شخص شقی

(بدکار) ہو لیکن اس کا تجرد، دوسروں سے زیادہ ہو، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ قوت ادراک کے لحاظ سے دوسروں سے قوی ہونے کے باوجود سعید و نیک نہیں ہوتے اور بعض مؤمن افراد ایسے بھی ہیں کہ جو نیک و سعید ہونے کے باوجود ادراک کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ البتہ ادراک کا تعلق، تجرد سے ہوتا ہے۔ جس قدر تجرد زیادہ ہوگا اسی قدر ادراکات زیادہ ہوں گے۔ مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ چرچل (برطانوی صدر) شاید بہت سے نیک و سعید مؤمنین سے کہیں زیادہ سیاست دان، چالاک و دراک اور مدیر و مدبر ہو اور وہ ان کی نسبت کلیات کو زیادہ تعقل کر سکتا ہو، لیکن اس کا یہ تعقل کلیات، غیر حق، ظلم و جور اور ستم پر مبنی ہے۔ اور اس قدر تجرد سے بہرہ مند ہونے کے باوجود وہ شقی شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص نیک اور سعید ہو لیکن اس کا تجرد کامل نہ ہو۔

اگر انسان فضائل و معارف حاصل کر کے تجرد ممکنہ کی انتہا تک پہنچ جائے تو وہ ایک نیک و سعید مجرد ہوگا اور اگر وہ رذائل و برائیاں کسب کر کے تجرد کے درجہ تک جا پہنچے تو وہ شقی اور اس سے بھی بدتر مجرد ہوگا۔ اور اگر وہ تجرد تک پہنچ جائے جبکہ اس نے کچھ گناہ کیے ہوں اور کچھ نیکیاں یعنی رذائل بھی کسب کیے ہوں اور فضائل بھی تو اس کا سعید اور شقی ہونا اس بات سے وابستہ ہو جائے گا کہ مذکورہ صفات میں سے کون سی صفات غالب ہیں۔ اگر وہ سب مساوی ہوں تو یا اس پر متوسط عذاب نازل ہوگا یا متوسط نعمت سے بہرہ مند ہوگا۔ بہر حال وہ متوسطات میں سے ہوگا۔ یا اس کا سعید اور شقی ہونا بالکل ہی ختم ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ یہ تکاملی حرکت، لازمی ہے، ایسا نہیں کہ انسان، کمال سے نقص کی طرف جائے بلکہ وہ حدود کمالیہ کی جس حد تک بھی پہنچ جائے اس سے آگے بڑھ سکتا ہے اور وہ مرحلہ بہ مرحلہ ترقی کر کے، انسان کامل کے درجہ تک ترقی کر سکتا ہے۔ البتہ اگر وہ توفیق ترقی کے اس راستے کو طے کرتے ہوئے، کمالات کے ذریعے کچھ بھی حاصل نہ کر سکا تو اس کے تجردی جوہر میں یہ جبری اور وجودی ترقی و تکامل، جاری رہتا ہے، لیکن ممکن ہے کہ اس قسم کے انسان کا تجرد مرحبۂ حیوانیت پر

جا کر ختم ہو۔

کمال سے نقص کی طرف حرکت کا محال ہونا

انسان میں یہ قابلیت ہے کہ وہ مادۂ انسانی سے، حقیقی انسانی مرتبہ تک پہنچ کر مکمل فعلیت حاصل کر لے۔ لیکن اگر وہ مرتبۂ نبات سے گزر کر، مرتبۂ حیوانیت میں رک جائے اور اس کا تجرد اسی مرتبہ پر ختم ہو جائے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے تنزل کیا ہے، بلکہ اس نے یہاں بھی ترقی کی ہے۔ البتہ اپنی انسانیت کی انتہا تک نہیں پہنچ سکا۔ اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ وہ حد حیوانیت سے بھی گزر جاتا۔ لیکن اس کا تجرد اسی مرحلہ پر ختم ہو گیا۔ اس آیہ شریفہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيم ☆ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِين﴾[۱]

(ہم نے انسان کو بہترین صورت میں خلق کیا ہے اور پھر اس کو پست ترین درجات کی طرف لوٹا دیا ہے)۔ ان آیات کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے اسے تجرد انسانی کے مرتبہ سے ادنیٰ اور اسفل مرتبہ کی طرف لوٹایا ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں انسانی احسن تقویم تک پہنچنے کی استعداد موجود تھی، لیکن وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔ بلکہ وہ حیوان سے بھی پست تر ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس موجود میں حیوانیت میں تجرد ہونے اور مجرد حاسد، مجرد بخیل اور مجرد حیوان بننے کی قابلیت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جس طرح انسان کیلئے نقص سے کمال کی طرف جانا ممکن ہے۔ اسی طرح کمال سے نقص کی طرف جانا کیسے ممکن نہیں؟ اس کے جواب میں ملاصدرؒ فرماتے ہیں:

خالق موجودات نے اپنی ازلی عنایت کے مطابق عالم طبیعت کو خلق فرمایا ہے تاکہ تمام مخلوقات اپنی غایت تک پہنچیں۔ کیونکہ غایت، کمال تک پہنچنا ہے۔ لہذا اگر انسانی افراد، جیسا کہ تناسخ نزولی کے قائلین کا کہنا ہے، تنزل کر لیں تو یہ بات، جبر و قسر کا موجب بنتی ہے جبکہ جبر، قانون

۱۔ سورۂ تین، آیت ۴، ۵۔

الٰہی میں محال ہے خواہ وہ دائمی جبر ہو یا اکثری۔

تناسخ کے قائلین کا کہنا ہے کہ فقط شاذ و نادر انسان منجملہ انبیاء اور اولیاء ہی عقلانی تجرد کے مرتبہ تک پہنچتے ہیں۔ اب ہم ان کی یہ بات ردّ کرتے ہوئے ان سے پوچھتے ہیں کہ: کیا کوئی عقلمند شخص یہ جانتے ہوئے کہ گندم کے اس ڈھیر سے فقط دو یا تین دانے اگیں گے، وہ گندم کے پورے ڈھیر کو (زمین میں) بوتا ہے؟ کیا یہ جانتے ہوئے کہ انسانی نفس ذاتی طور پر عالم مادیت سے حرکت کرتا ہے اور تجرد کی طرف جاتا ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی نفوس میں سے سوائے دو تین کے کوئی ایک بھی تجرد تک نہیں پہنچ پائے گا؟ کیا ہم ایسا کام خداوند کی طرف منسوب کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!

ملاصدرؒ فرماتے ہیں: اگر تناسخ کے قائلین کی بات صحیح ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ خداوند متعال نے فقط انہی دو تین افراد کو خلق کیا ہے جو تجرد تک پہنچ پائے ہیں اور قابل ترقی ہیں۔ دوم یہ کہ بالفرض اگر ہم قسر و جبر کو قبول بھی کر لیں لیکن یہاں اس کے قائل نہیں ہو سکتے۔ اگر آدم سے لے کر خاتم تک تمام انسان کمال تک پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک کے بارے میں بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کمال سے نقص کی طرف حرکت کی ہے۔ کیونکہ یہ چیز، ذات میں انقلاب کا موجب بنتی ہے جبکہ انقلاب ذات محال ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ جوہری حرکت تکاملی، ایک ذاتی چیز ہے۔ (البتہ یہاں ذاتی سے ہماری مراد باب 'ایساغوجی' والا ذاتی نہیں ہے، بلکہ باب 'برہان' والا ذاتی مراد ہے)۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ وجودی کمال اور تجرد کی طرف ترقی ایک جدا چیز ہے اور سعادت و شقاوت ایک دوسری چیز۔ ممکن ہے کوئی شخص وجود کے لحاظ سے دوسروں سے اکمل ہو اور اس کا تجرد ان سے زیادہ ہو لیکن اس لحاظ سے وہ اپنے سے ضعیف تر وجود سے زیادہ شقی ہو۔ بعض اوقات ایک شقی و بدکار انسان کے وجود کا تجرد، نیک و سعید انسان سے زیادہ ہوتا ہے اور اس کا شیطنت و سیاست اور قوت ادراک کا مرتبہ، سعید و مؤمن انسان سے کئی درجے زیادہ قوی ہوتا

ہے۔ یہ درست ہے کہ عالم میں سعداوہ لوگ تھے کہ جو تجرد کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچے ہوئے تھے اوران کا وجودی کمال، تجرد کے انتہائی درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔لیکن اس میں بھی شک وشبہ نہیں کہ بعض اشقیا اور برے لوگوں کا تجرد بھی بعض نیک وسعید لوگوں سے زیادہ تھا۔پس تجرد ایک چیز ہے اور سعادت وشقاوت دوسری چیز۔

تجرد کے ساتھ ہیولائے ثانیہ کی شدت وضعف کا تعلق

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ عالم طبیعت میں وجود انسانی کا پھل ناپختگی سے پختگی کی طرف، نقص سے کمال کی طرف اور مادیت سے تجرد کی جانب حرکت کرتا ہے۔ یہ ایک جبری چیز ہے۔اس کا سعادت اور شقاوت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس طرح تجرد کی طرف بڑھتے ہیں۔یعنی ذاتی وجبری حرکت کے ذریعے،حرکت کر رہے ہیں۔وہ شاید ان مستضعف افراد میں سے ہیں کہ جن کو نہ ثواب ملتا ہے نہ عقاب اور وہ محشر کے دن، چوپایوں کی طرح ہوں گے۔اگرچہ وہ حیوانیت میں دوسرے حیوانات سے زیادہ آگے ہوں گے۔

پس سعادت اور شقاوت، وجودی تجرد سے جدا چیز ہے۔جس میں بھی ہیولائے ثانیہ ضعیف ہو جاتا ہے (ہیولائے اولیٰ نہیں) تو اس کا وجودی تجرد وسیع ہو جاتا ہے۔ چونکہ تاثیر پذیری اور فضائل وغیرہ کسب کرنے کیلئے وہ زیادہ مستعد ہو جاتا ہے۔اسی لیے انبیاء کا ہیولیٰ سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے چونکہ وہ جب تک بہت زیادہ ضعیف نہ ہو تو قوی ترین صورت کو قبول نہیں کرتا، برخلاف سخت اور قوی ہیولیٰ ومواد کے۔[1]

تناسخ کے اثبات کیلئے ایک دلیل

تناسخ کے قائلین کی ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے کہ بعض جاہل، فاسق اور

۱۔تقریرات اسفار، ۔

گناہگار لوگ جب بیمار ہوتے یا سوتے ہیں تو دنیا کے ساتھ ان کی مشغولیت ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ ایسی خبریں دیتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتی ہیں۔ لہذا اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں مشغولیت اور توجہ کے ختم ہو جانے کے ساتھ ہی انکے نفوس، عالم عقل سے متصل ہو جاتے ہیں۔ اب اگر موت کے بعد انکے نفوس، حیوانات کے ابدان میں حلول نہ کریں تا کہ اسی طرح دنیا میں مشغول رہیں تو وہ عالم عاقل سے متصل ہو جائیں گے اور چونکہ عالم عقل، عالم سکون اور عالم آسائش ہے، لہذا ادیان میں اہل فسق اور گناہگاروں سے جو وعدۂ عذاب وعقاب کیا گیا ہے وہ باطل ہو جاتا ہے۔ جبکہ ادیان کا وعدہ برحق اور سچا ہے۔ پس ہمیں تناسخ کا قائل ہونا چاہیئے اور اس قسم کے نفوس کے حیوانات کے بدن میں حلول کر جانے کا اعتقاد رکھنا چاہیئے تا کہ ان نفوس کے حاملین دنیا میں مشغولیت سے فارغ نہ ہوں اور ہمیشہ عذاب وعقاب میں مبتلا رہیں۔

برزخ میں شریر نفوس کا غیر عقلانی امور میں مشغول ہونا

ملا صدراؒ ان لوگوں کے جواب میں فرماتے ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم عالم طبیعت کے بعد بلا فاصلہ عالم عقل کو قبول نہیں کرتے، بلکہ عالم طبیعت کے اوپر ایک اور عالم ہے جسے 'برزخ' کہتے ہیں۔ اشقیا کے نفوس، موت کے بعد اس عالم سے متصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اشقیا اور بدکاروں کے نفوس موت کے بعد فارغ نہیں رہتے بلکہ اپنے برے اعمال اور قبیح اخلاق کی وجہ سے ان کیلئے خوفناک تصاویر اور صورتیں ایجاد ہوتی رہیں گی کہ جو دنیا سے بھی زیادہ انھیں مشغول رکھنے کا سبب بنتی ہیں۔

عالم غیب کے بارے میں اہل فسق وفجور کے خبر دینے کا سبب

دوسرا، یہ جو کہا گیا ہے کہ 'جاہل و فاسق افراد کبھی کبھار سچی خبریں دیتے ہیں' تو یہاں ہم کہتے ہیں: کیا عالم غیب کی خبریں فقط اس لیے دی جاتی ہیں کہ یہ افراد، عالم عقل سے ملحق ہو گئے ہیں؟

جبکہ اس عالم کے ماوراء ایک دوسرا عالم بھی ہے کہ جس کے فقط ایک حصّہ میں ملائکہ ہوتے اور دوسرے حصوں میں شیاطین بھی موجود ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فاسق وگناہگار افراد، شیاطین سے متصل ہوگئے ہوں۔ چنانچہ یہ آیت اسی مطلب کی شاہد ہے کہ: ﴿وَاِنَّ الشَّیَاطِینَ لَیُوحُونَ الیٰ أَولِیٰائِهِم ﴾۱ (تحقیق، شیاطین اپنے دوستوں کو القا کرتے ہیں) کیا غیب کے بارے میں ہر قسم کی خبر دینا اور خرق عادت بات کرنا، کمال کی دلیل ہے؟ ہوسکتا ہے کوئی شخص باطل ریاضت یا شدید امراض کے ذریعے، وسعت تجردی حاصل کرلے یہاں تک کہ اسے ماضی ومستقبل پر احاطہ حاصل ہوجائے۔ جیسے ہندوستان کے بعض مرتاض افراد ہوتے ہیں۔ فقط عالم عنصریات میں تصرف کرنا ہی کمال کی دلیل نہیں ہوتی۔۲

تناسخ کے قائلین کے شبہات

تناسخ کے قائلین کا کہنا ہے کہ قدیم ترین فلاسفہ کے اقوال سے، بلکہ قرآن وسنّت اور روایات سے تناسخ ثابت ہے۔ مثلاً آیۂ شریفہ: ﴿قَالَ اخسَئُوا فِیهَا وَلا تُکَلِّمُون ﴾۳ (ان سے خطاب ہوگا: (اے کتو!) دور رہو اسی میں (تم کو رہنا ہوگا) اور مجھ سے بات نہ کرو۔ اور آیۂ شریفہ: ﴿کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُم جُلُوداً غَیرَهَا لِیَذُوقُوا العَذاب ﴾۴ (اور جب ان کی کھالیں (جل کر) گھل جائیں گی تو ہم ان کیلئے دوسری کھالیں بدل کر پیدا کردیں گے تاکہ وہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھیں)۔

اسی طرح یہ حدیث کہ جس میں ہے: اہل تکبر ﴿یُحشَرُ عَلیٰ صُورَةِ الذَّرّ ﴾۵ ('ذر'

۱۔ سورۂ انعام، آیت/۱۲۱۔ ۲۔ تقریرات اسفار،

۳۔ سورۂ مؤمنون، آیت/۱۰۸۔ ۴۔ سورۂ نساء، آیت/۵۶۔

۵۔ داود بن فرقد اپنے بھائی سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا: ﴿اِنَّ المُتَکَبِّرِینَ یُجْعَلُونَ فِي صُوَرِ الذَّرِّ یَتَوَطَّأهُمُ النَّاسُ حَتّیٰ یَفرَغُ اللهُ مِنَ الحِسابِ﴾۔ یعنی متکبرین چیونٹی کی شکل میں بدل جائیں گے -->

چھوٹی سی کمزور چیونٹی کو کہتے ہیں) یعنی متکبر لوگ کمزور چیونٹی کی شکل میں محشور ہوں گے) اور یہ روایت کہ ﴿یُحْشَرُ بَعْضُ النَّاسِ عَلٰی صُوَرٍ تَحْسُنُ عِنْدَھَا الْقِرَدَۃُ وَالْخَنَازِیرُ﴾۱ (بعض لوگ قیامت کے دن ایسی شکلوں کے ساتھ محشور ہوں گے کہ ان سے بندروں اور خنازیر کی شکلیں بہتر ہوں گی) ۔اور یہ حدیث کہ گناہگار لوگوں کی زبان مدینہ ومکہ کے درمیانی فاصلہ جتنی ہوجائے گی۔ یہ سب آیات اور روایات، اسی مطلب پر دلالت کر رہی ہیں۔ اہل تناسخ ان آیات اور روایات کے ذریعے اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے استدلال کرتے ہیں۔

آیۂ شریفہ ﴿اخسئوا فیھا...﴾ کا جواب

ان کا جواب یہ ہے کہ آیہ شریفہ 'اخسئوا' آپ کے مطلوبہ نظریہ پر کیسے دلالت کر رہی ہے؟ کیا اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ لفظ 'اخسئوا' کہ جو عام طور پر 'کتے' کو بھگانے کیلئے بولا جاتا ہے کے ساتھ جھڑکا جاتا ہے کیا یہ کلمہ فقط کتے کو دھتکارنے کیلئے استعمال ہوتا ہے؟ شاید آیت میں فقط توہین کا بیان مراد ہو۔لہذا اس کلمہ کے ذریعے انھیں دور کرتا ہے اور بات کرنے سے منع کرتا ہے۔

پس مخالف کا یہ اعتقاد کہ انھیں 'اخسئوا' کے ذریعے پکارا جاتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں 'کتے' بن گئے ہیں اور ان کا 'کتا' بن جانا، تناسخ کے جواز کی ایک دلیل ہے، آیت کے ظاہر سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اگر اہل تناسخ (اس آیت کے بجائے) مسئلہ 'رجعت' کو پیش کرتے کہ جو ہماری دینی ضروریات میں سے ہے، تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ رجعت کے مسئلہ میں مخالف بہتر انداز میں دعویٰ کرسکتا ہے کہ روح اور نفس، دوبارہ، بدن میں داخل ہوتے ہیں۔ البتہ ہمارا اعتقاد ہے کہ کسی نفس کا بدن سے خارج ہوجانے کے بعد دوبارہ بدن وجسد سے تعلق برقرار

<--- اور لوگ انھیں پامال کر رہے ہوں گے یہاں تک کہ خداوند ان کا حساب لے کر فارغ ہوجائے گا۔

اصول کافی، ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب الایمان والکفر، باب الکبر، حدیث ۱۱۔

۱۔علم الیقین، ج ۲ ص ۹۰۱۔

کرنا محال ہے۔اس کا سابقہ بدن اوراسی طرح کسی دوسرے انسان یا حیوان کے بدن میں داخل ہونا ایک معیار و دلیل کے مطابق محال ہے۔پس اگر وہ رجعت یا جسمانی معاد کو تناسخ کے جواز کیلئے بطور دلیل پیش کرتے تو کسی حد تک بہتر تھا۔

ملکی تناسخ کا باطل اور ملکوتی تناسخ کا صحیح ہونا

یاد رہے کہ تناسخ کے قائلین 'ملکی اور ملکوتی تناسخ' میں تمیز نہیں کر سکے۔ جو تناسخ محال ہے وہ ملکی (دنیوی) تناسخ ہے۔'تناسخ ملکوتی' کا مطلب یہ ہے کہ ملکوت میں نفس، انشاء وظہور کا حامل ہوتا ہے اور اپنے باطن کے مطابق اور اپنے ملکات کے ساتھ مناسبت رکھنے والی صورتیں انشاء کرتا ہے کہ وہ صورتیں نفس کے بدن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ایک صحیح اور قابل قبول چیز ہے۔[1] البتہ اس

۱۔حضرت امام خمینیؒ نے شرح حدیث جنود عقل وجہل کے صفحات ۳۸۸ تا ۳۸۹ 'تناسخ ملکوتی' کے بارے میں وضاحت بیان کی ہے۔ بحث کو مکمل کرنے کیلئے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

روح وملکوتی باطن اور ظاہر و نفس کے ملکی قوئی کے درمیان اس قدر قوی رابطہ پایا جاتا ہے کہ ظاہر و باطن آپس میں ایک دوسرے کے آثار سے متاثر ہوتے ہیں اوران میں سے ایک کا کمال ونقص اور صحت و بطلان دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے اور اگر دنیا میں اتفاقاًیا قوت ماسکہ کی شدت کی وجہ سے اپنی روحی حالت اور اخلاق کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دے تو آخرت میں کہ جو حقائق کے ظاہر اور سرائر کے منکشف ہونے کا دن ہے، نفس کی قدرت، ماسکہ پر کہ جو جبری تھی، غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو لامحالہ جو کچھ باطن میں ہوتا ہے وہ ظاہر اور جو کچھ راز میں ہوتا ہے وہ منکشف ہو جاتا ہے۔ البتہ ایسا دنیا کی طرح رشح اور سرایت کے ذریعے نہیں ہوتا، بلکہ علیت ومعلولیت اور ارادۂ روح کے احدیٔ التعلق سے ہوتا ہے۔﴿یَومَ یُکشَفُ عَن سَاق ☆یَومَ تُبلَی السَّرائِر﴾۔

آخرت میں پردہ ڈالنا اور اظہار کو روکنا ممکن نہیں۔ اس جگہ پوری زندگی ظاہر ہو جائے گی اور تمام خفیہ راز، برملا ہو جائیں گے۔ وہاں خوبیاں بھی ظاہر ہو جائیں گی اور بدیاں بھی آشکار ہو جائیں گی۔ ملکوتی صور واشکال، ملکوتیوں کی انواع واقسام کیلئے بنتی ہیں اور دنیا میں واقع ہونے والا، ملکوتی تناسخ کہ جس کی طبیعت پیروی کرتی تھی، وہاں اس کی واقعیت ظاہر ہو جائے گی۔ جو کچھ یہاں تک بیان ہوا ہے وہ باطن اور اسرار نفس کے ظاہر اور برملا -->

عالم کے بعد، عالم اشباح اور اشکال وصور پر مبنی عالم بھی موجود ہے۔ (نہ یہ کہ اس عالم کے اوپر فقط عالم عقل ہے)۔ وہ عالم کہ جو تجرد عقلانی محض تک نہ پہنچ سکنے والوں کیلئے، عقلانیت محض اور مقدار وشکل سے خالی، نہیں وہاں نفس، ظل وسائے کا حامل ہوتا ہے کہ جو اس کا ظہور ہے۔ جس طرح اس عالم (طبیعت) میں، بدن کے قویٰ، نفس کے ظہور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ ان دونوں عوالم میں بدن کا فرق یہ ہے کہ اس عالم (دنیا) میں بدن، نفس کی نافرمانی کرتا ہے اور خود، نفس پر مقدم ہے۔ لیکن اس عالم میں بدن، نفس پر مقدم نہیں، بلکہ اس کے باطن کا ظہور اور مکمل طور پر نفس کی انشاء

<-- ہونے کے بارے میں تھا۔ اسی طرح روح اور ظاہری قویٰ کے درمیان اسی رابطے کے ذریعے، ظاہری اعمال واطوار روح پر بہت ہی واضح اثر چھوڑتے ہیں اور اچھے برے اعمال اور خوبصورت وبدصورت کردار کے ذریعے ملکات حسنہ وفاضلہ اور ملکات خبیثہ وسیئہ پیدا ہوتے ہیں اور باطن کی تشکیل اور ملکوتی نسخ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

نیز امامؒ اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۹۔۱۵۰ پر فرماتے ہیں:

ممکن ہے انسان میں ان تین قوتوں میں سے ہر ایک قوت اپنے عروج تک پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ ان تینوں میں سے کوئی، دوسری سے آگے نہ بڑھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے ایک قوت، دوسری دونوں پر غلبہ حاصل کرلے، اسی طرح ممکن ہے، دوقوتیں، ایک پر غالب آجائیں۔ اس لحاظ سے ملکوتی ممسوخات (مسخ ہونے والوں) کا اصول، سات صورتوں تک جا پہنچتا ہے۔ پہلی، بہیمی (حیوانی) صورت ہے۔ اگر باطن نفس کی صورت کو بہیمی صورت میں تصور کیا گیا ہو اور بہیمی نفس غالب آجائے تو انسان اخروی وغیبی اور ملکوتی صورت میں بہائم (چوپایوں وحیوانات) میں سے کسی ایک کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ مثلاً گائے وگدھے وغیرہ کی طرح ہوجاتا ہے اور جب انسان کی آخری حالت، سبعی (درندگی) ہو یعنی اس کا سبعی (درندہ صفت) نفس غالب آجائے تو اس کی غیبی وملکوتی شکل بھی سباع (درندوں) میں سے کسی ایک کی شکل جیسی ہوجاتی ہے۔ مثلاً وہ چیتے وبھیڑیے وغیرہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور اگر اس کی قوۂ شیطنت، دوسری تمام قوتوں پر غالب آجائے اور مرتے وقت اس کی آخری حالت، شیطانی ہو تو اس کا ملکوتی باطن، شیاطین میں سے کسی ایک شکل میں ہوتا ہے اور یہ مسخ ملکوتی کے اصول کی ایک اصل ہے۔ ان تینوں میں سے دو کے اکٹھا ہونے سے، تین صورتیں حاصل ہوتی ہیں اور ان تینوں کی ترکیب سے ایک مرکب صورت حاصل ہوتی ہے۔

سے وابستہ ہے۔ اس عالم میں، نفس، اپنے باطن کے ساتھ تناسب رکھنے والے ملکات کو ظاہر کریگا۔

آیۂ ﴿کلما نضجت جلودھم﴾ سے استدلال کا جواب

اس کے بعد ملا صدرؒ اس آیۂ شریفہ ﴿کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُھُم﴾ سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے پہلے 'جلوۂ' سے 'پورے بدن' کو مراد لیتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں: نفس اپنے ملکات رذیلہ میں سے کسی ایک ملکہ کے مطابق ایک بدن انشاء کرتا ہے کہ جو بعینہ نفس کا ظہور ہوتا ہے وہ پورے کا پورا بدن جلتا ہے اور جب باطن اس ملکہ اور اخلاق رذیلہ سے پاک اور نفس صاف ہو جاتا ہے تو دوسرے ملکات کی باری آتی ہے اور ان میں سے جو بھی زیادہ قوی ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ مناسبت رکھنے والا بدن انشا کرلیتا ہے۔ وہ بدن بھی جل جاتا ہے یہاں تک تمام ملکات رذیلہ، باطن نفس سے پاک ہوجاتے ہیں۔ اب اگر وہ فرد اعتقادی لحاظ سے مؤمن اور مسلمان ہوگا تو اس قدر سختی کے بعد آخرکار نور ایمان و توحید اور نور شفاعت غالب آجائے گا اور وہ آگ کے زندان سے نجات حاصل کریگا اور اگر وہ اعتقادی لحاظ سے مؤمن اور مسلمان نہیں ہوگا تو اس کی ذاتی ہویت و شخصیت جہل مرکب پر مبنی ہوگی۔ لہذا وہ قابل تصفیہ نہ ہوگا اور ابدی عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔ یہ جواب اس بات پر مبنی ہے کہ جب ہم 'جلوۂ' سے پورا بدن مراد لیں۔ اگر جلود سے مراد فقط 'بدن کی کھال' مراد ہو تو جواب واضح ہے اور وہ یہ کہ جب پہلے کھال جل جائے گی تو دوسری کھال پیدا ہو جائے گی اور اسی طرح یہ سلسلہ آخر تک جاری رہے گا۔ جس طرح دنیا میں بدن کی کھال جلنے کے بعد دوسری کھال اس کی جگہ لے لیتی ہے کہ جس کے جلنے کا امکان بھی موجود ہے۔

رجعت اور جسمانی معاد کے بارے میں اجمالی جواب

'جسمانی معاد' کے مسئلہ کی تفصیل، اس کے مقدمات کے بیان کے بعد پیش کی جائے گی اور

معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت وہ نہیں جو جسمانی معاد کے بعض قائلین بیان کرتے ہیں کہ 'مٹی کے ڈھیروں کو اکٹھا کر کے اس سے بدن بنائے جائیں گے' کیونکہ یہ بات، عین 'بدن' کے بارے میں جسمانی معاد پر اعتقاد کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اس سے 'مثل' بدن کے جسمانی معاد پر اعتقاد کا مطلب حاصل ہوتا ہے۔

رہی بات مسئلہ رجعت کی تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جو کچھ ہماری نزدیک مسلّم ہے وہ اصل رجعت ہے جو ہماری مذہب کی ضروریات میں سے ہے۔ لیکن اس سے آگے، ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ آیا رجعت کیلئے جدید بدن خلق ہوں گے یا وہی پہلے والے بدن لا کر رجعت کرنے والوں کی پاک ارواح ان میں داخل کر دی جائیں گی۔ ہو سکتا ہے مسئلہ رجعت 'مثالی تمثّل' کی صورت میں ہو خواہ وہ عالم ملک ہی میں ہو۔ رجعت حسینیؑ ممکن ہے اسی صورت میں ہو۔ ہمارے پاس اصل رجعت پر تو دلیل ہے لیکن کیفیت رجعت پر کوئی دلیل نہیں کہ رجعت کیسے واقع ہو گی۔

حشر اور جسمانی معاد کے ذریعے ثبوت تناسخ کا ادعا

اہل تناسخ کی طرف سے تنقید کی گئی ہے اور ہمیں مسئلہ 'حشر' کے ذریعے تناسخ کا قائل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی طرف سے جو شبہہ پیش کیا گیا ہے اس کی وضاحت کچھ یوں ہے: 'تناسخ کے بطلان پر مشہور دلیل یہ ہے کہ جب بھی کوئی مادہ اس قابل ہو کہ اس پر مبادی عالیہ کی طرف سے افاضۂ فیض ہو تو مبادی عالیہ حتماً اس پر افاضہ کرتے ہیں۔ پس اگر محشر کے دن گزشتہ اجساد کی خاک سے پیدا ہونے والے ابدان، افاضۂ نفس کے قابل ہوں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان پر ایک نئے نفس کو افاضہ کیا جائے نہ یہ کہ سابقہ نفس ہی انکے بدن میں داخل کر دیا جائے اور اگر ایسا ہو جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ دو مستقل نفس، ایک بدن میں داخل ہو جائیں۔ جبکہ یہ بات محال ہے۔ دوسری جانب مسئلہ حشر اور معاد، تمام ادیان کی ضروریات میں سے ہے۔ لہذا اس کے

سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ تناسخ تمام ادیان میں ایک راسخ عقیدہ ہے اور اس راسخ عقیدے کو برہان کی صورت میں پیش کئے گئے شبہات کے ذریعے خراب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اعتراض، بطلان تناسخ کے بارے میں مشہور کے عقیدہ کو مدنظر رکھ کر مسئلہ حشر پر پیش کیا جاتا ہے۔

تناسخ کا ردّ، ضرورت ادیان کو ردّ کرنے کے مترادف ہے

رہی بات ملا صدراؒ کے نظریہ کے مطابق، بطلان تناسخ کی تو اس بارے میں تناسخ کے قائلین نے جو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ 'ملا صدراؒ کا کہنا ہے کہ نفس کے مستقل ہو جانے اور مادہ کو چھوڑ دینے کے بعد اور 'دنیوی مادہ کی صورت میں ہونے' سے نکل آنے کے بعد، دوبارہ نئے سرے سے اسے، دنیوی مادہ کی صورت میں لانا ممکن نہیں۔ یعنی استقلال حاصل کرنے کے بعد دوبارہ اسے غیر مستقل کر دیا جائے۔ اس بیان کے مطابق، مسئلہ حشر مشکل اور محال ہو جاتا ہے۔ جبکہ (جسمانی) معاد اور حشر کا مسئلہ تمام شرائع حقّہ اور سب ادیان میں ایک ضروری عقیدہ ہے اور دین اسلام کے ارکان میں شمار ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ محشر کے دن نفس اور روح کو لا کر ان ابدان میں داخل کر دیا جائے گا کہ جو اجزائے بدنیہ کو جمع کر کے بنائے گئے ہوں گے۔ جو مطالب ملا صدراؒ نے بطلان تناسخ کے بارے میں پیش کئے ہیں اگر ان کو درست مان لیں تو اس معاد کا انکار لازم آتا ہے جو ادیان کی ضروریات میں سے ہے۔ نیز ملا صدراؒ کے نظریہ کے مطابق، بعض لوگوں کے اس قول پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس کے مطابق 'روح، بدن سے جدا ہونے کے بعد، مثالی ابدان میں داخل ہو جاتی ہے'۔ لہٰذا اس طرح تناسخ کو باطل قرار دینا، بعض کے قول کے انکار اور ضرورت ادیان کے انکار اور خود قرآن کے انکار کا سبب بنتا ہے۔ (چونکہ قرآن میں حضرت عزیرؑ کا واقعہ اور حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے پرندوں کے زندہ ہونے کا تذکرہ موجود ہے)۔ اسی طرح 'رجعت' کہ جو مذہب حقّہ شیعہ

کی ضروریات میں سے ہے کا انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ رجعت میں بھی ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ رجعت کرنے والوں کی روح مطہر یا انکے اپنے ابدان میں داخل ہوگی کہ جو ابھی تک صحیح وسالم رہے ہیں یا اگر سابقہ بدن سالم نہیں رہا تو ان کی تربت شریف اور مٹی کے اجزا قدرت الٰہیہ سے اکٹھے ہوں گے اور دوبارہ ایک بدن خلق ہوگا، جس میں ان کی پاک روح، داخل ہوگی۔

بہرحال، بطلان تناسخ کے سب موارد پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ہمیں تناسخ کو صحیح ماننا چاہیئے اور آپ کی یہ براہین اور ادلہ، تمام ادیان کی ضروریات کے مقابلے میں محض ایک شبہہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہاں تک ان تمام اشکالات واعتراضات کو مکمل طور پر بیان کردیا گیا ہے کہ جو تناسخ کے قائلین نے، تناسخ کو باطل ثابت کرنے والوں پر کیے ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کا جواب دیا جاتا ہے۔

شبہہ رجعت کا جواب

رہی بات مسئلہ رجعت کی تو سب سے پہلے ہم اسی سلسلے میں شیخ محمد حسین اصفہانی ؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنی مذہبی دنیا میں ایک بڑی مشکل سے دوچار ہیں وہ یہ کہ اگر کوئی بات، ضروریات مذہب یا ضروریات دین میں سے ہو تو اس کے اثبات کے بارے میں دلائل کے علاوہ ہمیں اس ضروری المذہب عقیدے کے تبعات اور دوسری خصوصیات کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے کہ جو عوام الناس میں مشہور ہو چکی ہوتی ہیں (اگرچہ انکے بارے میں ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں ہوتی)۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ان خصوصیات وتبعات میں سے کسی ایک کا بھی منکر ہو جائے تو اسے اصل مسئلہ کا منکر سمجھ کر، اس کی تکفیر کی جاتی ہے۔ مثلاً شق القمر کا مسئلہ ہمارے دین کا ایک ضروری مسئلہ ہے۔ جس کے اصل واقعہ پر ہمارے پاس قابل توجہ اور محکم دلیل ہے اور کوئی بھی دیندار انسان، اس کے اصل واقعہ کا منکر نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ کہ اس واقعہ کی رات کے

اوائل میں بہت زیادہ تاریکی ہوگئی تھی یا یہ کہ قمر کا ٹکڑا، آنحضرتؐ کی آستین مبارک میں داخل ہوگیا تھا وغیرہ، اس واقعہ کی ایسی فروعات وتوابع ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی درست سند موجود نہیں۔ شاید کوئی انتہائی ضعیف روایت موجود ہو یا بالکل کوئی روایت ہے ہی نہیں، بلکہ فقط عوام الناس کے درمیان یہ باتیں، شق القمر کی خصوصیات وتوابع کی حیثیت سے مشہور ہوگئی ہیں اور شق القمر کے ضروری ہونے سے ان کو بھی ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص اصل واقعہ کہ جس حد تک وہ ضروری اور مدلل ہے کا قائل ہو، مثلاً کہے کہ انشقاق آسمان میں ہوا تھا اور طالبین (معجزہ) نے بھی اسی حد تک چاہا تھا تو ایسے شخص کو اصل واقعہ انشقاق کا منکر سمجھا جاتا ہے!!

اسی طرح مسئلہ رجعت بھی اسی حد تک ضروری ہے کہ جس پر دلیل موجود ہے وہ اصل رجعت ہے، لیکن اس کی خصوصیات اور توابع، مثلاً یہ کہنا کہ رجعت حسینیؑ میں، عمر سعد کو بھی لایا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی یا امام علیہ السلام اسی سر بریدہ بدن کے ساتھ آئیں گے یا یہ کہ بدن شریف کے اجزاء کو اکٹھا کر کے روح مطہر اس میں داخل کی جائے گی وغیرہ ایسے امور ہیں جن پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ ضروریات میں سے بھی نہیں ہیں۔ لہذا اگر ہم رجعت کے بارے میں فقط اتنا ہی کہیں کہ رجعت کرنے والوں کا مبارک وشریف نفس، ایک ملکی بدن انشاء کرتا ہے اور یہ بزرگوار ہستیاں اس ملکی وانشائی بدن کے ساتھ رجوع کرتی ہیں تو یہی کافی ہے اور یہ بات بعید بھی نہیں بلکہ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔

حضرت علیؑ کا زمان واحد متعدد مقامات پر حاضر ہونا

جو لوگ ان باتوں کو قبول نہیں کرتے اور ان کے قائل افراد کو کافر قرار دیتے ہیں، کیا وہی اس کے قائل نہیں کہ حضرت امیرؑ ایک رات میں چالیس مقامات پر حاضر تھے؟ وہ عرش پر ملائکہ کے ہمراہ بھی تھے، (اسی لمحے) رسول خداؐ کی خدمت میں بھی تھے، اسی طرح امامؑ اسی رات کو حضرت سلمان کے مہمان بھی تھے اور اپنے گھر میں جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ بھی تھے۔ یقیناً یہاں

یہ مراد نہیں کہ امامؑ اپنے روحی احاطہ کے ساتھ چالیس مقام پر حاضر ہوئے یا یہ کہ ایک ہی بدن، متعدد مقامات پر حاضر تھا بلکہ واقعیت یہ ہے کہ امام علیہ السلام متعدد ابدان کے ساتھ متعدد مقامات پر موجود تھے اوران ابدان میں سے ہرایک بدن بغیر کسی شک وتردید کے حقیقی طور پر امامؑ کا بدن شریف تھا۔ کیونکہ نفس جب قدرت کاملہ حاصل کرلیتا ہے تو الملک الکریم کی مدد سے ہزاروں بدن انشا کرسکتا ہے کہ جوسب کے سب نفس ہی کے حقیقی بدن ہوتے ہیں۔ اور نفس ان میں سے ہرایک ساتھ کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتا ہےاورایک کام میں مشغولیت اسے دوسرے کام میں مشغولیت سے نہیں روکتی۔ چنانچہ ہم حضرت حق جلّ جلالہ کے بارے میں اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی وحدت شخصیت کے باوجود، عوالم امکان کے تمام ذرات اس کی بارگاہ میں منکشف اور حاضر ہوتے ہیں اوران کا وجود محضر اقدس الٰہی میں بعینہٖ حاضر ہوتا ہے ﴿ولا یشذّ شئ عن علمه﴾ (کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں)۔

آن واحد میں ائمہ اطہارؑ کا محتضرین کے سرہانے آنا

اسی طرح ہم اس بات کے قائل ہیں (اور یہ بات روایات سے ماخوذ ہے کہ) حضرت امیرؑ محتضرین کے سرہانے آتے ہیں خواہ مرنے والا مؤمن ہو یا منافق وکافر۔ (یہ بات دوسرے ائمہ علیہم السلام کے بارے میں بھی منقول ہے)۔ اب کبھی جنگ وغیرہ ہوتی ہے تو میدان کارزار میں بیس یا پچاس ہزار افراد مارے جاتے ہیں اوران میں سے اکثر تقریباً ایک ہی وقت میں حالت احتضار میں ہوتے ہیں۔ تو اس صورت میں ان سب کے سرہانے امامؑ کس طرح آتے ہیں؟ کیا ہم اس کے علاوہ اور کچھ کہہ سکتے ہیں کہ امامؑ متعدد انشا شدہ ابدان کے ساتھ، ان سب مرنے والوں کے پاس آتے ہیں؟

غرض یہ کہ ہمیں انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا موازنہ اپنے ساتھ نہیں کرنا چاہیے اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جس طرح ہم بات سنتے وقت بول نہیں سکتے یا کوئی دوسرا کام نہیں کرسکتے۔ (کیونکہ

ہمارا نفس انتہائی ضعیف ہے)۔ ویسے ہی ائمہؑ وانبیاءؑ بھی ایک وقت میں مختلف کام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حقیقت میں نفس، قدرت الٰہی اور مشیت خدا کے ذریعے قوی ہو جانے کے بعد، متعدد ابدان کو خلق وایجاد کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ ایسے ابدان کہ جو حقیقی معنوں میں اسی کے بدن ہیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کے انکار و شک کی گنجائش نہیں۔

حضرت حجت علیہ السلام پر اعمال پیش کئے جانے کا مسئلہ کس طرح ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ اسی طرح ہے جس طرح میں آپ کو کوئی کاغذ وغیرہ پیش کرتا ہوں؟ روایات میں منقول ہے کہ سب لوگوں کے اعمال، جمعرات کے دن، بلکہ ہر دن، صبح وشام امام علیہ السلام کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ کیا معتبر روایات[۱] میں یہ منقول نہیں کہ کچھ ملائکہ ایسے ہیں کہ جن کے ہزار ہاتھ، ہزار سر یا دو ہزار ہاتھ اور سر ہیں۔ اسی طر ہزار منہ والے ملائکہ بھی ہیں جو ہر منہ سے ایک زبان کے ساتھ ذکر (خدا) کر رہے ہیں۔ ہر زبان کا ذکر، دوسری زبان کے ذکر سے مختلف ہے۔ بہر حال اس قسم کے مسائل پر اعتقاد اور ان کا اثبات ایک ہی ملاک ومعیار پر ہے۔[۲]

دنیا میں تناسخ، گناهگاروں کے عذاب کا سبب ہے

اہل تناسخ کے شبہات میں سے ایک شبہہ یہ ہے کہ عقل، شرائع، آیات قرآن اور احادیث کی رو سے خدا کے منکرین نافرمانوں اور سرکشوں پر عذاب نازل ہونا چاہیئے اور یہ عذاب اس عالم میں ہونا چاہیئے جو تعذیب کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو، تمام عوالم میں سے عالم دنیا سب سے زیادہ سیاہ وتاریک اور ظالم ہے۔ لہذا گناہگاروں پر یہیں عذاب نازل ہوگا اور وہ اسی دار طبیعت کی آگ میں جلیں گے۔ وہ اسی جگہ موت کی سختیاں جھیلیں گے اور ان کی روحیں اور نفوس پست وخبیث حیوانات کے جسم میں قید ہو جائیں گے اور انکے نفوس کو عذاب اور سختی برداشت کرنے کے بعد،

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۳ ص ۱۲۳؛ تاریخ سیدۃ النساء، باب ۵ حدیث ۳۱؛ وج ۵۶ ص ۱۸۲ کتاب السماء والعالم، باب ۲۳ حدیث ۲۳۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

بدن کے فرسودہ ہو جانے اور جسمانی قوت وطاقت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے موت کے ذریعے ایک حیوان کے بدن سے دوسرے حیوان کے بدن میں داخل ہونا پڑے گا۔ اس طرح ان کیلئے متعدد اموات واقع ہوں گی۔ فساق اور گناہگار لوگوں کی متعدد اموات پر آیات شریفہ بھی دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے کہ: ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوداً غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾[۱] (اور جب ایک کھال پک جائے گی تو دوسری بدل دیں گے تا کہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں) اور آیت شریفہ: ﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا﴾[۲] (جب یہ جہنم کی تکلیف سے نکل بھاگنا چاہیں گے تو دوبارہ اسی میں پلٹا دیئے جائیں گے)۔

اس کے مقابلے میں ایک دوسری آیت میں سعادتمند لوگوں کی موت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کے مطابق انھیں فقط ایک ہی موت آئے گی۔ ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾[۳] (اور وہاں پہلی موت کے علاوہ کسی موت کا مزہ نہیں چکھنا ہوگا اور خدا انھیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا)۔

اہل سعادت کی ارواح جب اس بدن سے نکل جائیں گی تو پھر ان کیلئے تناسخ نہیں اور وہ دوسرے ابدان میں داخل نہیں ہوں گی کہ ان کیلئے (بھی) متعدد اموات واقع ہوں۔ انھیں فقط پہلی بار موت آئے گی۔ اس کے بعد وہ مجرد ہو جائیں گے اور انتہائی خوشی و آرام کی زندگی گزاریں گے۔

مذکورہ بالا شبہہ کا جواب

شاید بعض لوگوں نے تناسخ کے علاوہ بھی اس طرح کی باتیں کی ہیں، مثلاً یہ کہ یہی دنیا، جنت و جہنم ہے اور جو لوگ ناپسندیدہ اخلاق وعادات اور ملکات کے حامل ہیں وہ اسی جگہ عذاب میں

۱۔ سورۂ نساء، آیت/۵۶۔

۲۔ سورۂ حج، آیت/۲۲۔ ۳۔ سورۂ دخان، آیت/۵۶۔

گرفتار ہیں اور اپنی بری عادتوں، دشمنیوں اور تنازعات کی آگ میں جل رہے ہیں۔اس کے برعکس خوش اخلاق اور خداوند متعال پر توکل وایمان رکھنے اور کمالات حاصل کرنے والے اسی دنیا میں بہشتی نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ مند ہیں۔

اہل تناسخ اور اس گروہ کیلئے جواب یہ ہے کہ پورے قرآن کریم اور احادیث میں جو چیزیں آخرت کے ہول وڈر اور خوف کو بیان کرتی ہیں، وہ کسی بھی طرح اس دنیوی عالم کے ساتھ تناسب نہیں رکھتیں۔ عذاب کے سخت اور شدید ہونے کا سبب چند چیزیں بنتی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوں تو عذاب خفیف اور درد والم کم ہوگا اور وہ اسباب وعوامل، اس عالم دنیا سے بالاتر عالم میں موجود ہیں۔اس عالم میں عذاب ضعیف ہوتا ہے اور عذاب کی شدت ممکن نہیں۔(اسی طرح خالص اور حقیقی نعمت بھی اس عالم میں میسر نہیں آتی)۔[۱]

عذاب اور درد کیلئے مادہ کا ضروری ہونا

اہل تناسخ کا ایک شبہہ یہ ہے کہ اگر نفوس ابدان سے مفارقت حاصل کرنے کے بعد مجرد ہوجائیں اور کسی دوسرے (انسانی یا حیوانی) بدن میں داخل نہ ہوں اور تجرد محض میں باقی رہیں تو پھر ان پر عذاب نازل ہونا ممکن نہیں ہوگا اور وہ سب آرام وسکون میں ہوں گے۔ کیونکہ عذاب جسمانی بدن پر نازل ہوتا ہے، آگ بدن جسمانی کو جلاتی اور بچھو ڈستا ہے۔لیکن اگر نفس مجرد ہوجائے تو یہ چیزیں غیر معقول ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ مجردات پر، مبادی عالیہ اور سچے حقائق ومعانی کے فیوضات کے سواء اور کوئی چیز القاء نہیں ہوتی۔ مجردات مبادی فیض کی طرف سے عطا ہونے والی چیزوں کو براہ راست اور اسی صورت میں ہی قبول کرتے ہیں اور مجرد ہونے کی وجہ سے سوائے صادق وسچے القائات کے اور کچھ حاصل نہیں کرتے۔لہذا باطل عقائد، غیر صادق اور جہل مرکب کہ جو تاریکی وظلمت کے مناسب ہیں کے ساتھ انھیں عذاب نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ باطل عقائد،

۱۔تقریرات اسفار، ۔

گمراہ نظریات، برے اخلاق اور جہل مرکب، سب کے سب مادہ کے لوازم میں سے ہیں۔ اگر مادہ نہ ہو اور نفوس مجرد ہو جائیں تو وہ فیض کو اسی شکل میں قبول کرتے ہیں کہ جس میں وہ افاضہ ہوتا ہے۔ لہذا حقائق ان کیلئے صاف اور روشن ہوتے ہیں۔ وہ کسی امر سے جاہل نہیں ہوتے انکے علوم حق اور انکے مروی مجرد و نوری حقائق ہوتے ہیں۔ بنابرایں ان کیلئے کسی قسم کے عذاب کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ عذاب کیلئے، مادہ، قوت متخیلہ اور تخیل کا ہونا ضروری ہے تا کہ مادہ سے متعلق اس قوت میں حقائق برعکس تخیل کیے جائیں اور جہل مرکب حاصل ہو۔ جہل مرکب اور باطل عقائد وغیرہ کو مادہ اور قوت تخیل کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ تخیلات اور جہل مرکب کے ذریعے عذاب واقع ہو سکے۔ جہل مرکب کا حامل اپنی باطنی ظلمت و تاریکی کی وجہ سے عقاب و عذاب میں گرفتار ہوتا ہے یا برے اخلاق کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر عذاب کیلئے وہ فقط کسی حسرت میں ہی مبتلا ہو جائے تو یہی حسرت اس کیلئے سب سے بڑا عذاب ہوتی ہے۔ جب کسی انسان کو کسی جشن وغیرہ میں دعوت دی جائے اور وہ اس میں نہ جا سکے تو نہ جانے پر ہی اسے بہت زیادہ پچھتاوا ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ اسے پتہ چلے کہ وہ بہت سی نعمتوں سے محروم ہو چکا ہے۔ ایک طرف یہ دیکھے کہ دنیا کی چھوٹی چھوتی نعمتوں سے محروم ہو چکا ہے، جو چیزیں اس نے دھوکہ وفریب اور گناہوں کے ارتکاب، جھوٹ اور چوری چکاری سے حاصل کی تھیں انھیں دوسرے لوگ کھا رہے ہیں اور ان سے لذت اٹھا رہے ہیں جبکہ ان کا عذاب دائمی اسے ملے گا۔ دوسری طرف وہ یہ دیکھے کہ وہ دائمی الٰہی نعمتوں سے بھی محروم ہو چکا ہے اور خداوند قہّار کے عذاب اور خدا اور رسول کی لعنت کا مستحق بن چکا ہے۔ کسی کی جانب سے بھی اس کی مدد نہیں ہوتی وہ بے کس و بے چارگی کے عالم میں ہے تو ایسے عالم میں کتنا زیادہ افسوس اور کس قدر زیادہ حسرت انسان کے دل کو جلاتی ہے۔

﴿یَا حَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ﴾[1] (ہائے افسوس کہ میں نے خدا کے حق میں بڑی کوتاہی کی ہے)۔ اس کے قلب وجگر سے ایک جلتی ہوئی آہ نکلتی ہے۔ البتہ یہ ایک تخیلاتی حسرت ہوتی ہے۔ اگر قوت تخیلہ موجود نہ ہو تو ایسی چیز مبادی عالیہ سے افاضہ نہیں ہوتی۔ انسان کی قوت متخیلہ کہ جو دماغ کے مقام پر ہوتی ہے، مرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے (اسی طرح اس کے بعد والی قوت کہ جو قوت مفکرہ ہے)۔

خلاصہ یہ کہ مادہ نہ ہونے کی صورت میں عذاب نازل نہیں ہوتا۔ اب اگر آپ کہیں کہ انسانی نفس، اجسامِ فلکیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے اور مادہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس میں قوت متخیلہ فرض کی جاسکتی ہے تو یہاں آپ کی یہ بات آپ کو ہمارے نزدیک کر دیتی ہے۔ کیونکہ یہ بات اسی مطلب کو قبول کرنے کے مترادف ہے کہ جسے آپ محال کہتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ تناسخ محال ہے۔ اور اب جو آپ کہہ رہے ہیں یہ دراصل تناسخ ہی تو ہے۔ تناسخ میں ضروری نہیں کہ نفس اجسام سفلیّہ سے ہی تعلق پیدا کرے اگر وہ اجسام فلکیہ سے بھی تعلق برقرار کرلے تو بھی تناسخ واقع ہو جاتا ہے۔ البتہ، اولاً: فلکی اجسام ایک حد تک (دوسرے اجسام سے زیادہ) لطیف وصاف ہوتے ہیں۔ ثانیاً: افلاک خود نفس کے حامل ہوتے ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نفس، حیوانات کے ابدان میں داخل ہوتے ہیں تو یہ اس وقت ہے جب حیوان کے اجسام، نفس سے خالی ہوں۔ لہذا جو نفوس انسانوں کے بدن سے نکل کر ان ڈھانچوں میں داخل ہوتے ہیں انھیں کوئی مانع پیش نہیں آتا۔ لیکن افلاک کے بارے میں ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں وہ ایسے مقام پر داخل ہوں جہاں مانع اور رکاوٹ موجود ہے۔ ایسے اجسام میں داخل ہوں جو خود نفس کے حامل ہیں؟ اس کے علاوہ یہاں دو نفوس کے ایک مقام پر اکٹھا ہو جانے کا مسئلہ بھی پیش آتا ہے۔ اور اس مسئلے کی وجہ سے بھی آپ تناسخ کو محال جانتے ہیں۔

۱۔ سورۂ زمر، آیت/۵۶۔

تجرد عقلانی محض کا اولیا وخواص سے مختص ہونا

اسی طرح اگر نفوس تو غیر متناہی ہوں اور افلاک متناہی ومحدود تو غیر متناہی نفوس کس طرح افلا کی اجسام میں داخل ہو سکتے ہیں کہ جن کی تعداد محدود ہے؟ آپ تو ایک بدن کے ساتھ دو نفوس کے تعلق کو محال جانتے تھے، اب کس طرح ایک جسم کے ساتھ غیر متناہی نفوس کے تعلق کو جائز سمجھنے لگے ہیں؟ نفس کے ساتھ بدن کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ بدن، نفس کے ماتحت رہے۔ اب اگر غیر متناہی نفوس، فلک اطلس کے ساتھ متعلق ہو جائیں اور ہر ایک اس میں تصرف کرنے لگے تو فلک اطلس، ان غیر متناہی ومختلف ارادوں کے سامنے کیا کرے گا؟

اس شبہہ کے جواب میں ملا صدرا کا جواب یہ ہے کہ ہم کب اس بات کے قائل ہیں کہ سب نفوس مجرد عقلانی ہو جائیں گے اور سعادت کے اس بلند درجہ تک پہنچ جائیں گے؟ (ہمارے نزدیک تو) فقط انبیاء واولیاء اور مخلص وخالص مؤمنین ہی تجرد کے اس درجے تک پہنچ پائیں گے۔ البتہ ان کے بارے میں اہل تناسخ کا قول برحق ہے۔ یہ عذاب وعقاب سے محفوظ ہیں اور راحت وآسائش کی زندگی گزارتے ہیں، نعمات الہی سے بہرہ مند ہیں اور قوۂ مخیلہ بھی نہیں رکھتے۔ البتہ یہ کہنا بجا ہے کہ یہ لوگ قوۂ مخیلہ رکھنے کے بغیر بدن بھی رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ افراد کھانے پینے اور حور وبہشت کی طرف مائل نہ ہوں۔ اس سے بلند مرتبہ نعمات ولذات سے بہرہ مند ہوں۔

لوگوں کی دوسری قسم میں سے بعض لوگ متوسط سعید ونیک افراد ہیں اور بعض گناہگار وعاصی۔ جو 'تجرد عقلانی محض' کی حد تک نہیں پہنچ پاتے اور برزخی ابدان کے حامل ہوتے ہیں، ان کا تجرد، برزخی تجرد ہوتا ہے۔ البتہ قوت خیال بھی مجرد ہوتی ہے، لیکن تجرد تام کی حد تک نہیں ہوتی، بلکہ اس کا تجرد بھی برزخی ہوتا ہے۔ برزخ میں، قوۂ متخیلہ سے کوئی مانع نہیں ہوتا بلکہ وہاں اس کا وجود حتمی ہوتا ہے۔

عذاب کا قوت ادراک کے مطابق ہونا

دوسری بات یہ کہ عذاب اور عقاب کا سرچشمہ ادراک ہے۔ اس وقت ہم جو رنج وغم اور عذاب وعقاب جھیلتے ہیں اس کی وجہ ادراک ہے۔ اگر ادراک نہ ہوتا تو ہمیں عذاب کا احساس تک نہ ہوتا۔ جتنا ادراک زیادہ ہوگا اتنا ہی درد والم بھی زیادہ اور شدید ہوگا۔ عالم آخرت میں نفس کی قوت ادراک زیادہ ہو جاتی ہے اور نفس، دنیا میں جو ملکات کسب کرتا ہے انہی کے مطابق آخرت میں صورتیں خلق کرتا ہے۔ وہ جو بھی انشا وخلق کرتا ہے وہ اس کے باطن ذات کے مطابق ہوتا ہے۔ البتہ اس کے انشائات فقط ذہنی صورت کے حامل ہوں گے بلکہ ان سب کا عینی وجود ہوگا۔ آخرت میں نفس اپنے کمال کی انتہا پر ہوگا جو کچھ بھی انشاء کرے گا وہ خارجی وجود حاصل کرلے گا۔ اگرچہ دنیا میں وہ ضعیف ہوتا ہے اور ذہنی صورت سے زیادہ کوئی چیز خلق نہیں کرسکتا۔

ہمارا یہ کہنا کہ اگر نفس قوی ہو جائے تو وہ خارجی موجودات کو خلق کرسکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا شاہد، نفوس ولویہ اور نفوس قویہ ہیں۔ روایات میں بھی اس قسم کے واقعات منقول ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام رضاؑ نے نفس ولوی کی قوت کے ذریعے دو شیر خلق فرمائے اور انھیں اس ملعون کو چیرنے وپھاڑنے کا حکم دیا۔ یہ واقعہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو امام علیہ السلام نے قوت نفس کے ذریعے دو شیر وجود عینی کی شکل میں انشاء وخلق فرمائے تھے یا پردے پر موجود دو صورتوں نے، مادہ کی حامل ہونے کی وجہ سے امام علیہ السلام کے تصرف کے نتیجے میں، اپنی مادیت میں سرعت کے ساتھ حرکت کی جس کی وجہ سے انھوں نے اس طولانی راستے کو انتہائی سرعت کے ساتھ طے کرلیا کہ جسے انھیں معمولی حرکت کے ساتھ اور کچھ مراحل طے کرنے اور 'درندگی کی صورت' کی قابلیت پیدا کرنے کے بعد طے کرنا چاہیئے تھا۔ پس یہ سست رفتار ترقیات، سرعت کے ساتھ انجام پاگئیں اور شیر کی دو صورتیں، فیض کو حاصل کرنے کے قابل ہوگئیں۔

اہل تناسخ کے شبہہ کا خلاصہ

اب ہم اہل تناسخ کے شبہہ اور اس کے جواب کو دوبارہ بیان کرتے ہیں۔

الف: اگر تناسخ نہ ہو تو عذاب ممکن نہیں اور نیک و بد دونوں آرام و آسائش میں رہیں گے۔ اگر اشقیا اور برے لوگوں کے نفوس، موت کے بعد کسی دوسرے بدن میں داخل نہ ہوں تو پھر دونوں گروہ (نیک و بد)، تجرد کی حالت میں رہیں گے۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ مجردات اور مبادی عالیہ کے درمیان کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔ یعنی مجرد موجود اور عالم غیب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ بھی دیکھتا ہے وہ سچ اور حق ہوتا ہے اور جو کچھ بھی مفاض کی جانب سے افاضہ ہوتا ہے وہ اسے بغیر کسی کجی کے اخذ کر لیتا ہے۔ کیونکہ اب اس میں مادہ نہیں ہوتا اور وہ بغیر رکاوٹ اور مانع کے غیبی موجودات و مبادی کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی روح و ریحان ہے۔ پس اس کے بعد اشقیا اور برے لوگوں کیلئے جہنم و عذاب کا تصور نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بدن کے نابود ہو جانے کی وجہ سے ان کی قوۂ متخیلہ (کہ جس کا مرکز دماغ ہے) ختم ہو چکی ہوتی ہے اور تناسخ کے بطلان کی صورت میں، ان کا نفس بھی کسی دوسرے بدن میں داخل نہیں ہوا۔ لہذا ان کے بارے میں نزول عذاب، نامعقول بات ہوگی۔

ب: آپ نفوس کی تعداد کے غیر متناہی ہونے کے قائل ہیں۔ پس حشر کے دن غیر متناہی اجسام و ابدان کا وجود لازم آتا ہے جس کے نتیجے میں غیر متناہی نفوس کا غیر متناہی ابدان کے ساتھ وجود میں اجتماع ہو جاتا ہے جو کہ محال ہے۔ لہذا آپ کو ہمارے قول کا قائل ہو جانا چاہیئے کہ خداوند متعال نے ایسے نفوس خلق فرمائے ہیں کہ جو دنیا میں، موجودہ ابدان میں زندگی گزار رہے ہیں۔ بعد میں ابدان کا یہ گروہ نابود ہو کر مٹی بن جاتا ہے اور دوسرے ابدان آ جاتے ہیں۔ نفوس ہمیشہ گردش کی حالت میں رہتے ہیں، ابدان کے ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح کائنات کا کام چل رہا ہے۔

انسان کی ماورائے طبیعت کی طرف جبری حرکت

ملا صدراؒ ان شبہات کا جواب دیتے ہوئے پہلے شبہہ کے بارے میں کہتے ہیں: آپ بھی نفوس کے مجرد ہونے کے قائل ہیں اور ہم بھی، لیکن واضح نہیں کہ آپ نفوس کے تجرد کے کس حد تک قائل ہیں اور ہم کس حد تک؟ شاید یہ سب غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام نفوس، تجرد عقلانی کے درجے تک پہنچتے ہیں، بلکہ ہم تجرد کے اس مقام تک فقط کامل لوگوں، انبیاء اور اولیاء کے پہنچنے کے قائل ہیں۔ ہم نے کب کہا ہے کہ فاسق و فاجر لوگوں کے نفوس بھی تجرد عقلانی کے اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں؟ ہمارا اعتقاد ہے کہ ان لوگوں کے نفوس جب دنیا سے خارج ہوتے ہیں تو عالم طبیعت میں بہت زیادہ مشغول ہونے کی وجہ سے ان میں ماورائے طبیعت کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ انھیں عالم آخرت کی کوئی شناخت نہیں ہوتی اور ان کا تمام تر محبت وانس کا رخ دنیا کی طرف ہوتا ہے۔ اگر ان کی ذات اور باطن کے ایک ایک ذرّے کو دیکھیں تو طبیعت کے آثار وعلائم کے علاوہ کوئی اور چیز نظر نہیں آئے گی۔ تو پھر موت کے بعد اس قسم کے افراد کے نفوس کیلئے مبادی عالیہ کے جمال کا مشاہدہ اور آرام وآسائش کی زندگی کیونکر ممکن ہوگی؟ یہ لوگ جب دنیا سے جانے لگتے ہیں تو ان کا باطن اور قلب، اس عرصے کے دوران ایک بڑے تھیلے کی مانند، کدورت، بداخلاقی، درندگی، حیوانیت، بطن وفرج کی شہوت اور درندہ صفات سے پر ہو چکا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معاد، جنت اور جہنم کی بنیاد ایسے مطالب پر استوار ہے کہ جنہیں ہم اب بیان کرتے ہیں! اس میں کوئی شک نہیں کہ پیدائش کے اوائل ہی سے انسانی قلب، ایک ایسے آئینے کی مانند ہوتا ہے کہ جس کے دو رخ ہوتے ہیں۔ اس کا ایک رخ عالم غیب کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا رخ، عالم محسوسات اور ظاہری دنیا کی طرف۔ اب یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ کون سے رخ کو کھلا رکھتا ہے اور کون سے رخ کو بند کر دیتا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عالم طبیعت کے تمام موجودات، خواہ وہ نیک ہوں یا بد، انساں ہوں یا حیوان سب کے سب دنیا میں قدم رکھتے ہی، لحہ بہ لحہ موت کی طرف حرکت کرنے لگتے ہیں۔ عالم طبیعت سے خارج ہونا، ان سب کی

ذات کے اندر پنہاں ہے۔ یہ طبیعت سے ماورائے طبیعت کی طرف حرکت ہے۔ اس حرکت کے لحاظ سے انبیائے عظام واولیائے کرام اور شقی ترین افراد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب آخرت کی طرف حرکت کرتے ہیں اور دنیا سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

عالم طبیعت میں انسانوں کی ذاتی حرکت میں فرق ہونا

اگر چہ اس ذاتی حرکت میں ایک لحاظ سے فرق ہے وہ یہ کہ ان میں سے ایک کا مادہ مثلاً اس طرح ہے کہ وہ سو سال تک صورتوں کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے جبکہ دوسرا مادہ بیس سال تک کی استعداد رکھتا ہے۔ البتہ جو بھی مادہ مبادی عالیہ کی طرف سے فیض قبول کرنے کی لیاقت رکھتا ہو، بغیر کسی رکاوٹ اور وقفے کے اس کو فیض پہنچتا رہتا ہے اور مادہ اپنی استعداد کے ختم ہونے تک، مختلف صورتیں اپناتا رہتا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص نبی یا ولی ہو لیکن فقط بیس سال تک زندہ رہے اور کوئی شخص شقی و گناہگار ہو اور وہ سو سال تک جیتا رہے یا اس کے برعکس کوئی نبی پندرہ سو سال تک زندہ رہے اور کوئی بدکار و شقی انسان فقط تیس سال کے بعد مر جائے۔ ہمیں عمر کے طولانی ہونے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جو چیز اہم اور قطعی ہے وہ یہ کہ سب موجودات اپنی ذات کے لحاظ سے عالم طبیعت میں حرکت کر رہے ہیں۔

اس حرکت میں ایک موجود، عالم طبیعت کی تاریک رات کے آغاز کے ساتھ ہی حرکت میں آجاتا ہے اور مطلع الفجر ﴿سَلامٌ هِيَ حَتّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْر﴾[۱] تک انتہائی سلامتی کے ساتھ پہنچ جاتا ہے اور اس حرکت کے دوران اس کا صفحۂ قلب، ماورائے طبیعت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ پس پہلے دن ہی سے اس آئینہ پر جو چیز چمکتی ہے وہ عالم غیب کی شعاع ہے۔ اس پر آفتاب حقیقت کی شعاعوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پڑتی۔ اس قسم کے لوگ اس نور کے عاشق ہوتے ہیں ان کی توجہ کسی دوسری طرف نہیں ہوتی اور وہ چاہتے بھی نہیں کہ انکے صفحۂ قلب پر سوائے نورالٰہی کے کچھ اور

۱۔ این شب، رحمت وسلامت وتہنیت است تا صبحگاہ۔ سورۂ قدر، آیت ۵۔

جھکے۔ انکے مقابلے میں وہ لوگ کہ جنہوں نے پہلے دن ہی سے اپنے دل عالم طبیعت کی طرف موڑ رکھے ہیں اور وہ عالم بالا کی طرف پشت کیئے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ جب دار طبیعت سے باہر نکلتے ہیں تو ان کی ذات کے ساتھ، برے ملکات چمٹے ہوتے ہیں یہ ایسے تھیلوں کی مانند ہیں کہ جن میں منفی اوصاف وصفات بھری ہوئی ہیں: ﴿ذٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُم﴾ ۔[۱]

یہ دو گروہ اپنے وجود کے پہلے دن ہی سے منزل آخرت کی طرف گامزن ہیں اور دار طبیعت سے خارج ہونے کیلئے حرکت کر رہے، اس لحاظ سے یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ مکّہ میں متولد ہونے والا اشرف موجودات یعنی آنحضورؐ اور اس کے چند سال بعد متولد ہونے والا اشقی و پست موجود دونوں ہی عالم طبیعت سے خارج ہونے کیلئے حرکت کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن جبری حرکت کے دوران، ایک کا لطیف و نازک قلب، اپنے تمام وجود کے ساتھ عالم بالا اور مابعد الطبیعت کی جانب متوجہ تھا گویا اسے اپنے دوست وحبیب کی مرضی کے سوا کسی دوسرے کی مرضی و چاہت نہیں چاہیئے وہ فقط اسی کی رضا حاصل کرنے میں مصروف ہے اسے جو بھی دوست وحبیب کی طرف سے ملتا ہے پر راضی ہے، اگر دندان مبارک شہید کیئے جاتے ہیں تو اس پر بھی راضی ہیں، کیونکہ اسی میں اس کی رضا ہے۔ یعنی دوست کی راہ میں ﴿ضَرْبُ الْحَبِيبِ زَبِيبٌ﴾ ہے۔

لیکن دوسرا شخص کہ جو دو سال بعد پیدا ہوا وہ عالم طبیعت سے خارج ہونے میں رسول خداؐ کے ساتھ شریک تھا۔ لیکن اس کا صفحۂ قلب کس طرف کھلا ہوا تھا؟! وہ بھی جبری حرکت کے ذریعے عالم طبیعت سے اوپر اور افق اعلیٰ کی طرف جا رہا تھا لیکن اس کے دل کا آئینہ، پستی کی طرف رخ کئے ہوئے تھا اور اس پر طبیعت کے اثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ اس پست قلب پر عالم غیب سے نور کی ایک کرن تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت/۲۲۵ اور سورۂ ابراہیم، آیت/۵۱ کی طرف اشارہ ہے۔

فلک میں غیر متناهی استعدادات کا ضروری هونا

اب ہم تناسخ کے قائلین کے اقوال کو پھر شروع کرتے ہیں: اگر نفوس اجرام فلکی سے تعلق پیدا کرلیں تو اس سے فلک میں غیر متناہی استعدادات لازمی ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ نفوس، غیر متناہی ہیں اور اگر یہ کہا جائے نفوس، جسم فلکی کے علاوہ دوسرے اجسام سے تعلق پیدا کرتے ہیں تو بھی غیر متناہی اجسام کا وجود میں جمع ہونا لازم آتا ہے۔ جبکہ یہ دونوں باتیں محال ہیں۔ پس نفوس کے ایک گروہ کو ہمیشہ حیوانات اور انسانوں کے ابدان میں داخل ہوتے رہنا چاہیئے۔

ملا صدرؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: پہلی بات تو یہ کہ کس نے کہا ہے کہ نفوس غیر متناہی ہیں؟ نفوس کے غیر متناہی ہونے پر ہمارے پاس کوئی معتبر دلیل نہیں ہے۔ مشائین، نفوس کے غیر متناہی ہونے کے قائل ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ خداوند متعال، دائم الفیض ہے۔ لہٰذا نفوس کو دائماً خلق ہونا چاہیئے تاکہ یہ فیض ہمیشہ جاری رہے، نفوس، ازلی طور پر دائم الفیض ہونے کی بناء پر خلق ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ متناہی نہیں ہوں گے، لیکن ہمارا کہنا ہے کہ ضروری نہیں فیض الٰہی کا دوام فقط نوع انسان ہی میں منحصر ہو۔ فیض کو ازلی وابدی ہونا چاہیئے لیکن مفاض کو کیسا ہونا چاہیئے (یہ معلوم نہیں)۔ کیا فیض کے دائمی ہونے کے ساتھ کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ مفاض فقط نوع انسان ہی ہو؟

نفوس کا متناهی وغیرمتناهی هونا

ان سب باتوں کے علاوہ بالفرض ہم نفوس کے غیر متناہی ہونے کے قائل بھی ہوجائیں تو بھی کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ عالم مثال میں بھی عالم مادہ کی طرح تزاحم وتدافع واقع ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے۔ ہم عالم مثال میں صورت مثالی کے موجود ہونے کے قائل ہیں۔ مثالی اجسام کے درمیان آپ میں 'تزاحم' نہیں ہوتا۔ لیکن انکے درمیان 'تداخل' ممکن ہے اور مثالی صورتوں کے غیر متناہی ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے اور اجسام کے غیر متناہی ہونے کو باطل کرنے والی ادلہ میں

سے کوئی بھی دلیل اس پر قائم نہیں ہوتی۔ مادی اجسام میں 'تداخل' ممکن نہیں لیکن مثالی اجسام میں تداخل کیلئے کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ پس ہم غیر متناہی مثالی اجسام کے قائل ہو سکتے ہیں۔[۱]

طبیعی وناگھانی موت میں تناسخ کا عدم وقوع

موت، طبیعی ہو یا ناگہانی وحادثاتی دونوں میں تناسخ ممکن نہیں۔ طبیعی موت میں تناسخ اس لئے نہیں ہوتا کیونکہ نفس مستقل ہو کر، افق طبیعت سے گزر جاتا ہے، پھر اس کو دوبارہ طبیعی بنانا ممکن نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے کسی دوسرے مادہ سے ملحق کیا جا سکتا ہے۔ آخر جو چیز ذاتی طور پر مستقل ہو جائے اسے کس طرح دوبارہ غیر مستقل کیا جا سکتا ہے؟ ناگہانی وحادثاتی موت میں بھی، نفس، ناگہانی موت کے واقع ہونے تک، کسی حد تک تجرد حاصل کر لیتا ہے۔ لہذا اسے کسی ایسے مادہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا جو انتہائی ضعیف ہے اور موجودہ تجرد یافتہ نفس کے ساتھ کسی طرح کا تناسب نہیں رکھتا۔ ایسے نفس کو کسی ایسے مادہ میں داخل ہونا چاہیئے کہ جو فی الحال ایسے نفس کی لیاقت رکھتا ہو کہ جس پر اس حد تک تجرد کا افاضہ ہو چکا ہو۔

اس کے علاوہ، جوہری حرکت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر مادہ کا نفس فقط اپنے مادہ کی ترقیات اور تبدلات سے ہی وجود میں آئے (نہ یہ کہ ایک مادہ کے تبدلات سے حاصل ہونے والا نفس، دوسرے مادہ کے ساتھ تعلق پیدا کر لے) پس تناسخ کسی بھی صورت میں ممکن نہیں اور موت کی کسی بھی شکل میں تناسخ حاصل نہیں ہو سکتا۔[۲]

مسخ کے بارے میں بحث

ملا صدرؒ فرماتے ہیں: تناسخ کا ابطال کہ جو ضروریات (دین) میں سے ہے کا 'جسمانی معاد' کہ جو تمام ادیان کی ضروریات میں سے ہے اور اہل مکاشفہ کے مشاہدات سے ثابت شدہ ہے اور

۱۔ تقریرات اسفار، ۔ ۲۔ تقریرات اسفار، ۔

اس کے صحیح ہونے پر برہان بھی قائم کی گئی ہے، کے مسئلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب ہم 'مسخ' کے بارے میں مختصر سی وضاحت کرتے ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے امام علیہ السلام سے عرض کی: ﴿مَا أَكْثَرَ الْحَجِيجَ﴾ (کس قدر زیادہ حاجی ہیں) امامؑ نے فرمایا: ﴿مَا أَكْثَرَ الضَّجِيجَ وَأَقَلَّ الْحَجِيجَ﴾[1] (چیخ و پکار کرنے والے کتنے زیادہ اور حاجی کتنے کم ہیں)۔ پھر امامؑ نے ایک طرف اشارہ فرمایا تو اس شخص نے بندر اور بھیڑیے وغیرہ جیسے حیوانات کے ایک گروہ کو دیکھا کہ جو کعبہ کے گرد گھوم رہے تھے فقط دو تین انسان نظر آ رہے تھے۔

گزشتہ ادیان میں گناہگاروں کے ایک گروہ کا مسخ ہونا (مثلاً بندر وغیرہ ہو جانا)[2] واقع ہوا ہے۔ لہذا یہ بات بھی ضروریات میں سے ہے لیکن خداوند متعال کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت و شرف کی وجہ سے دنیا میں آنحضرتؐ کی امت کیلئے مسخ واقع نہیں ہوتا۔ لیکن نفوس جو ملکات کسب کرتے ہیں آخرت میں ان کی وجہ سے، ان کے ساتھ مناسبت رکھنے والا بدن خلق کریں گے۔ اگر کوئی شخص دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے اور صراط مستقیم پر قرآنی تربیت کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور ملکات فاضلہ وانسانی اخلاق حاصل کرتا ہے تو اسی روح و ملکات و اخلاق کے ساتھ تناسب رکھنے والا اور اسی مشکل وصورت کا انسانی بدن کہ جو احسن الصور ہے خلق کرے گا اور اگر وہ درندگی پر مبنی ملکہ حاصل کر لیتا ہے اور وہ ایک ایسا غضبناک آدمی بن جاتا ہے کہ جو ہمیشہ قتل و غارت پر آمادہ ہوتا ہے اور یہ چیز اس کے اخلاق کا حصہ بن گئی ہو تو آخرت میں اسی کے مطابق اس کا بدن خلق ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے اندر بہت سے برے اخلاق (مثلاً غضب و حرص وغیرہ) جمع کر لیتا ہے تو وہ انواع واقسام کے حیوانات کے عادات سے مخلوط شدہ بدن خلق کرتا ہے اور اس سے کوئی مانع نہیں کہ وہ اپنے مختلف اخلاق کے مطابق ایک بدن خلق کرے اور اس طرح اس پر چند ابدان وصورتوں میں عذاب نازل ہو۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۶ ص ۲۶۱؛ تاریخ الامام محمد الباقرؑ باب ۱۶ احدیث ۶۔

۲۔ سورۂ بقرہ، آیت/۶۵؛ سورۂ مائدہ، آیت/۶۰۔

تناسخ اور مسخ میں فرق

قرآن میں سابقہ امتوں کا مسخ ہونا نقل ہوا ہے۔[۱] اور مسلّم ہے کہ تناسخ کا معاملہ اس صورت میں نہیں تھا کہ انسان کا نفس، اپنے بدن سے نکل کر بندر کے بدن میں داخل ہو گیا ہو اور انسانی بدن جدا پڑا ہو، بلکہ اسی انسانی بدن میں منقلب اور تبدیل ہو جانے کی قوت تھی۔ مسخ ہونے سے پہلے ایسے افراد کے نفس نے انسانی بدن، خلق کیا اور جب حیوانی ملکات نے ترقی کر لی تو اس کے نفس نے ان ملکات کے ساتھ تناسب رکھنے والا بدن خلق کر لیا۔ خلاصہ یہ کہ ملکات کے مطابق کسی بدن کا خلق ہونا، ناقابل انکار چیز ہے جس پر بہت سے آیات اور روایات دلالت کرتی ہیں۔ یہ ایک مبرہن و مدلل مسئلہ ہے کہ جس کے بارے میں انشاء اللہ جسمانی معاد کے باب میں بحث ہو گی۔ رجعت بھی اسی کی مانند ہے۔ تناسخ کے بطلان کی وجہ سے رجعت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ رجعت، تناسخ نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ جب حضرت سید الشہداء علیہ السلام انشاء اللہ جب تشریف لائیں گے تو پہلے آپ نطفے اور جنین کے مراحل طے کریں گے پھر جنین میں آپؑ کی روح داخل ہو گی، ایسا یقیناً نہیں ہو گا۔[۲]

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت/۶۵؛ سورۂ مائدہ، آیت/۶۰۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

چھٹی فصل:

موت یا بھتر زندگی

موت کا ملکوتی زندگی اور ایک وجودی امر ھونا

ظاہری و دنیوی (ملکی) عالم سے باطن و ملکوتی عالم کی طرف منتقل ہونے کا نام 'موت' ہے یا ملکوتی و ثانوی حیات کو 'موت' کہتے ہیں جو ملکی (دنیوی) و اولی حیات کے بعد آتی ہے۔ بہر حال (موت) ایک 'امر وجودی' ہے بلکہ ملکی (دنیوی) وجود سے زیادہ کامل تر ہے، کیونکہ ملکی و دنیوی حیات مردہ طبیعی مادوں سے مخلوط ہے اور ان کی حیات زائل ہونے والا 'عَرَض' ہے۔ اس کے برعکس ذاتی و ملکوتی حیات ہے کہ جس میں نفوس کو استقلال حاصل ہوتا ہے وہ دار، دار حیات ہے اور لوازم حیات کا مقام ہے۔

مختصر یہ کہ حیات ملکوتی کہ جسے موت کہا جاتا ہے تاکہ سننے والوں کیلئے اس کا سننا بھاری نہ ہو، قدرت ذات مقدس کے تابع ہے اور (اس کی) جعل و خلقت سے وابستہ ہے۔[۱،۲]

۱۔ چہل حدیث، ص ۳۲۳۔

۲۔ اس بحث کے آغاز میں حضرت امام خمینیؒ، 'موت کے امر وجودی' کے بارے میں محقق مجلسی کے نظریے کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے: محقق مجلسیؒ کا کہنا ہے کہ: آیہ شریفہ ﴿الذي خلق الموت والحياة ليبلوكم ايكم أحسن عملاً﴾ جس نے موت و حیات کو خلق فرمایا ہے تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے اچھا ہے)، دلالت کرتی ہے کہ 'موت' ایک امر وجودی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو موت، حیات پر طاری ہے یا عدم اصلی ہے۔

آیہ شریفہ کا دلالت کرنا اس بات پر مبنی ہے کہ خلق بالذات اس سے متعلق ہو۔ اگر بالعرض متعلق ہو تو اس --->

نفس کا عالم طبیعت سے نکل کر بدن سے استقلال حاصل کرنا

نطفہ اپنے جوہر میں حرکت کرتا ہے۔ اور ہمیشہ تبدیل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ 'نفس' کی صورت میں بدل جاتا ہے۔ نفس بھی اپنی جوہری حرکت کے ساتھ، حرکت کرتا ہے اور تجرد کے مختلف درجات و مراتب تک جا پہنچتا ہے۔ اگر چہ وہ اپنے وجود کے مراتب میں سے بعض مرتبوں پر طبیعی وجود ہوتا ہے لیکن ہمیشہ حرکت جوہری کے سبب سے اس کا تجرد زیادہ سے زیادہ ہوتا رہتا ہے اور اس کا طبیعی چہرہ، کم سے کمتر ہوتا جاتا ہے اور آخر کار وہ (عالم) طبیعت سے خارج ہو جاتا ہے۔

یہ موجود کہ جو تدریجاً طبیعت سے نکلتا ہے دراصل وہی اولی صورت طبیعی محض ہے کہ جو حرکت جوہری کے ذریعے اوپر گئی ہے اور جس نے قدم بہ قدم اپنے آپ کو (عالم) طبیعت سے مرحلہ وار آزاد کرایا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر (عالم) طبیعت سے نکال لیتا ہے تو مستقل ہو جاتا ہے اور اس کا استقلال یہی ہے کہ وہ آخری درجے تک (عالم) طبیعت سے رہائی پالیتا ہے۔ جونہی وہ مستقل ہوتا وہ طبیعت سے بھی نکل جاتا ہے۔

انسان کی 'موت' نفس کے استقلال حاصل کرنے کے بعد ہوتی ہے نہ یہ کہ (پہلے) موت آتی ہے پھر انسان (عالم) طبیعت سے خارج ہوتا ہے۔ (بلکہ) جونہی اسے استقلال حاصل ہوتا ہے یعنی وہ (عالم) طبیعت سے نکلتا ہے تو اسی وقت وہ مر جاتا ہے (یعنی عالم طبیعت سے نکلنا ہی مرنا ہے)۔[1]

<-- پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ جیسا کہ محققین کا کہنا ہے۔ بالفرض یہ دلالت ہو بھی تو اس احتمال کی کوئی وجہ نہیں کہ موت، عدم اصلی ہے۔ کیونکہ عدم اصلی کا وجودی ہونا، جمع نقیضین ہے۔ جبکہ موت کو بمعنیٰ عدم اصلی جاننا بذات خود صحیح نہیں ہے۔ بہر حال تحقیق یہ ہے کہ موت....

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

عالم طبیعت سے برزخ کی جانب تدریجی خروج

جو شخص واقعیات پر نظر رکھتا ہے وہ سمجھ جائے گا کہ جس طرح بدن کے اجزا تحلیل ہوتے ہیں اور تحلیل شدہ اجزا کی جگہ دوسرے اجزا آ جاتے ہیں، اسی طرح عالم برزخ بھی، عالم طبیعت کے تحلیل ہونے کے بعد اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ چونکہ خود طبیعت بھی تدریجاً تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ اگر ہم حقیقت بین آنکھ رکھتے تو آسانی کے ساتھ اپنے جوہر طبیعی کو عالم برزخ کے مناسب جوہر میں تبدیل ہوتا دیکھ لیتے اور مشاہدہ کرتے کہ کس طرح انسانی وجود، حرکت جوہری کے ساتھ بتدریج (عالم) طبیعت کو چھوڑ رہا ہے اور اس کی باطن ذات آہستہ آہستہ برزخی ہوتی جا رہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، ہم مشاہدہ کرتے کہ اصل ہویت اور شخصیت (انسان)، (طبیعت) کے نقص سے (تجرد برزخی) کے کمال کی جانب رخ کئے ہوئے ہے اور طبیعی پہلو، کچھ مدت کے بعد تکاملی حرکت کرنے کے ساتھ، برزخی پہلو میں تبدیل ہو رہا ہے اور خود طبیعت کمزوری وضعف کی طرف بڑھ رہی ہے۔ مثلاً بدن کی جلد میں جُھرّیاں پڑ جاتی ہیں، اگر بدن کمزور ہو جائے تو اس کا موٹا ہونا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کان، کم سننے لگتے ہیں، آنکھوں کا نور کم ہو جاتا ہے اور معدے کے اعضاء پہلے کی طرح فعالیت نہیں کرتے لہذا نظام ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور اعضائے (بدن) میں لرزہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ ان سب باتوں کا سبب وہی مراتب طبیعت کا تجرد برزخی میں تبدیل ہونا اور نفس کا عالم طبیعت کو چھوڑنا ہے۔

زندگی کی ابتدا ھی سے موت کا انسان کے همراہ ہونا

اگر انسان طبیعی زندگی کے آخری لحظات میں، متوجہ ہو اور 'موت' کو عینی مشاہدہ کے ساتھ درک کرے تو وہ دیکھے گا کہ زندگی طبیعی کے شروع ہوتے ہی تدریجاً موت کا آغاز ہو چکا تھا اور (یہ موت) ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اور عزرائیلی کارکن پہلے دن ہی سے طبیعت سے نفس کو کھینچنے کا قصد رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حیات طبیعی کے آخری لحظات میں، عالم طبیعت

سے (نفس) کا جو مختصر سا رابطہ رہتا ہے، اسے قطع کر دیتے ہیں اور انسان، عالم برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جیسے پھل کا درخت سے رابطہ تدریجاً کم ہوتا رہتا ہے اور جب وہ ایک کمزور سا رابطہ درخت کے تنے سے قائم کیے ہوتا ہے، آخر کار ایک خفیف سی حرکت سے وہ اتصال اور رابطہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ 'موت' اسی مختصر سی حرکت کی مانند ہے کہ جس کے ذریعے، عالم طبیعت سے بچا کچھا رابطہ، کلی طور پر ٹوٹ جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر، ایک وجود وحدانی، حرکت جوہری کے ساتھ ہمیشہ، کمال کی جانب بڑھ رہا ہوتا ہے اور طبیعت سے تدریجاً جدا ہونے کا قصد رکھتا ہے۔ اس کا طبیعت کے ساتھ رابطہ، پوری عمر کے دوران کمزور ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ 'احتضار' کی حالت میں، طبیعت کی آخری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ مادہ اور مادیات سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ مکمل طور پر عالم طبیعت سے جدا ہو جاتا ہے۔ پس 'حالت احتضار' عالم طبیعت کے ساتھ آخری وداع ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر موجود اپنی پوری ذات اور جوہر کے ساتھ، (عالم) طبیعت سے خارج ہونے کا قصد کر لیتا ہے۔[1]

قوتوں اور ادراکات کا ضعیف ہو جانا

جب ارادۂ حق اس بات سے متعلق ہو جاتا ہے کہ وہ تمہیں اس دنیا سے اٹھا لے تو وہ تمہاری تمام قوتوں کو کمزور و ضعیف ہو جانے کا حکم دیتا ہے اور تمہارے تمام ادراکات کو فرمان دے دیتا ہے کہ وہ اپنا کام چھوڑ دیں۔ وہ تیرے کارخانہ وجود کو مختل و خراب کر دیتا ہے، تم سے سننے اور دیکھنے کی حس اور قوت و طاقت لے لی جاتی ہے اور اس طرح تم ایک ایسے جماد بن جاتے ہو کہ جس کی بدبو سے چند روز بعد لوگوں کے مشام تکلیف محسوس کرنے لگتے ہیں اور تیری صورت و شکل سے لوگ بھاگنے لگتے ہیں۔ اور تیرے تمام اعضا و اجزا، تھوڑی ہی مدت بعد ایک دوسرے سے جدا ہو کر (ادھر ادھر) بکھرنے لگتے ہیں۔[2]

۱۔ تقریرات اسفار، ۲۔ چہل حدیث، ص ۴۹۔

طبیعی حرکت کے ختم ہوتے ہی طبیعی موت کا آجانا

عالم طبیعت سے خارج ہونے اور اکتساب فضائل کے درمیان رابطے کے معیار کے بارے میں یہ کہنا چاہیئے کہ فضائل کا اکتساب، طبیعت سے خارج ہونے میں ممدّ ومعاون ثابت ہوتا ہے نہ یہ کہ اگر کوئی انسان چند معقولات حاصل کرلے تو اسے (حتماً) عالم طبیعت سے نکل جانا چاہیئے۔ عالم طبیعت سے نکلنا، اس بات پر موقوف ہے کہ موجود اپنی سیر طبیعی کو مکمل کرلے اور یہ ایک قہری وجبری امر ہے۔ جب تک طبیعی حرکت وسیر مکمل نہیں ہوگی، طبیعی موت (بھی) حاصل نہیں ہوگی اگر اختر امی (حادثاتی) موت آجائے تو یہ اپنی سیر طبیعی کو مکمل کرنے سے قاصر ہے۔ لہذا ممکن ہے کوئی شخص زیادہ معقولات جانتا ہو لیکن اس کی طبیعی حرکت ختم نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ عالم طبیعت سے خارج نہ ہو۔ لیکن اگر اس نے اپنی سیر طبیعی کو مکمل کرلیا تو فضائل کا اکتساب اس کی مدد کرے گا کہ وہ سیر رحمانی بھی حاصل کرلے اور وہ جب تجرد عقلانی کے کامل مرتبے تک پہنچ جاتا ہے تو عقلانی موجودات کے رشتے میں (داخل ہوکر) ابدیت حاصل کرلیتا ہے اور اگر اس نے رذائل کو کسب کیا تو یہ بات، اسے شیطانی تربیت کے زیر سایہ، عقلی سیر کرنے میں مدد دیتی ہے اور ایک عقلانی موجود، شیطانی ہوجاتا ہے کہ جس کے بعد اس کی نجات محال ہے اور ابدی ودائمی جہنم میں رہیگا۔[۱]

نقص سے کمال کی طرف منتقل ہونا

مرنا، فنا نہیں ہے، مرنا ایک نقص سے کمال کی طرف منتقل ہونا ہے۔[۲]

موت کا حقیقی زندگی ہونا

مرنا، ہلاکت نہیں (بلکہ) حیات ہے، وہ عالم (آخرت) حیات اور زندگی ہے۔ یہ عالم (دنیا) مردہ ہے، مرنے سے نہ ڈریں اور ہم نہیں ڈرتے، وہ لوگ ڈریں کہ جو مرنے کو فنا وہلاک

۱۔ تقریرات اسفار، ۲۔ تفسیر سورۂ حمد، ص ۱۰۹۔

ہو جانا سمجھتے ہیں اور 'موت' کو انسان کا خاتمہ جانتے ہیں۔[1]

حیات کا بلندترین مرتبہ

ہم خیال کرتے ہیں کہ یہاں کی زندگی ایک قابل قدر چیز ہے اور یہاں نہ ہونا ایک قسم کا نقص ہے درحالیکہ یہاں کی زندگی، اس حقیقت کا پست ترین مرتبہ ہے کہ جو عالم غیب سے آئی ہے اور موت، اگر انسانی موت ہو تو اسی مرتبہ کی طرف رجوع ہے کہ جو پہلے سے موجود تھا البتہ مراتب اور شوون مختلف ہیں۔[2]

موت کی اقسام

طبیعی موت (اجل حتمی)

ہم میں سے اکثر کو 'اخترامی موت' آتی ہے نہ کہ 'طبیعی موت'۔ طبیعی موت، معصوم کیلئے ہے کہ جو ﴿حَتّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾[3] کے مطابق سلامت ہے۔

'طبیعی موت'، کہ جو کبھی بھی ایک لحظہ نہ آگے ہوتی ہے نہ پیچھے ﴿لا یتأخّر ساعة ولا یتقدّم﴾ ایک وقت ہے کہ مادہ جس قدر قبول فیض کی استعداد رکھتا ہے، اس پر صور کا افاضہ ہوتا رہتا ہے اور جب مفاض کی جانب جو کچھ ممکن تھا، عطا ہو جاتا ہے اور محل قابل (قبول کنندہ) بھی جس قدر استعداد قبولیت رکھتا تھا، دریافت کر لیتا ہے اور اس کی تمام قوتیں، فعلیت تک جا پہنچتی ہیں اور نفس مستقل ہو جاتا ہے تو پھر ممکن نہیں کہ ایک آن و لحظے کیلئے، نفس، بدن میں باقی رہے۔

بدن سے نفس کا نکلنا، اپنی مرضی و پسند کی بات نہیں بلکہ نفس کا مکمل استقلال ہی بدن سے نفس کے نکلنے کا (باعث بنتا) ہے اور یہ استقلال انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ موجود کی

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۷ ص ۱۸۴۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج ۱۹ ص ۲۸۵۔ ۳۔ سورۂ قدر، آیت / ۵۔

قہری و جوہری حرکت کے مطابق ہے۔

جوہری حرکت ایک ایسا امر ہے کہ جو اپنی حقیقت و ہویت کے لحاظ سے متصرّم اور متدرج ہے اور ﴿فطام النفس عن الطبیعة﴾ کا مطلب بھی حرکت کا جوہر میں آخر تک پہنچ جانا ہے۔ ذات النفس، عین حرکت ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ کمالی و جوہری حرکت نہ رکھتا ہو ورنہ انقلاب ذات، پیش آ جاتا ہے۔ اگر نفس کی حرکت جوہری، اس جگہ پہنچ جائے کہ جہاں اسے حرکت جوہری کے مطابق پہنچنا چاہیئے تھا تو نفس مستقل ہو جاتا ہے۔ اور فطام (فراق) از طبیعت واقع، ہو جاتا ہے۔ یہ محال ہے کہ فطام ایک لحظہ، ادھر یا اُدھر ہو جائے۔ ﴿لاَ یَستَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ یَستَقدِمُونَ﴾[1] اور یہ آیہ وہی 'اجل حتمی' ہے کہ جس کے بارے میں روایات میں اشارہ ہوا ہے۔

اخترامی موت (اجل معلّق)

دوسری موت 'اخترامی موت' ہے کہ روایات میں جسے 'موت معلق اور اجل معلّق' سے تعبیر کیا گیا ہے۔[2] یہ اس طرح نہیں کہ اس کی تا خیر و تقدیم (آگے پیچھے ہونا) ممکن نہ ہو۔ یہ موت، بیرونی حادثات سے حاصل ہوتی ہے، حالانکہ مادہ میں، صورت کو قبول کرنے کی استعداد باقی ہوتی ہے اور صورت و نفس ابھی تک، اس مادہ میں تکامل پیدا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں، اور نفس کی جوہری حرکت بھی ابھی ختم نہیں ہوئی اور مادہ کی استعداد بھی آخری مرحلہ تک نہیں پہنچی۔ لیکن باہر سے بدن میں ایک خلل واقع ہو جاتا ہے۔ مثلاً انسان چھت سے گر جاتا ہے یا گاڑی کے نیچے آ جاتا ہے یا کوئی گولی وغیرہ اسے لگ جاتی ہے۔ اگر یہ بیرونی خلل واقع نہ ہوتا، تو اس کا مادہ تو

۱۔ سورۂ اعراف، آیت ۳۴۔

۲۔ عن ابی جعفرؑ قال: ﴿سَالتُهُ عن قَولِ اللهِ عزَّ وجلّ: قَضىٰ أجلاً و أجلٌ مُسمّى عِندهُ قال: هما أجلان: أجلٌ مَحتُومٌ و أجلٌ مَوقُوفٌ﴾۔

اصول کافی، ج ۱ ص ۱۴۷ کتاب التوحید، باب البدا، حدیث ۴۔

ابھی تک صور کو قبول کرنے اور (مزید) تکامل حاصل کرنے کی استعداد رکھتا تھا اور اس کا نفس بھی ابھی مستقل نہیں ہوا تھا اور بدن کو (اس کی) ضرورت تھی۔ لیکن ایک خلل جو اس میں باہر سے پیدا ہوا ہے، اس نے بدن کو خراب کر دیا ہے یا اس کی ہڈیاں توڑ دی ہیں یا داخلی موانع ایجاد ہو گئے ہیں اور انھوں نے بدن کو برباد کر کے اس کی اس صلاحیت و لیاقت کو ختم کر دیا ہے کہ اس میں نفس باقی رہے۔ اس جگہ گھر نیچے آ گرتا ہے اور نفس کو مجبوراً وہاں سے نکلنا پڑتا ہے۔ اس دوران اگر طبیب وڈاکٹر، بدن کے خلل و (مرض) کو دور کر سکے اور اس کی اصلاح کر سکے اور اس برباد شدہ عمارت کو دوبارہ ایسی عمارت میں (تبدیل) کر سکے کہ جس میں نفس اپنی حرکت کو جاری رکھ سکے۔ البتہ ایسا بھی نہیں کہ نفس اس خرابی و خلل کو دور کرنے میں مدد نہیں کرتا بلکہ اس سلسلے میں اہم کام وہی انجام دیتا ہے۔

بہر حال اگر اس خلل (اور بیماری) کو طبیب اور ڈاکٹر نے دور کر لیا یا کسی نبی یا ولی یا اہل کرم وکرامات کے ذریعے کوی اعجاز وکرامت رونما ہو گئی اور یہ تباہ شدہ گھر دوبارہ تعمیر ہو گیا تو نفس، بدن میں باقی رہتا ہے چونکہ ابھی نفس مستقل نہیں ہوا اور بدن کی استعدادیں مکمل طور پر فعلیت کو نہیں پہنچی لہذا موت واقع نہیں ہوتی

یہ موت اس بات پر معلق تھی کہ طبیب باہر سے (آ کر بدن کی) تعمیر میں مشغول نہ ہوتا، ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جوڑی نہ جاتیں یا کوئی اہل کرامت اپنے نفس کیمیا کے ذریعے اس خلل ومرض کو دور نہ کرتا یا اس بدن پر حملہ آور ہونے والے جراثیم، طبیب کی تلخ دوا سے ختم نہ ہو جاتے (تو یہ موت واقع ہو جاتی) اور یہ گھر گر پڑتا۔ اسی موت (معلق) کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

گفتم به کجا می روی ای جان من　　　　گفتا چه کنم خانه فرو می آید

چونکہ گھر، گر جاتا ہے تو نفس (بھی وہاں سے) چلا جاتا ہے اور اگر کوئی گھر کو گرنے سے بچالے تو نفس بھی وہاں سے نہیں جاتا۔ لیکن 'حتمی موت' میں نفس چلا جاتا ہے، چونکہ گھر گر پڑتا ہے اور اس (گھر) کا گرنا اور اس (نفس) کا چلا جانا ایسی چیز نہیں کہ جو کسی شفاعت کنندہ کی شفاعت

سے رک جائے۔[1]

طبیعی واخترامی موت کے بارے میں ایک دوسرا بیان

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ نفس، بدن کی صورت ہے اور بدن ذاتاً نفس کے تابع ہے اور نفس اپنی جوہری حرکت اور تجرد کے سبب، عالم مادہ سے استقلال حاصل کرکے، عالم غیب کی جانب، حرکت کررہا ہے۔ لہٰذا جس قدر اس کا تجرد زیادہ ہوتا ہے، عالم غیب میں اس کا مجذوب ہونا بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے اور طبیعت میں اس کی مشغولیت کمتر ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدن، نفس کے قطع نظر کے نتیجے میں، تدریجاً تھکاوٹ، افسردگی، کمزوری انحطاط، قویٰ کی سستی سے دوچار ہوجاتا ہے۔ یہاں تک نفس مکمل استقلال تک پہنچ جاتا ہے۔ اس جگہ وہ بطور کلی، بدن کو (اپنے سے) دور کردیتا ہے اور کاملاً، طبیعت سے اعراض کرنے لگتا ہے۔ مدتوں کے اس تدریجی وقہری (جبری) اعراض کے بعد اس کا بدن سے جدا ہونے کیلئے حرکت کرنا ہی 'طبیعی موت' کہلاتا ہے۔

کبھی اس سے پہلے کہ یہ طبیعی سیر وحرکت اور مقدّر (شدہ) راہ اور حرکت ختم ہوجائے، باہر سے نقصان بدن کو پہنچ جاتا ہے جو اس کی قابلیت واستعداد کو ختم کردیتا ہے اور نفس کی تکمیل سے مانع ہونے لگتا ہے کہ جو مادہ بدن کی صورت ہے۔ البتہ ایسا مادہ پھر نفس کی تدبیر کے قابل نہیں رہتا اور اس کے ذریعے، تکامل اور طبیعی سیر وحرکت جاری نہیں رکھی جاسکتی۔ جب اس طرح مادہ، اپنی قابلیت کھودیتا ہے تو صورت اس سے جدا ہوجاتی ہے۔ حرکت جوہری کے ذریعے کمال کی طرف رواں دواں نفس، اس سے پہلے کہ (اپنے) آخری مرتبہ کو پہنچے کہ جو اسے 'بشرط لا' میں امانت کے طور پر دیا گیا تھا۔ اپنے مادہ کی استعداد ولیاقت کے ختم ہوجانے کے سبب قہری وحتمی مفارقت وجدائی سے دوچار ہوجاتا ہے اور اپنا مقصد وحاجت پوری کرنے سے پہلے، زمانے کے حادثات اس کچے پھل کو توڑ ڈالتے ہیں اور حوادث کی خزاں سے یہ شگوفہ مرجھا جاتا ہے اور اپنے کمال تک نہیں

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

پہنچ پاتا۔ یہی 'اختر امی موت' کے معنیٰ ہیں۔ یہاں یہ شعر برمحل ہے:

گفتم به کجا می روی ای جان من گفتا چه کنم خانه فرو می آید[1]

اختیاری موت

﴿فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾[2] خداوند تبارک وتعالیٰ، کوہ طور میں یا خود موسیٰ کے جبل انیت میں تجلی کرتا ہے اور موسیٰ 'صَعِق' 'بیہوش' ہو جاتے ہیں۔ انبیاء واولیاء اور انبیاء اور وہ افراد جن کا مقام انبیاء سے قریب تر ہوتا ہے اپنی زندگی میں خدا اور اپنے درمیان حجاب بننے والی چیزوں کو توڑ ڈالتے ہیں اور ان کیلئے 'صعق' (بے ہوشی) حاصل ہو جاتی ہے اور وہ 'اختیاری' موت، مرجاتے ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ ان پر تجلی کرتا ہے اور ان پر عقلی وباطنی اور روحی وعرفانی نگاہ کے مطابق، نگاہ کرتا ہے اور وہ جلوۂ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کا ادراک کرتے ہیں۔[3]

شہادت کی حقیقت اور مقام

شہادت کا حیات جاوید ہونا

'شہادت' موت نہیں بلکہ ایک حیات جاوید ہے۔ انسان حیات جاوید کیلئے ہی شہادت طلب کرتا ہے۔[4]

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

۲۔ جب نور خدا کی تجلی پہاڑ پر ہوئی تو اسے ریزہ ریزہ کردیا۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳۔

۳۔ صحیفۂ امام، ج ۱۳ ص ۵۱۴، ۵۱۵۔

۴۔ صحیفۂ امام، ج ۹ ص ۴۵۱۔

شہدا ربّ کے ہاں رزق پاتے ہیں

شہدا زندہ ہیں اور خداوند تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾[1] ہیں۔ وہ اس وقت، خداوند تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں، معنوی ور دائمی روزی حاصل کررہے ہیں۔ جو کچھ انکے پاس خدا کی طرف سے تھا۔ وہ انھوں نے خدا کے حضور پیش کردیا ہے۔ انکے پاس ایک جان ہی تھی وہ انھوں نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کردی ہے۔ اور خداوند تبارک وتعالیٰ نے انھیں قبول کرلیا ہے اور قبول کررہا ہے۔[2]

مقام شہداء کی عظمت

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾[3]

اس آیۂ کریمہ میں دنیوی زندگی کے بعد کی زندگی کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ آخرت میں تمام انسان اختلاف مراتب کے ساتھ، حیوانی زندگی اور حیوانی زندگی سے پست تر زندگی سے لے کر انسانی اور اس سے اوپر کی زندگی کے حامل ہوں گے۔ راہ حق کے شہداء کا عظیم شرف یہ ہے کہ وہ عندالربّ حیات رکھتے ہیں اور ضیافت اللہ میں وارد ہو چکے ہیں۔ شہداء کی زندگی اور روزی، بہشت کی زندگی اور روزی کے علاوہ ہے۔ یہ لقاء اللہ اور ضیافت اللہ ہے۔ کیا یہ وہی نہیں جو نفس مطمئنہ کے حامل افراد کیلئے فرمایا گیا ہے کہ: ﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ☆ وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾[4] جس کا واضح ترین مصداق سید الشہداء سلام اللہ علیہ ہیں۔[5]

۱۔ وہ خداوند کے حضور رزق حاصل کررہے ہیں۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۶۹۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج۱۴ ص ۲۵۸۔

۳۔ جو لوگ راہ خدا میں قتل ہوگئے ہیں، ہرگز انھیں مردہ خیال نہ کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور رزق حاصل کررہے ہیں۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۶۹۔

۴۔ پس میرے بندوں کے زمرے میں داخل ہوجاؤ۔ اور میری جنت میں داخل ہوجاؤ۔ سورۂ فجر، آیت/۲۹، ۳۰۔

۵۔ صحیفۂ امام، ج۱۸ ص ۳۲۵۔

فقط انسان کامل کا حقیقت شہادت کو درک کرسکنا

راہ خدا میں شہادت کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے بشری معیار و میزان کے ساتھ پرکھا جاسکے اور مادی محرکات سے اس کی قدر و قیمت معلوم کی جاسکے۔ راہ حق کے شہید کے بلند مقام اور الٰہی ہدف کو امکانی نظر کے ساتھ نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس کی عظیم قدر و منزلت کے ادراک کیلئے الٰہی معیار اور ربوبی نظر، ضروری ہے۔ نہ صرف یہ کہ ہم خاک نشین ان تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے، بلکہ افلاک نشین بھی ان کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہیں۔ کیونکہ ان کا (یہ مقام و مرتبہ) 'انسان کامل' کے مختصات میں سے ہے اور ملکوتی بھی اس اسرار آمیز مقام سے کوسوں دور ہیں۔[1]

شہادت کا ثمرہ، وجہ اللہ پر نظر کرنا ہے

رسول اکرمؐ سے منقول ایک راویت میں ہے کہ شہید کی سات خصوصیات ہیں، پہلی خصوصیت یہ ہے کہ جونہی اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے اس کے تمام گناہ، بخش دیئے جاتے ہیں۔ اہم خصوصیت آخری ہے وہ یہ کہ (بمطابق روایت) فرماتے ہیں: شہید 'وجہ اللہ'[2] پر نگاہ کرتا ہے۔ اور یہ 'وجہ اللہ' پر نظر کرنا ہر شہید اور ہر نبی کیلئے آسان ہے۔ شاید یہاں نکتہ یہ ہو کہ ہمارے اور حق تعالٰی اور وجہ اللہ اور تجلیات حق کے درمیان پائے جانے والے تمام حجابات، 'خود انسان' کے حجاب کی طرف پلٹتے ہیں۔ خود انسان سب سے بڑا حجاب ہے۔ تمام حجابات خواہ ظلمانی ہوں یا نورانی سب کے سب خود انسان کے حجاب کی طرف پلٹتے ہیں۔ ہم خود اپنے اور 'وجہ اللہ' کے درمیان حجاب ہیں۔ اگر کوئی راہ خدا میں اور فی سبیل اللہ اس حجاب کو اٹھادے، اس پردے کو چاک کر ڈالے اور اپنے سرمائے یعنی زندگی و حیات وہ بارگاہ الٰہی میں پیش کردے تو اس کے تمام حجابات مبدأ چاک

۱۔ صحیفۂ امام، ج۱۸ص۴۷۔

۲۔ قال رسول اللہؐ: للشہید سبع خصال من اللہ اول قطرۃ من دمہ مغفور لہ کل ذنب... والسابعۃ ان ینظر فی وجہ اللہ وانما لراحۃ نبی وشہید۔ وسائل الشیعہ، ج۱۱ص۹، ۱۰ کتاب الجہاد، ابواب العدو و ما یناسبہ، باب ا حدیث ۲۰۔

ہو جاتا ہے۔ یہ خود کو توڑنا ہے۔ یہ خود بینی اور اپنی شخصیت کو توڑنا ہے (چونکہ) اس نے (سب کچھ) پیش کر دیا ہے اور خدا کیلئے جہاد کیا ہے اور خدا کیلئے دفاع کیا ہے۔ خدا کے ملک اور آئین کا دفاع کیا ہے۔ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ اس نے انتہائی خلوص سے پیش کر دیا ہے، اپنا آپ پیش کر دیا ہے اور یہ ہے حجاب کو چاک کرنا۔ اس سے پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

'وجہ اللہ' پر نظر کرنا، انسان کا انتہائی کمال ہے

شہداء خداوند تبارک وتعالیٰ کے راستے میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنی سب سے قیمتی چیز خدا کے حضور پیش کر دیتے ہیں۔ اس کے عوض میں خداوند تعالیٰ حجاب اٹھ جانے کے بعد ان کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے، انھیں اپنی تجلّی دکھاتا ہے۔ انبیاءؑ کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے چونکہ ان کا ہر کام خدا کیلئے ہوتا ہے، وہ اپنی خودی کو نہیں دیکھتے، اپنے آپ کو خدا کی جانب سے جانتے ہیں، اپنے لیے (کسی چیز) کے قائل نہیں ہوتے وہ خدا کے مقابلے میں اپنی کسی حیثیت کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ بھی حجاب کو اٹھا دیتے ہیں اس روایت کے مطابق شہید بھی انبیاءؑ کی طرح ہوتا ہے، جب وہ شہید ہوتا ہے تو اپنی ساری حیثیت راہ خدا میں دے دیتا ہے۔ (اس کے عوض) خداوند تبارک وتعالیٰ اس کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اور وہ بھی خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ انسان کو حاصل ہونے والا یہ انتہائی کمال ہے۔ یہ روایت کہ جو کافی میں نقل ہوئی ہے، یہ روایت، انبیاءؑ کو شہداء کے برابر قرار دیتی ہے۔ کیونکہ جو جلوہ خداوند متعال، انبیاءؑ کو دکھاتا ہے وہی جلوہ، شہداء کو بھی دکھاتا ہے۔ شہید بھی 'وجہ اللہ' کو دیکھتا ہے۔ اس نے بھی انبیاء کی طرح حجاب کو چاک کر دیا ہے۔ یہ انتہائے کمال ہے کہ جو انسان کیلئے ممکن ہے۔ یہ شہداء کیلئے خوش خبری ہے۔ یہ انبیاءؑ کی (بھی) آخری منزل ہے۔ شہداء بھی اپنی وجودی حدود کے مطابق اس آخری منزل تک پہنچتے ہیں۔[۱]

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۱۳ ص ۵۱۳۔ ۵۱۵۔

مقام 'جمع الجمع' میں حضور وشہود

جن شجاع لوگوں نے ،راہ شہادت کا انتخاب کیا ہے اور جو عالم ادنیٰ اور دنیائے سفلیٰ کی زندگی سے ہجرت کر کے، وادی ایمن اور ملکوت اعلیٰ تک پہنچے ہیں۔ جنہوں نے حیات کی تلاش میں، سرچشمہ پیدا کرلیا ہے۔ ﴿اِرْجِعِي اِلىٰ رَبِّكِ﴾۱ کے جرعہ سے سرمست اور سیراب ہو کر، روئیت جمال اور رضایت حق کے کشف سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ ﴿وَكَفىٰ بِهِمْ فَخراً﴾ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب یہ عاشق شہادت، شرف وعزت کی سواری پر اپنی معراج کی طرف جا چکے ہیں اور عظمت حق کی بارگاہ میں اور مقام 'جمع الجمع' میں، شہود وحضور تک جا پہنچے ہیں اور (وہاں سے) وسیع وعریض زمین پر، اپنی شجاعت ورشادت اور ایثار وقربانی کا نظارہ کر رہے ہیں۔۲

رضوان خدا اور انبیاء واولیاء کی همجواری

خداتعالیٰ ان کی جان کا خریدار ہے۔ اس نے ان کیلئے بے حساب اجر وثواب قرار دیا ہے اور ان کو ابدی ودائمی زندگی عطا کیا ہے اور یہی عاشقوں اور مشتاقوں کی انتہائے آرزو اور عارفین کی امیدوں اور عمل کی انتہا ہے۔ ﴿يٰالَيْتَنا كُنّا مَعَهُم﴾۳ ان شہیدوں کو لذت انس مبارک ہو اور انبیائے عظامؑ واولیائے کرامؑ اور صدر اسلام کے شہداء کی ہمجواری گوارا ہو۔ اس سے زیادہ، رضایت حق کی نعمت مبارک ہو 'رضوان من اللہ اکبر'۔۴، ۵

۱۔ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ۔ سورۂ فجر، آیت/۲۸۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج ۲۰ ص ۱۹۶۔

۳۔ یالیتنی کنت معهم فافوز فوزاً عظیماً ۔(اے کاش ہم بھی انکے ساتھ ہوتے اور فوز عظیم پر فائز ہوتے)۔ اقتباس از بحارالانوار، ج ۹۸ ص ۱۵۷۔

۴۔ خداوند کی خوشنودی سب سے بڑھ کر ہے۔ سورۂ توبہ، آیت/۷۲۔

۵۔ صحیفۂ امام، ج ۲۰ ص ۳۷، ۳۸۔

موت کو خلق کرنے کی علت

موت کو خلق کرنے کا سبب

فطرت وخلقت کی ابتدا میں انسانی نفوس، سوائے استعداد محض اور نفس قابلیت کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ ہر قسم کی شقاوت وسعادت کی فعلیت سے محروم ہوتے ہیں۔ طبیعی وجوہری اور فعلی واختیاری حرکات کے تحتِ تصرف آنے کے بعد، ان کی استعدادیں، فعلیت میں بدل جاتی ہیں اوران میں تمیزات حاصل ہوجاتے ہیں۔

پس ملکی (ودنیوی) زندگی کے باعث شقی وسعید اور کھرے وکھوٹے کے درمیان امتیاز پیدا ہوجاتا ہےاور تخلیق حیات کا مقصد (بھی) نفوس کا امتیاز اور اختیار ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ خلق ہی کے اوپر امتحان کا دارومدار ہے۔رہا تخلیق موت کا مسئلہ تو وہ بھی انہی امتیازات میں دخیل ہوتا ہے۔ بلکہ علت کا آخری جز ہے۔چونکہ فعلیات کا معیار انسان کی وہ آخری صورتیں ہیں کہ جن کے ساتھ انسان منتقل ہوتا ہے۔ بہرحال اخروی ملکوتی صورتیں (ہی) امتیازات کا معیار ومیزان ہیں اوروہ جوہری واختیاری دنیوی حرکات کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں......

اور یہ سب نفس کی باطنی صورتیں اورارواح کے واقعی امتیازات ہیں یا یہ غیبی ذاتی امتیازات کے مظاہر ہیں، بلکہ اس بناء پر کہ قلب اور باطن ظاہری اعمال سے متأثر ہوتے ہیں، یہ امتیازات بھی اعمال کے ذریعے واقع ہوتے ہیں۔پس اعمال کا امتحان، ذاتیات کا بھی امتحان ہے......

نشئہ دنیا میں فقط حصول اور تخلیق موت وحیات ہی اعمال حسنہ وسیئہ کے امتیاز کا موجب ہے۔خلقت حیات تو واضح ہے لیکن موت، کیونکہ دنیوی زندگی کے عدم ثبات اوراس فانی دنیا سے انتقال کے علم کے ساتھ ہے۔انسانی اعمال مختلف ہوتے ہیں اورامتیازات حاصل ہوتے ہیں۔[1]

۱۔ چہل حدیث، ص ۳۲۴، ۳۲۳۔

موت سے خوفزدہ ہونے کا سبب

دنیا سے لگاؤ اور وابستگی

جان لو کہ انسان اسی عالم طبیعت کا پیدا کردہ ہے، یہی دنیا اس کی ماں ہے اور وہ اسی آب وخاک کا فرزند ہے۔ اس دنیا کی محبت انسان کے دل میں اپنی نشو ونما کے آغاز ہی میں جڑ پکڑ لیتی ہے۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے یہ محبت بھی اس کے دل میں نشر ونما کرتی رہتی ہے۔ پروردگار عالم نے اُسے اس کی اور بنی نوع انسان کی حفاظت کی خاطر شہوانی قوتیں اور لذتیں بھی عطا فرمائی ہیں جن کی وجہ سے یہ محبت دنیا مزید بڑھ جاتی ہے اور اس میں اس کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس دنیا کو اپنی لذات اور تعیّش پسندی کی جگہ سمجھتا ہے اور موت کو ان چیزوں سے محرومی کا سبب خیال کرتا ہے۔ اگر حکما (فلاسفہ) کے براہین اور انبیاء علیہم السلام کی (غیبی) اخبار سے وہ آخرت کا قائل ہو بھی جاتا ہے (لیکن) پھر بھی اس کا دل وہاں کی کیفیت اور زندگی وکمالات سے (بہر حال) بے خبر ہی رہتا ہے اور وہ قبول ہی نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ وہ مقام اطمینان تک پہنچ جائے۔ اس لئے، اس دنیا کی محبت اس کے دل میں زیادہ ہو جاتی ہے۔

بقا سے محبت اور فنا سے نفرت

نیز انسان فطرتاً، بقا سے محبت رکھتا ہے۔ فنا وزوال سے متنفر اور گریزاں ہے۔ عقل کی تصدیق کے باوجود کہ یہ عالم، دارفنا ہے (محض) ایک گزرگاہ ہے، عالم آخرت باقی وسرمدی ہے، پھر بھی موت کو فنا خیال کرتا ہے۔ لیکن اہم بات، یہ ہے کہ یہ عقیدہ دل میں راسخ ہو جائے، بلکہ اس کا مرتبۂ کمال یہ ہے کہ اطمینان کی منزل حاصل ہو جائے۔ جیسے حضرت ابراہیم خلیل الرحمانؑ نے حق تعالیٰ سے مرتبۂ اطمینان طلب کیا تھا اور خداوند نے وہ درجہ انہیں مرحمت فرما دیا تھا۔[۱]

۱۔ اشارہ ہے آیۂ مبارکہ: ﴿وَاِذْ قَالَ ابْراهِیمُ رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتیٰ. قَالَ: اَوَلَمْ تُؤمِن؟ -->

پس قلوب یا تو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جیسے ہمارے قلوب ہیں، اگر چہ ہم عقلی تصدیق کرتے ہیں۔ یا اطمینان نہیں رکھتے (اس لیے) اس دنیا میں ہمیشہ باقی رہنے کی خواہش رکھتے ہیں اور موت اور اس عالم سے نکلنے کو پسند نہیں کرتے۔ اگر دلوں کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ یہ دنیا، پست ترین عوالم میں سے ہے اور دار فنا و دار تغیر ہے اور ہلاکت و نقصان کا گھر ہے، اور موت کے بعد آنے والے دوسرے عوالم، سب کے سب باقی، ابدی اور کمال و ثبات اور حیات و سرور اور مسرّت کا گھر ہیں تو فطری طور پر اس عالم سے محبت کرنے لگیں گے اور اس پست دنیا سے متنفّر ہو جائیں گے۔ اگر کوئی اس سے بھی اوپر چلا جائے اور شہود و وجدان کی منزل تک جا پہنچے اور اس دنیائے فانی کی باطنی صورت کو دیکھے اور اس عالم (آخرت) کی باطنی صورت کو بھی دیکھے اور اس سے تعلق و لگاؤ کو دیکھے تو یہ (فانی) دنیا اس کی نظروں میں سخت اور ناگوار ہو جاتی ہے اور وہ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پھر وہ اس تاریک زندان اور زمان و تغیر کی غل و زنجیر سے نجات حاصل کرنے کا مشتاق ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اولیائے (کرام) کے کلمات میں اس جانب اشارہ ملتا ہے۔ حضرت مولی الموحدین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهِ لَابْنُ أبي طَالِبِ اٰنَسُ بِالْمَوتِ مِنَ الطفلِ بِثَدْيِ أمّه﴾[۱] 'خدا کی قسم ابو طالبؑ کا فرزند، موت سے اس سے کہیں زیادہ مانوس ہے جتنا کوئی بچہ پستان مادر سے مانوس ہوتا ہے' کیونکہ مولیٰ علیؑ نے ولایت کی آنکھ سے دنیا کی حقیقت کا مشاہدہ کر لیا تھا اور آپ دونوں جہان کے بدلے بھی رحمت باری تعالیٰ کے جوار کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔[۲]

<-- قَالَ: بَلٰی وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبي﴾ -

اور جب ابراہیمؑ (خدا سے) درخواست کی کہ اے میرے پروردگار تو مجھے بھی تو دکھا دے کہ تو مردہ کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا: کیا تمہیں (اس کا) یقین نہیں۔ ابراہیمؑ نے عرض کی (کیوں نہیں) تقین تو ہے (مگر آنکھ سے دیکھنا اس لیے چاہتا ہوں) کہ میرے دل کو پورا اطمینان ہو جائے۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۰۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۵۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۱۲۲، ۱۲۳۔

معاد پر اعتقاد نہ ہونے کے سبب خوفزدہ ہوتا

حضرت علی بن حسین علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کرتے ہیں: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں: کیوں نہیں، ہم حق پر ہیں تو حضرت علی بن حسینؑ فرماتے ہیں: پھر ہم موت سے نہیں ڈرتے ﴿لا نبالي بالموت﴾! موت سے وہ ڈرے کہ جس کے خیال میں مرنے کے بعد کچھ بھی نہ ہو۔ سب کچھ یہی (دنیا) ہو، (یہی) حیوانی زندگی ہو۔ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ سب کچھ یہی ہے اوراس کے بعد کچھ بھی نہیں ہے، (لہذا) ان چند دنوں کی تو حفاظت کرلوں اس لئے وہ اس دنیا سے جانے سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ لیکن مسلمان اور وہ لوگ کہ جن کا قرآن پر اعتقاد ہے، جو اسلام کے معتقد ہیں اور آخرت کے وجود کی افضلیت کے قائل ہیں اور یہاں کی زندگی کو حیوانی زندگی سمجھتے ہیں آخرت میں انسانی زندگی کے ہونے اوراس کے افضل ہونے کے معتقد ہیں ان کو پھر کوئی خوف نہیں رہتا وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ انسان اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے کہ جو اس سے بہتر ہے۔[۲]

مادی زندگی سے افضل زندگی پر اعتقاد نہ ہونا

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم خدا کی طرف سے ہیں اور ہمیں خدا ہی کی طرف جانا ہے۔ ہم کہ جو خدا کی طرف سے ہیں اور ہماری ہر چیز خدا کی طرف سے ہے، لہذا (اسے ہم) خدا کی راہ میں صرف کررہے ہیں۔ ہمیں کوئی باک نہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ ہم خیال کریں کہ دنیا سے جانے کے بعد کچھ بھی نہیں۔ ڈرنا تو ان کو چاہیئے کہ جو قیامت کو اسی جگہ گمان کرتے ہیں جیسا کہ ہے، (اسی طرح) بعثت کو بھی اسی جگہ خیال کرتے ہیں۔ اوراسے امت کی بعثت جانتے ہیں نہ کہ انبیاءؑ کی بتائی ہوئی بعثت اور وہ قیامت کے بھی منکر ہیں۔ ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کیونکہ وہ حیوانی موت کو انسانی موت پر ترجیح دیتے ہیں۔[۳]

۱۔ تاریخ طبری، ج۴ص ۳۰۸۔
۲۔ صحیفۂ امام، ج۷ص ۲۷۶۔
۳۔ صحیفۂ امام، ج۱۵ص ۱۳۹۔

دنیا وما فیھا سے محبت اور وابستگی

دنیا کی محبت اوراس سے وابستگی کاایک برانتیجہ یہ ہے کہ انسان موت سے ڈرنے لگتا ہے، دنیا کی محبت اور اس سے قلبی لگاؤ کی وجہ سے پیدا ہونے والا یہ خوف، بہت مذموم ہے، اور یہ مرجع (قیامت) کے خوف کے علاوہ ہے جو کہ مؤمنین کی صفات میں سے ہے۔مرنے کی بڑی سختی یہی (دنیوی) تعلقات کے خاتمے کا دباؤ اور موت کا ڈر ہی ہے۔اسلام کے عظیم مدقّق اور بلند مرتبہ محقّق جناب سید عظیم الشأن ُداماد ُ کرم اللہ وجہہ، اپنی کم نظیر (کتاب) ُقبسات ُ کے اپنے باب میں فرماتے ہیں: ﴿لا تَخافَنَّكَ المَوتُ، فَانَّ مَرارَتَهُ في خَوفِه﴾۱،۲

عَبدُاللهِ بنُ سِنانٍ، عَن أبي عَبدِاللهِ علیہ السلام، قالَ: جاءَ رَجُلٌ الىٰ أبي ذَرٍّ فَقالَ: يا أبا ذَرٍ، ما لَنا نَكرَهُ المَوتَ؟ فَقالَ: لأنَّكُم عَمَّرتُمُ الدُّنيا وَأخرَبتُمُ الآخِرَة، فَتَكرَهُونَ أن تَنقَلُوا مِنْ عِمرانٍ الىٰ خَرابٍ. فَقالَ لَهُ: فَكَيفَ تَرىٰ قُدومَنا عَلَى اللهِ؟ فَقالَ: أمّا المُحسِنُ مِنكُم، فَكَالغائِبِ يَقدَمُ عَلىٰ أهلِهِ؛ وَأمّا المُسيءُ مِنكُم، فَكَالآبِقِ يُرَدُّ عَلىٰ مَولاه. قالَ: فَكَيفَ تَرىٰ حالَنا عِندَاللهِ؟ قالَ: اعرَضُوا أعمالَكُم عَلَى الكِتابِ: انَّ اللهَ يَقُولُ: ﴿انَّ الأبرارَ لَفي نَعِيمٍ ☆ وَانَّ الفُجّارَ لَفي جَحِيمٍ﴾۳ قالَ: فَقالَ الرَّجُلُ: فَأينَ رَحمَةُ اللهِ؟ قالَ: ﴿رَحمَةُ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ المُحسِنِينَ﴾۴

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک شخص جناب ابوذرؓ کے پاس آکر کہنے لگا: اے ابوذر: آخر ہم مؤت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ ابوذر نے کہا: چونکہ تم نے دنیا کو آباد کیا ہے اور آخرت کو برباد۔اس لیے آباد مکان سے ویران جگہ کی طرف جانے کو ناپسند کرتے ہو۔اس شخص نے پھر پوچھا: خدا کے پاس ہمارا جانا کس طرح کا ہوگا؟ ابوذر نے کہا: تم میں سے جو اچھے ہیں، وہ

۱۔موت تمہیں نہ ڈرائے، چونکہ اس کی تلخی، اس سے ڈرنے میں ہے۔ قبسات، ص ۴۷۹۔
مطبوعہ قبسات میں ہے: ُاستھینو ابالموت ُ موت کو سبک سمجھ۔

۲۔چہل حدیث، ص ۱۲۳،۱۲۴۔ ۳۔انفطار، آیت ۱۴/ ۱۵،۔ ۴۔اعراف، آیت ۵۶/۔

تو اس طرح جائیں گے جیسے مسافر اپنے اہل وعیال کی طرف جاتا ہے اور جو برے لوگ ہیں وہ اس طرح جائیں گے جیسے بھاگا ہوا غلام، اپنے آقا کے پاس جاتا ہے۔ اس شخص نے پھر سوال کیا: خدا کے حضور ہماری کیا حالت ہوگی؟ ابوذر نے کہا: اپنے اعمال کو قرآن پر پیش کرو۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک نیک لوگ (جنت) نعیم میں ہوں گے اور یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے''۔

راوی کہتا ہے: اس شخص نے پھر سوال کیا: ایسی صورت میں خدا کی رحمت کہاں گئی؟ ابوذر نے فرمایا: ''خدا کی رحمت اچھے لوگوں کے قریب ہے''۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ علیہ السلام: وَكَتَبَ رَجُلٌ اِلىٰ أَبِي ذَرٍّ، رَضِيَ اللهُ عَنْه: يَا أَبَا ذَرٍّ، أَطْرِفْنِي بِشَيْءٍ مِنَ الْعِلْمِ. فَكَتَبَ اِلَيْه: اِنَّ الْعِلْمَ كَثِيرٌ، وَلٰكِنْ اِنْ قَدَرْتَ أَنْ لَاتُسِيءَ اِلىٰ مَنْ تُحِبُّه، فَافْعَلْ. فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: وَهَلْ رَأَيْتَ أَحَداً يُسِيءُ اِلىٰ مَنْ يُحِبُّه! فَقَالَ لَهُ: نَعَم، نَفْسُكَ أَحَبُّ الْأَنْفُسِ اِلَيْكَ، فَاِذَا أَنْتَ عَصَيْتَ اللهَ، فَقَدْ أَسَأْتَ اِلَيْهَا۔[۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک شخص نے ابوذرؓ کو لکھا: اے ابوذرؓ، مجھے کچھ علم کا تحفہ بھیجو۔ ابوذرؓ نے اسے لکھا: علم تو بہت ہے لیکن اگر تم جسے دوست رکھتے ہو اس کے ساتھ برائی سے پیش نہ آؤ۔ اس شخص نے کہا: کیا آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو اپنے دوست سے برا سلوک کرتا ہو؟ ابوذرؓ نے کہا: ہاں! تمہارا نفس تم کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اب اگر تم نے معصیت خدا کی تو اس سے برے سلوک سے پیش آئے۔

متوسطین کے خوف کا سبب

رہی بات متوسطین کی موت سے کراہت اور خوف کی۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ متوسطین ہیں، تو اس کی وجہ سے یہ ہے کہ ان کے قلوب دنیا بنانے کی طرف متوجہ ہیں اور عالم

۱۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۴۵۸ کتاب الایمان والکفر، باب محاسبۃ العمل، حدیث ۲۰۔

آخرت کی آبادکاری سے غافل ہیں، لہذا ان کا دل نہیں چاہتا کہ آبادی کو چھوڑ کر ویرانے کی طرف منتقل ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا۔ اور یہ بھی نقص ایمان اور اطمینان کی کمی کی وجہ سے ہے، ورنہ کامل الایمان شخص کیلئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس پست دنیا کے امور میں لگا رہے اور آخرت کی آبادکاری سے غفلت کرے۔ خلاصہ یہ کہ یہ تمام خوف وڈر اور وحشت وکراہت ہمارے غلط اعمال اور کج رفتاری اور مولا کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اگر ہمارا حساب درست ہو اور خود ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں تو آخرت کے حساب کتاب سے وحشت زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ آخرت میں عادلانہ حساب ہوگا اور حساب لینے والا عادل ہوگا۔ لہذا ہمارے خوف کی وجہ ہماری اپنی بدکرداری، بے ایمانی اور چوری ہے۔ ہمیں حساب لئے جانے کا خوف نہیں ہے۔[1]

کامل لوگوں کا عظمت حق تعالیٰ سے ڈرنا

رہی بات کامل اور مطمئن مؤمنین کی تو یہ لوگ موت کو ناپسند نہیں کرتے۔ اگر چہ خوف اور وحشت زدہ ہیں۔ ان کا خوف خداوند متعال کی عظمت وجلالت سے ہے۔ چنانچہ رسول خداؐ فرماتے ہیں: ﴿فَأينَ هَولُ المُطَّلَع﴾[2] حضرت امیر المؤمنینؑ پر رمضان کی انیسویں شب کو عظیم وحشت ودہشت طاری تھی حالانکہ آپؑ فرمایا کرتے تھے: ﴿وَاللّٰه لأبنُ أبي طالِبِ آنَسُ بِالمَوتِ مِنَ الطِفلِ بِثَدي أمّه﴾[3،4]

ناقص لوگوں کی موت سے کراہت اور خوف کا سبب

جان لو! موت کو ناپسند کرنے اور اس سے ڈرنے کے سلسلے میں لوگ مختلف طرح کے ہیں اور

۱۔ چہل حدیث، ص ۳۶۱۔ ۳۵۹۔

۲۔ روز حساب، کس قدر وحشت ہوگی۔ تفسیر برہان، ج ۴ ص ۵۱۷ ذیل آیت سورۂ نصر، حدیث ۲۔

۳۔ خدا کی قسم ابوطالبؑ کا بیٹا، موت سے اس سے کہیں زیادہ مأنوس ہے جتنا کوئی بچہ پستان مادر سے مأنوس ہوتا ہے۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۵۔

۴۔ چہل حدیث، آیت ۳۵۷، ۳۵۸۔

انکے کراہت کے مبادی بھی مختلف ہیں۔حضرت ابوذرؓ نے جو بات کہی ہے وہ متوسط حضرات کیلئے ہے۔اب ہم کامل وناقص افراد کے حال کا ذکر کرتے ہیں: پس جان لینا چاہیئے کہ ہم جیسے ناقص لوگوں کا موت کو ناپسند کرنے اور اس سے ڈرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی خداداد فطرت اور اصلی جبلت کی بناپر بقااور زندگی کو پسند اور فنا وموت سے نفرت کرتا ہے اور اس کا تعلق بقائے مطلق اور حیات دائمی سرمدی سے ہے۔یعنی ایسی بقا کہ جس میں فنا نہ ہواور ایسی زندگی کہ جس میں زوال نہ ہو۔بعض بزرگان[۱] نے اسی فطرت کے ذریعے معاد کو ثابت کیا ہے۔جس کا ذکر فی الحال ہمارے مقصد سے خارج ہے۔اور چونکہ انسانی فطرت میں یہ محبت ونفرت ہے اس لیے جس کے بارے میں انسان جان لیتا ہے کہ اس میں بقا ہے وہ جس عالم کو عالم حیات سمجھتا ہے، اس سے عشق ومحبت کرنے لگتا ہے۔اور اس کے مقابل سے نفرت کرتا ہے۔ چونکہ ہم لوگ عالم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی ہمارے قلوب اس عالم کے حیات ازلی اور بقائے سرمدی پر اطمینان رکھتے ہیں۔ اس لیے ہم سب اسی دنیا سے محبت کرتے اور فطری وجبلی طور پر موت سے گریز کرتے ہیں۔

ادراک اور عقلی تصدیق، ایمان اور اطمینان قلبی سے الگ ہے۔ہم اس بات کا عقلی ادراک یا تعبدی تصدیق تو رکھتے ہیں کہ موت حق ہے کہ جو دنیوی تاریک (وپست) وادنیٰ عالم سے ایک ایسے عالم کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے جو دائمی، نورانی اور باقی وعالی اور ملکوتی ہے۔ لیکن ہمارے دلوں میں اس معرفت کا کوئی حصہ نہیں اور ہمارے دل اس سے بے خبر ہیں، بلکہ ہمارے دل تو خلود ارضی اور عالم دنیوی کے خواہشمند ہیں۔اور اسی حیوانی دنیوی پست زندگی کو حیات سمجھتے ہیں اور عالم آخرت کی حیات وبقا کے قائل ہی نہیں کہ جو دار حیوان (زندگی دائمی کا گھر) ہے۔اسی لیے وہ دنیا پر بھروسہ واعتماد رکھتے ہیں۔اور آخرت سے فراری، خائف اور متنفر ہیں۔ ہماری یہ ساری بدبختی نقص ایمان اور عدم اطمینان کی بناپر ہے۔ہم جتنے دنیوی زندگی پر مطمئن اور اس کی بقا

۱۔آیت اللہ محمد علی شاہ آبادیؒ، رشحات البحار،ص ۲۶۳ کتاب الانسان والفطرۃ۔

پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر اس کا دسواں حصہ بھی آخرت اور حیات ابدی و دائمی پر ایمان رکھتے تو ہمارا دل اس سے کہیں زیادہ آخرت سے محبت کرتا اور ہم اس کی اصلاح و آبادی کی کوشش کرتے۔ لیکن افسوس، ہمارے ایمان میں جان نہیں ہے اور ہمارے یقین کی بنیادیں، کھوکھلی ہیں۔ اس لیے ہم لامحالہ موت اور فنا سے خوفزدہ ہیں۔ اس کا قطعی علاج یہ ہے کہ ہم ذکر و فکر اور علم و عمل صالح کے ذریعے، ایمان کو اپنے دل میں داخل کریں۔[1]

احتضار اور اس کی خصوصیات

عالم غیب کا مشاہدہ

احتضار اور موت کے وقت کو 'معاینہ' (مشاہدہ) کہتے ہیں۔ کیونکہ محتضر آخرت کے آثار کو بالعیان، دیکھتا ہے اس کی غیبی و ملکوتی آنکھ کھل جاتی ہے ملکوت کے احوال کا ایک معمولی سا حصہ اس پر کشف ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بعض آثار و اعمال اور حالات کا معائنہ (مشاہدہ) کرتا ہے۔[2]

درجات و درکات کا مشاہدہ

انسان دنیا سے جانے سے پہلے اپنے بعض مقامات و درجات (بہشت) اور درکات (جہنم) کا معائنہ (مشاہدہ) کرتا ہے۔ وہ یا تو مکمل سعادت کے ساتھ کہ جس کا باطن 'محبت خداوند متعال' ہے یا مکمل شقاوت کے ساتھ کہ جس کا باطن 'بغض حق تعالیٰ' ہے دنیا سے خارج ہوتا ہے۔[3]

۱۔ چہل حدیث، ص ۳۵۸، ۳۵۹۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۴۵۳۔

۳۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۲۷۳، ۲۷۴۔

اہل ایمان وکفر کے مشہودات میں فرق

انسان احتضار اور معائنے (مشاہدے) کے وقت، اپنے اعمال کی صورتوں اور آثار کو دیکھتا ہے اور ملک الموت سے جنت وجہنم کی بشارت سنتا ہے۔ یہ آثار کسی حد تک اس پر کشف ہوتے ہیں۔ انسان افعال واعمال کے ذریعے قلب پر مرتب ہونے والے آثار، مثلاً نورانیت، شرح صدر اور وسعت (قلب) اور ان کی اضداد، مثلاً کدورت، تنگی صدر، ظلمت اور فشار کا بھی معاینہ (مشاہدہ) کرتا ہے۔ پس اگر انسان اہل سعادت میں سے ہو تو برزخ کے معائنے (مشاہدے) کے وقت اس کا دل لطیف لطیفہ اور جمالیہ نفحات کے معائنے (مشاہدے) کیلئے اور اپنے اندر لطف وجمال کی تجلیات کے آثار کے ظہور کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ پس دل میں لقاء اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اس کے دل میں جمال محبوب کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ پہلے سے نیکیوں اور محبت وجذبۂ ربوبی کا حامل ہو۔ خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس تجلی وشوق میں کیسی کیسی لذات اور کرامات ہیں۔

اگر محتضر مؤمن اور صالح ہو تو حق تعالیٰ کی عنایات سے اس کو اس کے ایمان واعمال کے مطابق ملتا ہے کہ جسے وہ احتضار کے وقت بالعیان دیکھتا ہے (جس سے) اس میں موت اور حق تعالیٰ کی عنایات سے سرفراز ہونے کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دنیا سے خوشی ومسرت اور مطمئن اور مسرور روح کے ساتھ انتقال کرتا ہے۔ دنیوی ذائقہ اور دنیوی آنکھیں، اس مسرت وخوشی اور لذات کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔

اگر محتضر شقاوت، کفر وانکار، نفاق، قبیح اعمال اور گناہوں کا مرتکب رہا ہو تو اس پر اس کے حصے اور برے اعمال کے مطابق دار اشقیا اور غضب اور قہر الٰہی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور اس میں ایسی وحشت وتحول پیدا ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز اس کے نزدیک، حق تعالیٰ کی تجلیات جلالیہ قہریہ سے زیادہ مبغوض نہیں ہوتی۔ اس بغض اور عداوت کے نتیجے میں، اس پر ایسی سختی وفشار اور ظلمانی عذاب ہوتا ہے جس کا اندازہ سوائے خداوند متعال کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ یہ ان لوگوں کیلئے ہے

کہ جو دنیا میں خداتعالیٰ اور اس کے اولیاء کے دشمن، کافر اور منافق تھے۔ معصیت کاروں اور کبیرہ گناہ کرنے والو نے جس قدر گناہ کیے ہوں گے اسی قدر ان کیلئے انکے جہنم کا ایک نمونہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس حالت میں انکے نزدیک، دنیا سے منتقل ہونے سے زیادہ کوئی چیز مبغوض (ومنفور) نہیں ہوتی۔ لہذا انھیں سختی وفشار اور تکلیف کے ساتھ دنیا سے منتقل کیا جاتا ہے اور اس حال میں انکے دلوں میں ایسی حسرتیں ہوتی ہیں کہ جن کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔[1]

وقت احتضار کے مشهودات کا باطن انسان کا مظهر هونا

انسان احتضار اور معائنے کے وقت، اپنی اندرونی ان باتوں سے آگاہ ہوجاتا ہے جن سے اس سے قبل وہ آگاہ نہیں تھا۔ اور اس معائنہ کا بیج اس نے خود، اپنی مملکت وجود میں بویا ہوتا ہے۔ دنیوی زندگی ہمارے عیبوں کو چھپانے والا پردہ تھا اور اہل معارف کیلئے ایک حجاب تھا۔ جب یہ پردہ اٹھادیا جاتا ہے اور جب یہ حجاب، ہٹ جاتا ہے تو انسان اس وقت جو کچھ تھا یا جو اس نے اپنے لئے مہیا کررکھا تھا، اس کے ایک نمونے کو دیکھتا ہے۔ انسان آخرت میں، عذاب وعقاب میں سے وہی کچھ دیکھے گا جو اس نے دنیا میں اپنے لئے مہیا کیا ہوگا۔ دنیا میں اس نے نیک اعمال، اچھے اخلاق اور صحیح عقائد میں سے جو کچھ بھی مہیا کیا ہوگا، اسے آخرت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، اس کے ساتھ اسے دوسری انعام بھی خداوند اپنے تفضّل سے عنایت فرمائے گا۔ آیہ شریفہ: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَه...﴾[2] کے بارے میں کتاب صافی میں، مجمع البیان سے منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿هِيَ أَحْكَمُ آيَةٍ فِي الْقُرآنِ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُسَمِّيهَا الْجَامِعَةَ﴾[3]

۱۔ چہل حدیث، ص۴۶۱، ۴۶۲۔ ۲۔ سورۂ زلزال، آیت ۷، ۸۔

۳۔ یہ قرآن کی محکم ترین آیت ہے اور رسول خداؐ نے اسے جامعہ کا نام دیا ہے۔

تفسیر صافی میں اس حدیث کو 'قیل' سے نسبت دیا گیا ہے۔ اور مجمع البیان میں عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے۔

پس جان لینا چاہیئے کہ اگر دنیا میں ہم حق تعالیٰ اور اس کے اولیاء سے محبت کریں گے اور اس ذات مقدس کی اطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈالیں گے اور اپنے صفحۂ قلب کو ربانی والٰہی بنائیں گے تو احتضار اور معائنے کے وقت عین حقیقت، حُسن وجمیل صورت میں ہم پر ظاہر ہوگی اور اس کے برعکس، اگر ہمارا صفحۂ قلب دنیوی اور حق سے روگردان ہوگیا تو ممکن ہے آہستہ آہستہ حق تعالیٰ اور اس کے اولیاء کی عداوت کا بیج اس کے اندر کاشت ہو جائے اور معائنہ کے وقت یہ عداوت مزید شدید ہو جائے اور اس سے ایسے عجیب وغریب وحشتناک آثار ظاہر ہونے لگیں۔ جن کے بارے میں آپ سن چکے ہیں۔[1]

احتضار کے وقت ملکوتی آنکھ کے کھل جانے کا سبب

عَنْ أبي عَبْدِ اللهِ علیہ السلام، قَالَ قُلْتُ: أصْلَحَكَ اللهُ، مَنْ أحَبَّ لِقَاءَ اللهِ، أحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ؟ وَمَنْ أبغَضَ لِقَاءَ اللهِ، أبغَضَ اللهُ لِقَاءَهُ؟ قَالَ: نَعَم.
قُلْتُ: فَوَاللهِ، انّا لَنَكرَهُ المَوتَ. فَقَالَ: لَيسَ ذٰلِكَ حَيثُ تَذهَب. انّمَا ذٰلِكَ عِندَ المُعَايِنَة: اذا رَأىٰ مَا يُحِبُّ، فَلَيسَ شَيءٌ أحَبَّ الَيهِ مِنْ أنْ يَتَقَدَّمَ عَلَى اللهِ، وَاللهُ تَعَالىٰ يُحِبُّ لِقَاءَهُ، وَهُوَ يُحِبُّ لَقَاءَ اللهِ [حِينَئِذٍ]. وَاذا رَأىٰ مَا يَكرَهُ، فَلَيسَ شَيءٌ أبغَضَ [الَيهِ] مِنْ لَقَاءِ اللهِ، وَاللهُ يُبغِضُ لَقَاءَهُ۔[2]

راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: 'اصلحک اللہ! کیا جو شخص خدا کے دیدار کا مشتاق ہو، خدا بھی اس کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہے؟ اور کیا جو شخص خدا کی ملاقات سے ناراض ہو خدا بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ روای نے کہا: خدا کی قسم ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں! امامؑ نے فرمایا: تم نے غلط سمجھا ہے۔ مراد یہ ہے کہ

۱۔ چہل حدیث، ص۴۶۲۔

۲۔ فروع کافی، ج ۳ ص ۱۳۴ کتاب الجنائز، باب مایعاین المؤمن والکافر، حدیث ۱۲۔

انسان موت کے وقت جب اپنی محبوب چیزوں کو دیکھتا ہے تو ملاقات خدا سے زیادہ کوئی شئے اس کے نزدیک محبوب نہیں ہوتی۔ اور خدا بھی اس کی ملاقات کو اسی طرح دوست رکھتا ہے جس طرح وہ خدا کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور جب (مرتے وقت) ایسی چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو ناپسند کرتا ہے تو دیدار خدا سے زیادہ کوئی چیز اسے مبغوض نہیں ہوتی اور خدا بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔[1]

ظہور ولایت اور حضور ائمہؑ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتے وقت انسان پر اس کے بعض حالات اور مقامات منکشف ہوتے ہیں اور یہ چیزیں برہان کے مطابق اور اصحاب کشف وعیان کے مکاشفات کے موافق اور روایات واخبار کے بھی مطابق ہیں۔ انسان جب تک دنیا کی آبادکاری میں مشغول ہوتا ہے اس کا قلب دنیا کی طرف متوجہ اور عالم طبیعت کے نشے میں سرمست ہوتا ہے۔ شہوت وغضب کی منشیات سے وہ نشہ میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اپنے اخلاق واعمال کی صورتوں سے بالکل محجوب ہوتا ہے اس کے ملکوت قلب پر انکے آثار متروک ہوتے ہیں۔ لیکن جب موت کی سختی اور اس کا فشار پڑے گا تو ایک حد تک یہ نشہ اتر جائے گا۔ اور محتضر مؤمن اور اہل یقین (افراد میں سے) ہو مگر اس کا دل ان عوالم کی طرف متوجہ تھا تو آخرکار، طبعی طور پر اس کی قلبی توجہ آخرت کی طرف ہو جائے گی اور ہنکانے پر مأمور فرشتے، اس کو آخرت کی طرف لے جائیں گے اور اس ہنکائے جانے اور (دنیوی نشہ سے) منصرف ہونے کے بعد وہ عالم برزخ کے ایک نمونہ کا مشاہدہ کرے گا اور عالم غیب سے ایک دریچہ اس کے سامنے کھل جائے گا۔ وہ ایک حد تک وہ اپنے حال اور مقام کا مشاہدہ کرے گا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے منقول ہے، انّہ قالَ: ﴿ حَرامٌ عَلىٰ كُلِّ نَفسٍ أن تَخرُجَ

۱۔ چہل حدیث، ص۴۵۱، ۴۵۲۔

مِنَ الدُّنیا حَتّٰی تَعلَمَ أنّه مِنْ أَهلِ الْجَنَّةِ هِيَ، أَمْ مِنْ أَهلِ النّار﴾ [۱]

یہاں پر ایک طولانی حدیث ہے جس میں حضرت مولی الموحدینؑ کی ولایت کے قائلین اور اہل بیت عصمت سے متمسک (مؤمنین) کیلئے خوشخبری و بشارت ہے۔ اس لیے میں پوری حدیث ذکر کرتا ہوں۔ اس حدیث کو جناب فیض کاشانیؒ نے اپنی کتاب 'علم الیقین' میں نقل کیا ہے۔ حدیث یہ ہے:

قٰالَ: ﴿وفي كتاب الحسين بن سعيد الأهوازيّ، عن عباد بن مروان، قٰال سَمِعْتُ أبٰا عبدالله عليه السلام يَـقُـولُ: مِـنكُم وَاللّٰهِ يُقبَل: وَلَكُم وَاللّٰهِ يُغفَر: انّه لَيسَ بَينَ أحَدِكُم وَبَينَ أنْ يُغتَبَطَ وَيَرَى السُّرُورَ وَقُرَّةَ العَينِ الاّ أنْ تَبلُغَ نَفسَه هٰهُنٰا. وَأومىٰ بِيَدِهِ الىٰ حَلقِه. ثُـمَّ قٰـالَ عليه السلام، انّـه اذا كـان ذٰلِكَ وَاحتَـضَـرَ، حَـضَـرَهُ رَسُولُ اللّٰـه صلى الله عليه وآله، وَعَـلِـيٌّ وَالأئِمَّةُ وَجَبـرَئِيلُ وَمِيكائِيلُ وَمَلَكُ المَوت عليهم السلام، فَيَـدنُو منه جَبرَئِيل عليه السلام، فَيَقُولُ لِرَسُولُ اللّٰـهِ صلى الله عليه وآله: انَّ هٰـذا كـانَ يُـحِبُّـكُم أهْـلَ البَيـتِ، فَأحِبَّه. فَيَقُولُ رَسُولُ اللّٰه صلى الله عليه وآله: يٰا جَبـرَئِيلُ، انَّ هٰذا كانَ يُحِبُّ اللّٰه وَرَسُولَه وَأهلَ بَيتِهِ، فَأحِبَّه. فَيَقُولُ جَبرَئِيلُ: يٰا مَلَكَ المَوتِ، انَّ هٰذا كانَ يُحِبُّ اللّٰه وَرَسُولَه وَآلَ رَسُولِهِ، فَأحِبَّه وَارفُق بِه. فَيَدنُو مِنه مَلَكُ المَوتِ عليه السلام، فَيَـقُـولُ: يٰـا عَبـدَاللّٰهِ، أخَذتَ فِكاكَ رَقَبَتِكَ؟ أخَذتَ أمٰانَ بَراءَتِكَ؟ تَمَسَّكتَ بـالـعِـصـمَةِ الـكُبـرىٰ فـي الحَيٰاةِ الدُّنيٰا؟ فَيُوَفِّقَه اللّٰه، فَيَقُولُ: صَدَقتَ. أمّا الَّذي كُنتَ تَـحـذَرُ، فَـقَـد آمَـنَكَ اللّٰه: وَأمّا الَّذي كُنتَ تَرجُو، فَقَد أدرَكتَه: أبشِرْ بَالسَّلَفِ الصّالِحِ، مُرافَقَةِ رَسُولِ اللّٰه صلى الله عليه وآله، وَعَلِيٍّ وَالأئِمَّةِ مِن وُلدِهِ عليهم السلام. ثُمَّ يَسُلُّ نَفسَه سَلّاً رَفِيقاً: ثُـمَّ يَـنـزِلُ بِـكَـفَـنِـهِ مِـنَ الـجَـنَّـةِ وَحَـنُوطِه حَنُوطٌ كَالمِسكِ الأذفَرِ، فَيُكَفَّنُ بِذٰلِكَ الكَفَنِ وَيُـحَـنَّـطُ بِـذٰلِكَ الـحَـنُوطِ: ثمّ يُكسىٰ حُلَّةً صَفراءَ مِن حُلَلِ الجَنَّة. فَاذا وُضِعَ في قَبرِهِ،

---

[۱] کوئی نفس اس وقت تک اس دنیا سے نہیں جاتا جب تک یہ نہ جان لے کہ وہ اہل جنت سے ہے یا اہل جہنم میں سے۔ علم الیقین، ج۲ ص۸۵۳ المقصد الرابع: فی ذکر الموت۔

فُتِحَ لَهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، يَدْخُلُ عَلَيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَرَيْحَانِهَا. ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ نَوْمَةَ الْعَرُوسِ عَلَىٰ فِرَاشِهَا؛ أَبْشِرْ بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَجَنَّةِ نَعِيمٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ.

قَالَ: وَإِذَا حَضَرَ الْكَافِرَ الْوَفَاةُ، حَضَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَعَلِيٌّ وَالْأَئِمَّةُ وَجَبْرَئِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ عليهم السلام؛ فَيَدْنُو مِنْهُ جَبْرَئِيلُ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ هٰذَا كَانَ مُبْغِضاً لَكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ، فَأَبْغِضْهُ. فَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: يَا جَبْرَئِيلُ، إِنَّ هٰذَا كَانَ يُبْغِضُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَأَهْلَ بَيْتِ رَسُولِهِ، فَأَبْغِضْهُ. فَيَقُولُ جَبْرَئِيلُ: يَا مَلَكَ الْمَوْتِ، إِنَّ هٰذَا كَانَ يُبْغِضُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ عليهم السلام، فَأَبْغِضْهُ وَاعْنُفْ عَلَيْهِ. فَيَدْنُو مِنْهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَيَقُولُ: يَا عَبْدَ اللَّهِ، أَخَذْتَ فِكَاكَ رَقَبَتِكَ؟ أَخَذْتَ بَرَاءَةَ أَمَانِكَ؟ تَمَسَّكْتَ بِالْعِصْمَةِ الْكُبْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا؟ فَيَقُولُ: لَا. فَيَقُولُ لَهُ: أَبْشِرْ يَا عَدُوَّ اللَّهِ بِسَخَطِ اللَّهِ وَعَذَابِهِ وَالنَّارِ. أَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَرْجُو، فَقَدْ فَاتَكَ؛ وَأَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَحْذَرُ، فَقَدْ نَزَلَ بِكَ. ثُمَّ يَسُلُّ نَفْسَهُ سَلّاً عَنِيفاً؛ ثُمَّ يُوَكِّلُ بِرُوحِهِ ثَلَاثَمِائَةِ شَيْطَانٍ يَبْزُقُونَ فِي وَجْهِهِ وَيَتَأَذَّىٰ بِرِيحِهِ. فَإِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، فُتِحَ لَهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ النَّارِ، يَدْخُلُ عَلَيْهِ مِنْ فَيْحِ رِيحِهَا وَلَهَبِهَا.[1]

راوی کہتا ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خدا کی قسم تم سے قبول کیا جائے گا، خدا کی قسم تم کو بخشا جائے گا۔ تمہارے اور تمہاری خوشیوں اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور تمہارے بارے میں غبطہ کئے جانے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ تمہاری جان حلقوم تک آ جائے۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: جب ایسا ہوگا اور موت کا وقت آئے گا تو رسول خداؐ امیر المومنینؑ اور دیگر ائمہ اطہارؑ، جبرئیلؑ ومیکائیلؑ اور ملک الموتؑ محتضر کے پاس تشریف لائیں گے۔ جبرئیلؑ قریب ہو کر رسول خداؐ سے عرض کریں گے: یہ شخص آپؐ کے اہل بیتؑ کو

۱۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۸۵۴، ۸۵۶ المقصد الرابع: فی ذکر الموت؛ فروع کافی، ج ۳ ص ۱۳۱، کتاب الجنائز، باب مایعاین المومن والکافر، حدیث ۴۔

دوست رکھتا تھا۔لہذا آپؐ بھی اس کو دوست رکھئے۔(اس کے بعد)رسول خداؐ فرمائیں گے: اے جبرئیل، یہ شخص خدا، رسول اور انکے اہل بیت کو دوست رکھتا تھا۔لہذا تم بھی اس کو دوست رکھو۔پھر جبرئیل کہیں گے: اے ملک الموت، یہ شخص خدا، رسول اور آل رسول کو دوست رکھتا تھا۔ لہذا تم اس کو دوست رکھو اور اس کے ساتھ نرمی کرو۔پھر ملک الموت، محتضر کے قریب جا کر کہے گا: اے بندۂ خدا کیا تو نے اپنی آزادی کا پروانہ اور امان نامہ حاصل کرلیا ہے؟ اور کیا تم نے اپنی زندگی میں عصمت کبریٰ سے تمسک کیا ہے؟ اس وقت خداوند تعالیٰ اس بندے کو توفیق دے گا اور وہ بندہ کہے گا: ہاں! اس وقت ملک الموت کہے گا: وہ کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: حضرت علیؑ کی ولایت۔تب ملک الموت کہے گا: تم نے سچ کہا۔جس چیز کا تمہیں خوف تھا اس سے خدا نے تم کو امان دیدی اور جس چیز کی تم کو آرزو تھی وہ تم کو مل گئی، تمہیں گزرے ہوئے نیک لوگوں، حضرت رسول اکرمؐ، حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے ہونے والے ائمہ اطہارؑ کی رفاقت مبارک ہو۔

اس کے بعد ملک الموت بڑی نرمی سے اس کی روح نکالیں گے اور اس کیلئے جنت سے کفن لایا جائے گا اور اس کا حنوط خوشبودار مشک کی طرح کا ہوگا۔پھر وہی جنتی کفن اسے پہنایا جائے گا اور اس خوشبودار حنوط سے اس کو حنوط کیا جائے گا۔پھر جنت کے حِلّوں میں سے زرد حِلّہ اس کو پہنایا جائے گا اور قبر میں رکھنے کے بعد، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کیلئے کھول دیا جائے گا۔جس سے جنت کی خوشبو اور مسرّت اس کو پہنچتی رہے گی۔پھر اس سے کہا جائے گا، جس طرح دلہن اپنے بستر پر سوتی ہے تو بھی اس طرح سو جا، تجھے مسرت و خوشبو اور جنت نعیم اور پروردگار کے غضبناک نہ ہونے کی بشارت ہو۔

امام صادقؑ نے فرمایا: جب کافر مرنے لگتا ہے تب بھی رسول خداؐ، حضرت علیؑ، ائمہ معصومینؑ، جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور اسرافیلؑ اس کے پاس تشریف لاتے ہیں۔اور جبرئیلؑ محتضر کے قریب جا کر رسول خداؐ سے کہتے ہیں: اے خدا کے رسول یہ شخص (آپ کا اور) آپ کے اہل بیت کا دشمن تھا۔لہذا آپ اس سے دشمنی کریں۔(پھر) رسول خداؐ فرمائیں گے: اے جبرئیل یہ شخص

خدا اور رسول اور اہل بیت کا دشمن تھا، لہذا تم اس کو دشمن رکھو۔ پھر جبرئیلؑ کہیں گے: اے ملک الموت یہ شخص، خدا، رسول اور آل رسول کا دشمن تھا۔ لہذا اس سے بغض رکھو۔ اور اس کے ساتھ سختی کرو۔ تب ملک الموت مرنے والے کے قریب آ کر کہے گا: اے خدا کے بندے! کیا تو نے جہنم سے چھٹکارے کی سند اور امان نامہ حاصلہ کرلیا ہے؟ کیا تو نے اپنی دنیوی زندگی میں عصمت کبریٰ سے تمسک حاصل کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں! تو ملک الموت کہے گا: اے دشمن خدا، تجھے خدا کی ناراضگی اور اس کے عذاب اور جہنم کی بشارت ہو۔ جس چیز کی تو تمنا رکھتا تھا تو اس سے محروم ہوگیا۔ اور جس سے تو ڈرتا تھا وہ تیرے پاس پہنچ گئی۔ پھر وہ بڑی سختی سے اس کی روح نکالے گا۔ اس کے بعد اس کی روح پر تین سو شیطان معین کردیئے جائیں گے۔ جو اس کے منہ پر تھوکیں گے۔ جس سے اُسے اذیت ہوگی۔ اس کے بعد اس کو قبر میں لٹا دیا جائے گا اور جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کیلئے کھول دیا جائے گا۔ جس کے ذریعے دوزخ کی ہوا اور اس کے شعلے اس پر داخل ہوتے رہیں گے۔[۱]

انسان کو اس کی پسندیدہ چیزیں دکھائی دینا

کہا گیا ہے کہ جس وقت انسان دنیا سے جانے لگتا ہے اس گھڑی، شیاطین آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ آدمی، موحّد (ہوکر) اس دنیا سے نہ جائے (لہذا) وہ اس کے سامنے، اس کی پسندیدہ چیزیں لے آتے ہیں۔[۲]

احتضار کے وقت محبت دنیا کا خطرہ

انسان اس محبت (محبت دنیا) کی وجہ سے ایک بڑے خطرے سے دوچار ہے۔ ممکن ہے عالم غیب کے معائنے کے وقت، کہ جب دنیوی زندگی کے کچھ بقایاجات ابھی باقی ہوتے ہیں۔ اور

۱۔ چہل حدیث، ص ۴۵۷،۴۶۰۔ ۲۔ تفسیر سورہ حمد، ص ۱۴۶۔

انسان سے کسی حد تک کشف حجاب ہوتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کیلئے آخرت میں کیا مہیا کیا گیا ہے۔ اور حق تعالیٰ اور اس کے ماٴمورین (فرشتے)، اسے، اس کی پسندیدہ دنیا سے جدا کر رہے ہیں اور اسے، آخرت کے درکات وظلمات تک لے کر جا رہے ہیں، تو (ایسی حالت میں) انسان حق تعالیٰ اور اس کے ماٴمور (فرشتوں) سے بغض وعداوت کرنے لگے اور ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو۔ واضح ہے کہ ایسے شخص کی کیا حالت ہوگی۔[1]

احتضار کے وقت دنیا کے قیدی کی حالت

دنیا سے محبت اور لگاؤ کے بارے میں ہمارے استاد اور عارف کامل آیت اللہ شاہ آبادی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: اگر قلب انسانی محبت دنیا کی صورت اختیار کر لے اور دنیا سے اس کو انس بہت زیادہ ہو جائے تو احتضار کے وقت وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کو اس کے محبوب سے جدا کر رہا ہے اور اس کے اور اس کی پسندیدہ چیزوں کے درمیان جدائی ڈال رہا ہے اور وہ پھر اس دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کا بغض بھرا ہوتا ہے۔ اس چونکا دینے والے ارشاد کے ساتھ انسان کو بیدار ہو جانا چاہیئے اور اپنے دل کی نگہداشت کی جانب توجہ دینی چاہیئے۔

خدا نہ کرے کوئی شخص اپنے ولی نعمت اور حقیقی مالک الملوک سے غصہ اور نفرت رکھتا ہو، کیونکہ اس غصے اور دشمنی کی صورت کو سوائے خداوند کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ہمارے استاد بزرگوار دام ظلہ اپنے والد ماجد سے نقل فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے ایک بیٹے سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اس لیے عمر کے آخری حصہ میں اس محبت سے بہت خوفزدہ تھے۔ پھر کچھ دنوں کی ریاضت کے بعد انھوں نے اس سے نجات حاصل کر لی اور اطمینان محسوس کرنے لگے اور دار سرور میں منتقل ہو گئے۔

۱۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۱۹۳، ۱۹۴۔

في الكافي باسنادِه عَنْ طَلْحَةَ بنِ زَيد، عَنْ أبي عَبْدِاللهِ عليه السلام، قالَ:

﴿مَثَلُ الدُّنيا كَمَثَلِ ماءِ البَحر، كُلَّما شَرِبَ مِنهُ العَطشانُ ازْدادَ عَطشاً حَتّى يَقتُلَه﴾ ۔[1]

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: دنیا کی مثال سمندر کے پانی کی سی ہے، پیاسا جتنا زیادہ پیتا ہے، اس کی پیاس اور زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ (پانی پی پی کر) ہلاک ہو جاتا ہے۔

دنیا کی محبت، انسان کو ابدی ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے اور یہی دنیوی محبت، تمام ظاہری و باطنی برائیوں کی جڑ ہے۔[2]

نفسانی وباطنی امراض کا ظہور

جونہی موت آتی ہے اور نفس کی توجہ بدن سے ہٹ جاتی ہے تو اس کے تمام جسمانی امراض اور مادی نقائص ختم ہو جاتے ہیں اور کوئی بدنی بیماری اور درد باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر خدانخواستہ انسان روحانی ونفسانی بیماری اور نقائص میں مبتلا ہو تو، جونہی نفس کی توجہ بدن سے ہٹتی ہے اور انسان ملکوت کی طرف متوجہ ہوتا ہے روحانی ونفسانی بیماریاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

دنیا کی طرف توجہ اور اس سے لگاؤ کی مثال، ان نشہ آور چیزوں کی طرح ہے کہ جو انسان کو اپنے آپ سے بے خبر کر دیتی ہیں اور دنیائے بدن سے روح کا تعلق ختم ہونا، اپنے آپ میں آنے کا باعث بنتا ہے اور ہوش میں آتے ہی، باطن ذات میں چھپے ہوئے امراض، خاکستر میں چھپی ہوئی آگ کی مانند ظاہر ہو جاتے ہیں۔[3]

۱۔ اصول کافی، ج۲ ص۱۳۶ کتاب الایمان والکفر، باب ذم الدنیا والزہد فیہا، حدیث۲۴۔

۲۔ چہل حدیث، ۱۲۳، ۱۲۴۔

۳۔ چہل حدیث، ص۲۰۷۔

سکرات موت

دنیا سے محبت، موت کی سختی کا باعث بنتی ہے

جان کنی وسکرات موت کی سختی اور اس کی شدت کا بڑا سبب، یہی دنیوی لذات اور دنیا سے محبت ہے۔[1]

سکرات موت کے آثار اور شدائد

ممکن ہے انسان ایسے سکرات کے فشار اور سختی میں علی بن ابی طالب علیہ السلام کو فراموش کردے جو غیر مؤمنین اور غیر مخلصین کیلئے ہوتے ہیں۔[2]

سکرات موت کے خطرات اور شدائد

ایسی عبادت آخرت میں محفوظ نہیں رہے گی کہ قلب کو جس کی خبر تک نہ ہو اور باطن پر جس کے اثرات مترتب نہ ہوں اور نہ ہی یہ عبادت عالم ملک سے عالم ملکوت کی بلندیوں تک پہنچ سکے گی، بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ مرض الموت کی سختیوں، احتضار کے ہولناک لمحوں اور موت کے بعد کی آفات اور مشکلات میں (خدا نہ کرے) اس کی صورت بالکل ہی صفحۂ قلب سے مٹ جائے اور انسان خالی ہاتھ بارگاہ قدس الٰہی میں حاضر ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص ﴿لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ﴾ کو سکون قلب اور اطمینان نفس کے ساتھ ادا کرے اور قلب کو اسی ذکر کی تعلیم دے تو آہستہ آہستہ دل کی زبان گویا ہونے لگے گی اور ظاہری زبان، قلبی زبان کے تابع ہو جائے گی۔ جس کے نتیجہ میں پہلے قلب ذکر کیا کرے گا پھر زبان۔ اسی مطلب کی طرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے 'مصباح الشریعۃ' میں روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ﴿فَاجْعَلْ قَلْبَكَ قِبْلَةً

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۰۹۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۴۸۰۔

لِلِسَانِکَ، لا تُحَرِّکْهُ الّا بِاِشَارَةِ الْقَلْبِ وَمُوافَقَةِ الْعَقْلِ وَرِضَی الایمانِ﴾ ۱؂

اول، جب زبان قلب گویا نہ ہوئی ہو تو راہ آخرت کے سالک کو چاہیئے کہ وہ قلب کو سکھائے اور طمانیت وسکون کے ساتھ ذکر کر کے بتائے۔ قلبی زبان کے کھلنے کے ساتھ ہی قلب، زبان اور دوسرے تمام اعضاء کا قبلہ بن جائے گا اور اس کے ذکر کے ساتھ ساتھ انسان کے وجود کی تمام مملکت، ذاکر بن جائے گی۔

لیکن اگر یہ ذکر شریف، سکون قلب اور اطمینان کے بغیر اور جلد بازی واضطراب اور بے حواسی وبدحواسی میں ادا کیا گیا تو دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور ظاہری وحیوانی زبان اور کان سے بڑھ کر، سماعت اور قلب تک نہیں پہنچ سکے گا اور اس کی حقیقت، قلب میں جگہ نہیں بنا سکے گی اور قلب کی ایسی صورت کمالیہ نہیں بن سکے گی کہ جس کا زائل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے میں اگر خوف وشدت خصوصاً احتضار کا خوف اور شدائد وجانکنی جیسی تکلیفوں کا سامنا ہو تو وہ ذکر بالکل ہی یاد سے نکل جائے گا اور صفحۂ دل سے محو ہو جائے گا۔ جبکہ خدا اور رسولؐ، دین اسلام، کتاب الٰہی اور ائمۂ ہدیٰ کے نام اور دوسرے تمام معارف (بھی) کہ جو فقط زبان پر جاری ہوئے تھے اور دل میں نہیں اترے تھے، فراموش ہو جائیں گے۔ جب قبر میں سؤالات پوچھیں جائیں گے تو انسان کسی سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔ تلقین بھی کوئی فائدہ نہ دے گی، کیونکہ مرنے والے کو اپنے اندر حقیقت ربوبیت ورسالت اور دوسرے معارف (دین) کا کوئی اثر نظر نہیں آئے گا اور جو کچھ اس نے یوں ہی زبان سے کہا تھا اور دل میں اسے جگہ نہیں دی تھی وہ سب کا سب اس کے خیال سے نکل چکا ہوگا۔ لہذا ربوبیت ورسالت اور دوسرے معارف کی گواہی سے اسے کچھ بھی نصیب نہیں ہوگا۔ ۲؂

۱۔ اپنے قلب کو اپنی زبان کا قبلہ قرار دو، اشارۂ قلب، اتباع عقل اور رضائے ایمان کے بغیر زبان نہ ہلاؤ۔ مصباح الشریعہ، باب ۵ فی الذکر؛ مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب النوادر، حدیث ۲۔

۲۔ آداب الصلاۃ، ص ۱۷، ۱۸۔

سکرات موت میں تلقین کا مؤثر ہونا

انسان اگر اپنی مملکت کے اعضا اور قوتوں کو ربّ العالمین کے تصرف میں دیدے اور اس کی تربیت کا پرورش یافتہ ہوجائے تو آہستہ آہستہ اس کا دل کہ جو اس مملکت کا بادشاہ ہے، ربّ العالمین کے سامنے تسلیم ہوجاتا ہے اور تمام جنود ربّ العالمین کے پرورش یافتہ دل کی اتباع کرنے لگتے ہیں اور تمام مملکت پروردگار کی تربیت یافتہ اور پرورش یافتہ ہوجاتی ہے۔

اس وقت اس کی لسان غیبی کہ جو قلب کا سایہ (ترجمان) ہے عالم قبر کے ملائکہ کے سؤال ﴿مَنْ رَبُّكَ؟﴾ کے جواب میں ﴿اللّٰـه، جَلَّ جَلالُهُ، رَبّيْ﴾ کہہ سکتی ہے۔ چونکہ ایسے شخص نے لازمی طور پر رسول خداؐ کی اطاعت اور ائمۂ ہدیٰ کی اقتدا اور کتاب الٰہی پر عمل کیا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی زبان گویا ہوجاتی ہے کہ:

﴿محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نبيّي وَعَليّ وَأَوْلادُهُ الْمَعْصُومِينَ أَئِمَّتي وَالقُرآنُ كِتابي﴾۔

اگر اس نے اپنے دل کو الٰہی و ربوبی نہ بنایا ہوگا اور نقش ﴿لا الٰه الا اللّٰه، محمّد رسول الله، علي ولي الله﴾ اس کی لوح دل پر منقش نہیں ہوا ہوگا اور باطن نفس کی صورت نہیں بنا ہوگا اور اس نے قرآن شریف پر عمل نہیں کیا ہوا اور اس میں غور و فکر نہیں کیا ہوگا۔ قرآن اس کی طرف منسوب نہیں ہوا ہوگا اور اسے قرآن سے معنوی تعلق پیدا نہ ہوگا تو جان کنی اور مرض الموت کی سختیوں اور خود موت کی مصیبت میں، اسے تمام معارف بھول جائیں گے۔

انسان جب ٹائیفائڈ بخار اور دماغی قوتوں کی کمزوری سے اپنی تمام معلومات کو بھول جاتا ہے سوائے ان چیزوں کے جو شدید یادداشت اور انس کی وجہ سے اس کی فطرت ثانیہ کا ایک حصہ بن گئی ہو اور اگر ایک بڑا حادثہ اور کوئی خوفناک واقعہ پیش آجائے تو انسان اپنے بہت سے امور سے غافل ہوجاتا ہے اور اس کی معلومات پر خط نسیان کھینچ جاتا ہے، تو موت کی ہولناکی، شدت اور سکرات میں اس کا کیا حال ہوگا؟ اگر دل کے کان بند ہوں اور دل سننے کی قوت نہ رکھتا ہو تو موت کے وقت اور موت کے بعد عقائد کی تلقین اس کو کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ تلقین ان لوگوں کیلئے مفید

ہوتی ہے جن کے دل عقائد حقہ آشنا ہوں اور جن کے دلوں کے کان کھلے ہوئے ہوں۔اور ان سکرات وشدائد کی وجہ سے کچھ غفلت پیدا ہوگئی ہو تو ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کے کانوں تک پہنچاتے ہیں۔لیکن اگر انسان بہرا ہو چکا ہو اور عالم برزخ میں کام آنے والے کانوں سے محروم ہو چکا ہو تو وہ ہرگز تلقین کو نہیں سن پائے گا اور اس پر تلقین کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔[1]

عزرائیلؑ اور نزع

عالم طبع میں حقیقت عزرائیلیہ کی کچھ شان ومقام اور مظاہر ہیں اور عالم مثال میں بھی اس کے کچھ مقام وشان اور مظاہر ہیں۔اسی طرح عالم نفوس کلیہ میں بھی،اور یہ تین مقام،چوتھے مقام کے آگے مسخر ہیں۔بنابرایں انتقالات اور ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہونا،عالم طبیعت میں،اس ملک مقرب الٰہی کے مظاہر کے ذریعے انجام پاتا ہے۔کیونکہ،اس قسم کے پست دنیوی امور کی طرف اقدام کرنا عزرائیلؑ کے ہاتھوں انجام نہیں پاتا۔بلکہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے لشکریوں کے بغیر براہ راست خود عزرائیل کے ہاتھوں انجام پائے۔درحقیقت،ظاہر ومظہر کے اتحاد کی دلیل کی بنا پر اس قسم کے امور اس کے ہاتھ میں ہیں اور عالم طبیعت اور نشئہ مادی سے عالم مثال اور برزخ کی طرف انتقال اور نزع ارواح،عالم مثال میں اس کے مظاہر اور بدنوں سے روحوں کو جدا کرنے والے موکل ملائکہ کے توسط سے انجام پاتا ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ،عالم برزخ اور عالم مثال سے عالم نفوس اور وہاں سے عالم عقل کی طرف انتقال انجام پاتا ہے۔اور یہ نزع،خود عزرائیل کے ذریعے بغیر کسی واسطہ کے،بعض عوالم مثل عالم نفوس میں انجام پانے والا آخری نزع ہے کہ جو نچلے عوالم میں بالواسطہ انجام پاتا ہے۔اور اگر موجود عقلی کیلئے نزع ہو تو وہ نزع ان تین مذکورہ نزع کے علاوہ ہے کہ جس کے بعض مراتب،عزرائیل کے ذریعے انجام نہیں پاتے بلکہ بعض اسماء مثل اسم قاہر و مالک کہ جو حقیقت عزرائیلیہ کے ربّ ہیں،کے توسط سے انجام

۱۔آداب نماز،ص ۲۶۵۔۲۶۶۔

پاتا ہے اور خود عزرائیل کا نزع بھی انہی دو اسموں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔[۱،۲]

۱۔ انّ الحقیقة العزرائیلیة مثلاً لها مقام وشأن في عالم الطبع ولها مظاهر فیه، ومقام وشأن في عالم المثال ولها مظاهر فیه؛ وکذا في عالم النفوس الکلیة. والمقامات الثلاثة مسخّرة تحت المقام الرابع [مقام عقل مراد ہے]. فالانتقالات والاستحالات من صور الی صورة في عالم الطبیعة تکون بتوسّط مظاهر هذا الملك المقرب الالهيّ؛ فانّ مباشرة هذه الامور الدّنیة الخسیسة لا تکون بل لا تمکن بید عزرائیل، بلا توسط جیوشه. وفي الحقیقة کانت هذه الامور بیده. لاتّحاد الظاهر والمظهر. والانتقال من عالم الطّبع ونشأة المادّة ونزع الارواح منها الی عالم المثال والبرزخ کان بتوسّط مظاهره في عالم المثال، والملائکة الموکّلة لنزع الارواح من الاجساد. وکذا الانتقال من عالم البرزخ والمثال الی عالم النفوس، ومن الی عالم العقل. ویکون هذا النّزع غایة النزوع التي کانت بتوسّط عزرائیل بلا واسطة، في بعض العوالم کعالم النفوس، مع الواسطة في العوالم النّازلة.

ولو کان للموجود العقليّ نزع فیکون بمعنی آخر عمر الثلاثة؛ ولیس بعض مراتبه بتوسّط عزرائیل، بل بتوسّط بعض الاسماء کاسم القاهر والمالك، ربّ الحقیقة العزرائیلیة. ویکون نزع عزرائیل أیضاً بتوسّطهما۔

باب نزع روح عزرائیلؑ کے سلسلے میں دسویں فصل: 'قیامت' کے عنوان 'قیامت کا برپا ہونا اور تمام عوالم کا نزع مطلق' کی طرف رجوع کیجئے۔

۲۔ شرح دعائے سحر، ص۸۳، ۸۴۔

ساتویں فصل:

عالم قبر یا برزخ

عالم برزخ میں داخل ہونا

انسان یا تو 'طبیعی موت' کے ذریعے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے یا اپنی اس (طبیعی) حرکت کے دوران، مزید حرکت جاری رکھنے کی قابلیت کے باوجود کسی آفت (وحادثے) وغیرہ کی وجہ سے 'اخترامی موت اور اجل معلّق' کا شکار ہو کر اس دنیا سے رحلت کر جاتا ہے۔ انسان کا اس دنیا سے خارج ہونا خواہ کسی بھی شکل میں ہو، 'عالم قبر' میں داخل ہونے کے مترادف ہے اور عالم قبر سے مراد 'عالم برزخ' ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: قبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ﴿القبر هو البرزخ﴾[۱] البتہ یہ کہ قبر قبلہ رخ ہونا اور اس کا فلاں شکل میں کھودا جانا اور اسی طرح کے دوسرے احکام، فقہی احکام فقط عالم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں ان کا دوسرے عالم سے کوئی ربط نہیں، لیکن یہ بدن کہ جواب ایک جماد کی شکل میں پڑا ہے اور اس سے پہلے ایک مسلمان کا بدن تھا اور ایک فرد اس سے مربوط تھا، لہٰذا اب بھی شرعی طور پر احترام کا حامل ہے۔ پس اس قابل احترام جماد کا گھر کہ جو اس کا محل قرار ہے، وہ بھی قابل احترام ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہی قبر دار سؤال اور مؤمن کی (ابدی) آرامگاہ ہے۔ وہ قبر کہ جس میں سؤال و جواب یا درد والم یا سرور و مسرت

۱۔ قلت لابي عبدالله: ﴿وما البرزخ؟ قال: القبرُ مُنذُ حينَ مَوتِهِ الىٰ يوم القيامة﴾۔ میں نے امام صادق سے عرض کی: برزخ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ وہی قبر ہے، موت سے لے کر قیامت کے دن تک۔
فروع کافی، ج ۳ ص ۲۴۲ کتاب الجنائز، باب ماینطق بہ موضع القبر، حدیث ۳؛ بحار الانوار، ج ۶ ص ۲۱۸۔

ہے وہ عالم طبیعت نہیں بلکہ عالم برزخ و عالم مثال ہے۔

نفس جب تک برزخ اور عالم قبر میں رہتا ہے، اس وقت تک دار طبیعت (دنیا) کی طرف انس اور توجہ موجود رہتی ہے اور اس عالم کی وسعت اور تنگی، نفس کی وسعت اور تنگی کے تابع ہے، لیکن جو قبر ڈیڑھ میٹر طول اور آدھا میٹر عرض رکھتی ہے، یہ وہ قبر نہیں کہ جس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ قبر مشرق سے مغرب تک ہے۔ یا مثلاً ہم ان قبروں کے اندر کسی اژدہا وغیرہ کو نہیں دیکھتے جبکہ روایت میں آیا ہے کہ 'گناہگار کی قبر میں ننانوے اژدہا ہیں۔ جن کی طاقت اس قدر ہے کہ اگر اس دنیا کی طرف ایک پھونک ماریں تو پوری دنیا پر کوئی پودا نہ اگے'۔[1] پس اگر یہ اژدہا اس (ظاہری) قبر میں ہوتے تو وہ صبح سے لے کر شام تک سانس لیتے اور اس طرح اس دنیا میں ایک بھی پودا نہ اگتا۔ قبر کے باب میں جو کچھ بھی کاشفین اسرار اور مخبرین غیب کی طرف سے کہا گیا ہے وہ اس دنیا کے احکام و حالات پر منطبق نہیں ہوتا۔ (جو بھی مائل ہو وہ 'قبر سے متعلق' روایات و اخبار کا مطالعہ کرنے کیلئے کتاب 'حق الیقین' اور 'علم الیقین' کی طرف رجوع کرے)۔[2]

حاصل کلام یہ کہ خود روایات سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ قبر کہاں ہے اور جو بدن قبر میں ہوتا ہے وہ کونسا بدن ہے۔ بعض روایات میں فرماتے ہیں: 'ارواح، عالم قبر میں، ابدان کی شکل میں ہوتی ہیں'۔[3] اور یہ بدن وہی ہے کہ جس کے بارے میں ہم نے کہا ہے کہ یہ 'جسم الطف' ہے اور دنیوی بدن کے تبدیل ہو جانے (کے بعد) حرکت جوہری کے ذریعے وجود میں آیا ہے۔

۱۔ ﴿انّه يُسَلَّطُ عَلَى الكافِرِينَ في قَبْرِهِ تِسعَةَ وَتِسعِينَ تِنيناً... لَو أنَّ تِنيناً مِنها نَفَخَ في الأرْضِ لَمْ تَنْبُتْ زرْعاً﴾۔ (محمد بن ابی بکر کے نام امیر المؤمنینؑ کا مکتوب)۔ بحار الانوار، ج ۶ ص ۲۱۹ کتاب العدل والمعاد، باب ۸ حدیث ۱۳۔

۲۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۸۳۱، ۸۹۱ المقصد الرابع: في العلم باليوم الآخر۔

۳۔ ﴿انّهم في الجَنّةِ عَلىٰ صُوَرِ أبدانِهِم...﴾۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۸۷۱؛ فروع کافی، ج ۳ ص ۲۴۴۔

عالم برزخ کے قبر میں متعین ہونے پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ برزخ، عالم (طبیعت) سے انس کی بقا ہی کو کہتے ہیں۔ اور عالم قبر میں توقف بھی، دار طبیعت سے مختلف اشخاص کے انس کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔[۱]

عالم برزخ کی حقیقت

عالم قبر، اس عالم کے علاوہ نہیں کہ جو موت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امام صادقؑ سے عالم قبر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: عالم قبر، موت کے بعد تا قیامت کے عالم کو کہتے ہیں۔[۲] اور یہی برزخ ہے۔

برزخ یعنی درمیان (وسط)۔ یہ برزخ ہے کہ جس سے عالم آخرت کی اور بہشت کی خوشبو آتی ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ قبر میں بہشت کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عالم برزخ ہی ہے کہ جس میں ہر مؤمن کی قبر کی وسعت مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے سے زیادہ ہوتی ہے۔

روایات میں جو عالم قبر ہے اس سے مراد وہ گڑھا نہیں ہے کہ جو کھودا جاتا ہے، بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔ اسی لیے روایات اور دعاؤں میں کہا گیا ہے: ﴿أعُوذُ بِكَ مِنْ سُؤالِ الْبَرْزَخِ﴾[۳] اگر مطلب وہی ہو کہ جو آج کل اکثر لوگوں کا عقیدہ ہے اور جس کا ایک بڑا حصہ اہل منبر نے پھیلایا ہے اور معلوم نہیں اس عقیدے کا باقی حصے کہاں سے آیا ہے۔ اس (عقیدے) کے مطابق تمام انسانوں کو قیامت آنے تک (اسی ظاہری) قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ درست ہو تو پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلوی (رضا شاہ) نے جو قبریں تباہ کی ہیں ان کے ذریعے لوگوں کو قبر کے عذاب سے نجات دلائی ہے!![۴]

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۶ ص ۲۱۴ کتاب العدل والمعاد، باب ۸ حدیث ۲۔

۳۔ برزخ کے سؤال سے تیری پناہ حاصل کرتا ہوں۔

۴۔ تقریرات اسفار، ۔

برزخ، اس عالم (طبیعت) اور عالم قیامت کے درمیان والے عالم کو کہتے ہیں ؎۱

دنیا وآخرت کے درمیانی عالم کا نام برزخ ہے

سافل وعالی برزخوں سے عالم آخرت اور وہاں سے عالم اسماء وصفات تک، وسطی مراحل کو تدریجاً طے کرنے کے سوا، حواس وتخیلات وتعقلات کے منازل کو عبور کرنا اور سرائے فریب (دنیا) سے غایت الغایات اور مقام رسوم وجہات اور صفات کے علمی وعینی (مقام) کی نفی سے گزرنا ممکن نہیں، اس اسم وصفت سے کہ جس کا حیطہ ودائرہ محدود ہے، اس اسم وصفت تک کہ جس کی وسعت پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ جو الٰہیت مطلقہ واحدیت عین جمع تک جا پہنچتا ہے کہ جس میں سب اسمائی وصفاتی تجلیات مستھلک ہیں اور جس میں تمام علمی وعینی تعینات فانی ہوجاتی ہیں ؎۲

برزخ کا آخرت کی پہلی منزل ہونا

عالم آخرت کہ جس کی پہلی منزل عالم برزخ ہے (وہی برزخ کہ جو) عالم مثال کے برابر ہے اور جس کے مقابلے میں قوس صعود ہے کہ جس طرح قوس نزول بھی اس کے مقابلے میں ہے ؎۳

۱۔ چہل حدیث، ص۴۶۱۔

۲۔ العبور على منازل الحواس والتخيلات والتعقلات ،وتجاوز دار الغرور الىٰ غاية الغايات، والتحقق بنفي الصفات والرسوم والجهات عيناً وعلماً، لايمكن الا بعد التدرج في الاوساط، من البرازخ السافلة والعالية الىٰ عالم الآخرة، منها الىٰ عالم الأسماء والصفات: من التي كانت اقلّ حيطة الى اكثر حيطة، الى الالهيّة المطلقة، الى احديّة عين الجمع، المستهلك فيها كلُّ التجليات الخلقيّة والاسمائية والصفاتيّة، الفانية فيها التعينات العلميّة والعينيّة۔ شرح دعائے سحر، ص۱۴۔

۳۔ دار الآخرة ۔ التي ۔ اوّل منزلها العالم البرزخي المضاهي للعالم المثالي، وبازاء ه في قوس الصعود، كما هو مقابله في قوس النزول.... تعلیقۃ علی الفوائد الرضویۃ، ص۱۴۰۔

عالم برزخ قیامت کا ایک نمونہ ہے

ہر شخص کا عالم برزخ اس کے عالم قیامت کا ایک نمونہ ہے...اور جنت و جہنم کا ایک دریچہ اس کی طرف کھلتا ہے اور معروف حدیث نبویؐ: ﴿اَلْقَبْرُ اِمّا رَوْضَةٌ مِنْ رِیاضِ الجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرانِ﴾[۱] میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔[۲]

مشاہدہ برزخ کا مانع حجاب

ابھی تو آنکھیں بند ہیں، حجاب اور پردہ ہے، جب یہ حجاب اٹھا دیا جائے گا تو جو اہل جہنم ہے وہ دیکھ لے گا کہ وہ جہنم میں ہے۔ جب پردہ اٹھ جائے گا تو جو اہل جنت ہے وہ (اپنے آپ کو) جنت میں دیکھے گا۔ برزخ بھی اس کے لئے جنت ہے (جبکہ) دوسروں کے لئے (یہی) برزخ جہنم ہے۔[۳]

عالم برزخ کے (مختلف) مراتب ہونا

عالم برزخ (بھی) اصل ہستی (وجود) کی طرح شدت وضعف کا حامل ہے۔ چنانچہ، برزخ میں جو جنت وجہنم ہے اس کے مختلف مراتب ہوں گے۔[۴]

۱۔ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

بحار الانوار، ج۶ ص ۲۱۸ کتاب العدل والمعاد، باب ۸ حدیث ۱۳۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۴۶۱، ۴۶۰۔

۳۔ صحیفۂ امام، ج ۱۸ ص ۵۰۲۔

۴۔ تقریرات اسفار۔

برزخی زندگی

عالم قبر، بجائے خود ابتدائے زندگی ہے، روحانی وقبری زندگی (یعنی) روحانی اور برزخی، معنوی زندگی، برزخ سے بالاتر روحانی زندگی ہے۔[۱]

مدت برزخ کا طولانی ہونا

مدت برزخ کے طول کے بارے میں سوائے خداوند متعال کے اور کوئی کچھ نہیں جانتا۔ شاید یہ مدت کئی ملین سال طولانی ہو۔[۲]

برزخ کی مدت کے قلیل اور زیادہ ہونے کا معیار

فرض کریں انسان کسی بھی گناہ میں مبتلا نہ ہوا ہو اگر چہ یہ فرض بعید ہے، بلکہ محال عادی ہے، پھر بھی دنیا سے تعلق اور اس سے محبت مشکلات کا سبب بنتی ہے۔ قبر اور برزخ میں طولانی مدت تک رہنے اور کم مدت تک قیام کرنے کا دارومدار انہی دنیوی تعلقات پر ہوتا ہے کہ یہ تعلقات جتنے کم ہوں گے انسان کی قبر اور عالم برزخ روشن تر اور گشادہ تر ہوں گے اور انسان کو اس میں کم قیام کرنا پڑے گا۔ اسی لئے بعض روایات کے مطابق، اولیائے خدا، تین دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتے اور یہ تین دن بھی اسی فطری وجبلی دنیوی تعلق کی بنا پر ہوتے ہیں۔[۳]

طبیعی وجود کے برزخی وعقلانی وجود پر محیط ہونے کا گمان

بعض فلاسفہ[۴] کا گمان ہے کہ ادراکات ثلاثۂ انسانیہ (صور محسوسہ، صور متخیلہ اور صور معقولہ)

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۳ ص ۳۲۰۔ ۲۔ آداب الصلاۃ، ص ۳۶۔ ۳۔ چہل حدیث، ص ۱۲۴۔

۴۔ شرح الاشارات والتنبیہات، ج ۳ ص ۳۲۵، تنبیہ فی مراتب انواع الادراک؛ شرح خواجہ در ذیل تنبیہ، مصدر مذکورہ، ص ۳۲۵، سطر ۱۔۷۔

کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً اگر کسی طبیعی موجود کے ہاتھ پاؤں اور شاخوں و پتوں کو تھوڑا سا تراشیں تو اس سے برزخی و مثالی وجود حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری الفاظ میں ان کا خیال ہے کہ انسانی وجود، ایک ایسا وجود ہے کہ جس کے اندر ایک مغز ہے اور اس کے اوپر ایک غلاف اور چھلکا ہے اور اس چھلکے وغلاف کے اوپر ایک اور غلاف ہے اور یہ مل کر انسان کے 'طبیعی وجود' کو تشکیل دیتے ہیں۔ جب خداوند کے عمال کہ جو قوای عزرائیلیہ اور موکل ملائکۃ اللہ ہیں۔ پہلے قشر (غلاف) کو اتارتے ہیں تو یہ مغز اپنے دوسرے غلاف و چھلکے یعنی 'برزخی وجود' کے ساتھ (باقی رہ جاتا) ہے اور جب اس دوسرے غلاف کو اتارتے ہیں تو 'عقلانی وجود' پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جب تک یہ چھلکا اور اس کا مغز (کہ جو اصلی مغز اور لب اللباب ہے) ایک ساتھ ہوتے ہیں وجود طبیعی ہوتا ہے اور اگر محض مغز اور لبّ اللباب باقی رہ جائے تو وہ برزخی وجود ہے اور اگر لباب کو (مزید) خالص کر دیا جائے اور فقط لبّ اللباب بچ جائے تو وہ عقلی وجود ہوگا۔

نچلے مرتبہ کے کمالات پر بلند کا محیط ہونا

آخوند (ملا صدراؒ) فرماتے ہیں: یہ بات اس طرح نہیں کہ اگر طبیعی وجود کی بعض خصوصیات اور شاخیں اور پتے وغیرہ اتار دیے جائیں۔ مثلاً سر اور پاؤں کم کر دیے جائیں اور پتے و شاخیں تراش دی جائیں تو برزخی وجود حاصل ہو جاتا ہے، بلکہ بلند ترین مرتبہ، نچلے مرتبہ کی (بغیر کسی چیز کو فروگزار کیے) تمام حیثیات کا حامل ہوتا ہے۔ یعنی احساسی قوئی یا کوئی بھی سنخ ہو، مرتبہ بالا میں بطور اکمل و اعلیٰ، اس کا کمال اور وجود، موجود ہے۔

پس جو بھی عالم مشہود اور طبیعت میں ہے وہی اکمل و اتم صورت میں مرتبۂ برزخیہ میں بھی (موجود) ہے۔ اسی طرح اس سے اوپر والا مرتبہ عقلی کہ جو مرتبہ برزخی سے بلند ہے، اپنے سے نچلے مرتبہ کی تمام حیثیات کمالیہ کا حامل ہے۔

مرتبۂ برزخیہ، مرتبۂ طبیعہ کی تمام قوئی، حیثیات اور کمالات کا حامل ہے اور اس کے ساتھ

ساتھ وہ کچھ اور اضافات کو بھی اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح مرحبۂ عقلانی، مرحبۂ برزخیہ کی تمام حیثیات وکمالات وجودیہ کا حامل ہے اور ساتھ ہی دوسرے بعض اضافی کمالات بھی سمیٹے ہوئے ہے۔

انسان کا ایک ساتھ مختلف نشآت میں ہونا

ہمارا نظریہ، یہ ہے کہ انسان اب جبکہ عالم طبیعت میں ہے عالم برزخ میں بھی ہے۔ نہ یہ کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب اس کی شاخیں اور پتے تراش دیئے جائیں گے اور اس کے وجود طبیعی کی خصوصیات ختم کردی جائیں گی تب وہ برزخی وجود کہلائے گا۔ بلکہ اب بھی جس طرح وہ عالم طبیعت سے بہرہ مند ہے اسی طرح عالم برزخ سے بھی بہرہ مند ہو رہا ہے۔

ہم جس طرح اب عالم طبیعت اور عالم شہادت میں ہیں۔ (اسی طرح) عالم برزخ میں بھی ہیں۔ البتہ ہم میں سے اکثر لوگ عقلانی مرتبہ تک نہیں پہنچ پاتے، لیکن جو پہنچ جاتے ہیں وہ ابھی سے اس مرتبۂ (عقلانی) کے حامل ہیں، یہ مرتبہ دوسرے تمام مراتب وجود کے ساتھ انکے اندر موجود ہے اور یہ اشخاص اس وقت بھی عالم عقل میں ہیں۔

پس ہم اب دو نشآت میں ہیں: نشۂ طبیعی اور نشۂ برزخی اور بعض تین نشآت کے حامل ہیں: نشۂ طبیعی، نشۂ برزخی اور نشۂ عقلی۔

برزخ اور برزخیوں کے ادراک نہ کرنے کا سبب

البتہ، فی الحال ایک طرف سے عالم طبیعت کے احکام غلبہ رکھتے ہیں اور دوسری طرف ہم دنیوی امور میں اس قدر ڈوب چکے ہیں کہ اپنے آپ کو عالم طبیعت کے لذائذ اور آرزوں کا بندہ وغلام بنا کر عالم برزخ سے غافل ہو چکے ہیں۔ (لہذا) ہمیں اہل برزخ سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی (چونکہ ہم نے اپنے اوپر (برزخ کا) دروازہ بند کرلیا ہے) لیکن (اس کے

باوجود) اب بھی ہم برزخ میں ہیں۔ اور جس قدر برزخی قویٰ سے بہرہ مند ہیں، اسی قدر برزخی بھی ہیں۔ اگر ہم اپنے نفس کو ریاضت میں ڈالیں اور اپنے صفحۂ دل کو عالم طبیعت میں ڈوب جانے سے روکیں تو اہل برزخ کا مشاہدہ کر سکیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس وقت ہم مکمل طور پر برزخی ہیں، نہیں، ہم ابھی فقط آدھے برزخی ہیں کیونکہ ابھی ہم طبیعی ہیں، لیکن موت کے ساتھ کہ جو نفس کے استقلال اور عالم طبیعت کے خاتمے کا نام ہے، ہم مکمل برزخی ہو جائیں گے۔

مختلف نشآت میں انسان کے حاضر ہونے کی کیفیت

البتہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ اس وقت ہم عالم طبیعت میں ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ طبیعت ایک ظرف یا جگہ ہے جس میں ہم کو لا کر بیٹھا دیا گیا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے وجود کا ایک مرتبہ، ایک ایسا وجود ہے کہ جو خود 'طبیعت' ہے کہ جس کا نشئہ، نشئہ طبیعت ہے اور ہمارے وجود کا دوسرا مرتبہ 'برزخ' ہے۔ وجود انسان کا برزخی نشئہ، قوۂ لامسہ سے شروع ہوتا ہے۔ انسانی برزخ کی ابتداء قوای لامسہ، سامعہ اور باصرہ سے ہوتی ہے۔ قوۂ خیال وسطی برزخ ہے اور قوہ وہمہ، ہمارے عالم برزخ کا آخری مرحلہ ہے۔

بہر حال اس وقت ہمارا ایک مرتبہ، نشئہ طبیعت ہے، ایک مرتبہ نشئہ برزخ ہے اور ہر قسم کا وجود کمال کہ جو نچلے مرتبہ میں ہے (وہی) اوپر والے مرتبہ میں بھی ہے اور اوپر والا مرتبہ، نچلے مراتب کا جامع اور حامل ہے، کیونکہ جس قدر شخص مرتبہ و نشئہ افق تجرد کی جانب بڑھتا ہے اسی قدر اس کی جامعیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

نشئہ برزخ اور طبیعت میں اختلاف

البتہ ایک دوسری نظر سے (دیکھا جائے تو) ہمیں یہ کہنا چاہیئے کہ اوپر والا مرتبہ، نچلے مرتبہ کی بعض خصوصیات کا حامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر نچلے مرتبہ کے نقص و ضعف اور حدّ کی طرف دیکھیں تو

محال ہے کہ اوپر والا مرتبہ، ان چیزوں کو شامل ہو۔ مثلاً مرتبۂ برزخیہ، مرتبہ طبیعت کی حدود اور نواقص سے خالی ہوتا ہے چونکہ برزخ کی برزخیت، ان حدود و نواقص کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ وجود طبیعی کی کیفیت اور وجود برزخی کی کیفیت میں فرق ہے اور دو نشآت کا اختلاف، ذاتی ہے۔[۱،۲]

برزخ میں باطنی ملکات کا ظاہر ہونا

جب نشئہ ملک، عالم قبر کے ملکوت اور برزخ میں بدل جاتا ہے تو ظاہر کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے اور صفحۂ باطن ظاہر ہو جاتا ہے اور نفس کا (عالم) غیب، عالم شہود میں تبدیل ہو جاتا ہے اور باطنی ملکات، محسوس اور ظاہر ہو جاتے ہیں اور متناسب صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں، انسان اپنے آپ کو انواع و اقسام کی بلیات اور موذیات (ایذا پہنچانے والی چیزوں میں گھرا) دیکھتا ہے اور مختلف قسم کی تاریکیاں، ظلمتیں اور وحشتیں اسے گھیر لیتی ہیں۔[۳]

قبر کا فشار اور عذاب

اگر خدانخواستہ تم نے اپنی برزخ کی اصلاح نہ کی تو خدا جانتا ہے کہ تمہاری کیا صورت ہوگی اور کیسی حالت ہوگی۔ کیونکہ دنیا والوں کے حواس، اس کے دیکھنے، سننے اور سونگھنے سے قاصر ہیں۔ تم نے فشار قبر (اور اس کی) وحشت اور تاریکی کے بارے میں جو سن رکھا ہے اسے اس دنیا کی وحشت و تاریکی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اگر کیا جائے تو وہ قیاس باطل ہوگا۔ اے پروردگار! ہم نے اپنے ہاتھوں سے جو کچھ کر رکھا ہے، اس کے بارے میں ہماری فریاد کو سن اور ہماری فریاد رسی فرما۔

۱۔ مکمل بحث کیلئے اسی کتاب کی فصل 'موت' ص ۱۳۸؟ اور ۱۳۹؟ کے عنوان 'انسان کا عالم طبیعت سے تدریجی خروج اور اس کا عالم برزخ میں وارد ہونا' کی طرف رجوع کیجئے۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

۳۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۱۱۴۔

عذاب قبر جو عذاب آخرت کا نمونہ ہے، جس سے بچنے کیلئے بعض روایات کے مطابق، ہمیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی نصیب نہیں ہوگی ۔ا خدا جانتا ہے کہ وہ کیسا عذاب ہے؟۲

دنیوی امور کے ساتھ قبر کا عذاب

میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اس کے عذاب، فشار قبر اور برزخ کی زحمت وعذاب سے کہ جس کی اس دنیا میں کوئی شبیہ نہیں اور اس دروازہ سے کہ جو جہنم سے، قبر کی طرف کھولا جائے گا، اگر وہ دروازہ اس دنیا میں کھول دیا جائے تو تمام موجودات ہلاک ہو جائیں ۔۳

بداخلاقی اور فشار قبر

اخلاقی برائیوں میں سے ایک، اہل خانہ اور ہمسایوں یا اپنے ہم پیشہ اور (ساتھ رہنے

ا۔﴿قُلْتُ لأبي عبداللهُ: انّي سَمِعْتُكَ وَأنتَ تَقُولُ: كُلُّ شِيعَتِنا في الجَنَّةِ عَلىٰ ما كانَ فِيهِم. قالَ: صَدَقْتُكَ كُلُّهُم وَاللّٰه في الجَنَّة. قالَ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِداكَ، انَّ الذُّنُوبَ كَثِيرَةٌ كِبارٌ. فَقالَ: أمّا في القِيامَةِ فَكُلُّكُم في الجَنَّةِ بِشَفاعَةِ النَّبي المُطاع، أوْ وَصيّ النَّبي؛ وَلٰكِنّي وَاللهِ أتَخوَّفُ عَلَيْكُم في البَرْزَخ. قُلْتُ: وَما البَرْزَخُ؟ قالَ: القَبْرُ مُنْذُ حِينَ مَوتِهِ الىٰ يَومِ القِيامَةِ﴾۔

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی: میں نے سنا ہے کہ آپؑ نے فرمایا ہے: ہمارے تمام شیعہ اپنی برائیوں کے باوجود جنت میں جائیں گے؟ آپؑ نے فرمایا: میں نے تم سے سچ کہا ہے، خدا کی قسم سارے شیعہ جنت میں جائیں گے۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، گناہ بہت ہیں اور بڑے گناہ بھی ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: جہاں تک قیامت کا مسئلہ ہے تو نبی اکرمؐ اور انکے وصیؑ کی شفاعت کی بنا پر تم سب جنت میں جاؤ گے۔ لیکن بخدا میں تمہارے بارے میں برزخ سے ڈرتا ہوں۔ میں نے عرض کی: برزخ کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: موت سے لے کر قیامت تک کی قبر کا زمانہ۔

فروع کافی، ج ۳ ص ۲۴۲ کتاب الجنائز، باب ما ینطق بہ موضع القبر، حدیث ۳۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۶۵۔ ۳۔ چہل حدیث، ص ۴۸۱۔

والے) اہل بازار اور اہل محلہ سے بداخلاقی کے ساتھ پیش آنا ہے کہ جو انسان کی ہلاکت کے اسباب میں سے ہے اور فشار قبر کا موجب بنتی ہے اور انسان کو دونوں جہانوں میں عذاب دیتی ہے۔ اور یہ (بدخلقی) غضب و شہوت سے پیدا ہوتی ہے۔[1]

سینہ کی گشادگی وتنگی کے نتیجے میں قبر کا فشار

علمائے آخرت کے بقول حسد کے مفاسد میں سے (ایک) فشار قبر اور اس کی تاریکی ہے۔

کیونکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس فاسد ورردی اخلاق کی برزخی اور قبری صورت، روحانی فشار اور قلبی کدورت کا سبب بنتی ہے۔ جس کا نتیجہ فشار اور تاریکی قبر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ قبر کی وسعت اور تنگی سینہ کی گشادگی اور تنگی پر موقوف ہوا کرتی ہے۔

حسد کی وجہ سے دل کے اندر جو تنگی، تاریکی، کدورت اور فشار ہوا کرتا ہے وہ (دیگر اخلاقی) برائیوں میں کم ہوتا ہے۔ بہرحال حاسد دنیا میں بھی عذاب جھیلتا ہے اور قبر میں بھی فشار و تاریکی میں گھرا رہتا ہے اور آخرت میں بھی بے کس اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔[2]

نیک اعمال کا قبر میں مجسم ہونا

کافی شریف میں حضرت امام صادقؑ کی سند کے ساتھ منقول ہے:

جب مؤمن اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز اس کی داہنی طرف، زکات بائیں طرف اور نیکیاں اس کے سر پر سایہ فگن ہوتی ہیں اور صبر کنارے رہتا ہے۔ جب منکر ونکیر سوال کیلئے آتے ہیں تو صبر، نماز، زکات اور نیکیوں سے کہتا ہے: اپنے رفیق کا ساتھ دو۔ اگر تم اس سے عاجز آگئے تو

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۵۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔

میں اس کی مدد کروں گا۔ ۱، ۲

۱۔ قال: ﴿اذا دَخَلَ المُؤمِنُ [في]قَبرِهِ، کانَتِ الصَّلاةُ عَن یَمینِهِ وَالزَّکاةُ عَن یَسارِهِ وَالبِرُّ مُطِلّ عَلَیهِ وَیَتَنَحیَ الصَّبرُ ناحِیَةً، فَاذا دَخَلَ عَلَیهِ المَلَکانِ اللَّذانِ یَلیانِ مُساءَلَتَهُ، قالَ الصَّبرُ لِلصَّلاةِ وَالزَّکاةِ وَالبِرِّ: دُونَکُم صاحِبَکُم، فَانْ عَجَزتُم عَنه فَأنا دُونَه﴾۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۲۶۴، ۲۶۵۔

آٹھویں فصل:

دنیا اور آخرت

دنیا اور آخرت کا معنیٰ[1]

دنیا کا اطلاق کبھی وجود کے پست درجہ پر کیا جاتا ہے کہ جو فنا اور عالم تغیر و مجاز کا مقام ہے اور آخرت کا اطلاق اس دنیا سے اپنے باطن اور ملکوت کہ جو ثبوت، ہمیشگی اور قرار کا مقام ہے کی طرف واپسی پر کیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں حالتیں ہر نفس اور ہر شخص کیلئے ثابت ہیں۔

ہر موجود کیلئے ایک مقام ظہور و ملک و شہود ہوتا ہے جو کہ دنیا کا نازلہ و پست مرتبہ ہے اور ایک مقام بطون و ملکوت ہے جو کہ آخرت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔[1]

آخرت سے مراد

'آخرت' سے مراد دائرۃ الوجود کا انتہائی درجہ اور انتہائے رجوع ہے اور بغیر کسی قید و شرط کے آخرت کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتا ہے۔ بنابرایں دنیا دائرۂ ظہور ہے اور اس میں غیر حق سے زہد، خلوص قلب کو مستلزم ہے۔[2]

دنیا

دنیا، مراتب وجود کا پست ترین مرتبہ ہے

وجود سراپا خیر و روشنی اور نور و درخشندگی ہے۔ وجود جتنا زیادہ قوی ہوگا، اتنی ہی اس کی

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۲۰۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۳۲۷۔

درخشندگی زیادہ ہوگی۔ لہٰذا ہیولیٰ، (مرتبۂ وجود) کی پستی اور اس کے بالفعل نہ ہونے کی وجہ سے، وحشت و تاریکی کا گھر اور شر کا مرکز اور پستی کا سرچشمہ ہے اور پلیدی و کثافت کی چکی کا پاٹ اس کے گرد گھومتا ہے۔ پس ہیولیٰ، کمزور وجود اور اپنے ضعیف نور کے سبب اس بدشکل عورت کی طرح ہے جسے اپنی بدصورتی کے ظاہر ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ شیخ محی الدین کا کہنا ہے: 'چونکہ دنیا وجود کے آخری مرتبے اور پستی و تنزل کی انتہا پر واقع ہے اس لیے اسے 'اسفل السافلین' کہا گیا ہے۔ اگرچہ دنیا، اہل دنیا کی نگاہ میں انتہائی زیبا اور خوش آیند ہے، کیونکہ 'ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے'۔[1]

۱۔ الوجود كله حسن وبهاء ونور وضياء. وكلما كان الوجود اقوى كان البهاء اتمّ وابهى. فالهيولى لخسة وجودها ونقصان فعليتها دار الوحشة والظلمة، ومركز الشرور ومنبع الدنائة، ويدور عليها رحى الذميمة والكدورة[☆۱] فهي لنقصان وجودها وضعف نوريتها، كالمرأة الذميمة المشفقة من استعلان قبحها، كما قال الشيخ:[☆۲] 'والدنيا لوقوعها في نعال الوجود واخيرة تنزلاته يدعى باسفل السافلين'. وان كانت بنظر اهلها بهيّة لذيذة. لانّ ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾[☆۳]۔ شرح دعائے سحر، ص۱۹، ۲۰۔

☆۱۔ ومع ذلك فهي منبت الشّجرة الانسانيّة ومزرعة بذور الحقائق الوجوديّة ومحل بروز الانوار الظاهرة: ولولاها لما تدرج موجود في الكمال ولما حصل لأحد الفناء في الحق ذي الجلال. فهي مع كمال خسّتها اصل تمام الحقائق ومفتاح ابواب الرحمة. 'منه عفي عنه'.

ترجمہ:

اس سب کے باوجود یہ دنیا، شجر انسانیت کے رشد و نمو کا مقام، حقائق وجودیہ کے بیج بونے کی کھیتی اور پاکیزہ انوار کے ظہور کی جگہ ہے۔ اگر دنیا نہ ہوتی تو کوئی بھی شئے کمال کے درجات طے نہ کر سکتی اور حق ذوالجلال میں فنا ہونا کسی کو میسّر نہ ہوتا۔ اس لیے دنیا اپنی انتہائی پستی کے باوجود تمام حقائق کی اصل اور ابواب رحمت کی کلید ہے۔ (از: امام خمینیؒ)۔

☆۲۔ محمد بن علی بن محمد عربی (۵۶۰۔۶۳۴ ھ)، ساتویں صدی ہجری کے عظیم عارف ہیں جو 'ابن عربی' اور 'شیخ اکبر' کے لقب سے معروف ہیں۔ تقریباً دو سو کتابیں ان سے منسوب ہیں۔ جن میں اہم ترین کتابیں: الفتوحات المکیہ، فصوص الحکم، التجلیات الالٰہیہ، انشاء الدوائر، تفسیر قرآن ہیں۔ ان کی کتاب 'فصوص' عرفان کی بنیادی اور درسی کتابوں میں سے ہے۔ حضرت امام خمینیؒ کے بھی فصوص پر نفیس حواشی ہیں۔

☆۳۔ سورۂ مؤمنون، آیت ۵۳۔

دنیا کمال وجود کا واحد راستہ ہے

دنیا کا یہ پست اور نازل ترین مرتبہ اگر چہ بذات خود ناقص اور وجود کا آخری مرتبہ ہے، لیکن نفوس قدسیہ کی تربیت کا گھوارہ، مقامات عالیہ کی تحصیل کا مقام اور آخرت کی کھیتی ہونے کی وجہ سے اولیائے کرام اور اہل سلوک آخرت کی نظر میں مشاہد وجودیہ میں سب سے احسن اور عزیز ترین نشئہ اور غنیمت ترین عوالم میں سے ہے۔ اگر یہ مادی دنیا اپنے تغیرات اور طبعی حرکات جوہری اور ارادی کے ساتھ موجود نہ ہوتی اور خداوند عالم اس پر قانون تغیر وتبدل کو مسلط نہ کرتا تو اس کائنات رنگ وبو کے اندر کسی بھی نفس ناطقہ کو اپنے کمال تک پہنچنا نصیب نہ ہوتا اور نہ کوئی اپنے دار ثبات وقرار میں اپنی جگہ تک پہنچ پاتا، بلکہ اس ملک (دنیا) اور ملکوت میں بطور کلی بگاڑ پیدا ہو جاتا۔[۱]

مقام انسانیت پر فائز ہونا

سلسلۂ وجود خواہ وہ عنصریات وفلکیات ہوں یا اشباح وارواح، غیب وشہود ہو یا نزول وصعود، سب کے سب الٰہی کتابیں اور گرانقدر ربوبی صحیفے ہیں اور آسمان احدیت سے نازل شدہ زبوریں ہیں۔ اور (اس) طولی وعرضی سلسلے مراتب ودرجات میں سے ہر ایک، ایک ایسی آیت ہے کہ جو اہل یقین کے دلوں پر پڑھی جاتی ہیں کہ جو دل عالم ہیولیٰ کی کثافت اور غبار سے پاک اور خواب غفلت سے بیدار ہیں اور جن کی تلاوت عالم طبیعت کی قبر سے اٹھنے والے اور مادہ ظلمانی کے قید خانے سے آزاد ہونے والے افراد پر کی جاتی ہے، وہ لوگ کہ جنہوں نے اس پست دنیا اور اس کی زینتوں کو اپنا مقصد نہیں بنایا اور زمین پر ہمیشہ رہنے کے خواہشمند نہیں ہیں اور دنیا میں ان کا آنا فقط کاشت کیلئے ہے۔ پیداوار حاصل کرنے کیلئے نہیں کیونکہ 'دنیا آخرت کی کھیتی ہے' اور دنیا میں ان کا وارد ہونا اس انعطافی حرکت کیلئے ہے کہ جس کے ذریعے 'انسان'، 'انسان بنتا ہے۔ اور اسی دنیا

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

سے ہی ہم اپنے باپ آدمؑ کے اصلی مقام وٹھکانے کی طرف واپس پلٹیں گے۔ مولانا رومؒ نے اپنے شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

بشنواز نی چون حکایت می کند
از جدایی ہاشکایت می کند

یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں:

ہر کسی کو باز ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

(جو بھی اپنی اصل (مبدأ) سے دور ہو گیا ہے وہ دوبارہ اس سے وصال حاصل کرنا چاہتا ہے)۔ یہاں وہ حرکت استقامی (مراد نہیں) جو ہمارے باپ آدمؑ چاہتے تھے۔

چنانچہ ہمارے استاد معظم شیخ عارف 'شاہ آبادی' دام ظلہ فرماتے ہیں: اس قسم کے افراد ان مسافروں کی طرح ہیں کہ جو سفر اور زادراہ بہم پہنچانے کا قصد رکھتے ہیں اور دنیا پر ان کی نظر فقط اس لیے ہے کہ دنیا اس چیز کا نمونہ ہے جو عالم غیب میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: 'میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس سے پہلے، اس کے بعد اور اس کے ہمراہ خداوند تعالیٰ کو دیکھا'۔

پس اس مقام تک پہنچنے والا ہر سالک ہر چیز کو عالم غیب میں موجود اشیاء کی نشانی و آیت کے طور پر دیکھتا ہے۔ کیونکہ ہر موجود حتیٰ جمادات و نباتات بھی ایک الٰہی کو اپنی وجودی ظرفیت کے مطابق پڑھتا ہے۔ ہر چیز میں خداوند کی نشانی ہے کہ جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ بلکہ جب سالک غیب ہویت اور حضرت جمع احدی میں فنا ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی اسماو صفات کے تمام مراتب کا ایک جامع وجود اور مستقل عالم ہو جاتا ہے کہ جس میں ہر چیز ہے۔ حضرت امام رضاؑ سے منقول ایک روایت میں آیا ہے کہ: 'اہل عقل جانتے ہیں کہ جو کچھ عالم غیب میں ہے اس کی معرفت، جو کچھ اس دنیا میں ہے اس کے سوا اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی'[1]!

---

[1] ان سلسلة الوجود من عنصرياتها وفلكياتها واشباحها وارواحها وغيبها وشهودها ونزولها وصعودها كتب الهية، وصحف مكرّمة ربوبيّة، وزبر نازلة من سماء الأحدية. وكل مرتبة <--

<-- من مراتبها ودرجة من درجاتها، من السّلسلتين الطولية والعرضية ايات مقروة على آذان قلوب الموقنين الذين خلصت قلوبهم من كدورة عالم الهيولى وغبارها، وانتبهوا من نومتها؛ متلوّة على الذين انبعثوا من قبر عالم الطبع وتخلّصوا من سجن المادة الظلمانية وقيودها؛ ولم يجعلوا غاية همّهم الدنيا الدّنية وزخرفها وزبرجها؛ ولم يخلدوا الى الأرض قاطنين فيها؛ وكان دخولهم فيها للزرع لا للحصاد. فان الدنيا مزرعة الآخرة. وورودهم فيها لاجل الحركة الانعطافيّة التي بها يصير الانسان انساناً، ومنها الرجوع الى الوطن الاصليّ مقرّ أبينا آدم علیہ السلام؛ واليه الاشارة في كلام المولوي:

بشنو از نی چون حکایت می کند　　　　از جدائیہا شکایت می کند

الیٰ ان قال:

ہر کسی کو باز ماند از اصل خویش　　　　باز جوید روزگار وصل خویش [☆۱]

الى آخر ما قال؛ دون الحركة الاستقاميّة التي كان ابونا آدم علیہ السلام، يريدها على ما افاد شيخنا العارف، دام ظلّه. وهم في الدنيا كالراحل المريد للتجهيز ولمتهيّء للمسافرة. ولم يكن نظرهم اليها الا بما انّها مثال لما في عالم الغيب؛ كما قال الصادق علیہ السلام، على ما روي:

﴿ما رَأيتُ شَيئاً الّا وَرَأيتُ اللّٰهَ قَبلَهُ وَبَعدَهُ وَمَعَه﴾[☆۲]

فالسالك البالغ هذا المقام يرى كل شيء آية لما في الغيب. فانّ كل موجود حتّى الجماد والنّبات كتاب الهي، يقرء السالك الى اللّه والمجاهد في سبيله منه الأسماء والصفات الالهيّة بمقدار الوعاء الوجوديّ له:

وفي كلّ شيء له آية　　　　تدلّ علىٰ انه واحد [☆۳]

بل عند استهلاكه في غيب الهوية وحضرة الجمع الاحديّة يكون كوناً جامعاً لجميع مراتب الأسماء والصفات، وعالماً مستقلاً فيه كلّ الأشياء. وفي الآثار عن الرّضا علیہ السلام:

﴿قَد عَلِمَ أولُوا الألبابِ كُلَّ ما هُناكَ لا يَعلَمُ الّا بِما هيهُنا﴾[☆٤].

شرح دعائے سحر، ص ۱۴۵، ۱۴۶۔

☆۱۔ مثنوی مولوی، دفتر اول، ص ۳۔

☆۲۔ علم الیقین، ج ۱ ص ۴۹ المقصد الاول، الباب الثالث، الفصل الاول؛ اسفار اربعہ، ج ۱ ص ۱۱۷ السفر الاول المرحلۃ الاولیٰ، المنہج الثانی، الفصل الثالث۔

☆۳۔ دیوان ابو العتاہیہ، ص ۱۰۴۔

☆۴۔ توحید، شیخ صدوق، ص ۴۳۸، باب ذکر مجلس الرضاؑ، حدیث ۱۔

دنیا، اختیاری سیر وسلوک کا مقام ہے

اس مرتبہ میں سالک کیلئے سیر وسلوک کے آداب میں سے ایک یہ ادب ہے کہ وہ اپنے دل کو سمجھائے کہ اس کا عالم غیب سے زمین پر آنے، فرش خاکی سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ مقام کو چھوڑ کر یہاں آنے اور احسن تقویم سے اسفل السافلین کی طرف واپسی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار کے ساتھ سلوک الی اللہ کی راہ تلاش کرے، معراج قرب کی بلندیوں تک پہنچے اور ساحت الٰہی اور محضر ربوبیت کو پالے جو تخلیق کا مقصد اور اہل اللہ کی آخری منزل ہے: ﴿رَحِمَ اللّٰه امرءً عَلِمَ مِنْ أينَ وَفي أينَ وَالىٰ أينَ﴾ ۱

سالک کو جاننا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دار عزت وکرامت سے آیا ہے۔ اللہ کے دار عبادت میں رہ رہا ہے اور اسے اللہ کے دار جزاء میں جانا ہے۔ عارف کہتا ہے۔ ﴿من اللّٰه وفي اللّٰه والىٰ اللّٰه﴾۔ پس سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو سمجھائے اور اپنی روح کو یہ ذائقہ چکھائے کہ یہ مادی گھر (دنیا)، عبادت الٰہی کی مسجد ہے اور وہ اسی مقصد کیلئے یہاں آیا ہے۔ جیسا کہ خداوند عزّ وجلّ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالانسَ الّا لِيَعبُدُون﴾ ۲، ۳

مذموم دنیا

محقق خبیر، محدث بے نظیر جناب علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: جان لو کہ آیات واحادیث سے مجموعی طور پر اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ ایسے امور پر مبنی ہے جو انسان کو خدا کی دوستی، اس کی اطاعت اور حصول آخرت سے روکتے ہوں۔ پس دنیا وآخرت ایک

۱۔ خدا رحمت کرے اس شخص پر کہ جو جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ مفاتیح الغیب، ص ۵۰۔

۲۔ میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں۔ سورۂ ذاریات، آیت/۵۶۔

۳۔ آداب نماز، ص ۱۰۱، ۱۰۲۔

دوسرے کے مقابل ہیں جو بھی چیز خدا کی خوشنودی اور اس کے تقرب کا سبب ہو وہ آخرت ہے چاہے ظاہراً وہ دنیا ہی سے ہو جیسے، تجارت، زراعت اور صنعت کے کام کہ جن کا مقصد اطاعت خدا کیلئے اہل وعیال کی معیشت کا انتظام کرنا، نیک کاموں میں خرچ کرنا، غریب ومحتاج کی مدد کرنا، صدقہ دینا، لوگوں کی حاجات کو پورا کرنا وغیرہ ہو۔ تو یہ سب آخرت ہے چاہے لوگ اسے دنیا داری ہی سمجھتے ہوں اور بدعتی ریاضتیں، ریاکاری کے اعمال چاہے اس میں ظاہری زہد اور انواع واقسام کی مشقت ہی (کیوں نہ ہو) پھر بھی یہ دنیا ہے۔ کیونکہ یہ کام خدا سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ ان سے قربت خدا حاصل نہیں ہوتی۔ یہ کفار اور مخالفین کے اعمال کی طرح ہیں ۱۔ انتہی

علامہ مجلسیؒ ایک محقق کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تمہاری دنیا وآخرت تمہارے دل کی دو حالتوں سے عبارت ہے: ایک جو تم سے نزدیک ہے اور مرنے سے پہلے ہے اس کا نام دنیا ہے۔ دوسری جو اس کے بعد آئے گا اور مرنے کے بعد ملے گا۔ اس کا نام آخرت ہے۔ پس مرنے سے پہلے جن چیزوں میں سے تم کو لذت وشہوت اور حصہ ملے وہی تمہارے حق میں دنیا ہے۔ ۲،۳

ممدوح اور مذموم دنیا

قرآن وحدیث میں جو دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ حقیقت میں دنیا کی مذمت نہیں ہے بلکہ دنیا پر توجہ دینے، اس سے قلبی لگاؤ رکھنے اور محبت کرنے کی مذمت ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ انسان کیلئے دو قسم کی دنیا ہے ایک ممدوح ہے اور دوسری مذموم۔ ممدوح یہ ہے کہ یہ دنیا تیاری کی جگہ ہے۔ دار التربیت اور دار التحصیل ہے، اچھائیوں کو اپنانے کی جگہ، اعلیٰ مقامات اور کمالات کسب کرنے اور ابدی سعادت حاصل کرنے کا مقام ہے اور تجارت

۱۔ بحار الانوار، ج ۷۰ ص ۳۶ کتاب الایمان والکفر، باب حبّ الدنیا وذمّہا؛ مرآۃ العقول، ج ۸ ص ۲۶۳۔

۲۔ مرآۃ العقول، ج ۱۰ ص ۲۶۴ کتاب الایمان والکفر، باب حبّ الدنیا۔

۳۔ چہل حدیث، ص ۱۲۰۔

کی جگہ ہے۔ جب تک انسان اس دنیا میں نہ آئے ان چیزوں کو حاصل نہیں کرسکتا۔ مولی الموحدین حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام، اپنے ایک خطبہ میں، دنیا کی مذمت کرنے والے ایک شخص سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں:

﴿انَّ الدُّنیا دارُ صِدقٍ لِمَنْ صَدَقَها، وَدارُ عافِیَةٍ لِمَنْ فَهِمَ عَنها؛ وَدارُ غِنیً لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنها؛ وَدارُ مَوعِظَةٍ لِمَنِ اتَّعَظَ بِها؛ مَسجِدُ أحِبّاءِ اللّٰهِ وَمُصَلّي مَلائِكَةِ اللّٰهِ وَمَهبِطُ وَحيِ اللّٰهِ وَمَتجَرُ أولِیاءِ اللّٰهِ. اكتَسَبُوا فِیها الرَّحمَةَ وَرَبِحُوا فِیها الجَنَّةَ ...﴾[۱]

اور خداوند متعال کا فرمان ہے:

﴿وَلَنِعمَ دارُ المُتَّقِین﴾[۲] عیاشی[۳] کی روایت کے مطابق، اس آیت کی تفسیر میں امام محمد باقرؑ نے فرمایا اس 'دار المتقین' سے مراد 'دنیا' ہے۔[۴]

پس عالم ملک (دنیا) کہ جو جمال وجلال کا مظہر ہے اور قدرت مطلقہ کی شہادت کی منزل

۱۔ بے شک دنیا ان لوگوں کیلئے جو اس کی تصدیق کریں، سچائی کا گھر ہے اور جو اس کی باتوں کو سمجھ لے اس کیلئے عافیت کی جگہ ہے اور جو اس سے زادراہ حاصل کرلے اس کیلئے بے نیازی وغنی کی منزل ہے اور جو اس سے وعظ ونصیحت حاصل کرے اس کیلئے وعظ ونصیحت کا مکان ہے۔ دنیا، دوستان خدا کیلئے عبادت کی جگہ اور خدا کے فرشتوں کے نماز پڑھنے کا مقام ہے۔ وحی الٰہی کی منزل اور اولیائے خدا کی تجارت گاہ ہے اور انہی لوگوں نے اس دنیا میں فضل ورحمت کا سودا کیا اور اسی دنیا میں رہتے ہوئے فائدے میں جنت حاصل کی۔

۲۔ پرہیزگاروں کیلئے کیا ہی اچھا ٹھکانہ ہے۔ سورہ نحل، آیت/۳۰۔

۳۔ ابونصر محمد بن مسعود بن محمد بن عیاشی تمیمی، تیسری صدی ہجری کے اواخر میں بزرگ شیعہ علما اور حدیث وتفسیر روائی کی بلند مرتبہ شخصیات میں سے تھے۔ شیخ کشی اور انکے فرزند شیخ جعفر بن محمد عیاشی جیسے عظیم محدثین نے ان سے روایت نقل کی ہے۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ شیخ طوسیؒ نے انکے علمی آثار کو ۲۰۰ سے زیادہ ذکر کیا ہے۔ ان کی کتابوں میں سے چند ایک یہ ہیں:

کتاب التفسیر، کتاب الصلاۃ، کتاب الطب، کتاب معرفۃ الناقلین، کتاب الغیبۃ۔

۴۔ عن ابن مسکان، عن ابی جعفرؑ فی قولہ ﴿ولنعم دار المتقین﴾ قال: الدنیا۔ تفسیر عیاشی، ج ۲ ص ۲۵۸۔

ہے۔ایک اعتبار سے قابل مذمت نہیں ہے۔ہاں! جو چیز مذموم ہے وہ خود انسان کی دنیا ہے جس کی طرف انسان توجہ کرتا ہے اور جس سے محبت رکھتا ہے وہی تمام برائیوں کا سرچشمہ اور علمی و قلبی نافرمانیوں اور خطاؤں کا شاخسانہ ہے۔کافی شریف میں حضرت امام صادقؑ سے منقول ہے:

قَالَ: ﴿رَأسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ حُبُّ الدُّنيَا﴾[۱] اور عن أبی جعفرؑ: ﴿مَا ذِئبَانِ ضَارِيَانِ فِي غَنَمٍ لَيسَ لَهَا رَاعٍ، هٰذَا فِي أوَّلِهَا وَهٰذَا فِي آخِرِهَا، بِأسرَعَ فِيهَا مِن حُبِّ المَالِ وَالشَّرَفِ فِي دِينِ المُؤمِنِ﴾[۲]

پس دنیا سے لگاؤ اور اس سے قلبی محبت مذموم دنیا ہے۔اس دنیا سے جتنی محبت زیادہ ہوگی اسی قدر انسان اور دار کرامت و رحمت کے درمیان پردے زیادہ ہوں گے اور قلب انسان و حق کے درمیان پردے اتنے ہی دبیز ہوتے جائیں گے۔بعض احادیث میں آیا ہے کہ 'خداوند عالم کے نورانی و ظلمانی ستر ہزار پردے ہیں'۔[۳] ممکن ہے کہ ان ظلمانی حجاب سے مراد دنیا سے قلبی لگاؤ ہی ہو اور یہ تعلقات جتنے زیادہ ہوتے جاتے ہیں پردے بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور تعلق جتنا شدید ہوتا ہے، حجاب بھی اس قدر دبیز تر ہوتا جاتا ہے اور پھر اس کا چاک کرنا مزید مشکل ہوجاتا ہے۔[۴]

۱۔ ہر برائی کی جڑ دنیا ہے۔اصول کافی، ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الایمان والکفر، باب حبّ الدنیا والحرص علیہا، حدیث ۱۔

۲۔کسی ایسے ریوڑ پر جس کا کوئی محافظ نہ ہو دو خونخوار بھیڑیے ایک آگے سے اور دوسرا پیچھے سے حملہ آور ہو کر اتنی جلد اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔جتنا مال و شرف کی محبت مؤمن کے دین کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

اصول کافی، ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الایمان والکفر، باب حبّ الدنیا والحرص علیہا، حدیث ۲، ۳۔

۳۔ عن النبیؐ: ﴿انّ للہ تبارک وتعالی سبعین الف حجاب من نور وظلمة﴾۔بحار الانوار، ج ۵۵ ص ۴۵ کتاب السماء والعالم، باب پنجم، ذیل حدیث ۱۳۔

۴۔چہل حدیث، ص ۱۲۰۔

عالم ملک کی تعریف

عالم مُلک (دنیا) قابل مذمت نہیں ہے، بلکہ یہ تو حق تعالیٰ اور اس کے مقام ربوبیت کی مظہر، الٰہی فرشتوں کی جائے نزول اور انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی جائے سجدہ اور تربیت گاہ ہے۔ دنیا صالحین کی عبادت گاہ اور محبوب حقیقی کے عاشقوں کے قلوب پر حق کے جلوہ گر ہونے کا مقام ہے۔ اگر دنیا سے محبت، محبت خدا کی وجہ سے اور خداوند عزّ وجلّ کے جلوۂ کے عنوان سے ہو تو مطلوب اور کمال کا موجب ہے اور اگر حبِّ نفس کی وجہ سے ہو تو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ پس مذموم دنیا خود تمہارے اندر ہے۔ دل کے مالک (یعنی خدا تعالیٰ) کے سوا کسی اور چیز سے لگاؤ تباہی کا باعث ہے۔[۱]

مذموم دنیا اور عالم طبیعت میں فرق

جو کچھ انسان کی نفسانیت، انسان کی شہوات، امیدوں اور آرزوں سے متعلق ہے، وہ دنیا ہے، اس دنیا کی مذمت کی گئی ہے جبکہ عالم طبیعت تو نور ہے۔[۲]

دنیا کی مذمت کی گئی ہے عالم طبیعت کی نہیں

ہر شخص کی دنیا، اس کی امیدیں ہیں، دنیا کی مذمت کی گئی ہے، عالم طبیعت کی مذمت نہیں کی گئی۔ دنیا وہی ہے جو تمہارے پاس ہے۔ جب آپ اپنے نفس کی طرف توجہ کرتے ہیں تو آپ خود دنیا ہیں۔ ہر شخص کی دنیا وہی ہے جو خود اس کے اندر ہے اور اسی کی مذمت کی گئی ہے۔ شمس و قمر اور عالم طبیعت کی تو مذمت نہیں کی گئی۔ ان کی تو تعریف کی گئی ہے۔ یہ تو مظاہر خدا ہیں۔[۳]

۱۔ جلوہ ہائے رحمانی، ص ۳۰۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج ۱۳، ص ۳۴۔

۳۔ تفسیر سورۂ حمد، ص ۱۳۱۔

دنیا اور ماورائے دنیا

دارِ تغییروفنا اور مقام ثبات وبقا

عالم دنیا (سب) عوالم میں سے پست ترین عالم اور فنا، زوال اور تغییر وتحول کا مقام ہے اور ہلاکت ونقصان کا عالم ہے۔موت کے بعد آنے والے عوالم، سب کے سب باقی اور ابدی ہیں۔ (وہی) کمال وثبات اور حیات وخوشی وسرور کا مقام ہیں۔[1]

دنیا کے ماوراء، نور مطلق ہونا

تمام عالم، دنیا ہے اور اس کے دوسری طرف، ماورائے (دنیا) ہے جو سب کا سب نور ہے۔[2]

بهشت کا ماورائے دنیا ہونا

دنیا اور جو کچھ بھی اس میں ہے جہنم ہے کہ جس کا باطن، اس سیر (وحرکت) کے آخر میں ظاہر ہوگا۔ ماورائے دنیا، آخری مراتب تک، بہشت ہی بہشت ہے کہ جس کا ظہور اس سیر (وحرکت) کے اختتام پر عالم طبیعت کی تاریکی سے نکلنے کے بعد ہوگا۔ ہم اور آپ سب یا تو دوزخ کی گہرائی کی طرف حرکت کر رہے ہیں یا بہشت اور ملاء اعلا کی طرف جا رہے ہیں۔[3]

ماورائے دنیا پر رحمت الٰہی کی نظر ہونا

حدیث میں ہے کہ: ﴿انَّ اللّٰہ تَعالیٰ مٰا نَظَرَ الَی الدُّنیٰا﴾ یا ﴿الَی الطَّبِیعَۃِ مُنذَ خَلَقَھٰا نَظَرَ رَحمَۃٍ﴾[4] یہ نہیں کہ یہ رحمت کا جز نہیں۔ لیکن اس عالم کے ماوراء پر نظر ہے، اس

۱۔ چہل حدیث، ص۱۲۲۔ ۲۔ صحیفۂ امام، ج۱۳ص۳۴۔ ۳۔ رہ عشق، ص۳۰۔

۴۔ خداوند نے اس دنیا (یا عالم طبیعت) کی طرف جب سے اس کو خلق فرمایا ہے، نظر رحمت نہیں کی۔ <--

عالم طبیعت کے ماوراء کی طرف نگاہ ہے۔[1]

آخرت

وحدت وکثرت کے ساتھ بساطت کا رابطہ

جان لو کہ وجود جتنا بھی زیادہ بسیط ہوگا اتنا ہی وحدت کے نزدیک اور کثرات کو شامل اور اس کا احاطہ، متضادات پر زیادہ کامل ہوگا۔ جو امور عالم زمان میں بکھرے پڑے ہیں وہ عالم دھر میں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور جو چیز عالم خارج میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ذہن میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ جو امور نشئہ اولیٰ میں مختلف ہیں، نشئہ آخرت میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں۔ اور یہ سب کچھ، ظرف کی وسعت اور اس کے عالم وحدت وبساطت سے نزدیک ہونے کی وجہ سے ہے۔

میں نے ایک عارف سے سنا ہے، انہوں نے فرمایا کہ: 'بہشت کے پانی کے ایک گھونٹ میں وہ تمام لذات پائی جاتی ہیں، جو مختلف اقسام کی موسیقی، مختلف نغموں اور (دیدار سے حاصل ہونے والی) لذات پر مشتمل مبصرات اور دوسرے رنگوں اور شکلوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ حواس میں بھی اسی طرح کی لذات ہیں۔ حتّٰی ہمبستری اور دوسری شہوات (کے سلسلے میں بھی)، (حواس) میں سے ہر ایک جدا جدا اور ایک دوسرے سے متمائز (لذات) حاصل ہیں اور یہ سب، عالم خیال کی حکومت اور اس کی سلطنت کے ظہور کی وجہ سے ہے۔

<-- روایت میں آیا ہے: ﴿فَمَا لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَدْرٌ وَلَا خَلَقَ فِيمَا بَلَغَنَا خَلْقاً أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنْهَا، وَلَا نَظَرَ إِلَيْهَا مُنْذُ خَلَقَهَا﴾۔ خداوند عز وجل کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور خداوند متعال نے جن موجودات کو خلق فرمایا ہے اور جن کی خبر ہم تک پہنچی ہے ان میں سے ایسا کوئی موجود خلق نہیں فرمایا جو دنیا سے زیادہ خداوند کے نزدیک مبغوض تر ہو اور خداوند نے جب سے دنیا کو خلق کیا ہے اس پر نظر نہیں کی۔

بحار الانوار، ج ۷۰ ص ۱۱۰ کتاب الایمان والکفر، باب ۱۲۲ حدیث ۱۰۹۔

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۸ ص ۴۳۴۔

میں نے ایک اہل نظر شخص (خدا ان پر رحمت کرے)، سے سنا ہے کہ: عالم آخرت میں ملکات کے تجسّم اور انکے ظہور کا تقاضا یہ ہے کہ بعض لوگ، مختلف صورتوں کے ساتھ محشور ہوں اور ایک ہی وقت میں وہ خنزیر و چوہے اور کتے وغیرہ کی شکل میں نظر آنے لگیں۔

واضح ہے کہ اس کا سبب، ظرف کی وسعت اور عالم وحدت وتجرد سے اس کا قرب ہے اور یہ عالم طبیعت وہیولیٰ کے حائل نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔[1]

۱۔ واعلم ان الوجود كلّما كان أبسط وبالوحدة اقرب، كان اشتماله على الكثرات اكثر، وحيطته للمتضادات أتمّ. والمتفرقات في عالم الزمان، مجتمعات في عالم الدّهر؛ والمتضادات في وعاء الخارج، ملائمات في وعاء الذّهن؛ والمختلفات في النّشأة الأولىٰ، متّفقات في النّشأة الأخرىٰ. كلّ ذلك لأوسعية الأوعية، وقربها من عالم الوحدة والبساطة.

سمعت أحد المشايخ من أرباب المعرفة، رضوان الله عليه، يقول: انّ في الجنّة شربة من الماء فيها كلّ اللذّات، من المسموعات بفنونها من أنواع الموسيقي والألحان المختلفة؛ ومن المبصرات باجمعها من أقسام لذّات الأوجه الحسان وسائرها، من الأشكال والألوان؛ ومن سائر الحواسّ علىٰ ذلك القياس، حتّى الوقاعات وسائر الشّهوات، كلّ يمتاز عن الآخر، لحكومة نشأة الخيال وبروز سلطنتها.[☆۱]

وسمعت أحد أهل النّظر، رحمه الله تعالىٰ، يقول: انّ مقتضىٰ تجسّم الملكات وبروزها في النّشأة الآخرة انّ بعض النّاس يحشر علىٰ صور مختلفة، فيكون خنزيراً وفارةً وكلباً الىٰ غير ذلك، في آن واحد.

ومعلوم انّ ذلك لسعة الوعاء، وقربها من عالم الوحدة والتّجرد، وتنزّهها عن تزاحم عالم الطبيعة والهيولىٰ.

شرح دعائے سحر، ص۲۵، ۲۶۔

☆۱۔ أقول: وسمعت أيضاً من بعض الأجلة من أهل العلم والمراقبة انّ بعض الأئمة علیہ السلام، اعطاه في المنام لقمة طعام فيها طعم كلّ الأطعمة والأشربة. وانّي اتيقن بصدق مقاله. ورأيت أيضاً في عيون أخبار الرّضاؑ، ما حاصله: انّ بعض الرواة سأل الرّضاؑ، عن تناول آدم من الشّجرة المنهية بأنّا روينا في ذلك مختلفاً، ففي بعضها الحنطة وفي بعضها غير ذلك. قالؑ: انّ طعام الجنّة فيها طعم كلّ الأطعمة؛ فراجع.

ترجمہ:

میں کہتا ہوں: میں نے ایک بزرگ، اہل مراقبہ عالم دین سے سنا ہے کہ: 'ائمہؑ میں سے ایک امامؑ نے -->

حقیقی دارِ حیات

اس عالم میں، انسانی نفس کی حامل تمام مخلوقات، اختلاف مراتب کے ساتھ، حیوانی وغیر حیوانی زندگی سے لے کر انسانی و مافوق انسانی زندگی تک، زندہ ہیں۔[1]

گناہوں کی صورتوں کی زندگی اور ارادہ

عالم برزخ و قیامت میں گناہوں کی مناسبت سے ان کی صورتیں ہوں گی جو زندگی و ارادہ کی حامل ہوں گی اور انسان کو شعور و ارادے کے ساتھ عذاب و آزار پہنچائیں گی۔ آتش جہنم بھی انسان کو اپنے شعور و ارادے سے جلائے گی۔ چونکہ وہ عالم، عالم حیات ہے۔[2]

اعمال کی ملکوتی صورتوں کا مبنی بر حیات ہونا

روی الصدوق رہ باسناده عن أبي عبدالله علیہ السلام، قال:

﴿مَنْ صَلَّى الصَّلَواتِ الْمَفْروضاتِ في أوَّلِ وَقْتِها وَأقامَ حُدودَها، رَفَعَهَا الْمَلَكُ الَى السَّماءِ، بَيْضاءَ نَقِيَّةً. تَقولُ: حَفِظَكَ اللّٰهُ كَما حَفِظْتَني، اسْتَوْدَعَني مَلَكٌ كَريمٌ؟ وَمَنْ صَلّيها بَعْدَ وَقْتِها مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ وَلَمْ يُقِمْ حُدودَها، رَفَعَهَا المَلَكُ سَوْداءَ مُظْلِمَةً،

<-- خواب میں اسے غذا کا ایک لقمہ دیا جس میں تمام غذاؤں اور تمام پینے کی چیزوں کا ذائقہ موجود تھا۔ مجھے اس کی صداقت کا پورا یقین ہے۔ اسی طرح میں نے 'عیون اخبار الرضا' میں ایک روایت دیکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: کسی راوی نے حضرت امام رضاؑ سے اس ممنوعہ درخت کے بارے میں پوچھا جس سے آدمؑ نے کھایا تھا کہ اس بارے میں مختلف روایات ہیں، کسی میں کہا گیا ہے کہ وہ گندم کا تھا، کسی میں کچھ اور کہا گیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جنتی غذا ایسے ہی ہوتی ہے کہ اس میں تمام غذاؤں کا ذائقہ پایا جاتا ہے'۔

۱۔ صحیفۂ امام، ج۱۸ص ۳۲۵۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۲۷۵۔

وَهِيَ تَهْتِفُ بِهِ ضَيَّعْتَنِي ضَيَّعَكَ اللهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي وَلاَ رَعَاكَ اللهُ كَمَا لَمْ تَرْعَنِي﴾۔[1]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

جو شخص واجبی نمازوں کو انکے اول وقت میں پڑھتا ہے اور ان کی شرائط کا خیال رکھتا ہے تو فرشتہ اس کو اس حالت میں آسمان کی طرف لے جائے گا کہ وہ سفید و پاکیزہ ہوگی۔ وہ نماز کہے گی جس طرح تو نے میری حفاظت کی، خدا تیری حفاظت کرے، ملک کریم نے مجھے بطور امانت رکھ لیا۔ اور جو شخص ان واجبی نمازوں کو کسی عذر کے بغیر اول وقت کے بعد پڑھتا ہے اور اس کی شرائط کو قائم نہیں رکھتا تو فرشتہ اس کو اس حالت میں لے جاتا ہے کہ وہ تاریک و سیاہ ہوتی ہے۔ اور چیخ چیخ کر کہہ رہی ہوتی ہے: تو نے مجھے ضائع کیا۔ جس طرح تو نے مجھے برباد و ضائع کیا ہے خدا تجھے برباد کرے اور جس طرح تو نے میرا خیال نہیں رکھا خدا تیرا خیال نہ رکھے۔

اس حدیث سے جس طرح عمل کی ملکوتی صورت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس کی زندگی اور شؤون حیات بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ برہان کی ایک قسم کا تقاضا ہے اور روایات بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام موجودات، ملکوتی حیات کے حامل ہیں اور عالم ملکوت، پورے کا پورا زندگی اور علم ہے۔ ﴿وانَّ الدَّارَ الآخِرَةِ لَهِيَ الْحَيَوان﴾۔[2،3]

۱۔ امالی، ص ۲۵۶، مجلس ۴۴، حدیث ۱۰، اس کتاب میں 'استودعنی ملک کریم' کے بجائے 'استودعک اللہ کما استودعتنی ملکا کریما' نقل ہوا ہے۔

وسائل الشیعہ، ج ۳ ص ۹۰ کتاب الصلاۃ، باب ۳ از ابواب المواقیت، حدیث ۱۷۔

۲۔ بتحقیق، آخرت کا گھر، خود زندہ ہے۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۴۔

۳۔ چہل حدیث، ص ۴۳۷، ۴۳۸۔

اخروی مادہ

عالم آخرت میں ہیولیٰ نہ ہونا

مادہ اور ہیولیٰ (دنیا میں) بغیر صورت اور فعلیت کے موجود نہیں ہو سکتے اور عالم آخرت میں بالکل وجود نہیں رکھتے (کیونکہ) آخرت خود زندہ ہے۔ اور (فصل کے) کاٹنے کا مقام ہے (جبکہ) دنیا آخرت کیلئے (فصل) کاشت کرنے کی کھیتی ہے۔[۱]

وجود کی ابتدا میں مادہ کو صورت کی ضرورت

'مقدار' جسم طبیعی کے لوازم میں سے ہے بلکہ مقدار اور جسم طبیعی میں فرق فقط ابہام اور تعیّن میں ہے۔ جیسا کہ یہ اپنی جگہ پر بیان ہو چکا ہے اور صاحب فن افراد کیلئے واضح ہے۔ حکمت متعالیہ کی کتب فلاسفہ میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ صورت کو مادہ کی ضرورت اس کے آغاز وجود میں، اس کے نقص وضعف اور عدم تشخص کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ تام بالذات اور متشخص ہو جاتی ہے تو وہ کسی کی محتاج نہیں رہتی سوائے فاعل تام اور قیوم مطلق کے۔ پس صورت اپنے وجود میں، مادۂ قابلہ کے بغیر مستقل ہو جاتی ہے۔

میں نہیں جانتا کہ انسان صغیر میں صور اور خیال صور کا مادۂ قابلہ کیا ہے؟ کیا ان کا مادہ 'جسم'

۱۔ انّ المادة والهیولیٰ لا وجود لهما الا بالصورة والفعلیّة، بل لا وجود لهما في النّشأة الآخرة اصلاً، ﴿وانّ الدّار الآخِرَة لَهِيَ الحَيَوان﴾ [☆۱] وهي دار الحصاة، و ﴿الدُّنيا مَزْرَعةُ الآخِرَة﴾ [☆۲].

شرح دعائے سحر، ص ۲۶۔

☆۱۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۴۔

☆۲۔ علم الیقین، ج ۱ ص ۳۴۷ مقصد سوم، باب اول، فصل ۸؛

عوالی اللئالی، ج ۱ ص ۲۶، ۱۳۹، ۱۴۰؛

بحار الانوار، ج ۱۰۷، ص ۱۰۹ کتاب الاجازات۔

ہے؟ یا یہ کہ درواقع، نفس اپنی قدرت اور ہمت کے ساتھ، مادہ کی ضرورت کے بغیر، انہیں ایجاد کرلیتا ہے؟ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کی طرف کتاب خدا میں بھی رمز و کنائے کی صورت میں اشارہ ہوا ہے کہ: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الآخِرَةِ لَهِيَ الْحَيَوان﴾ 'بتحقیق دار آخرت، خود زندہ ہے'۔

پس عالم آخرت کہ جس کی اولین منزل عالم برزخ ہے، میں زندگی وحیات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ 'جسمانی مادہ' ہے کہ جو ہر قسم کے فنا و نابودی کا مبدأ ہے۔ اور اس پر کسی قسم کی حیات کا وجود نہیں پایا جاتا، عالم آخرت میں نہ ہو۔

دار آخرت کے زندہ ہونے کی علّت

مشہور حدیث نبوی کہ 'دنیا آخرت کی کھیتی ہے' میں بھی اسی نکتہ کی جانب اشارہ ہوا ہے۔ لہذا جب دنیا آخرت کی کھیتی ہے تو پھر آخرت فصل کی کٹائی کا مقام ہے۔ پس اگر آخرت فصل کی کٹائی کا محل ہے تو پھر اس میں قابلیت اور ہیولائیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہیولیٰ بذات خود فصل و زراعت کا مقام ہے۔ جس کا وجود، بغیر زراعت اور فصل کے، لغو و عبث ہے۔ اور خداوند اس سے منزہ و پاک ہے کہ اس کی مملکت میں لغو و عبث چیزوں کا وجود پایا جائے۔[۱]

۱۔ انّ المقدار من لوازم الجسم الطبيعى، بل الفرق بينهما بالابهام والتّعيين كما هو المقرّر في محلّه والمبيّن عند أهله.[☆۱]

وقد ثبت في مدارك أصحاب الحكمة المتعاليّة أنّ احتياج الصورة الى المادّة لقصورها ونقصانها وعدم تشخّصها في بدء وجودها، وأمّا اذا صارت تامّة متشخصّة بالذات فلا احتياج لها الا الى فاعلها التامّ وقيّومها المطلق، فاستقلّت الصّورة في الوجود بلا مادّة قابلة.[☆۲]

وليت شعري ما المادّة القابلة في الصور الخياليّة التي في الانسان الصغير؟[☆۳]

هل الجسم مادّة لها، أو النفس بقوّة وجودها وهمّتها توجدها بلا مادّة؟

ولقد أشير الى ما ذكرنا في لباس الرمز في الكتاب الالهي بقوله: ﴿وَانَّ الدّار الآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوان﴾[☆۴]

فانّ مقتضى سريان الحياة في شراشر دار الآخرة ـ التي أوّل منزلها العالم البرزخي... أن لا يكون فيها المادّة الجسميّة التي هي مبدأ لكلّ موت وليست فيها حياة أصلاً.

-->

مادہ ومبدا فعالہ آخرت کی چارگانہ قوتیں

اگر شہوانی فعل ابتداء میں ایک معمولی عمل سے شروع پھر اس کا تکرار کیا جائے اور بتدریج یہ قوت ظاہر اور آشکار ہو کر تمام دوسری قوتوں پر غلبہ حاصل کر لے۔ یہاں تک کہ اسے فعلیت کامل حاصل ہو جائے، یعنی انسان، اپنی تمام حیثیات کو ایک حیثیت کے تابع لے آئے اور اس کے تمام قوئ، قوت شہوت کے عمال وکارندوں کی حیثیت اختیار کر لیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عالم آخرت میں منتقل ہوتے وقت تو اس کا مبدأفعالہ 'قوت شہوت' اور اس کا اخروی مادہ بھی یہی قوت ہوگی۔ البتہ یہاں مادہ سے مراد 'مبدأفعال' ہے نہ کہ مادۂ انفعالیہ، جو عالم طبیعت کا ہیولائے اولیٰ ہے۔ (مادہ کو 'مبداء' کے معنیٰ میں استعمال کرنا مصطلح ہے جیسا کہ عرفاء 'ظل منبسط' کو 'مادۃ المواد' کہتے ہیں)۔

جب قوت شہویہ کسی شخص کا 'مادّہ' یعنی اخروی مبدأفعالہ ہو جائے تو وہ اپنے مناسب بدن کو انشاء کرتا ہے (البتہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ بدن، نفس کا معلول نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس

<-- وأشير الیٰ ذلك أيضاً في النبوي المشهور: ﴿الدُّنيا مَزرَعَةُ الآخِرَة﴾. فانّ الدّنيا اذا كانت مزرعة للآخرة، كانت الآخرة دار الحصاد، فاذا كانت الآخرة دار الحصاد لم يكن فيها قابليّة وهيولويّة، فانّ الهيولیٰ بذاتها محلّ الزرع، ووجودها بلا زرع لغو وعبث، تعالیٰ عن أن يكون في ملكه اللغو والعبث۔ تعلیقۃ علی شرح الفوائد الرضویہ، ص۱۳۹، ۱۴۰۔

☆۱۔ اسفار اربعہ، ج۴ ص۱۰۔۱۴، سفر دوم، فن اول، فصل دوم۔

☆۲۔ اسفار اربعہ، ج۵ ص۱۴۵، ۲۵۶ سفر دوم، فن سوم، فصل چہارم وفن ششم، فصل سوم۔

☆۳۔ یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ قاضی سعید قمی علیہ الرحمہ، کا اعتقاد ہے کہ مقداری صورتوں کا وجود بغیر جسمانی مادہ کے محال ہونا روشن ہے۔ اور یہاں حضرت امام خمینیؒ، قاضی سعید قمیؒ کے اس نظریہ پر تنقید کے طور پر استفہام انکاری کی صورت میں سؤال کر رہے ہیں۔ قاضی سعید قمیؒ کے نظریئے سے باخبر ہونے کیلئے کتاب التعلیقہ علی الفوائد الرضویہ، ص۱۳۹ تا ۱۴۱ کی جانب رجوع کیجئے۔

☆۴۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۴۔

کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے) فعالیت نفس اور وسیلۂ نفس کے مناسب، بدن کے انشاء کا معنی یہ ہے کہ نفس، اپنے باطن کی مناسبت سے ظہور کرتا ہے اور یہ اسی شئے کا ظہور ہے کوئی ایک ہویت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر قوت غصبیہ فعال ہو تو انسان کا اخروی مادہ غضوب (قوت غصبیہ) ہوگا کہ جو ایک غاصبہ خاندان تشکیل دیتا ہے اور مبدأ کی مناسبت سے، غضوب درندوں کی قسم کے درندے اس شخص کے دوسرے مراتب پر بھی حملہ آور ہونے لگتے ہیں۔

اسی طرح اگر انسان کی قوت واہمہ، رشد کرے اور دوسری قوتیں اس کے آگے مسخر ہو جائیں تو انسان کا اخروی مادہ، قوت واہمہ اور شیطنت ہو جائے گا، ایسا شخص آخرت میں شیطان کی صورت میں ظاہر ہوگا اور شیطان خاندان تشکیل دے گا۔

یہ تین قوتیں ایسے اصول ہیں کہ جو عالم آخرت میں تمام کے تمام مادہ محسوب ہو سکتے ہیں۔ اب اگر ان میں سے فقط ایک رشد کرتا ہے تو وہی آخرت میں واحد اخروی مادہ ہوگا۔ اور اگر اس عالم میں ان میں سے دو یا تین، مختلف تراکیب کے ساتھ ایک ساتھ مرکب ہوں تو ان کی مرکب صورت آخرت میں مادہ ہوگی۔

یہاں تک ہم نے اشقیا (برے لوگوں) کے مادۂ اخروی کی وضاحت کی ہے (کہ جس کی کل سات حالتیں تھیں)۔ رہی بات سُعدا (نیک لوگوں) کے اخروی مادے کی تو وہ 'قوت عاقلہ' ہے۔ انسان اس قوت کو فعال اور زندہ کر سکتا ہے تاکہ دوسری قوتیں اس کے آگے مسخر ہو جائیں۔ حتی وہ شہوت کو بھی عقلانی بنا سکتا ہے۔ انسان اپنی تمام قوتوں کو قوت عاقلہ کی سلطنت مطلقہ کے ساتھ پیدا ہونے والے میزان عقل سے ہم آہنگ کر سکتا ہے۔ اس صورت میں، آخرت میں اس کا مبدأ فعالہ اور مادۂ اخروی، قوت عاقلہ ہوگی۔[1]

۱۔ سرات اسفار، ۔

آخرت کے مقابلے میں دنیا کا چھوٹا ہونا

اس عالم اجسام اور عالم طبیعت کا جس حد تک ابھی تک ادراک اور انکشاف ہوا ہے وہی حیرت انگیز ہے۔ ہماری عقل مکمل طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہے۔ ابھی تک جتنا معلوم ہوا ہے، اس کے علاوہ بہت ساری (عوالم) ہیں کہ جن کے نور تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ ایسے ستارے بھی ہیں کہ جن کا نور دس کھرب سال کے عرصے میں زمین تک پہنچتا ہے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ اگر بعض ستاروں کے جوف (اندر) کو کھولیں تو پانچ سوملین سورج اس میں سما جائیں اور بعض ایسے ستارے ہیں کہ اگر انھیں سورج کے مرکز میں رکھیں تو زمیں تک پہنچ آئیں۔ یہ وسعتیں کہ جن تک ہماری عقلیں نہیں پہنچ سکتیں اور کوئی بھی انکے بارے میں مطلع نہیں ہوسکتا، ان کا تعلق اسی پست دنیا سے ہے۔ ایک عارف کا کہنا ہے کہ دنیا کو 'دنیا' (پست) اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی واقعیت اور دنیا کی حقیقت بیان کرنے سے شرم آتی ہے۔ یہ عالم اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود دنیا (پست) ہے۔ یہ آسمان ان تمام چیزوں کے ساتھ کہ جنہیں اب تک کشف کیا جا چکا ہے اور قرآن کی زبان میں ﴿زینّا السّماء الدّنیا بزنیة الکواکب﴾[۱] نچلا آسمان ہے یعنی قرآن کی زبان میں یہ سب سے نچلا آسمان ہے اور ابھی تک اس سے بالاتر آسمانوں کا انکشاف نہیں ہوسکا ہے اور کسی کو وہاں کی کوئی خبر نہیں۔ اس کے باوجود روایت کے مطابق: ﴿ما نظر الیه لطف منذ خلقه﴾ اور قرآن کی رو سے 'حیات دنیوی' کا نام 'متاع' ہے اور حیات اخروی 'حیات' ہے، زندگی ہے جبکہ یہاں زندگی نہیں، بلکہ موت ہے اور حیات اخروی، حیات ہے ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الآخِرَةِ لَهِيَ الحَيَوان﴾[۲،۳]

۱۔ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا ہے۔ سورۂ صافات، آیت/۶۔

۲۔ سورۂ عنکبوت، آیت/۶۴۔

۳۔ صحیفۂ امام، ج ۳ ص ۲۳۶۔

مادۂ دنیا کا ارادے پر عمل کرنے سے نافرمانی کرنا

اس دنیا میں تمام امیدوں کا پورا ہونا اور ہر انسان کا اپنے مقصد و آرزو تک پہنچ جانا، ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ دنیا 'عالم مزاحمت' ہے اور اس دنیا کا مواد (مادہ) ہمارے ارادوں کی تکمیل سے نافرمانی کرتا ہے۔[۱]

آخرت میں ارادے کا نافذ ہونا

خداوند تبارک وتعالیٰ نے آخرت کو اس طرح بنایا ہے اور انسانی ارادے کو اس طرح قرار دیا ہے کہ محض ارادہ کرنے سے جو بھی چاہے گا وہ حاضر ہو جائے گا۔[۲]

آخرت میں ارادے کے نفوذ کے بارے میں ایک روایت

بعض اہل معرفت نے رسول اکرمؐ سے اہل بہشت کے بارے میں ایک روایت کی ہے کہ انکے پاس ایک فرشتہ آتا ہے، داخل ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اذن حاصل کر کے قریب آتا ہے اور پروردگار کی طرف سے ان کو سلام پہنچا کر ایک خط دیتا ہے جو شخص بھی اس خط کا مخاطب ہوتا ہے اس کیلئے یہ پیغام اس میں لکھا ہوتا ہے:

مِنَ الحَيِّ القَيُّومِ الَّذِي لا يَمُوتُ الَى الْحَيِّ القَيُّومِ الَّذِي لا يَمُوتُ أمّا بَعْدُ: فَانّي أقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ وَقَدْ جَعَلْتُكَ تَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ فَقالَ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَلا يَقُولُ أحَدٌ مِنْ أهلِ الجَنَّةِ لِلشَّيْءِ كُنْ الّا وَيَكُون۔[۳،۴]

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۹۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۴۸۵۔

۳۔ اس حی قیوم کی طرف سے جسے موت نہیں آئے گی اس حی قیوم کی طرف جسے موت نہیں آئے گی اما بعد: میں جب کسی شی سے کہتا ہوں، ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے تجھے بھی ایسا ہی کر دیا ہے کہ جس شئے کو تو کہے گا کہ ہو جا، وہ ہو جائے گی۔ اس وقت رسول خداؐ نے فرمایا: اہل بہشت میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہ ہوگا جو کسی شئے --->

ہر انسان کا منحصر بہ فرد نوع ہونا

جب انسان عالم طبیعت سے نکل جاتا ہے تو وہ مجرد ہو جاتا ہے، اس وقت اس کی 'فردیت' بن جاتی ہے۔ کیونکہ وہ (عالم) طبیعت میں حرکت جوہری سے فارغ ہو چکا ہے۔ البتہ مجردات کے عالم میں وہ منحصر بہ فرد نوع ہے اسی لیے آخرت میں ہر کوئی ایک مجرد فرد ہے کہ جس کی نوع اسی میں منحصر ہے۔ لہذا انتسابات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور یہی آیہ شریفہ: ﴿فَاذا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلا أَنسٰابَ بَيْنَهُم﴾ ۔۱ کے معنیٰ ہیں اور یہ نسبتوں کا ٹوٹ جانا طبیعی اور جبری ہے۔۲

ملکی (دنیوی) نسبتوں کا زوال اور ملکوتی رابطوں کی بقا

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ﴿كُلُّ حَسَبٍ وَنَسَبٍ مُنقَطِعٌ يَومَ القِيٰامَةِ الّا حَسَبِي وَنَسَبِي﴾ ۔۳ یعنی میری حسب ونسب کے علاوہ قیامت میں سارے حسب ونسب منقطع ہو جائیں گے۔

واضح ہے کہ آنحضرتؐ کا حسب ونسب روحانی ہے اور باقی ہے اور تمام جاہلی عصبیتوں سے دور ہے آخرت میں حضورؐ کے روحانی حسب ونسب کا ظہور بیشتر اور اس ظہور کا کمال بہت زیادہ واضح ہوگا۔

یہ جسمانی ملکی (دنیوی) رابطے جو بشری عادتوں کی بناء پر ہوتے ہیں، اور ذرا سی بات پر منقطع

<-- کیلیئے کہے ہو جا اور وہ ہو نہ جائے۔ علم الیقین، ج۲ ص۱۰۶ المقصد الرابع، باب ۷، فصل اول۔
۴۔ آداب نماز، ص۳۳۔

۱۔ پس جب صور پھونکا جائے گا تو پھر کوئی نسب ورشتہ داری باقی نہیں رہے گی۔ سورۂ مؤمن، آیت/۱۰۱۔
۲۔ تقریرات اسفار،۔
۳۔ بحار الانوار، ج۲۵ ص۲۴۹ کتاب الامامۃ، باب انّ الائمۃ من ذریۃ الحسینؑ؛ وسائل الشیعہ، ج۱۴ ص۲۱ کتاب النکاح، ابواب مقدمات النکاح، باب ۸ حدیث ۵۔

ہو جاتے ہیں۔ آخرت میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ ہاں! اگر کوئی رابطہ ملکوتی و الٰہی نظام کے تحت ہو اور قواعد عقلی و شرعی کی میزان کے زیر سایہ ہو تو پھر اس کیلئے انقطاع و انفصام نہیں ہوگا۔[۱]

دنیا میں رحمت وعذاب کا اختلاف

جان لو کہ دنیا اپنے نقص، کمی اور ضعف کی وجہ سے نہ تو خداوند تعالیٰ کا دار کرامت اور محل ثواب ہے اور نہ ہی محل عذاب و عقاب ہے کیونکہ خداوند عالم کا دار کرامت وہ عالم ہے جس میں نعمتیں خالص اور نقمت سے خالی ہوں اور وہاں کی راحت، رنج و تعب سے مخلوط نہ ہو۔ جبکہ دنیا میں ایسی نعمت کا امکان نہیں ہے کیونکہ یہ تو دار تزاحم ہے اس کی ہر نعمت کے ساتھ رنج و زحمت و نقمت کی آمیزش ہے، بلکہ حکماء کا تو یہ کہنا ہے کہ 'لذات دنیا، فقط دفع الم ہے'[۲] اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کی لذّتیں الم و تکلیف کا باعث ہیں۔ کیونکہ یہاں کی ہر لذّت میں رنج و الم اور تعب ہے بلکہ اس دنیا کا مادّہ ہی ایسا ہے جس میں خالص رحمت و خالص نعمت ناممکن ہے۔ اسی طرح اس دنیا کا عذاب، زحمت، رنج و تعب بھی خالص نہیں ہے، بلکہ ہر رنج و تعب کے ساتھ نعمت و نعمات لپٹی ہوئی ہیں۔ کوئی بھی الم و بیماری، رنج و محنت اس دنیا کے اندر خالص نہیں ہے۔ خود اس دنیا کا مواد عذاب خالص و مطلق کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

آخرت، خالص نعمت ونقمت کا محل ہے

دار عذاب و عقاب حق ایک ایسا دار اور گھر ہے کہ جس میں عذاب محض اور عقاب خالص ہو۔ آخرت کے آرام و اسقام، دنیا کے الام و اسقام جیسے نہیں کہ ایک عضو سے متعلق ہو اور دوسرے عضو سے نہ ہو۔ ایک عضو سالم ہو اور دوسرا عضو سختی و تکلیف میں مبتلا ہو۔ مذکورہ باتوں کی طرف حدیث میں اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلِ الدُّنْيَا

۱۔ج ، ش ، ۱۴۸ ، ۲ ۱

ثَوَاباً لِلْمُؤْمِنِ وَلَا عُقُوبَةً لِلْكَافِرِ﴾ ا یعنی، اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے دنیا کو نہ تو مؤمن کیلئے ثواب کی جگہ اور نہ کافر کیلئے عقاب کی جگہ قرار دیا ہے۔

دنیا تو فرض کی ادائیگی کا مقام، آخرت کی کھیتی ہے اور عمل کی جگہ ہے جبکہ آخرت دار جزا وثواب اور دار عقاب ہے۔ ۲

آخرت کی نعمت ونقمت کا تصور انسان سے بالاتر ہونا

اخروی امور اور دنیوی امور میں فرق ہے۔ اخروی ذلت، دنیوی ذلت جیسی نہیں۔ چنانچہ وہاں کی نعمتیں اور عذاب، یہاں کی نعمتوں اور عذاب سے مختلف ہیں۔ وہاں کی نعمتیں ہمارے تصورات سے بالاتر ہیں۔ وہاں کا عذاب ہماری برداشت سے باہر ہے۔ وہاں کی کرامت ہمارے خیال سے بلندتر ہے وہاں کی ذلت وخواری کا ہم تصور تک نہیں کر سکتے۔ ۳

دونوں جہانوں کی نعمت ونقمت کا باہم ناقابل قیاس ہونا

اے میرے عزیز! آخرت کے حالات کو دنیا پر قیاس مت کرو، چونکہ دنیا میں، آخرت کی نعمتوں اور عذابوں میں سے ایک کی بھی گنجائش نہیں۔ دنیا اپنے آسمانوں اور عوالم کی وسعتوں کے باوجود ملکوت سفلی جس میں عالم قبر بھی شامل ہے، کے پردوں میں سے ایک پردے کے ظہور کی بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ ملکوت اعلیٰ (کو اپنے اندر جگہ دے سکے) کہ جس کا ایک نمونہ عالم قیامت ہے۔ شہید ثانی ۴ رضوان اللہ علیہ نے منیۃ المرید میں ایک مفصل حدیث حضرت صدیقۂ

ا۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الایمان والکفر، باب شدۃ ابتلاء المؤمن، حدیث ۲۹۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۲۴۵۔ ۳۔ چہل حدیث، ص ۸۶، ۸۷۔

۴۔ شیخ زین الدین بن نور الدین عاملی المعروف 'شہید ثانی' (۹۱۱ ۔ ۹۶۶ ھ) ان کی کتابوں میں سے چند ایک یہ ہیں: شرح لمعہ، مسالک الافہام فی شرح شرایع الاسلام، منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید،

کبریٰ سلام اللہ علیہا سے نقل کی ہے کہ جس میں آپ فرماتی ہیں: 'بتحقیق جب ہمارے شیعہ علماء محشور ہوں گے تو انھیں انکے علوم کی کثرت اور بندگان خدا کو ارشاد وہدایت کرنے میں جدو جہد کے مطابق خلعتہائے کرامت میں سے خلعت پہنائی جائے گی، حتیٰ ان میں سے بعض کو ہزار ہزار نورانی خلعت عطا کی جائے گی۔ اس کے بعد آپؑ فرماتی ہیں: ان خلعتوں کا ایک تار ہزار ہزار مرتبہ افضل ہے اس چیز سے جس پر سورج طلوع کرتا ہے'۔[1]

یہ تو اس کی نعمتوں کے بارے میں تھا۔ عذاب کے بارے میں جناب فیضؒ[2] 'علم الیقین' میں صدوق مرحوم[3] سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ جوانھوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام صادقؑ روایت کی ہے۔ جس کے مطابق: جبرائیلؑ نے رسول خداؐ سے عرض کی: 'جس زنجیر کا طول ستر ذراع ہے اگر اس کا ایک حلقہ، دنیا پر رکھا جائے تو بتحقیق دنیا اس کی حرارت سے پگھل جائے اور اگر اس کے زقوم (جہنمی پورے) اور ضریع کا ایک قطرہ اہل دنیا کے پانی میں ٹپک پڑے تو اس دنیا کے رہنے والے اس کی گندگی سے مرجائیں'۔[4] نعوذ باللہ من غضب الرحمٰن۔[5]

<-- اسرار الصلاۃ اور کشف الریبہ فی احکام الغیبۃ۔

۱۔ منیۃ المرید، ص۲۴، ۲۵۔

۲۔ محمد محسن بن الشاہ مرتضیٰ المعروف 'فیض کاشانی' (متوفی ۱۰۹۱ ھ) جو گیارہویں صدی ہجری کے محدث، فقیہ، عارف اور حکیم (فلسفی) ہیں۔ ان سے تقریباً نوے کتابیں منسوب ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں: صافی، وافی درحدیث، المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء، شافی، علم الیقین، الحقائق، کلمات مکنون اور الاصول الاصلیہ۔

۳۔ محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی، مکنّیٰ بہ ابوجعفر، المعروف 'ابن بابویہ' اور 'صدوق' (۳۸۱ ھ) جو علمائے امامیہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ اور شیعہ فقہا، ومحدثین کے مشائخ میں سے ہیں ان کی تقریباً تین سو تألیفات بیان کی گئی ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں: من لایحضرہ الفقیہ، اکمال الدین واتمام النعمۃ، الخصال، التوحید، عیون اخبار الرضا، الامالی، معانی الاخبار، علل الشرائع، ہدایۃ اور مقنع۔

۴۔ علم الیقین، ج۲ص۱۰۳۳ المقصد الرابع، الباب الخامس عشر، فی صفۃ النار واہلہا۔

۵۔ آداب نماز، ص۹۶، ۹۷۔

اخروی ذلت وشقاوت کا انسانی تصور سے بالاتر ہونا

آخرت، ایک ابدی ودائمی عالم ہے کہ جس میں موت اور فنا نہیں۔ اس مین سعید (نیک شخص) ہمیشہ عزت ونعمت اور آسائش میں رہے گا وہ بھی ایسی آسائش کہ جس کی مثال اس دنیا میں نہیں ملتی۔ (ایسی) الٰہی سلطنت وعزت کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ ایسی نعمتیں کہ جو کسی کے خیال میں بھی نہیں سماتیں۔

اسی طرح دوسری جانب اس کے شقاوت (بدبختی) ہے کہ جس کا عذاب وعقاب اور وبال (اس قدر سخت ہے) کہ جس کی مثال ونظیر دنیا میں نہیں ملتی۔[1]

بھشتی نعمتوں کا انسان کے تصور سے بالاتر ہونا

انسان جب تک دنیا میں رہتا ہے، دنیا کی پستیاں اور عادات اسے اس طرح اپنے ساتھ مانوس کرلیتی ہیں کہ جب بھی وہ آخرت کی نعمتوں یا ذلتوں اور عذاب کے بارے میں سنتا ہے تو فوراً اس کا موازنہ ایک ملکی (دنیوی) صورت سے کرنے لگتا ہے۔ مثلاً جن نعمتوں کا خداوند تعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے، جن نعمتوں کو ان کیلئے آمادہ کر رکھا ہے اور جن کے بارے میں انبیاءؑ نے خبر دی ہے تو وہ ان کا موازنہ بادشاہوں اور سلاطین کی طرف سے لوگوں کو دی گئی نعمتوں سے کرنے لگتا ہے یا تو انھیں قدرے بہتر اور بلندتر از نعمات سلاطین فرض کرتا ہے، چونکہ ان کی نعمتیں دنیوی نعمتیں ہیں۔ حالانکہ یہ موازنہ وقیاس بالکل غلط ہے۔ کیونکہ آخرت کی نعمتوں کی روح وخوشبو بھی ہمارے تصورات میں نہیں سما سکتی۔ اور اس کی نظیر بھی ہمارے دل میں نہیں آسکتی۔ ہم تصور ہی نہیں کرسکتے کہ آب بہشت کا ایک شربت ان تمام متصورہ لذات کا حامل ہوسکتا ہے جو ہمارے لیے ممکن ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، دوسرے سے ممتاز ہوگا۔ وہاں کی کسی بھی لذت کی کیفیت کو یہاں کی لذات کے مشابہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔[2]

۱۔ آداب نماز، ص ۱۵۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۵۵۳۔

بہشت، حق تعالیٰ کا دارکرامت ہے

بہشت اور اس کے جنات (باغات) کے بارے میں گمان نہ کرو کہ وہ دنیوی باغات کی طرح ہیں۔ اور یہ کہ ذرا زیادہ وسیع وعریض ہیں، بلکہ وہ تو حق تعالیٰ کی نعمتوں کا مقام اور مہمان خانہ الٰہی ہے۔ یہاں کی پوری دنیا جنت کی حورالعین کے ایک بال کے بھی برابر نہیں، بلکہ بہشتی حلّوں کے ایک تار کے برابر بھی نہیں جو انکے اہل افراد کیلئے آمادہ کیے گئے ہیں۔[۱]

دنیوی لذّتوں کا رنج وغم سے مرکب ہونا

دنیا کی تمام نعمتیں بہت زیادہ مشقتوں اور تکلیفوں سے مخلوط ہیں۔ دنیا کی تمام لذّتیں، شدید سختیوں میں لپٹی ہوئی ہیں۔ اس پورے عالم کو درد و رنج، غم واندوہ اور سختی و پریشانی نے گھیرے رکھا ہے۔[۲]

دنیوی لذّت کا سعادت کے مانع ہونا

دنیا کا ظاہر گمراہ کن اور لذّت بخش ہے، اور ہر لذّت میں سعادت سے محرومی اور ایسے مہلکات میں ڈوبنا ہے کہ جنہیں غافل و جاہل شخص نہیں جانتا اور ان کا یقین نہیں کرتا۔[۳]

آخرت، رحمت رحیمیّہ کا گھر ہے

رحمت رحمانیہ، بسط وجود کا مقام اور رحمت رحیمیہ بسط کمال وجود کا مقام ہے۔ لہذا رحمت رحمانیہ کے ذریعے وجود ظہور حاصل کرتا ہے اور رحمت رحیمیہ کے ذریعے ہر موجود اپنی (خاص) باطنی ہدایت اور معنوی کمال تک پہنچتا ہے۔ لہذا روایت میں ہے کہ: ’اے دنیا کے رحمان اور

۱۔ چہل حدیث، ص۲۰۵۔ ۲۔ چہل حدیث، ص۱۸۶۔

آخرت کے رحیم' اور 'تمام مخلوقات کیلئے رحمان اور مؤمنین کیلئے رحیم'۔ پس، حق تعالیٰ نے اپنی حقیقت رحمانیہ کے ساتھ معدوم ماہیات اور ہیاکل ہالکہ کو وجود عطا کیا ہے۔ اور (اپنی) حقیقت رحیمیہ کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے اور سلطنت رحیمیہ کا ظہور اور اس کی حکومت کا طلوع، عالم آخرت میں زیادہ ہوگا۔ بعض روایات میں آیا ہے: 'اے دنیا و آخرت کے رحمان اور ان دونوں کے رحیم' ۱؎

رحمت رحیمیہ سے محروم افراد

یہ دونوں نام (رحمان ورحیم) اسمائے محیط میں سے ہیں۔ یہ تمام دار تحقق و وجود انہی دو ناموں کے سائے میں اپنے اصل وجود اور کمال تک پہنچا ہے اور پہنچتا ہے اور رحمت رحمانیہ و رحیمیہ تمام کے تمام دار وجود پر محیط ہے۔ یہاں تک کہ رحمت رحیمیہ راہ توحید کی طرف ہدایت کرنے

۱۔ الرحمة الرحمانيّة مقام بسط الوجود، والرحمة الرحيميّة مقام بسط كمال الوجود. فبالرحمة الرحمانيّة ظهر الوجود، وبالرحمة الرحيميّة يصل كلّ موجود الىٰ كماله المعنوي وهدايته الباطنيّة. ولهذا ورد:
﴿يا رَحْمٰنَ الدُّنْيا وَرَحِيمَ الآخِرَة﴾[☆۱]
و﴿الرَّحْمٰنُ بِجَمِيعِ خَلْقِهِ وَالرَّحِيمُ بِالْمُؤْمِنينَ خاصَّةً﴾[☆۲].
فبحقيقة الرحمانية أفاض الوجود على الماهيّات المعدومة والهياكل الهالكة: وبحقيقة الرحيميّة هدى كلاً صراطه المستقيم، وكان بروز سلطنة الرحيميّة وطلوع دولتها في النشأة الآخرة أكثر. وفي بعض الآثار
﴿يا رَحْمٰنَ الدُّنْيا وَالآخِرَةِ وَرَحِيمَهُما﴾[☆۳].
شرح دعائے سحر، ص ۴۳۔

☆۱۔ بحار الانوار، ج ۸۸ ص ۳۵۵ کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الحاجۃ، حدیث ۱۹؛ مستدرک الوسائل، ج ۶ ص ۳۱۹، کتاب الصلاۃ، باب ۲۵ حدیث ۶۹۰۴۔

☆۲۔ البرہان فی تفسیر القرآن، ج ۱ ص ۴۴ تفسیر سورۂ فاتحہ، حدیث ۱،۲ روایت از امام صادقؑ۔

☆۳۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۵۵۷ کتاب الدعا، باب الدعا للکرب والہم والحزن والخوف، حدیث ۶؛ التھذیب، ج ۳ ص ۹۵ کتاب الصلاۃ، باب ۱۳ حدیث ۲۹؛ بحار الانوار، ج ۸۶ ص ۳۸۳ و ج ۸۷ ص ۱۵۴،۸۶۔

والے ہادیوں کی تمام ہدایت جس کا ایک جلوہ ہے، بھی سب کے شامل حال ہے۔ البتہ فطرت سلیم سے خارج لوگ، اپنے غلط اختیار و انتخاب کی وجہ سے، اس سے محروم ہو چکے ہیں۔ ایسا نہیں کہ یہ رحمت انکے شامل حال نہ ہو۔ حتیٰ عالم آخرت کہ جو اچھی و بری فصلوں کے کاٹنے کا دن ہے، میں بھی برا نتیجہ پانے والے خود ہی رحمت رحیمیہ سے فائدہ اٹھانے سے قاصر ہوں گے۔[۱]

عالم دنیا و آخرت کا فرق

یہاں یہ ایک اور بات بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ شاید بعض لوگ یہ خیال کرتے ہوں کہ آخرت یہی دنیا ہی ہے۔ البتہ ایک زمانے تک خداوند اور ائمہؑ نے دنیا کی تکذیب و تکفیر کی ہے اور پھر اسی کی تعریف ہوگی۔ یہ عقیدہ تمام قرآنی آیات اور روایات کے خلاف ہے۔ قرآن اول سے آخر تک دنیا کی مذمت کرتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک وقت آئے گا جب یہی دنیا گل و گلزار ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دو الگ الگ جہاں ہیں۔ آخرت، نفس کے کامل ظہور کا مقام ہے آخرت میں نفس شدید طور پر ظاہر ہوگا اور انسانی جسم پہاڑوں سے بھی زیادہ قوی ہوگا۔

کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آخرت، بعینہ یہی دنیا ہے۔ جبکہ آخرت میں جسم اس قدر قوی ہوگا کہ مثلاً جو اس جہان کے ایسے آہنی و آتشین حلقے کو برداشت کرے گا کہ جس کی تاب دنیا کے پہاڑ نہیں لا سکتے اور اس کے مقابلے میں استقامت نہیں کر سکتے بلکہ اس کی حرارت سے پگھل جائیں۔ وہاں جسم اس قسم کی آگ پر ہوگا۔ ایسا جسم کہ جو اس وقت، ایک منٹ بھی تحمل نہیں کر سکتا کہ اس کی انگلی کو دنیا کی آگ میں رکھا جائے۔ جبکہ آخرت میں وہ سالہا سال تک آگ میں رہے گا کہ شاید جس کا ایک دن، ایک لاکھ سال کا ہوگا۔ حتیٰ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تمام پہاڑوں کو اس (اخروی) جسم کی کہنی پر رکھا جائے تو وہ ان کا بوجھ اٹھا لے گی یا مثلاً کفار کے اجسام، یوم حشر سے

۱۔ آداب نماز، ص ۲۳۶۔

لے کر ابد تک آگ میں رہیں گے، تو یہ کونسا جسم ہے؟ یہ کونسا عالم ہے؟

بہر حال آخرت ایک ایسا عالم ہے کہ ﴿کُلھا لھی الحیوان﴾ چنانچہ آیہ شریفہ ہے:

﴿وَاِنَّ الدّارَ الآخِرَةَ لَھِیَ الحَیَوان﴾ ۔[۱،۲]

دنیا اور آخرت کے فرق پر ایک دلیل

دنیا و آخرت کے ایک جنس سے نہ ہونے پر دوسرے دلائل کے علاوہ ایک دلیل، ملیین کا اجماع ہے کہ جو کہتے ہیں: 'عالم دنیا' اور 'عالم آخرت' ایک دوسرے کے طول میں واقع ہیں۔ اخلاف نے یہ میراث اپنے اسلاف سے پائی ہے اور آخر کار یہ بات وحی پر منتج ہوتی ہے اور اس سلسلے میں ﴿اِنَّ دارَ الآخِـرَةِ دارُ القَرارِ وَدارُ الدُّنیا وَالزّوال﴾[۳] جیسی احادیث کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

البتہ اس قسم کے کلمات سے یہ مراد نہیں کہ جب انسان عالم طبیعت میں مرجاتا ہے تو اس کے بدن کی مٹی دوبارہ دنیا میں، جمع ہو کر ایک دوسرے انسان کا روپ دھار لیتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر روز ایک معاد ہونا چاہیئے تھا۔ چونکہ مردوں کی خاک اور مٹی اب بھی ہمارے شہر کے اردگرد کھیتوں اور باغات میں پڑی ہے اور انسان کی غذا بن رہی ہے۔ اس لیے اس کی حرکت (ایک اور) انسان کے بن جانے پر ختم ہوتی ہے۔[۴]

۱۔ سورۂ عنکبوت، آیت/۶۴۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

۳۔ تحقیق، آخرت، قرار و ثبات کا مقام اور دنیا، زوال و فنا کا مقام ہے۔
اصول کافی، ج ۲ ص ۱۳۳ کتاب الایمان والکفر، باب ذم الدنیا والزہد فیہا، حدیث ۱۶۔

۴۔ تقریرات اسفار، ۔

دنیا سے پرہیز اور آخرت پر توجہ دینے کے بارے میں چند یاد دہانیاں

جان لو کہ نفس کو اس دنیا سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، اس کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تأثر عالم ملک (دنیا) وطبیعت سے ہوتا ہے اور اس کا سبب دنیا سے تعلق ہے اور پھر ان لذتوں میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے دل اس سے اتنا ہی متاثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دل اس دنیا اور اس کی زینتوں میں غرق ہو جاتا ہے اور اس سے بہت زیادہ برائیاں جنم لیتی ہیں۔ تمام خطاؤں اور معصیتوں میں انسان کے مبتلا ہونے کا سبب یہی (دنیا سے) محبت و دوستی ہے۔ جیسا کہ کافی شریف کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

اور جیسا کہ ہمارے استاد عارف[۱] (روحی فداہ) فرمایا کرتے تھے۔ ان بڑی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر قلب انسانی، محبت دنیا کی صورت اختیار کرلے اور وہ دنیا کے ساتھ بہت زیادہ مانوس ہو جائے تو مرتے وقت وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا اس کو اس کے محبوب سے جدا کر رہا ہے اور اس کے اور اس کی مطلوبہ و پسندیدہ چیزوں کے درمیان جدائی ڈال رہا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے دل میں خدا کے بارے میں غصہ اور بغض لے کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ مذکورہ ارشاد انسان کو بیدار کرنے اور اسے اپنے دل کی جانب بہت زیادہ توجہ دلانے کیلئے بہت کافی ہے۔ خدا نہ کرے کہ کوئی اپنے ولی نعمت اور حقیقی مالک الملوک سے غصہ و نفرت رکھتا ہو۔ سوائے خدا کے کوئی اس غصہ اور دشمنی کی صورت کو نہیں جانتا ہے۔

اسی طرح ہمارے استاد بزرگوار (دام ظلہ) نے اپنے والد ماجد سے نقل فرمایا ہے کہ وہ اپنے ایک بیٹے سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اس لیے عمر کے آخری حصہ اس محبت سے خوفزدہ تھے۔ پھر کچھ دنوں کی ریاضت کے بعد انھوں نے اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا اور مطمئن ہو گئے اور سرور کے مقام کی جانب منتقل ہو گئے۔

۱۔ یہاں ادآیت اللہ شاہ آبادی حو ہیں۔

فِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ عليه السلام، قَالَ: ﴿مَثَلُ الدُّنْيَا كَمَثَلِ مَاءِ الْبَحْرِ، كُلَّمَا شَرِبَ مِنْهُ الْعَطْشَانُ ازْدَادَ عَطَشاً حَتَّىٰ يَقْتُلَهُ﴾۔ یعنی، حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: دنیا کی مثال سمندری پانی کی طرح ہے پیاسا جب بھی اس سے پانی پیتا ہے اس کی پیاس اور زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ پانی پی پی کر ہلاک ہو جاتا ہے۔

دنیا کی محبت انسان کو ابدی ہلاکت میں ڈالتی ہے اور یہی دنیوی محبت تمام ظاہری و باطنی برائیوں کی جڑ ہے۔

جناب رسول اکرمؐ سے منقول ہے: 'تم سے پہلے والوں کو درہم و دینار نے ہلاک کیا تھا اور تم کو بھی یہی دینار و درہم ہلاک کرنے والے ہیں'۔[۱]

اگر فرض کیا جائے کہ انسان کوئی بھی گناہ نہ کرے اگر چہ یہ بعید ہے، بلکہ محال عادی ہے پھر بھی دنیوی تعلقات اور دنیا سے محبت ہی عذاب الٰہی کا سبب ہے، بلکہ قبر اور برزخ میں طولانی مدت تک رہنے اور کم مدت تک قیام کرنے کا دار و مدار انہی دنیوی تعلقات پر ہوتا ہے۔ یہ تعلقات جتنے کم ہوں گے۔ انسان کی قبر اور عالم برزخ روشن تر ہوگا اور انسان کو اس میں کمتر ٹھرنا پڑے گا۔ اسی لیے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اولیائے خدا تین دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتے اور یہ تین دن بھی اس فطری و جبلی دنیوی تعلق کی بنا پر ہوتے ہیں۔

حبّ دنیا اور اس سے تعلق کے مفاسد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان موت سے ڈرنے لگتا ہے اور یہ خوف جو دنیا کی محبت اور اس سے قلبی لگاؤ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، بہت ہی مذموم ہے اور یہ خوف، مرجع کے خوف کے علاوہ ہے، کیونکہ آخرت اور مرجع (لوٹنے کی جگہ) کا خوف تو مؤمنین کی صفات میں سے ہے۔ موت کی سب سے بڑی سختی یہی تعلقات کے ختم ہونے اور خود مرنے کا خوف ہے۔ عالم اسلام کے ایک بزرگ محقق اور مدقق سید عظیم الشأن میر باقر دامادؒ، اپنی بے نظیر

۱۔ قال رسول اللهؐ: ﴿إِنَّ الدِّينَارَ وَالدِّرْهَمَ أَهْلَكَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَهُمَا مُهْلِكَاكُمْ﴾۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۳۱۶، کتاب الایمان والکفر، باب حبّ الدنیا والحرص علیها، حدیث ۶۔

کتاب 'قبسات' میں اس کے باب میں فرماتے ہیں: ﴿لَا تَخافَنَّكَ، الْمَوتُ، فَانَّ مَرارَتَهُ فِي خَوفِهِ﴾[۱] تجھے موت نہ ڈرائے کیونکہ موت کی تلخی اس سے ڈرنے ہی میں ہے۔

حبّ دنیا کے بڑے مفاسد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو شرعی ریاضتوں، عبادتوں اور مناسک سے روک دیتی ہے۔ اور مادیت کے پہلو کو انسان میں قوی کرتی ہے اور طبیعت انسانی کو روح کی اطاعت نافرمان بنا دیتی ہے اور روح کی نافرمانی پر آمادگی کے ساتھ انسانی عزم وارادے کو سست اور کمزور کر دیتی ہے۔ حالانکہ شرعی عبادتوں اور ریاضتوں میں سب سے اہم راز یہی ہے کہ بدن اور اس کی طبیعی قوتوں اور دنیوی پہلو کو روح کے تابع بنا دے اور نفس کا ارادہ وحکم ان میں کارفرما ہو جائے اور محض ارادہ کے ساتھ بدن کو جس کام پر آمادہ کرنا چاہے آمادہ کر دے اور جس سے روکنا چاہے روک دے۔ انسانی جسم کی دنیا اور اس کی ظاہری قوتیں اس طرح تابع ومقہور اور مسخر ہو جائیں کہ بغیر کسی مشقت وتکلیف کے جس کام کو کرنا چاہے، کر لے۔

مشقت والی عبادتوں کے فضائل واسرار میں سے ایک یہ بھی ہے ان سے یہ مقصد جلد حاصل ہو جاتا ہے اور انسان انکے ذریعے قوی عزم وارادے کا مالک بن جاتا ہے، وہ طبیعت پر غالب آ جاتا ہے اور ملک (دنیا) پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اگر ارادہ تام ومکمل ہو جائے اور عزم قوی ومحکم حاصل ہو جائے تو سلطنت بدن اور اس کی ظاہری وباطنی قوتوں کی مثال ملائکہ اللہ کی مثل ہو جاتی ہے کہ جو خداوند تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور خدا انھیں جو حکم دیتا ہے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور جس سے منع کرتا ہے، اس سے رک جاتے ہیں اور یہ سب بغیر کسی زحمت وتکلیف کے ہو جاتا ہے۔ ملک انسانی کی قوتیں اگر روح کے آگے مسخر ہو جائیں تو ان میں مشقت وزحمت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ آسانی سے تبدیل ہو جاتی ہیں اور ملک کے ساتوں اقلیم، ملکوت کے تابع ہو جاتے ہیں اور سب قوتیں اس کی خادم وکارکن بن جاتی ہیں۔[۲]

۱۔ قبسات، ص ۴۷۹۔

۲۔ اقا۔ سبعہ ملک یہ ہیں: کان، آنکھ، زبان، ، تھ، پاؤں اور فرج۔

کسی بھی باضمیر انسان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ انسان اپنی اصلی فطرت اور ذاتی جبلت کی بنا پر کمال تام مطلق کا عاشق ہوتا ہے، اس کے دل کا ایک حصّہ جمیل علی الاطلاق اور کامل من جمیع الوجوہ کی طرف متوجہ رہتا ہے، یہ وہی فطرت الٰہی ہے جس پر خداوند عالم نے بنی نوع انسان کو خلق فرمایا ہے اسی حبّ کمال کے ذریعے ملک ملکوت چل رہا ہے اور عشاق کو کمال مطلق تک پہنچنے کے اسباب نصیب ہوتے ہیں۔ لیکن ہر شخص اپنے حال ومقام کے اعتبار سے کسی بھی چیز میں اپنے لیے تشخیص کمال کرتا ہے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اہل آخرت، آخرت کے درجات ومقامات میں (ترقی کو) کمال سمجھتے ہیں۔ اس لیے انکے دل اسی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اور اہل اللہ، جمال حق میں کمال اور کمال حق میں جلال دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں: ﴿وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾[۱] اور کبھی ﴿لِي مَعَ اللهِ حَالٌ﴾[۲] کہتے ہیں۔ (انکے دل میں) اس کے وصال کی محبت اور جمال کا عشق ہوتا ہے۔

(لیکن) اہل دنیا نے کمال کو دنیوی لذّتوں میں دیکھا ہے اور دنیا کی خوبصورتی ان کی نظروں میں بھا گئی ہے۔ (اس لیے) فطری طور پر اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ فطری توجہ اور ذاتی عشق کمال مطلق ہی سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے تمام تعلقات عرضی اور تطبیق میں خطا کی مانند ہیں (لہذا) انسان کے پاس چاہے ملک وملکوت آجائے اور اسے نفسانی کمالات یا دنیوی خزانہ یا ریاست وسلطنت بھی مل جائے (پھر بھی) اس کا شوق روز افزوں بڑھتا ہی رہتا ہے، آتش عشق بڑھتی ہی رہتی ہے، مثلاً شہوت پرست کی چاہے جتنی خواہشات پوری ہوجائیں، لذائذ حاصل ہوجائیں پھر بھی اس کا دل یہی چاہتا ہے جو خواہشات، دسترس سے باہر ہیں وہ بھی حاصل ہوجائیں۔

۱۔ میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے۔ سورۂ انعام، آیت ۷۹۔

۲۔ لی مع اللہ حالٌ لا یسعه ملك مقرّب ولا نبيٌّ مرسل ۔ مجھے خدا کے ساتھ کچھ اور ہی حالات ہیں جن کو کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل درک نہیں کرسکتا۔ الاربعین مجلسی، ص ۷۷، شرح حدیث ۱۳۔

اسی طرح جاہ طلب انسان، اگر زمین کا کچھ حصہ اس کے زیر پرچم اقتدار آ جائے تو وہ دوسرے حصہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر تمام کرۂ زمین اس کے قبضہ میں آ جائے تو دوسرے کرات کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے اور ان پر بھی قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ لیکن اس بے چارے کو پتہ نہیں کہ فطرت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ عشق فطری تو محبوب مطلق سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام جوہری، مادی، ارادی حرکتوں اور تمام قلبی توجہات اور نفسانی میلانات کا محور تو جمیل علی الاطلاق ہی ہے مگر وہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے۔ یہ محبت و عشق اور یہ شوق و اشتیاق تو براق معراج اور رفرف وصول ہے (لیکن) لوگ اسے غلط جگہ استعمال کرتے ہیں اور بے جا قید و بند میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

بہر حال، ہم اپنے اصلی مقصد سے دور ہو گئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان قلباً کمال مطلق کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے، جتنی دنیوی دولت اور زیب و زینت کو جمع کرتا ہے اس کا قلبی لگاؤ اتنا ہی اس کی طرف زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ چونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہی دنیا اور زینت دنیا ہی کمال (مطلق) ہے۔ اس لیے اس کی طمع اس طرف بڑھتی رہتی ہے، اس کی ضروریات دنیوی زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور دنیا سے اس کا عشق بڑھتا ہی رہتا ہے۔ (اس طرح) فقر و ضرورتمندی اس کا نصب العین بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس، اہل آخرت کہ جن کی توجہ دینا سے ہٹ چکی ہوتی ہے، جس قدر بھی آخرت کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں اتنی ہی ان کی توجہ دینا سے کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پوری دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ انکے دل میں استغنا پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حضرات دنیا اور دنیوی زینتوں کو ناچیز خیال کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ اہل اللہ دونوں جہانوں (دنیا و آخرت) سے مستغنی ہوتے ہیں اور دونوں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ وہ صرف غنی علی الاطلاق کی طرف احتیاج رکھتے ہیں اور جلوۂ غنی بالذات انکے دل کا آئینہ بن جاتا ہے۔ **هَنِیئاً لَهُم**[۱]

.لہذا ہوسکتا ہے حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ ہو کہ جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ (چنانچہ) معصومؑ

۱۔ ان کو یہ چیز گوارا ہو۔

فرماتے ہیں: جو شخص صبح وشام اس حالت میں گزارے کہ اس کا مطمح نظر فقط دنیا ہو تو خداوند اس کی دو آنکھوں کے درمیان، فقر لکھ دیتا ہے اور جو اس حال میں صبح وشام گزارے کہ سب سے بڑا مقصد اس کا آخرت ہو تو خداوند اس کے دل میں استغنا پیدا کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے جس کی پوری توجہ آخرت پر ہوگی، اس کی نظروں میں دنیوی امور اور اس کی تمام مشکلات حقیر و آسان ہو جائیں گی۔ وہ شخص اس دنیا کو ختم ہونے والی، تغیر پذیر، گزرگار، جائے تجارت اور تربیت گاہ ہی سمجھے گا اور اس کی کسی بھی خوشی و بختی کی اعتنا نہیں کرے گا۔ اس کی ضروریات کم ہو جائیں گی۔ دنیا اور اہل دنیا کی طرف اس کی ضرورت و احتیاج کم (سے کم) ہو جائے گی۔ بلکہ وہ اس منزل تک پہنچ جائے گا جہاں احتیاج ہی نہیں رہتی۔ پس اس کے تمام امور منظم ہو جائیں گے۔ اس کے کاموں میں نظم وضبط پیدا ہو جائے گا اور اسے قلبی و ذاتی استغنا حاصل ہو جائے گی۔

پس اس دنیا کی طرف جس قدر بھی عظمت ومحبت کی نظر کرو گے اور تمہارا دل اس سے لگ جائے گا۔ محبت کے انہی درجات کے مطابق تمہاری ضروریات بھی بڑھ جائیں گی اور فقر تیرے باطن وظاہر سے نمایاں ہونے لگے گا۔ تمہارے کام پراگندہ ہو جائیں گے، تمہارا دل متزلزل اور غمگین اور خوفزدہ رہے گا اور تمہارے کام تمہاری مرضی کے مطابق نہیں ہوں گے۔ تمہاری آرزو اور حرص دن بدن زیادہ ہو جائے گی، غم وحسرت تمہارے اوپر چھا جائے گی اور یاس وحیرت تیرے اندر جڑ پکڑ لے گی۔ چنانچہ اس حدیث شریف میں انہی مطالب کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

روی فی الکافی بِاسنادِهِ عَنْ حَفصِ بنِ قُرطٍ، عَنْ أبي عَبدِاللّٰه علیہ السلام، قالَ:
﴿مَنْ كَثُرَ اِشتِباكُهُ بالدُّنيا، كانَ أشَدَّ لِحَسرَتِه عِندَ فِراقِها﴾ [1]

۱۔ جو کوئی اپنے آپ کو اس دنیا سے زیادہ ملوث کرے گا اس کو دنیا سے جدا ہوتے وقت اتنا ہی زیادہ افسوس ہوگا۔
اصول کافی، ج ۲ ص ۳۲۰ کتاب الایمان والکفر، باب حب الدنیا، حدیث ۱۶۔

وَعَنْ ابْنِ أَبِي يَعْفُور قَالَ: سَمِعْتُ أَبا عَبْدِاللّٰه علیہ السلام، يَقُولُ: ﴿مَنْ تَعَلَّقَ قَلْبُهُ بِالدُّنيا، تَعَلَّقَ قَلْبُهُ بِثَلاثِ خِصَالٍ: هَمٌ لا يَفْنىٰ، وَأَمَلٍ لا يُدْرَكُ، وَرَجاءٍ لا يُنالُ ﴾ ۱؎ یعنی، جس کا دل دنیا سے وابستہ ہوگا اس کے دل میں تین صفتیں ہوں گی:

۱۔ زائل نہ ہونے والا غم۔ ۲۔ نہ پوری ہوسکنے والی خواہشات۔ ۳۔ پوری نہ ہونے والی امید۔ لیکن اہل آخرت جیسے جیسے دار کرامت حق سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں ان کا دل اتنا ہی مسرور و مطمئن ہوتا جاتا ہے اور دنیا و مافیہا سے گریزاں و متنفر ہوتا جاتا ہے۔ اگر خداوند عالم نے ان کیلئے اس دنیا میں رہنے کی مدت معین نہ کردی ہوتی تو وہ ایک لحظہ بھی اس دنیا میں نہ رہتے۔ چنانچہ مولی الموحدین حضرت علیؑ فرماتے ہیں ۲؎ پس وہ لوگ اس عالم میں اہل دنیا کی طرح رنج وغم نہیں اٹھاتے اور آخرت میں رحمت الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ﴿جَعَلَنا اللّٰه وَاِيّاكُم مِنْهُم اِنْ شاءَ اللّٰه﴾ ۳؎

پس اے عزیز! اب جبکہ تم نے (دنیا سے) اس تعلق اور محبت کے مفاسد کو سن لیا ہے اور جان لیا ہے کہ انسان کو یہ محبت ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اور انسان کے ایمان کو اس سے لے لیتی ہے اور اس کی دنیا و آخرت کو درہم و برہم کردیتی ہے تو تم کمر ہمت باندھو اور جتنا ہوسکتا ہے اس دنیا سے دل بستگی کو ختم کرو، اس سے محبت کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکو اور اس چند روزہ زندگی کو ناچیز سمجھو اور رنج وغم اور قسمت سے بھری ہوئی نعمتوں کو حقیر جانو اور خدا سے توفیق طلب کرو کہ وہ تمہاری مدد کرے اور تمہیں اس رنج وغم سے نجات دے اور تمہارے دل کو اپنے دار کرامت سے مانوس

۱۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۳۲۰، کتاب الایمان والکفر، باب حب الدنیا، حدیث ۱۷۔

۲۔ علی علیہ السلام، خطبہ ہمام میں فرماتے ہیں: ﴿وَلَولا الأجَلُ الَّذي كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيهِم لَمْ تَسْتَقِرَّ أرواحُهُمْ في أجْسادِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، شَوقاً الَى الثَّوابِ وَخَوفاً مِنَ العِقابِ﴾۔ یعنی، خداوند نے اگر ان کیلئے مہلت نہ معین کی ہوگی تو ثواب کے شوق اور عقاب کے خوف سے ان کی روحیں انکے جسموں میں نہ ٹھہرتیں۔

۳۔ خدا ہم کو اور تم کو بھی انھیں لوگوں میں سے قرار دے انشاء اللہ۔

کردے۔ ﴿وَمَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ ۔ ا؎

دنیا و آخرت کا تقابل اور قلب کا دونوں عالم کی طرف مائل ہونا

انسان کا دل، نشئہ ملک وملکوت اور عالم دنیا و آخرت کے درمیان ایک لطیف شئے ہے۔ اس کا ایک رخ دنیا اور عالم ملک کی طرف ہے جس کے ذریعے وہ اس عالم کی تعمیر و آبادکاری کرتا ہے اور دوسرا رخ اس کا عالم آخرت وملکوت وغیب کی طرف ہے جس کے ذریعے وہ عالم آخرت وملکوت کو آباد کرتا ہے۔ لہذا قلب (انسانی) دورُخ آئینے کی مانند ہے کہ جس کا ایک رخ عالم غیب کی طرف ہے۔ جس میں غیبی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور دوسرا رخ عالم شہادت کی طرف ہے جس میں ملکی و دنیوی صورتیں منعکس ہوتی ہیں اور اس میں دنیوی صورتیں، بعض باطنی مدارک، مثلاً خیال اور وہم، مدارک حسیہ ظاہریہ کے ذریعے اس میں منعکس ہوتے ہیں اور اخروی صورتیں، باطن عقل اور سرّ قلب سے اس میں منعکس ہوتی ہیں۔ اب اگر قلب کا دنیوی رخ قوی ہو جاتا ہے وہ بطور کلی، تعمیر دنیا کی طرف متوجہ رہتا ہے اس کا قصد و ارادہ دنیا ہی میں منحصر ہوتا ہے اور وہ شکم وفرج کی لذتوں اور دوسری دنیوی خواہشات اور لذات میں مستغرق رہتا ہے تو پھر باطن خیال کی توجہ کی وجہ سے ملکوت سفلیٰ سے (اس کی) ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ جو عالم ملک وطبیعت کے تاریک سایہ کی طرح اور عالم جن وشیاطین اور نفوس خبیثہ کی مانند ہے۔ اور اس مناسبت کی وجہ سے اس میں جتنے بھی القائات ہوتے ہیں۔ وہ (سب کے سب) شیطانی القائات ہیں اور یہی القائات، باطل تخیلات اور اوہام کا سرچشمہ ہیں۔ چونکہ نفس بالجملہ، دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے (لہذا) ان تخیلات کی طرف میلان پیدا کر لیتا ہے اور اس کا عزم و ارادہ بھی اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ پھر سارے کے سارے قلبی وقالبی (ظاہری) اعمال، شیطانی اعمال کی طرح ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وسوسہ، شک وتردد اور اوہام وخیالات باطلہ اور پھر مملکت بدن کے اندر (بھی) اسی کے

ا۔ خدا کے پاس جو کچھ ہے وہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۳۶۔

مطابق ارادے کام کرنے لگتے ہیں اور بدنی اعمال بھی، قلب کی باطنی صورتوں کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اعمال ارادوں اور مثال کے عکس ہوا کرتے ہیں اور ارادے اوہام کے مثال وعکس ہوتے ہیں اور یہ سب وجہ قلوب کے عکس ہوتے ہیں۔ لہذا، جب قلب کا رخ عالم شیطان کی طرف ہوتا ہے تو اس کے القائات بھی شیطانی جہل مرکب کی طرح ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں باطن ذات سے وسوسہ، شک وتردد، شرک اور باطل شبہات نکل کر، مملکت بدن میں پھیلنے لگتے ہیں۔

اس بناء پر اگر قلب کا رخ، تعمیر آخرت اور معارف حقہ کی طرف ہو گیا اور اس کی توجہ عالم غیب کی طرف ہو گئی تو اس کا ملکوت اعلیٰ سے ایک قسم کا تناسب پیدا ہو جاتا ہے کہ جو ملائکہ اور طیب وسعید نفوس کا عالم ہے اور جو عالم طبیعت کے نورانی سائے کی مانند ہے۔ اس لیے جن علوم کا فیضان اس کی طرف ہوتا ہے، وہ علوم رحمانی ملکی اور عقائد حقہ والٰہی القائات وخیالات بن جاتے ہیں اور شک وشرک سے منزہ و پاک ہو جاتے ہیں۔ خود نفس کے اندر بھی استقامت واطمینان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اشتیاقات بھی انہی علوم کے مطابق ہو جاتے ہیں اور ارادے، اشتیاقات کے مطابق ہو جاتے ہیں (جس کے نتیجے میں) تمام ظاہری و باطنی، قلبی وقالبی اعمال عقل وحکمت کے معیار پر انجام پاتے ہیں۔[1]

۱۔ چہل حدیث، ص ۳۹۹، ۴۰۰۔

نویں فصل:

جسمانی معاد

اصالت وجود

پہلی اصل (اور قاعدہ) 'اصالت وجود اور اعتباریت ماہیّت' ہے۔ یہ قاعدہ اور اصل، مبدأ و معاد کی بحث میں اصالت (اور بنیادی حیثیت) رکھتی ہے۔ اس (فلسفی قاعدے اور اصل) کے غوامض سے پردہ اٹھانے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو روشن کرنے سے یہ دو عظیم موضوع (اصالت وجود اور اعتباریت ماہیت) واضح ہو جانے کے علاوہ بحث توحید کے اصول (ومبادی) اور مبدأ و معاد کے بہت سے مباحث (غیر ضروری ابحاث سے) پاک و منقح ہو جاتے ہیں۔

وجود کے ساتھ تشخّص کی عینیّت

دوسرا قاعدہ اور اصل یہ ہے کہ 'تشخص عین وجود ہے' کیونکہ اصالت وجود کے مسلک کے مطابق، وجود کے علاوہ کوئی دوسری حقیقت موجود نہیں۔ پس متشخص ہی متاصّل ہے اور متاصّل کو ہی 'وجود' کہتے ہیں۔ اور اگر مفاہیم کی بحث کی جاتی ہے تو یہ اس لیے ہے کہ یہ مفاہیم، تشخص کی علائم اور نشانیاں ہیں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ میں وجود متشخص کی نشانیاں یہی: علم و ارادہ اور قدرت وحیات، کے کلی مفاہیم ہیں۔

وجود کا ذو مراتب ہونا

اس باب کے اصول (قواعد) میں سے تیسری (فلسفی) اصل، 'وجود کا ذو مراتب' ہونا ہے

اور یہ بالذات، شدت وضعف اور تقدّم وتأخر کا حامل ہوتا ہے۔اس اصل (اور قاعدے) کوذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اصالت وجود کی بناپر، جو کچھ حقیقت میں متحقق ہے وہ 'وجود' ہے اور عالم واقع میں 'وجود' کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔صادر اول کا صدور اور پیدائش، مبدائے اول سے ہے اور جو کچھ (مبدائے اول) سے افاضہ اور صادر ہوتا ہے وہ 'وجود' کے سوااور کچھ بھی نہیں۔اور یہ صدور (عالم) خارج میں ہوتا ہے۔

حرکت جوہری

چوتھا (فلسفی) قاعدہ اور اصل، 'حرکت جوہری' ہے اور یہ اصل، مبحث معاد کی نسبت، اصالت وجود کی اصل سے زیادہ قریب ہے۔معاد کی بحث میں، حرکت جوہری ایک اہم اصل وقاعدہ ہے۔اس اصل اور قاعدہ کی وضاحت میں مکمل سعی وکوشش ہونی چاہیئے۔

جوہر میں حرکت کا مطلب یہ ہے کہ حرکت اصل میں ہویّت اور وجود ہے اور موجود، ضعف اور آغاز سے قوت وشدت اور کمال کی طرف جاتا ہے۔ ہیولیٰ، درجہ بدرجہ، صور کمالیہ قویّہ اور وجودیّہ حاصل کرنے کیلئے حرکت کرتا ہے اور آگے بڑھتا ہے۔یہاں تک کہ صفا وشدّت اور قوت میں وجود کے ہم پلہ ہوجاتا ہے اور وجود طبیعی کی حد اور افق طبیعت سے گزر جاتا ہے۔جو ہیولیٰ حرکت میں ہوتا ہے وہ اگر کچھ فعلیات کو کہ جو خاص مبادی میں حاصل کی جاسکتی ہیں، حاصل کرلیتا ہے اور ذات جوہری میں حرکت کیلئے تیار ومستعد ہوجاتا ہے اور استکمال حاصل کرلیتا ہے اور اس کی قابلیت کے مطابق اس پر افاضات ہوجاتے ہیں تو وہ وجود کے ایک مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں وہ طبیعی موت کے ذریعے عالم طبیعت کی نازک شاخ سے کٹ جاتا ہے اور ہیولیٰ کو چھوڑ کر، عالم مادہ کے شجرہ سے نکل کر، اکمل واعلیٰ عالم میں جانا چاہتا ہے۔یعنی دار طبیعت سے آزاد ہوکر، عالم اعلیٰ میں مستقر ہونا چاہتا ہے۔

شئے کی شیئیّت، صورت سے ہے نہ کہ مادہ سے

ایک دوسرا (فلسفی) قاعدہ اور اصل کہ جس پر معاد کا دارومدار ہے۔اور جو گزشتہ قاعدے (حرکت جوہریہ) کی فروعات میں سے ہے۔وہ یہ کہ 'شئے کی شیئیت، اس کی صورت سے ہے نہ کہ اس کے مادہ سے اور شئے کی تمام حقیقت اس کی فصل اخیر ہے'۔

اس اصل اور قاعدے کی وضاحت[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صورت اخیر، اپنے آپ سے پیوست، مادہ کو چھوڑ دے اور صورت کے سوا اور کوئی چیز باقی نہ رہے تو بھی شئے کی شیئیت، (برہان قاطع کے مطابق) محفوظ رہتی ہے۔ مثلاً، سریر و تخت کا تخت و سریر ہونا لکڑی کی وجہ سے نہیں کہ جو اس کا مادہ ہے، بلکہ اس کی صورت کی وجہ سے اُسے تخت کہتے ہیں۔لہذا اگر مادہ (یعنی لکڑی) نہ ہو یا بغیر مادہ کے اس کی شکل وصورت کو فرض کیا جائے تو بھی وہ تخت و سریر ہے۔

چھٹی اصل اور قاعدے کو ہم، ساتویں قاعدے کے بعد ذکر کریں گے، کیونکہ شاید، ساتواں قاعدہ اور اصل، مستقل قاعدہ نہ ہو جیسا کہ خود مرحوم آخوندؒ نے بھی ان تمام اصول وقواعد کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے: 'اصول عشرہ' حالانکہ انھوں نے گیارہ قواعد اور اصول ذکر، کئے ہیں۔

بہر حال، بہتر یہ تھا کہ ساتویں اصل کو، پانچویں اصل کے نتیجہ کے طور پر بیان کیا جاتا۔ کیونکہ پانچویں اصل سے مراد یہ تھی کہ شئے کی شیئیت، صورت اور فصل اخیر سے ہے۔اور ساتویں اصل میں اس کے خاص مورد 'انسان' کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ بیان ہوتا ہے کہ انسان کا نفس اس کی 'صورت اخیر' ہے اور انسان کی شیئیّت، اسی (نفس) سے ہے۔ چونکہ یہاں ہم انسان کیلئے معاد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔لہذا نتیجہ کے طور پر ہم پانچویں اصل میں، خصوصاً انسان کو ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: انسان ایک ایسا موجود ہے کہ جو عالم طبیعت میں 'سائر' (حرکت کرنے والا) ہے اور اس کی یہ سیر (وحرکت) کمال کی طرف ہے۔

۱۔اس مطلب کی توضیح اور شرح، حضرت امامؒ کی اسفار کی یادداشتوں میں موجود ہے۔

انسان کا مادہ سے تجرّد کی طرف سیر کرنا

انسان، طبیعی سیر و حرکت کے ساتھ حرکت کر رہا ہے اس کا یہ راستہ طبیعت کی ہیولویت سے حقیقت کے انتہائی نقطہ تک اور مرتبہ شہادت سے مرتبۂ غیبت تک ہے۔ اگر اس فاصلے اور راستے کے دوران، اسے کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور انسان ظاہری و باطنی طور پر سلامتی کے ساتھ اپنا یہ سفر جاری رکھ سکے تو وہ ایک ایسا موجود بن جاتا ہے کہ جو ممکن الوجود موجودات میں شرافت ولیاقت اور کمال کی آخری حد تک پہنچا ہوگا۔ البتہ اگر دوران سفر وہ مرض و مصیبت اور قتل و غرق وغیرہ میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے کہ جو بظاہر اس کی حیوانی قوتوں کو طبیعی طور پر کمال تک نہ پہنچنے دے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اہم حادثہ وہ ہے کہ جو باطل جہت کا سبب بنے اور انسان کو راہ انسانیت سے ہٹا کر 'قطاع الطریق' سے دوچار کر دے۔

اگر انسان کو کوئی حادثہ پیش نہیں آتا اور وہ اس مسافت کو سلامتی کے ساتھ طے کر لیتا ہے تو جب وہ منزل پر پہنچتا ہے تو اس پکے ہوئے پھل کی مانند ہوتا ہے کہ جس نے شجرۂ عالم طبیعت میں جس حد تک ممکن تھا اپنے تمام کمالات کو پا لیا ہے اور اب اس شجرہ سے بے نیاز ہو چکا ہے اور اس قدر خوش ذائقہ اور خوشبودار ہو گیا ہے کہ ملائکۃ اللہ اس کے نور جمال اور عطر وجود کے مجذوب ہو جائے ہیں۔ لہذا جب مؤمن صراط سے گزرتا ہے اور اس کا نور جہنم پر پڑتا ہے تو جہنم کہنے لگتا ہے: ﴿جُزْيا مُؤْمِنُ فَقَدْ أطفأ نُورُكَ لَهَبي﴾ [۱]

جسمانی حرکت، عالم مادہ کا لازمہ ہے

بطور کلی انسان ایک طبیعی مولود ہے جو پوری عمر حرکت میں رہتا ہے نہ فقط اپنے پیدا ہونے کے

۱۔ ﴿ان النار تقول للمؤمن يوم القيامة جُزْيا مؤمن فقد أطفأ نورك لهبي﴾ قیامت کے دن، آتش جہنم مؤمن سے کہتی ہے: اے مؤمن مجھ سے گزر جاؤ، کیونکہ تیرا نور، میرے شعلوں کو بجھا رہا ہے۔
علم الیقین، ج ۲ ص ۱۷۹؛ جامع الاخبار، ص ۴۲۔

دن سے شروع ہونے والی عمر میں بلکہ اس کی وہ عمر کہ جو ام الطبیعہ میں نشو ونما کے آغاز یعنی ہیولائے اولیٰ اور مادۃ المواد سے شروع ہوتی ہے اور عالم طبیعت سے خارج ہونے تک حرکت میں رہتی ہے کہ جو بیوی بچوں سے رخصت ہونے کا دن ہے۔ اس کی یہ حرکت، نقص سے کمال کی جانب ہوتی ہے اور جب وہ ناقص منزل سے کوچ کر کے، کامل تر منزل و مرتبے تک پہنچتا ہے تو جو کچھ اس نے پہلی منزل پر چھوڑا ہوتا ہے وہ اس مرحلہ کا ناقص پہلو ہوتا ہے۔ جو موجود، ادنیٰ مرتبہ سے ترقی کرتا ہے وہ اپنے گزشتہ مرتبہ و منزل پر فقط نقص چھوڑتا ہے، لیکن اس کی وجودی و کمالی حیثیات، کمال اور کمال الکمال کی شدت کے ساتھ اس کے ہمراہ رہتی ہیں۔

انسان جب تک عالم طبیعت میں ہوتا ہے وہ ایک جوہری امتداد (طول و عرض و عمق) کا حامل ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہمیشہ حرکت کرتی رہتی ہے۔ یعنی یہ حقیقت اس طرح ہے کہ اپنے ضعیف مرتبے (کہ جس نے ہیولویت سے نشو ونما پائی ہوتی ہے) سے عالم مثال کے آخر تک، ایک واحد حقیقت ہے۔ جو جوہری امتداد رکھتی ہے اور جب تک عالم طبیعت میں ہے، جسم طبیعی کہلاتی ہے اور جب عالم طبیعت سے خارج ہو جاتی ہے تو جسم مثالی بن جاتی ہے۔ (البتہ مثالی ہونا اس امتدادی کی حامل حقیقت کو بدل نہیں دیتا) یہ جسم جب تک عالم طبیعت میں ہوتا ہے تو خالص جسم نہیں ہوتا بلکہ جسم اور لاجسم سے مخلوط ایک چیز ہوتی ہے۔ (چونکہ یہ جسم ہیولیٰ سے وابستہ اور اس سے پیوست ہوتا ہے جبکہ ہیولیٰ جسم نہیں ہے)۔

انسان کیلئے جسمانی معاد کی ضرورت

یہ واحد ہویت، اپنی امتدادی حقیقت میں اس وقت تک حرکت کرتی رہتی ہے جب تک خالص جسم نہیں بن جاتی اور ہیولیٰ کہ جو لاجسمیت ہے کو چھوڑ نہیں دیتی۔ لاجسمیّت کے پہلو سے ہٹنا ہی، جسم مثالی کے مرتبے تک پہنچنا ہے۔ جب وہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی جوہری امتدادی حقیقت کی حرکت رک جاتی ہے۔ چونکہ بالفرض اگر وہاں بھی یہ حرکت جاری رہے یعنی

جسم کیلئے یہ حرکت جاری رکھنا، مرحبۂ مثال سے گزر کر مجرد اور غیر جسمانی موجود بن جانا اگر ممکن ہو تو پھر وہ جوہری امتداد (طول، عرض و عمق) نہیں رکھ سکے گا۔ اگر اس فرض کو درست مان لیا جائے تو پھر جسمانی، معاد نہیں ہوگا۔ بلکہ روحانی معاد ہوگا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ عالم مثال میں حرکت نہیں ہوتی۔ لہذا، طبیعی انسان کی عقلانیت کا پہلو زیادہ ہونے کے باوجود، اس کی جوہری امتدادی حقیقت کہ جو مثالی بن چکی ہے، جسم ہی رہتی ہے۔ لہذا تمام انسانوں کیلئے بغیر کسی استثناء کے، جسمانی معاد ہوگا اور ایسا نہ ہونا محال ہے کیونکہ اس (جسمانی معاد) کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان طبیعی موجود نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب یہ حقیقت جسم خالص ہے کہ جو اپنے آپ کو لاجسم (ہیولی) کے ساتھ مخلوط ہونے سے بچا سکے اور جب فقط ہیولی ہے تو حرکت جاری رہتی ہے اور جب تک حرکت ہوتی ہے تعین نہیں ہوتا ہے۔

انسان کا نقص سے کمال کی طرف حرکت کرنا

جو انسان فی الحال عالم طبیعت میں ہے اور تدریجاً کمال کی طرف جا رہا ہے، وہ خالص انسان نہیں اور اسے کوئی تعین حاصل نہیں کیونکہ وہ محوضۃ الفعل اور صرافۃ القوہ کے درمیان حرکت کر رہا ہے اور وہ جس درجہ سے بھی گزرتا ہے وہاں اپنا نقص چھوڑ جاتا ہے یہاں تک کہ ایک دن وہ عالم طبیعت کے نقص (کھوٹ) کو اپنے سر سے اٹھا پھینکتا ہے اور یہی اس کی دنیوی زندگی کا آخری قدم اور اخروی زندگی میں پہلا قدم ہوتا ہے۔ عالم آخرت میں جانا، نطفہ کی حد سے گزر جانے کی مانند ہے۔ جس طرح نطفہ کے بعد، جدید صورت، اس کے کمالات کو کم نہیں کرتی، بلکہ نطفہ کی حالت میں جو نقص و کمی ہوتی ہے اس کو وہاں ہی چھوڑ کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ انسان بھی جب عالم طبیعت سے نکلتا ہے تو اس عالم کی پستی و نقص کو یہاں چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور اپنی تمام نوری اور وجودی حیثیات اور کمالات کو اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔

وحدت شخصیہ

ساتواں قاعدہ اور اصل 'وحدت شخصیہ' ہے۔[۱] دوسری اصل میں کہا گیا تھا کہ تشخّص مصداق کے لحاظ سے عین وجود ہے اور اس کے ساتھ متّحد ہے۔ اب ہمارا کہنا یہ ہے کہ ایک ذو مراتب وجود اپنے مراتب کے جس مرتبہ میں بھی ہو وہ وجود واحد ہی ہوتا ہے کہ جس کی کیفیت وحدت، عین کیفیت وجود ہوتی ہے۔ کیونکہ وحدت، مساوق وجود ہے اور یہ وجود کے اعلیٰ مرتبہ میں بھی وجود واحد ہی ہے کہ جس کا وجود عین وحدت ہے اور اپنی پوری ذات کے ساتھ واحد ہے۔ اسی طرح وجود کے ادنیٰ مرتبہ میں بھی کہ جو فقط ہیولیٰ اور قوت محض ہے، عین وحدت ہے اور اس کی وحدت، عین کیفیت وجود ہے اور اس کی کیفیت وجود، عین تشخّص ہے۔

وحدت اور تشخّص کے درمیان رابطہ

الغرض جس موجود کا جیسا وجود ہوگا ویسا ہی اس کا تشخّص ہوگا اور اسی طرح کی وحدت بھی ہوگی۔ مثلاً واجب الوجود، ایک ایسا وجود ہے کہ جس کی کیفیت وجود، ثبات اور قرار ہے اور یہ ثبات و قرار اس کی تمام کی تمام ذات اور عین ہویت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا وجود ہو کہ جس کی کیفیت وجود تقضّی و تصرّم یعنی نابود اور قطع ہو جانا ہو تو اس کی ہویت عین تدرّج ہوگی، یعنی وہ تدریجاً حرکت کرے گا اور اس کی وحدت بھی بعینہ اس کی کیفیت وجود کی طرح ہوگی۔ پس موجود متشخّص ایک ایسا واحد وجود ہے کہ جس کی تمام ذات اور ہویت و حقیقت، ایک واحد شخصیت ہے کہ جو تدریجاً حرکت کر رہی ہے۔ اس قسم کا وجود، مراتب وجود کے جس مرتبہ پر بھی پہنچ جائے، اس کی شخصیت اور ہویت ایک ہی رہتی ہے۔ اور اگر اس کی ہویت اور شخصیت اس کی تدریجی حرکت سے تبدیل ہو جائے یہاں تک کہ اس کی موجودہ شخصیت، پہلی شخصیت نہ رہے تو اس طرح اس کے اصل وجود کو ہی ختم ہو جانا چاہیئے۔

۱۔ ساتویں اصل، اسفار کی ترتیب کے مطابق، چھٹی اصل ہوگی۔

پس اگر کیفیت وجود، منقضی اور منصرّم، یعنی نابود و قطع ہونے والی ہو تو اس کی وحدت بھی ایسی ہی ہوگی۔ بالفرض ایسا وجود اگر عالم طبیعت سے حرکت کرے یعنی طبیعت کے اولین درجے اور عالم کے آخرت مقام سے کہ جہاں سے عدم کی سرحد و حدود شروع ہوجاتی ہے، عالم طبیعت کے آخری مقام تک پہنچ جائے کہ جہاں سے عالم مثال کی سرحد شروع ہوتی ہے اور پھر وہ عالم مثال میں داخل ہو تو ان تمام طے شدہ مراحل میں، یہ موجود بغیر کسی مجاز و تسامح کے، بعینہ وہی موجود ہے کہ جس نے عدم عالم کے آخری مقام سے حرکت شروع کی تھی۔

مختلف عوالم میں شخصیت وجود کا محفوظ رہنا

پس اس سے معلوم ہوا کہ انسان جب حرکت کرتے ہوئے عالم برزخ تک پہنچتا ہے اور برزخی جسم بن جاتا ہے تو اس کی شخصیت اور حقیقت ویسی کی ویسی باقی رہتی ہے۔ اگر اس وقت اس سے پوچھا جائے کہ تو نے ایام طفولیت میں فلاں کام کیوں کیا تھا یا فلاں شخص کو کیوں مارا تھا، اب تمہیں اس کے عوض، مار پڑے گی یا اسے گرم لوہے سے داغا جائے تو یہاں اسی ہاتھ اور اسی شخص کو مار پڑے گی یا داغا جائے گا کہ جس نے کسی دوسرے کو مارا تھا۔ انسان کی ایک ہویت و حقیقت ہے کہ جو حرکت کر رہی ہے، جس کی وجہ سے اس کے کئی مراتب و درجات ہیں۔ لہذا وہ جس قدر بھی آگے بڑھتی ہے، اس کا وجود منسجم ہو رہا ہے اور اس کی کثرت کا پہلو کمزور اور وحدت کا پہلو قوی ہوتا جاتا ہے۔

ماں کے رحم میں جب نطفہ قرار پاجاتا ہے تو وہ سب سے پہلے قوت لامسہ تک پہنچتا ہے۔ پھر بتدریج قوت حاصل کرنے کے بعد دوسری بہت سی قوتیں اس میں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ عالم شہادت اور ظاہر میں قوت باصرہ، قوت سامعہ سے جدا ہے اور قوت سامعہ، قوت ذائقہ سے الگ ہے۔ یہاں انسان ایک عضو سے سنتا ہے اور دوسرے عضو سے دیکھتا ہے، لیکن اس کے عالم باطن میں 'حس مشترک' دیکھتی بھی ہے، سنتی بھی ہے اور مزہ بھی بتاتی ہے۔ یعنی وہ ایک ہی وقت میں قوت

سامعہ بھی ہے، قوت باصرہ بھی ہے اور ذائقہ بھی ہے اور قوت متخلیہ، قوت واہمہ، قوت حافظہ اور قوت ذاکرہ جیسی باطنی وظاہری سب قوتیں اس میں موجود ہیں۔ اسی طرح ظاہر و باطنی قوتوں کے تمام اعضاو جوارح اس مقام پر جمع ہیں۔ پس وجود جس قدر منسجم و جمع ہوگا اسی قدر زیادہ حقائق کا حامل ہوگا اور نفس جتنی بھی حرکت کرتا ہے اس کا تشخص محفوظ رہتا ہے اور وہ جس عالم میں بھی داخل ہوتا ہے اس کی عینیت اور تشخص ایک ہی رہتا ہے اور وہ اپنے سابقہ مراتب کے تمام شؤون کو اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے۔ وہ لمس کرتا ہے، دیکھتا ہے، چکھتا ہے اور سونگھتا ہے۔ یعنی وہ جو کام پہلے مراتب میں کرتا تھا یا انہیں کرنے پر قادر تھا وہی کام ان سے بلند مراتب میں بھی کر سکتا ہے۔

مرتبۂ خیال کا تجرد

آٹھویں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ 'مرتبۂ خیال، مجرد ہے' جیسا کہ اس سے پہلے بھی چند مقامات پر اس جانب اشارہ ہو چکا ہے اور نفس سے متعلق ابحاث کے اوائل میں، 'اتحاد عاقل ومعقول' کے باب میں برزخی وخیالی صورتوں کے مادہ اور لوازمات مادہ سے تجرد پر محکم براہین قائم کی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ برزخی صورتیں عقلانی تجرد کی حامل نہیں ہوتیں (کہ جو مادہ اور مادہ کے لواحق مثلاً زمان ومکان اور مقدار وغیرہ سے تجرد کا نام ہے)۔ یہ صورتیں، مقدار تو رکھتی ہیں لیکن مادہ سے خالی ہوتی ہیں۔

نفس کے ساتھ خیالی وحسی صور کا قائم ہونا

آخوندؒ کے نزدیک نویں اصل اور قاعدہ، یہ ہے کہ صور متخیّلہ بلکہ موجودات کی تمام محسوس صورتیں، نفس کے ساتھ قائم ہیں اور نفس ان قوتوں کا محافظ ہے۔ یعنی، نفس حواس میں محسوسات کی صورتوں کو جمع کرنے والا اور ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔ لیکن یہاں مادی صورتیں مراد نہیں ہیں کہ جو خارجی اشیاء پر طاری ہوتی ہیں، بلکہ حواس میں موجود صورتیں مراد ہیں کہ جو نفس کی مظہر

ہیں نہ کہ جسم اور جسمانی قوتوں کی مظاہر ہیں۔

مختلف عوالم میں نفس کی خلاقیت

دسواں قاعدہ اور اصل یہ ہے کہ بعض جسمانی اور مقدار پر مبنی صورتیں فقط فاعل مجرد پر ہی اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ ہیولائے قابلہ رکھنے کے سبب کچھ ایسی ضروری استعدادات رکھتی ہیں تا کہ فاعل ان پر اثر انداز ہو سکے اور بعض دوسری مقداری صورتیں (مثلِ افلاک اور علوی اجرام) فاعل مجرد پر ہی اکتفا کر لیتی ہیں۔

نفس جب تک عالم طبیعت میں ہوتا ہے ہیولیٰ اور بالقوہ ہونے کی وجہ سے جسمانی صورت کو 'قبول' کرتا ہے جبکہ وہ خود جسم نہیں ہوتا۔ مگر جب عالم طبیعت سے جدا ہو کر بیگانوں کی مصاحبت سے نکل جاتا ہے اور دوسروں کے امور کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے یعنی رشد ونمو اور غذا وخوراک جیسے امور سے فارغ ہو جاتا ہے تو جسمانی مقدار پر مبنی معلولات اور اجسام جرمیہ اور مقادیر کو ایجاد کر سکتا ہے۔ اس حالت میں نفس کا ارادہ قوی ہو جانے اور عالم طبیعت میں مشغولیت سے نجات حاصل کر لینے کی وجہ سے وہ جو بھی ارادہ کرتا ہے، اسے انجام دے دیتا ہے اور اس طرح نفس معلول کا حامل بن جاتا ہے۔ لیکن نفس جب تک عالم طبیعت میں ہوتا ہے تو مادہ میں مشغول ہونے اور اپنی حیثیت قدرت کے کامل نہ ہونے کی وجہ سے اور ہیولائے منضمہ جیسی رکاوٹ کے باعث، عالم خارج میں کسی جرمی مقدار کو ایجاد کرنے یا صادر کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ (حالانکہ اسی عالم حس میں صور محسوسہ، نفس کی فعالیت ہی سے ایجاد ہوتی ہیں)۔ البتہ اس سے انفاس مقدسہ معصومین علیہم السلام جیسے نادر اور قوی نفوس مستثنیٰ ہیں۔

اخروی بدن اور نفس کا بعینہ ایک جیسا ہونا

اس قاعدے اور اصل میں جو نکتہ قابل توجہ ہے وہ یہ کہ عالم آخرت میں، نفس کا بدن، اس کا

اپنا معلول اور اس کی فعالیت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بدن ہی، نفس ہوتا ہے۔ یعنی نفس بعینہ بدن ہوتا ہے اور اس کا ایجاد و معدوم کرنا بعینہ اپنے آپ کو ایجاد و معدوم کرنا ہے۔ چونکہ ممکن نہیں کہ ایک شئے اپنی ہی فعالیت کے نتیجے میں موجود ہو جائے کیونکہ اس سے صریح دور لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔

ذرّات عالم میں ارتباط اور اتصال

گیارہوں قاعدہ 'عالم کا وحدت سے بہرہ مند ہونا' ہے۔ یہ وحدت کچھ اس طرح ہے کہ اگر ایک ذرّہ اور ایک تنکا بھی اپنے مرتبہ سے ادھر ادھر ہو یا ایک پتہ اپنی حد سے آگے بڑھ جائے تو اس پورے عالم میں انقلاب آ جائے۔ چونکہ موجودات میں 'علیّت و معلولیت' کا رابطہ برقرار ہے۔ اس لیے کسی وجود کے ایک ذرّہ کو بھی اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا ورنہ یہ پورے کا پورا عالم اپنی جڑوں سے اکھڑ جائے۔

عالم هستی کے سہ گانہ مراتب

مرحوم آخوندؒ کے نزدیک عالم امکان کے تین مراتب ہیں: مجردات اور عقول کا عالم کہ جو مادہ اور لوازمات مادہ سے منقطع اور شکل و صورت اور استعداد سے عاری ہے اور طول، عرض اور عمق کی حدود میں بند نہیں دوسرا 'عالم مثال' کہ جو مادہ اور اس کے لوازمات سے مجرد ہے اور مرتبۂ عالم عقول کے تحت واقع ہے۔ تیسرا 'عالم شہادت' جسے عالم طبیعت و مادہ بھی کہتے ہیں کہ تدرّج جس کی ذات میں ہے اور وہ عین حرکت ہے۔

انسان کا سہ گانہ عوالم پرمشتمل ہونا

وجود کے نزولی سلسلہ میں کوئی ایسا موجود نہیں ملے گا کہ جو ان عوالم پر مشتمل ہو لیکن وجود کے

صعودی سلسلہ میں کہ جو عالم طبیعت کے مہد سے شروع ہوتا ہے فقط انسان ایک ایسا موجود ہے کہ جو جامع ترین عالم ہے خواہ یہ جامعیت بالاستعداد ہی کیوں نہ ہو۔ صرف انسان ہے کہ جو جامع عالم ہے اور مرتبہ شہادت سے لے کر برزخیت کے مرتبہ متوسطہ اور مرتبہ اولیٰ یعنی عقلانی و تجردی مرتبہ تک کو شامل ہے۔ انسان ایک ہویت اور شخصیت کا حامل ہے اور یہ ہویت و شخصیت جب تک عالم طبیعت میں ہے ایک جامع ترین عالم ہے اور جب عالم طبیعت سے خارج ہو جاتی ہے تو بھی کون جامع ہے، یعنی (انسان) ایک ایسی ہویت و شخصیت ہے کہ جو جسم بھی ہے اور مرتبہ برزخیت و مرتبہ عقلانی کی بھی حامل ہے۔

ہیولائے منضمہ سے جدائی

یہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ جو آغاز میں آغوش طبیعت اور زمان کے تحت تربیت پاتی ہے کہ جو درحقیقت اس کے مربی کی حیثیت رکھتا ہے اور اب بغیر کسی شرط کے حتیٰ دقیق فلسفی وعرفانی نظریہ کے مطابق وہ مادہ اور ہیولائے منضمہ سے آزاد ہوگیا ہے۔ البتہ یہاں 'ہیولیٰ' سے مراد وہ ہیولیٰ نہیں کہ جو اس مرتبہ کاملہ کی قوت رکھتا تھا اور 'ہیولیٰ سے آزاد ہو جانے' کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالقوہ شئے اب بالفعل ہوگئی ہے اور وہ ناقص شئے کامل ہوگئی ہے، بلکہ ہیولائے منضمہ سے مراد وہ ہیولیٰ ہے کہ جو فضولات (مثلاً بال اور ناخن وغیرہ) میں ہوتا ہے اور جس کا انسان کی شخصیت میں کوئی کردار نہیں ہوتا اور یہ ظاہری وقشری ہیولیٰ ہوتا ہے کہ جسے (اجل مسمّیٰ) یعنی موت کے وقت جدا کر دیا جائے گا۔ جس طرح ناخن اور بالوں کو جسم سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ جب (انسان) اس سے فراغت حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ ایسا موجود ہوتا ہے کہ جس کا جسم ہے اور جسم طبیعت کی علامت ہے۔ (اسی طرح) جس کا 'نفس' ہے کہ جو جسم اور عقلانی مجرد کے درمیان واقع ہے اور یہی قوت ادراکی ہے جو جزئیات کا ادراک کرتی ہے اور برزخیت کی نشانی ہے۔ (اس کے بعد

انسان کا) 'مرتبہ 'عقلانیت' ہے۔ جو عالم تجرد اور عالم عقل کی علامت ہے۔[1]

ہویت انسان کا جسم سے وابستہ نہ ہونا

انسان، عالم کبیر کا خلاصہ ہے۔ وہ جسم و عقل اور نفس پر مشتمل موجود ہے۔ بالفرض اگر اس عالم سے ارتحال کے وقت، اس کیلئے ہیولائے منضمہ اور ظاہری بدن سے جدائی ممکن ہو یعنی وہ بغیر جسم کے رحلت کرے تو بھی اس کے معاد اور محشور ہونے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ اس کی شخصیت اور ہویت باقی ہے۔

ہویت اور شخصیت کے باقی رہنے میں جسم کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً جزا و سزا اس ہاتھ کیلئے نہیں ہوتی جس کے ساتھ کسی کو مارنے کا فعل انجام دیا گیا ہو۔ کیونکہ اگر وہ ہاتھ کٹ بھی جائے یا گاڑی تلے آجائے تب بھی مجرم انسان کو سزا دی جاتی ہے۔ کیونکہ مجرم وہ خود تھا۔ 'جسمیت' کی بقاء کا 'شخصیت' کی بقاء میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔ اگر 'جسم' مرفوض بھی ہو جائے تو بھی شخصیت باقی رہتی ہے۔ البتہ جسمیّت کا رفض محال ہے۔ جو چیز ممکن اور طبیعی ہو وہ آخرت میں حتمی اور تکوینی ناموس شمار ہوتی ہے۔ ہیولائے منضمہ سے مفارقت کا ابتدا میں انسان کی شخصیت میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک مربی کی مانند ہے کہ جس کی آغوش تربیت میں بچہ تربیت حاصل کرتا ہے۔

البتہ وہ ہیولیٰ کہ جو فعلیتوں کی قوت تھا جیسا کہ پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے، وہ ایک ناقص شئے تھا اور بعد میں کامل ہوا۔ ارتحال کے بعد اس موجود اور ہویت کے کئی مراتب ہوتے ہیں جن میں سے ایک مرتبہ، 'جسم' ہے، دوسرا متوسط مرتبہ ہے کہ جسے 'نفس' کہا جاتا ہے اور تیسرا، کامل تجرد کا مرتبہ ہے کہ جسے 'عقل' کہتے ہیں اور ایسا موجود ہی 'کون جامع' ہے۔ یہ تھیں وہ تفاصل اور قواعد کہ جن کا مسئلہ معاد کی وضاحت کیلئے بطور مقدمہ جاننا ضروری تھا۔ ان سے آگاہی

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

کے بعد، معاداور قیامت کی کیفیت معلوم ہوجائے گی۔[1]

تجرد نفس اور معاد

تمام انسان، خیالی صورتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ البتہ وہ مکمل عقلانی تجرد کے مرتبہ تک نہیں پہنچ پاتے، جہاں وہ اشیاء (کی حقیقت) کو سمجھ سکیں۔ لیکن ان کا خیالی صورتوں کا حامل ہونا ہی تجرد خیالی کے مرتبہ میں ہونا ہے۔ (وہ مرتبہ کہ جو مادہ سے مجرد ہے لیکن مقدار اور شکل سے مجرد نہیں) اور یہی انکے جسمانی معاد کیلئے کافی ہے۔ اسی لیے ہم ان حیوانات کے محشور ہونے کے قائل ہیں کہ جو خیالی تجرد تک پہنچ جاتے ہیں۔

تجرد نفس اور جسمانی معاد میں رابطہ

اگر کوئی مطلقاً تجرد کا منکر ہو تو اس کیلئے جسمانی معاد جیسی بہت سی ضروریات کا منکر ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر چہ کہا گیا ہے کہ 'اگر کوئی تجرد کا قائل ہو اور عالم میں مجردات کے وجود کو قبول کرے تو اس سے بہت سی ضروریات (دین) کا انکار لازم آتا ہے'۔[2] لیکن ہم نے جس قدر بھی تجرد کے قول پر غور وفکر کیا ہے، ہمیں ان ضروریات کا انکار نظر نہیں آیا کہ جن کی طرف، انھوں نے اشارہ کیا ہے برخلاف، انکار تجرد کے کہ جو حقیقتاً، بہت سی ضروریات کے منکر ہونے کا مستلزم ہے۔ کیونکہ اگر کوئی جسمانی معاد کا معتقد ہے تو اس کا یہ اعتقاد 'تجرد نفس' کو قبول کئے بغیر ممکن نہیں۔ اگر کسی درخت کو جلا کر خاکستر بنا دیا جائے اور دوبارہ اس خاکستر کو ایک درخت بنا دیا جائے تو یہ درخت بطور مسلّم وہ پہلا درخت نہیں ہوگا۔ البتہ مادہ ایک ہی ہے لیکن درحقیقت یہ درخت، وہ سابقہ درکت نہیں ہے۔ پس اگر ہم کہیں کہ انسانی ہویت خواہ ظاہر ہو یا باطن، جو کچھ بھی ہے یہی بدن ہے تو پھر جسمانی معاد کا اعتقاد ممکن نہیں ہے۔ جسمانی معاد کا قول، سوائے اس طریقہ کے ممکن

۱۔ تقریرات اسفار، ۔ ۲۔ بحار الانوار، ج ۵۸ ص ۱۰۴، ۱۰۵ پر مرحوم مجلسی "تجرد روح کے منکر ہیں۔

نہیں جس کے قائل، آخوند (ملا صدراؒ) ہیں۔[۱]

شیخ الرئیس اور جسمانی معاد کا مسئلہ

جن مسائل کے سلسلے میں شیخ الرئیس بوعلی سیناؒ کو مشکل پیش آئی ہے، ان میں سے ایک مسئلہ جسمانی معاد کا ہے جسے وہ درست طور پر حل نہیں کر سکے اور آخر کار انہیں یہ کہنا پڑا کہ 'چونکہ انبیاء کرامؑ نے کہا ہے۔ لہذا ہمیں اس مسئلہ کے سامنے تسلیم ہو جانا چاہیئے' اس مسئلہ میں مشکل میں پڑنے کا سبب یہ تھا کہ وہ مسئلہ 'نفس' کی تنقیح نہیں کر سکے۔[۲]

اسی طرح جب وہ تجرد نفس کے مسئلہ میں وارد ہوتے ہیں تو اس مسئلہ پر بھی شک و تردد کے ساتھ بحث کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں: اگر اس طرح ہو تو یہ اشکال پیش آتا ہے۔ اور اگر اس طرح ہو تو فلاں مشکل پیش آتی ہے۔ بہر حال وہ اس مطلب کی درست وضاحت کیے بغیر، اس کو ادھورا چھوڑ کر اس بحث کو ختم کر دیتے ہیں۔[۳]

اسی طرح شیخ بوعلی سیناؒ، اپنے نظریہ کے مطابق 'برزخی تجرد' کو بھی ثابت نہیں کر سکتے اور یہ اس قول کی وجہ سے ہے کہ جس کے قائل ہمارے دوسرے بہت سے محدثین بھی ہیں اور وہ یہ کہ: ارواح، ابدان سے پہلے موجود ہوتی ہیں اور جب جنین چار مہینے کا ہو جاتا ہے تو ان ارواح میں سے کسی ایک کو قرعہ یا بخت و اقبال کے ذریعے انتخاب کر کے، جنین میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ پس ہر شخص کی روح ایک مجرد نفس ہے کہ جو بدن سے پہلے موجود تھی اور بدن کے بعد بھی باقی رہے گی۔ البتہ شیخ الرئیس نفس کے پہلے سے موجود ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ جب جنین چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اس وقت نفس مجرد کو اس پر افاضہ کیا جاتا ہے۔[۴] اور جنین پر افاضہ سے لے کر بدن کی بقا اور بدن کے باقی رہنے کے بعد تک وہ نفس مجرد باقی رہتا ہے اور اس دوران

۱۔ تقریرات اسفار۔

۲۔ شفا (الٰہیات)، ص ۴۲۳، مقالہ نہم کی فصل ہفتم، ص ۲۹۱۔

۳۔ المباحثات، ص ۵۱، ۵۳۔

۴۔ مبدأ و معاد، شیخ الرئیس، ص ۱۰۸، المقالۃ الثالثۃ، فصل ۱۱۔

وہ کسی قسم کی جوہری ترقی نہیں کرتا اور ذات سے خارج اکتسابی علوم اور دوسرے تمام عوارض، اس پر 'عارض' ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق شیخ الرئیس، برزخی مرتبہ کو حل نہیں کر سکے جس کی وجہ سے جسمانی معاد کا مسئلہ بھی ان سے حل نہ ہو سکا۔ جبکہ جسمانی معاد کے مسئلہ کو ثابت کرنے میں، برزخی مرتبہ کا اثبات پوری طرح دخالت رکھتا ہے اور اس مرتبہ کو ثابت کئے بغیر جسمانی معاد کا اثبات ناممکن ہے۔ لہذا دوسروں نے بھی اس مسئلہ کی تصحیح نہیں کی اور نہ ہی ہمیں کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے کہ جس نے جسمانی معاد کو برہان کے ساتھ ثابت کیا ہو اور عقلی و عملی براہین کے ساتھ اس کا اثبات کیا ہو۔ آخوند (ملا صدراؒ) پہلے فرد ہیں کہ جنہوں نے جسمانی معاد کو برہان کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

شیخ الرئیس اور مرتبۂ برزخ کا عدم اثبات

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ شیخ کی علمی مشکلات میں سے ایک جسمانی معاد کا مسئلہ ہے۔ وہ عام لوگوں کیلئے، جسمانی معاد کو ثابت نہیں کر سکے، بلکہ انھوں نے فقط ان کامل افراد کیلئے یہ مسئلہ حل کیا ہے کہ جو قوۂ عاقلہ کے مرتبہ پر فائز ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم نے چونکہ مرتبۂ برزخیہ کو ثابت کر لیا ہے۔ لہذا عام لوگوں کیلئے بھی جسمانی معاد کے قائل ہیں۔ حتیٰ بچے بھی برزخی مرتبہ کے حامل ہیں۔ کیونکہ جب وہ متولد ہوتے ہیں تو ماں کے پستان کو ارادے و اختیار کے ساتھ چوستے ہیں اور یہی تجرد پر دلیل ہے خواہ ضعیف ہی سہی۔ کیونکہ فقط نفس مجرد ہی سے اختیاری اور ارادی فعل صادر ہوتا ہے۔

اگر جنین کے چار ماہ گزر جانے کے بعد کہ جہاں سے جنین کے جسم میں قوۂ حسیہ پیدا ہونے لگتی ہے، کسی وجہ سے وہ مر جائے تو وہ قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ (جیسے برقی قوت کسی تار میں جاری ہوتی ہے اور اگر وہ تار کسی وجہ سے نابود ہو جائے تو یہ قوت بھی ختم ہو جاتی ہے) کیونکہ وہ حس ذاتا جداگانہ حیثیت نہیں رکھتی تا کہ اس جداگانہ حیثیت کی بقا کے ساتھ یہ بھی باقی رہے (بلکہ اس کا وجود اور عدم، جنین کے وجود اور عدم سے وابستہ ہے)۔

جسمانی معاد کے تحقق میں برزخی تجرد کا کردار

جب کسی مادی موجود میں، جوہری حرکت کے ذریعے، مادیت محض اور عقل محض کے درمیان، ایک مستقل مرتبہ ایجاد ہو جاتا ہے تو اس کی نورانی شعاعیں، اس مرتبۂ مستقلہ کی بقا کے ساتھ، باقی رہتی ہیں۔ لہذا جن موجودات کے نفوس نے برزخی تجردی مرتبہ حاصل کرلیا ہو (جیسا کہ اکثر انسانی نفوس ہیں) جب وہ عالم طبیعت سے خارج ہوتے ہیں تو ان کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی نفس کے ہمراہ چلی جاتی ہے۔ لہذا عالم برزخ میں، قوت حاسہ، قوت لامسہ، قوت شامہ، قوت باصرہ، قوت سامعہ اور دوسرے قوا، نفس کی ہمراہی کرتے ہیں۔

عام لوگ، حتیٰ بچے، بلکہ حیوانات بھی برزخی تجرد کا متوسط مرتبہ رکھنے کی وجہ سے جسمانی معاد کے حامل ہوتے ہیں۔ چونکہ شیخ الرئیس اس مطلب تک نہیں پہنچ سکے۔ لہذا وہ بعض اوقات لوگوں کی اکثریت کیلئے معاد کے قائل نہیں ہیں۔ فقط قوۂ عاقلہ کے حامل افراد سے معاد کو مختص جانتے ہیں اور کبھی سب لوگوں کیلئے قوت عاقلہ کے قائل ہو جاتے ہیں اور سب کیلئے جسمانی معاد کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں: اکثر لوگ، کم از کم 'شئ' کے مفہوم کا تو انتزاع کر سکتے ہیں یا 'کلی' کے مفہوم کو تو سمجھتے ہیں۔ یا 'الکل اعظم من الجزء' یا 'مساوی المساوی مساو لذلک الشئ' جیسے مفاہیم کا ادراک تو رکھتے ہیں۔ ان اولیات کا تعقل کرنے کی وجہ سے وہ قوت عاقلہ کے حامل ہیں۔ لہذا ان کیلئے جسمانی معاد ثابت ہے اور واقع ہوگا۔

عقل بالفعل کا حقائق عقلیہ کا مدرک ہونا

آخوند ملا صدراؒ فرماتے ہیں ایسا نہیں کہ 'شئ' کے مفہوم (کہ جو ایک عَرَضی مفہوم ہے) کا سمجھنا ہی مرتبۂ عقلیہ کے وجود پر دلیل ہے۔ کیونکہ انسان کی قوت عاقلہ اس وقت بالفعل ہوتی ہے کہ جب وہ 'عقلی حقائق' کا ادراک کرے نہ کہ 'شئ' جیسے مفاہیم (کے ادراک سے وہ فعال ہو جاتی ہے) کہ جو عرضی مفاہیم ہیں اور مستقل عقلی حقیقت نہیں رکھتے اور فقط انتزاعی طور پر حاصل ہوتے

ہیں ۔ اسی طرح 'الکل اعظم من الجزء'۔ جیسے مفاہیم سے بھی قوت عاقلہ بالفعل نہیں ہوتی اس کے علاوہ لوگوں کی اکثریت انکے 'مفہوم' کو بھی تعقل نہیں کر پاتی مثلاً 'الکل اعظم من الجزء' جیسے قضیے کو ضروری نہیں کہ سب لوگوں ہی نے صحیح طور پر سمجھ لیا ہو۔ بلکہ یہ عادتاً سنی سنائی بات کے مطابق کہہ دیتے ہیں (کہ کل، جز سے بڑا ہے) چونکہ ان چیزوں کا ادراک عام لوگوں کیلئے ضروری بھی نہیں ۔ یہاں تک کہ ہم نے بعض نام نہاد مولویوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس لوٹے کا نل یہاں سے عراق تک لمبا ہو تو یہ کل سے جز کا بڑا ہونا ہے۔

بہر حال 'بالفعل عاقل' ہونے کا مرتبہ وہی انسان حاصل کر سکتا ہے کہ جو 'مجرد عقلی حقائق' کا ادراک کرنے لگے اور یہ بات چیدہ چیدہ اور یگانہ شخصیات سے ہی مختص ہے اور شاید خود آخوند ملا صدرؒ جیسے افراد ہی اس مرتبہ پر فائز ہوں ورنہ لوگوں کی اکثریت حتیٰ اکثر علماء اس سے محروم ہیں کہ جن کی رسائی فقط مفاہیم کے ادراک کے مرتبہ تک ہے۔[1]

مختلف عوالم میں جسم کی تدریجی ترقی اور ارتقا

انسان کی شخصیت اور عینیت، بالوں، ناخنوں اور جلد جیسے بدنی فضولات سے تعلق نہیں رکھتی ۔ چنانچہ اگر زید نے بچپن میں کسی سے نیکی کی تھی اور وہ شخص زید کی اس نیکی اور بھلائی کا شکریہ اس کی عمر کے اسی سال گزر جانے کے بعد ادا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے اپنے ساتھ نیکی واحسان کرنے والے شخص کے علاوہ کسی اور کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اسی طرح اگر بچپن میں زید مقروض ہو جاتا ہے اور اسی سال کی عمر میں اپنا قرض ادا کرتا ہے تو ایسا نہیں کہ وہ اپنے قرض سے بریٔ الذمہ نہ ہوا ہو۔ بلکہ قرض ادا کر دینے کے بعد وہ یقیناً فارغ الذمہ سمجھا جائے گا۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

مادہ سے تجرد کی طرف دائمی حرکت

انسان جب سے دنیا میں آیا ہے غذا کھا رہا ہے اور غذائی مواد تدریجاً اس کے بدن کا جز بن رہا ہے۔ دوسری طرف اس کے سابقہ اجزا تحلیل ہو رہے ہیں۔ اور ان تحلیل شدہ اجزاء کی جگہ غذا کے ذریعے پر کردی جاتی ہے۔ انسان، روز ازل سے، ایک ایسے عالم کی طرف بڑھ رہا ہے کہ جس میں وہ دائماً، بالقوہ سے بالفعل بن رہا ہے۔ (یعنی اس موجود کا ہیولائی مرتبہ، عالم طبیعت میں آجاتا ہے)۔

اس کے بعد، عزرائیلی عمال و کارندے اسے عالم طبیعت سے کھینچ کر آخرت کی طرف لے جاتے ہیں کہ جو اس عالم کے ماوراء میں واقع ہے اور عالم نشئہ کا یہ تغیر و تبدل تدریجاً واقع ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ آخری وقت حضرت عزرائیلؑ اچانک دیوار سے نمودار ہو کر انسان کی روح قبض کر لیتے ہوں۔

انسان ذاتاً اور جوہراً، دنیا سے آخرت کی جانب حرکت کر رہا ہے۔ یعنی وہ ہر لمحے، زیادہ سے زیادہ وجودی صفا اور جوہری لطافت حاصل کر رہا ہے۔ یہ مادی اور طبیعی موجود دائماً عالم طبیعت کے بلند مراتب کی طرف ارتقا حاصل کر رہا ہے۔ جیسا کہ یہ (موجود) اصلاب میں 'منویّت' کی شکل میں ترقی کرتے ہوئے، ارحام میں جگہ پالیتا ہے اور پھر خون، علقہ، مضغہ، لحم، عظم اور رگ و مغز جیسے مراحل سے بھی ارتقا حاصل کر لیتا ہے۔ جب یہ موجود جسم و بدن اور ایک شکل و صورت حاصل لیتا ہے تو ایک جانب تو تدریجاً اس کی جسمانی لطافت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مکمل فعلیّت تک جا پہنچتا ہے اور دوسری طرف اس کے بدن، خون، جسم، مغز اور ہڈیوں کے فضولات اس کے اعضاء سے جدا ہو کر ضائع ہوتے رہتے ہیں اور اس کا بدن تدریجی طور پر تحلیل ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ان سب تغیرات کے باوجود اس کی شخصیت وہی شخصیت رہتی ہے اور جسم وہی جسم ہے جبکہ عقل ان تمام تبدلات کی طرف متوجہ ہے، لیکن اس کی شخصیت کی عینیّت بغیر کسی مجازی آلودگی کے اس کی نظر میں محفوظ رہتی ہے۔ پس عالم طبیعت سے وجودی صفا اور کمالی شدت کی

جانب تدریجاً خارج ہونے والا یہ موجود، دائما ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ میں تبدیل ہو رہا ہے۔

جسم کا تیرگی سے لطافت کی طرف حرکت کرنا

نظام وجود ایک لڑی کی مانند آپس میں متصل ہے۔ طبیعی موجود تیرگی وکدورت، ظلمت وتاریکی اور ضعف ونقص سے وجودی کمال حاصل کرنے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ طبیعی جسم، ایک صاف ولطیف جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یہ پوست اور موٹا وسخت چھلکا کہ جسے ظاہری بدن کہتے ہیں اتار کر پھینک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اترنا اور دور کیا جانا بہت نمایاں ہوتا ہے جسے ہم سب دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں، جسم یہاں رہ گیا ہے اور روح قبض ہو گئی ہے۔ اسی طرح طبیعی موجود کی یہ کمالی حرکت جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ قیامت میں ایک لطیف بدن اور جسم ایجاد ہو جائے گا کہ جس کی لطافت اس حد تک ہوگی کہ آنکھوں میں اسے دیکھنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ یہ جسم روح سے ایسا تعلق وربط رکھتا ہے کہ کبھی بھی اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور یہ جسم (لطیف)، عرض، طول اور عمق کا حامل ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جوہری حرکت کے استمرار اور تداوم کے باوجود جتنے بھی تغیرات اور تبدلات پے در پے حاصل ہوتے ہیں ان کی وجہ سے کبھی بھی شخص اور اس کی شخصیت وتشخص کے درمیان خلل پیدا نہیں ہوتا۔ آخرکار (اس موجود) کی اصل اور لب تحولات وتبدلات کے نتیجے میں اپنے کمال کی آخری حد کو پہنچ جاتا ہے اور اپنے بدن کے ظاہری، ضخیم چھلکے کو اتار پھینکتا ہے اور یہی اس کے دنیوی تکامل کا آخری قدم ہوتا ہے کہ جو عالم طبیعت کی انتہائی حد شمار ہوتی ہے اور یہاں سے عالم برزخ کا پہلا زینہ شروع ہوتا ہے۔ عالم برزخ میں، جسم کا دوسرا مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس (ظاہری) لب واصل سے زیادہ صاف وشفاف 'لبّ اللباب' ہوتا ہے۔ یعنی، مقام تجرد تک پہنچے ہوئے بدن کے ہمراہ انسانی نفس۔ اس قدر لطیف بدن، نفس کے سائے کی مانند ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا جسم ہوتا

ہے کہ جو عظیم مصیبتوں اور مشکلات کا مقابلہ کرسکتا ہے اور انہیں تحمل کرسکتا ہے۔ کیونکہ جسم جتنا بھی اپنی جسمیّت میں خالص اور قوت کی ملاوٹ سے پاک ہوگا تو اتنا ہی اس کے اجزاء کا متفرق ہونا اور نابود ہونا مشکل ہے۔ خواہ اُسے آگ میں جلا ہی کیوں نہ دیا جائے۔ اسی طرح جسم جتنا بھی اصفی (صاف وشفاف تر) ہوگا۔ اتنا ہی نفس کے احساسات کی شدت زیادہ ہوگی اور جس قدر احساس قوی ہوگا، اسی قدر اس کا تألم (دردمند ہونا) قوی ہوگا۔[1]

دنیوی اور برزخی جسم میں فرق

اب ہم مثالی اور طبیعی اجسام کے بارے میں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں: یہ نہیں کہہ سکتے کہ مثالی جسم، بدنی جسم کے علاوہ کوئی اور شئے ہے۔ بلکہ یہ یہی طبیعی اجسام اور ابدان ہوتے ہیں، لیکن غافل شخص خیال کرتا ہے کہ یہ دو الگ اشیاء ہیں۔ بعینہ یہی بدن عالم مثال میں بھی ہوگا اور اس کی عینیّت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ اس کی مثال اس بچے جیسی ہے کہ جو بیس سال پہلے آدھا میٹر تھا اب اسی کا قد دو میٹر ہوگیا ہے۔ اس وقت اس کی داڑھی نہیں تھی لیکن اب ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی اس کا جسم اُسی پہلے جیسی حدّت وشدّت اور طراوت کا حامل ہے، بلکہ ہمارا کہنا ہے کہ اس کے قد اور مقدار سے قطع نظر اس کی اصل جسمیّت اور اصل بدن محفوظ ہے۔ جسم اپنی جسمیّت میں، قیامت وعالم آخرت اور عالم طبیعت ومادہ کے درمیان، ترقی کرتا رہتا ہے۔ یہی جسم 'طبیعی جسم ہونے کے بعد' برزخی نشئہ میں داخل ہوجاتا ہے اور وہاں، اس جسم کی نسبت زیادہ صاف وشفاف جسم بن جائے گا۔ جسمیّت میں جسم کی ترقی کا مطلب بھی یہی ہے کہ جسم اکمل اور اصفیٰ ہوجاتا ہے۔ لیکن پھر اس پر عالم برزخ میں جسم طبیعی 'بما انّہ جسم طبیعی' کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ البتہ 'اصل الجسم' کے احکام وہاں بھی جاری ہوتے ہیں چونکہ جسم وہی جسم ہے۔

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

اعلیٰ وبرتر عوالم میں جسم کی شدت اور قوت

عالم طبیعت میں جو جسم ہوتا ہے اس کی نسبت عالم برزخ میں جسم، اپنی جسمیّت میں کامل تر، صاف وشفاف اور قوی تر ہوتا ہے۔ لیکن جب قیامت برپا ہوگی تو اس کی نسبت یہ برزخی جسم ضعیف ہوگا۔ اس وقت نفس عالم طبیعت میں مجذوب اور مشغول ہوگا اور اپنی طرف متوجہ نہیں ہوگا جس کی وجہ سے اس کی ایجادات قوی ہوں گی۔ عالم برزخ میں بھی نفس عالم غیب میں مجذوب ہوگا۔ اور اس مجذوبیت نے اسے محو کر رکھا ہوگا جس کی وجہ سے وہ اپنی طرف اور اپنے افعال کی طرف جس طرح متوجہ ہونا چاہیئے، متوجہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ عالم بالا میں محو اور اس کی خوشبوؤں میں گم ہو چکا ہوگا، اس کا جسم اور بدن عالم مابعد یعنی قیامت کی نسبت ضعیف ہوگا۔ جب عالم برزخ اور عالم غیب کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اور غیب مطلق محو و مجذوب شدہ نفس کیلئے مکشوف اور مناسب انداز میں اس پر ظاہر ہو جائے گا تو اس ظہور تام کے وقت، نفس کی مجذوبیت ختم ہو جائیگی اور وہ پھر ہر اس چیز کو دیکھنے لگے گا جس میں وہ مجذوب تھا۔ لہذا پھر اس کی توجہ دوسری تمام چیزوں سے ہٹ جائے گی۔ یعنی وہ خود رہ جائے گا اور اس کی تمام تر توجہ اپنی ذات کی طرف ہوگی اور اپنے فعل پر مرکوز ہو کر رہ جائے گی۔ اس وقت جسم اور بدن کی جسمیّت کی شدت اور کمال جس حد تک نفس کیلئے ممکن ہوگا، شدید اور کامل ہو جائے گا اور جسم مکمل طور پر قوی، محکم اور شدید ہو جائے گا۔[۱]

متصرّم بالذات حقائق میں شخصی وحدت کا محفوظ رہنا

انسان کے نفس کی ایک شخصیت ہوتی ہے کہ جو تمام مراتب میں محفوظ رہتی ہے۔[۲] اس

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

۲۔ اس عنوان کی بحث سے تناسخ کی بحث میں بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مرحوم آخوندؒ، بحث تناسخ میں اس کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تناسخ کو ثابت کرنے کیلئے اہل تناسخ کے پاس چند شواہد تھے۔ منجملہ یہ کہ اگر تناسخ باطل ہو تو اس کا لازمہ -->

مطلب کی وضاحت کیلئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں: زمان مرتبۂ ذات میں ایک متصرم اور متجدّ د حقیقت کا نام ہے۔ زمان اول سے لے کر آخر تک ایک واحد حقیقت ہے۔ اس پر جتنا بھی تصرّم وتجدّ د (یعنی نیاپن) طاری ہو، اس کی شخصیت محفوظ رہتی ہے اور ہمیشہ اس کی اصل اور شخصی حقیقت واحدہ برقرار ہے۔ جیسا کہ ایک حرکت جب شروع ہوتی ہے تو جب تک رک نہیں جاتی ایک ہی حرکت شمار ہوتی ہے، نہ یہ کہ وہ بہت سی حرکات یا شخصیات ہیں، بلکہ ایک ہی حرکت ہے اور ایک ہی تشخص ہے جبکہ اس میں آناً فآناً تصرم وتغیر اور نیاپن پیدا ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ اس حرکت کی اصل حقیقت، حقیقت تصرمیہ اور تجدّ دیہ ہے اور حقیقی طور پر تجدد و نیاپن رکھنے کے باوجود بغیر کسی مجاز کے ایک ہی چیز ہے اور تشخص واحد کی حامل ہے۔ مثلاً کل ایک گاڑی نے یہاں سے حرکت شروع کی تھی اور آج بھی حرکت کر رہی ہے اور اس دوران اس کی حرکت کہیں بھی نہیں رکی۔ یہ آج کی حرکت کل ہی کی حرکت ہے اور حرکت کا یہ تشخص، گزشتہ کل کی حرکت ہی کا تشخص ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔

یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ محسوس متصرم حقائق پر صادق آتا ہے۔ لیکن وہ تجددی وتصرّمی حقائق کہ جو عام لوگوں کے نزدیک غیر محسوس حقائق ہیں، درحقیقت ان میں بھی تصرّم وتجدّ د پایا جاتا ہے۔ یعنی، تجدد اور تغییر کے ساتھ، ان کا تشخص تبدیل نہیں ہوتا اور ان کی وحدت ختم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ یہ پورا عالم ملک کہ جسے عالم طبیعت کہتے ہیں اور جو حرکت جوہری کے ذریعے

<-- یہ ہے کہ حشر، رجعت، مثالی جسم اور عالم برزخ بھی باطل ہو جائے اور اموات کے زندہ ہونے کا انکار کرنا پڑے جبکہ تمام ادیان کے عقلاء حشر اور اموات کے دوبارہ زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اگر تناسخ کو محال جانیں تو ہمیں تمام عقلائے ادیان کو غلط قرار دینا ہوگا۔ کیا ہم تمام قرآنی ادلہ اور فرمودات انبیاءؑ اور ضرورت ادیان کو نظرانداز کر سکتے ہیں؟ لہذا تناسخ صحیح ہے چونکہ ان تمام امور کی تصدیق، اس پر منحصر ہے۔ تناسخ کو باطل قرار دینے والوں کی برہان، ضرورت دین کے مقابلے میں ایک شبہہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مرحوم آخوند ملاصدراؒ، اس شبہہ اور اہل تناسخ کے اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں: نفس انسان کی ایک شخصیت وتشخص ہے......۔

حرکت میں ہے، اس کی حقیقت بھی، حقیقت تصرّمیہ اور تجدّدیہ ہے۔ایک لحظہ کیلئے بھی اس کی حرکت نہیں رکتی اور اس میں تصرم و نیاپن واقع ہوتا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ تشخص واحد کا حامل ہے۔تمام پہاڑ، جوہری حرکت کے ذریعے متغیر ومتبدّل ہور ہے ہیں، اس کے باوجود وحدت شخصیہ کے حامل ہیں۔اس کی بہترین مثال نباتات ہیں۔ایک دانہ جونہی زمین سے سر نکالتا ہے تو چند سال کے بعد ایک تناور درخت بن جاتا ہے کہ جس سے کئی من ایندھن حاصل ہوسکتا ہے۔یہ موجودہ تناور درخت وہی ننھا سا سبز پودا ہے کہ جس نے پہلے دن، مٹی میں سے اپنا سر باہر نکالا تھا۔درحقیقت یہ وہی ہے، یعنی اس کا تشخص ایک ہی ہے کہ جو تمام مراتب کے دوران محفوظ وباقی رہا ہے۔

'نفس' کا متغیّر بالذات حقیقت واحدہ ہونا

نباتات کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ تشخص واحد رکھتے ہیں، وہ طبیعی قوت کے علاوہ اور کسی چیز کے حامل نہیں ہوتے اور ان کا نباتی نفس مجرد نہیں ہوتا بلکہ فقط ایک طبیعی قوت ہے کہ جس سے کچھ آثار وافعال ظاہر ہوتے ہیں۔جب پودا حرکت کر کے اپنے انتہائی کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ طبیعی قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔پودا زرد ہو کر مرجھا جاتا ہے اور وہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ لیکن آغاز سے انجام تک نباتات کی شخصی وحدت برقرار رہتی ہے۔(حالانکہ پودے طبیعی اجزاء اور طبیعی قویٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے حامل نہیں ہوتے)۔

اب ہم حیوان کی طرف آتے ہیں کہ جس میں برزخی نفس ہوتا ہے۔جو گھوڑا انتہائی کمزور نظر آتا ہے یہ وہی ہے جو پہلے موٹا اور صحت مند گھوڑا تھا اب بھی اس کی شخصیت باقی ہے۔ایسا نہیں کہ کمزور ہو جانے پر اس کی فرسیت (گھوڑے پن) پر مبنی تشخص کم ہوگئی ہو اور موٹا اور صحت مند ہو جانے کی صورت میں اس کی فرسیت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر حالت میں اس کی ہویت اور شخصیت قائم رہتی ہے۔

انسان بھی اسی طرح ہے وہ اپنی پیدائش کے آغاز سے ہی ضعیف ترین مراتب سے ترقی کرنے لگتا ہے اور اس کا طبیعی جسم دن بہ دن کامل ہوتا رہتا ہے یہاں تک وہ اپنے کمال کے آخری درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں اس کا طبیعی پہلو بالکل ختم ہوجاتا ہے اور وہ ملک سے ملکوت میں بدل جاتا ہے۔ جبکہ ان تمام مراحل میں شخص کی حرکت ایک ہی رہتی ہے اگر کوئی اول سے آخر تک اس تدریجی حرکت کو دیکھے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ ملک کے ملکوت میں تبدیل ہوجانے کے باوجود اس کا تشخص تبدیل نہیں ہوا لیکن اگر وہ تدریجی حرکت سے غافل ہو تو ممکن ہے کہ وہ وجود کے اول اور آخر کو متباین خیال کرنے لگے۔

جسم طبیعی کے جسم اخروی میں تبدیل ہونے کی کیفیت

الغرض اگر 'ذات الوجود' کی کیفیت وجود متصرم اور متجدد ہوئی تو اس کی صورت بھی صورت نفس مجرد ہوگی کہ جس میں تغییر و تحلیل اور تصرم و تجدد ہونے کے باوجود اس کا تشخص محفوظ اور باقی رہتا ہے۔ کیونکہ جب کسی موجود کی کیفیت وجود، تصرمی ہو تو ایسے موجود کی شخصیت اور تشخص بھی واحد ہی ہونا چاہیئے۔ چونکہ اس کی ذات، تغییر و تصرم اور تجدد کی حالت میں ہے۔

اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ ہیولائے اولی پر ایک صورت اولیہ افاضہ ہوتی تو پھر یہ وجود کمالی حرکت کے ذریعے آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے اور آخر کار طبیعی کمال میں اس جسم کے درجہ تک جا پہنچتا ہے کہ جو اجسام طبیعت میں سے سب سے زیادہ معتدل جسم ہے۔ البتہ یہ جب معلوم ہوتا ہے جب کوئی بصیر آنکھ اس تدریجی حرکت کو دیکھ رہی ہو اور عالم برزخ کی جانب بھی اس کی آنکھ کھلی ہو، جو عالم طبیعت کے آخری مرتبہ اور عالم برزخ و تجرد کے اولین درجہ کو ایک دوسرے سے الگ و جدا نہ دیکھتا ہو۔ بلکہ وہ اس حقیقت کے اس مرتبہ کو ضعیف اور اس مرتبہ کو قوی دیکھ رہا ہو۔ یہ طبیعی جسم (سر سے پاؤں تک) دن بہ دن وجودی و کمالی حرکت کے ذریعے اور نقص سے کمال کی طرف حرکت کرتے ہوئے، اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ جہاں وہ برزخی جسم میں تبدیل ہوجاتا

ہے۔ چونکہ عام طور پر ہم اپنی باطنی حرکت سے غافل ہوتے ہیں۔ لہذا عالم بعد الموت کو دنیوی زندگی کے مخالف اور اس سے جدا خیال کرنے لگتے ہیں۔ ہم اس بات سے غافل ہوتے ہیں اس وقت بھی عزرائیلی قویٰ اور عوامل اور عزرائیل کے ماتحت ملائکہ ہماری طبیعی زندگی اور جسم وقویٰ کو برزخی زندگی کی جانب لے جارہے ہیں اور اس وقت بھی وہ ہمیں عالم طبیعت سے نکالنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں ہماری زندگی لمبی ہوتی جاتی ہے تدریجاً ہمارے کان کم سننے لگتے ہیں۔ دن بہ دن ہماری آنکھوں کی بینائی کم ہوتی جاتی ہے اور طبیعی قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں۔ طبیعت کے اس ضعف اور نقص کا مطلب یہی ہے کہ طبیعی جسم برزخی جسم میں تبدیل ہورہا ہے۔ یہی دنیوی طبیعی جسم ہے کہ جو برزخی جسم میں بدل رہا ہے اور یہ اس کا مرحبۂ کمال ہے۔ البتہ ہم اس تبدیلی وتبدّل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ تبدّل اور تصرّم درحقیقت، ملک کا ملکوت کی صورت میں قہراً تبدیل ہونا ہے۔ اس وقت بھی ہمارا جسم، برزخی جسم میں تبدیل ہورہا ہے کہ جو ہیولیٰ سے خالی ہے۔ یہ جو ہم خواب میں اشیاء کو دیکھتے ہیں، چلتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں یا کسی سے ہاتھ ملاتے ہیں تو یہ سب، روح کی وسعت کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ خواب میں ہم جو ہاتھ پاؤں یا بدن دیکھتے ہیں، یہ وہی برزخی جسم ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ عالم برزخ کے منکر ہوگئے تھے، خداوند نے ان پر خواب کو مسلط کردیا تا کہ اس عالم کو ثابت کرسکے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جسم تبدیل ہوتا ہے لیکن اس کی شخصیت محفوظ رہتی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مرنے کے بعد روح کو دنیوی بدن سے نکال کر ایک دوسرے قالب اور مثالی جسم میں داخل کردیتے ہیں کہ جو وہاں رکھا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عوالم میں ایک ہی جسم، ایک ہی حقیقت اور ایک ہی شخصیت ہوتی ہے لیکن جب اس کی طبیعی وکمالی حرکت ختم ہوجاتی ہے اور جب اس کے تمام طبیعی قویٰ ختم ہوجاتے ہیں اور جسم طبیعی، جسم برزخی میں تبدیل ہوجاتا ہے تو وہ استقلال حاصل کرلیتا ہے۔ گویا، اپنا چھلکا اتار پھینکتا ہے اور اپنے پرانے غلاف سے نکل آتا ہے۔ اس کے بدن کو پھر اس پرانے غلاف اور چھلکے کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ اس

غلاف و چھلکے کی طرف توجہ دے اور اس کی اعتنا کرے۔ اس مطلب کی وضاحت کیلئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ: جب آپ اپنے ناخن کاٹتے ہیں اور انہیں پھینک دیتے ہیں تو پھر وہ آپ کے ناخن نہیں سمجھے جاتے، بلکہ آپ کے ناخن تو وہ ہیں جو آپ کے ہمراہ ہے آپ کا برزخی جسم بھی وہی ہے جو دنیا میں آپ کا دنیوی بدن تھا۔ برزخی بدن وہی ہوتا جو عالم طبیعت میں تھا۔ البتہ اب وہ کامل ہوکر برزخی جسم میں تبدیل ہوگیا ہے۔ اب آپ کو یہ سؤال کرنے کا حق ہے کہ موت کے بعد اس دنیوی بدن کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اب بدن نہیں ہے وہ تو اس غلاف اور چھلکے کی طرح ہے جسے پھینک دیا گیا ہے۔ اس کی مثال اس ناخن یا داڑھی کے بال کی سی ہے جسے کاٹ کر پھینک دیا گیا ہو۔

حشر کے وقت صورت کا باقی رہنا اور مادے کا فنا ہوجانا

نشور کے وقت محشور ہونے پر صورت باقی رہتی ہے لیکن مادہ باقی نہیں رہتا۔ مادہ (خواہ بمعنی اشتراک لفظی ہو یا اشتراک معنوی) ہیولیٰ اور بدن کے درمیان مشترک ہوتا ہے اور بدن، انسانی نفس ناطقہ کی نسبت، مادہ کہلاتا ہے۔

یہ نکتہ توجہ طلب ہے کہ جو لوگ، جسمانی معاد کے باب میں آخوند ملا صدراؒ کے مطالب اور نظریہ کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے، ان کیلئے لفظ 'مادہ' کی وجہ سے ایک مغالطہ پیدا ہوگیا ہے۔ بعض نے خیال کیا ہے کہ 'مادہ' سے آخوندؒ کی مراد نفس کا مادہ یعنی بدن ہے۔

وہ کہتے ہیں: آخوندؒ نے جو یہ کہا ہے کہ آخرت اور حشر کے دن، فقط صورت باقی رہتی ہے نہ کہ مادہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن بدن نہیں آئے گا۔ معاد کے دن بدن باقی نہیں رہے گا۔ اور فقط صورت باقی رہے گی کہ جو نفس ہی کا دوسرا نام ہے۔ جو چیز باقی نہیں رہے گی اور اس دن نہیں آئے گی وہ بدن ہے۔ اور یہی معاد روحانی ہے نہ کہ معاد جسمانی۔

لیکن یہ اشتباہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ ایک صاحب فن استاد کی بات کو صحیح طور پر سمجھا نہیں

گیا۔ مادہ سے آخوندؒ کی مراد بدن نہیں ہے۔ بلکہ ان کی مراد ہیولیٰ ہے اور صورت سے ان کی مراد صورت جسمیّہ ہے۔ اس بارے میں آخوند ملا صدراؒ کے نظریے اور آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ:

صورت جسمیہ باقی رہے گی اور ہیولیٰ نابود ہوجائے گا

ہمارے پاس ایک انسانی ہویت اور تشخص ہے کہ جس کی صورت کو نفس ناطقہ اور جس کے مادہ کو بدن کہتے ہیں۔ اگر خود انسان سے قطع نظر انسانی بدن کو ملاحظہ کریں تو صورت بدن، صورت جسمیّہ ہے اور ہیولیٰ، بدن کا مادہ ہے۔ آخوندؒ کی مراد یہ ہے کہ حشر کے دن، صورت بدن یعنی صورت جسمیّہ بعینہ وارد ہوگی چونکہ وہ باقی ہے اور اس کیلئے فنا کا تصور بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا فنا اور نابود ہونا محال ہے۔ البتہ اس سے کوئی مانع نہیں کہ صورت جسمیّہ تو باقی رہے لیکن ہیولیٰ، نابود ہوجائے اور ہیولیٰ کے ختم ہوجانے اور صورت جسمیّہ کے اس سے جدا ہوجانے کے باوجود صورت جسمیّہ وہی رہے کہ جو ہیولیٰ کے ہمراہ تھی۔ کیونکہ جسم کی صورت جسمیّہ کی حقیقت میں ہیولیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ جسم کی حقیقت، ہیولیٰ اور اس کے ساتھ کسی اور چیز کے اضافے سے عبارت ہو۔ جسم خود ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی حقیقت میں ہیولیٰ کا کوئی کردار نہیں یہاں تک کہ اگر ہیولیٰ کو صورت جسمیّہ سے نکالا جاسکے یا صورت جسمیّہ کو ہیولیٰ سے جدا کردیا جائے تو صورت جسمیّہ میں کسی قسم کا خلل پیدا نہیں ہوتا اور وہ بعینہ اپنی حقیقت و تشخص اور ہویت کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

ہیولیٰ کے ساتھ دنیوی اور اخروی جسم کا تعلق

یہ جو آخوند ملا صدراؒ نے فرمایا ہے کہ حشر کے دن 'صورت' حاضر ہوگی تو اس سے مراد اسی بدن کی صورت جسمیّہ ہے۔ البتہ حشر میں فقط صورت ہوگی ہیولیٰ نہیں ہوگا۔ کیونکہ شئے کی شیئیت، اس کی صورت کی وجہ سے ہوتی ہے اس کے مادہ کی وجہ سے نہیں۔ لہذا یہ بدن جب تک عالم طبیعت

میں ہوتا ہے ہیولیٰ اس کے ہمراہ ہے، ایسا ہیولیٰ کہ جو بدن میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ایک ہیولیٰ منضمہ ہوتا۔ جو ہیولیٰ، بدن میں تبدیل ہو جاتا ہے، وہ بدن ہو جانے کے بعد، پھر ہیولیٰ نہیں رہتا۔ چونکہ جب ایک چیز تبدیل ہو جاتی ہے تو پھر وہ خود باقی نہیں رہتی۔ لیکن ہیولائے منضمہ بھی حشر کے دن باقی نہیں رہے گا۔ مثلاً بادام میں ہیولائے منضمہ وہ ہے کہ جس کے سبب وہ بادام، درخت بن سکتا ہے یا خاک میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بادام میں ایک ہیولیٰ تھا، جو جوہری حرکت کے ذریعے، حرکت کرتا ہوا، بادام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور بادام بن جانے کے بعد یہ ہیولیٰ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اب وہ ایک اور چیز بن گیا ہے۔ اسی طرح جب لکڑی اور ایندھن کو آگ لگتی ہے تو اس کے تمام اجزاء سے شعلے نکلتے ہیں اور وہ آگ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اب وہ ایندھن نہیں رہتا بلکہ وہ آگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ ایندھن میں ہیولائے منضمہ تھا کہ جو جلنے اور خاکستر بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

دنیوی جسم کا اخروی جسم میں تبدیل ہونے کیلئے حرکت کرنا

قیامت کے دن، انسانی جسم کسی قسم کے ہیولیٰ کا حامل نہیں ہوگا۔ وہ ہیولیٰ کہ جو اس کا دنیوی جسم تھا وہ قیامت میں باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح انسانی جسم، ہیولائے منضمہ کو بھی عالم طبیعت میں چھوڑ کر اپنے آپ کو اس کی مصاحبت و رفاقت سے جدا کر لیتا ہے۔ اس کے باوجود یہ وہی حقیقت، وہی جسمانی ہویت اور وہی پہلے والا تشخص ہے کہ جو جب تک عالم طبیعت میں تھا، ہیولیٰ کے ہمراہ تھا (بغیر اس کے کہ ہیولیٰ کا اس کی حقیقت میں کوئی عمل دخل ہو)۔ جب یہ جسم تدریجاً لطیف ہوتا جاتا ہے اور دنیا سے عالم تجرد کی طرف حرکت کرنے لگتا ہے تو ہیولیٰ کے ساتھ اس کی رفاقت وہمراہی بھی کمزور پڑنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ جسمانی ہویت اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ وہ عالم طبیعت کے آخری مراتب تک حرکت کر سکتی ہے۔ آخری مرتبہ تک پہنچ کر ہیولیٰ کی تمام اقسام اور اس کے تمام اثرات کو اتار پھینکتی ہے اور آخر کار حقیقت جسمیہ کی صورت میں ایک قوی

وشدید جسم بن جاتا ہے جواپنے آپ سے غیر ضروری چیزوں کو الگ کر دیتا ہے اور اکیلا باقی رہ جاتا ہے۔ اس طرح اس کی ہویت اور تشخص محفوظ رہتا ہے۔ یہ وہی جسم تھا کہ جو دنیا میں بعینہ اسی شخصیت کے ساتھ اور اسی ہویت وتشخص کے ساتھ تھا۔ اگر انسان چشم بصیرت کے ساتھ، عالم طبیعت کے مراتب وانتہا اور ماورائے عالم طبیعت کو دیکھے تو وہی جسم کہ جو عالم طبیت میں تھا اور جس کی ذات طبیعی تھی، تدریجاً اور آہستہ آہستہ کامل ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کی یہ تکاملی حرکت، اس کے اس عالم سے خارج ہو جانے تک جاری رہتی ہے۔ اس طرح وہ عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس عالم کے اجسام کا ہم مرتبہ بن جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو دنیا کے گرد وغبار سے پاک کر کے، صاف ستھرا ہو کر آخرت میں داخل ہوتا ہے۔ اس دوران ہیولیٰ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ تکوینی تطہیر اور غسل ہے جس کے ذریعے جوہر ذات میں تبدیلی اور انقلاب آ جاتا ہے۔ یعنی طبیعی سے ماورائے طبیعی میں تبدیل ہو جانا۔ البتہ یہ تغیر وتجدد ایسا نہیں کہ جس سے ہویت اور شخصیت ہی تبدیل ہو جائے۔ خود عالم طبیعت میں جو تبدیلی وتجدد اور تبدل پیدا ہوتا ہے، اس کے باوجود اس کی شخصیت اور ہویت محفوظ رہتی ہے اور اس کا تشخص اور واحد ہونا منثلم نہیں ہوتا۔

تبدل وتجدد کے نتیجے میں وحدت تشخص کا باقی رہنا

تجدّد وتبدّل، شخصیت، عینیت، وحدت کے زوال اور ہویت کے متغیر ہونے کا باعث نہیں بنتا ہے۔ وہی جسم بعینہ، اپنے مراتب طے کرتا رہتا ہے اور جب آخری مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے تو ہیولیٰ اس سے جدا ہو جاتا ہے اور عالم طبیعت میں باقی نہیں رہتا ہے۔ لیکن عالم طبیعت سے اس کے رشتے کے کٹ جانے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جسم، عالم طبیعت میں زندگی گزارنے والے جسم کے علاوہ کوئی اور جسم ہے۔ یہ وہی جسم ہے البتہ اب اس کا وطن بدل گیا ہے۔ اب افق طبیعت میں اس کی زندگی ختم ہو چکی ہے اور وہ مابعد الطبیعات میں داخل ہو چکا ہے۔ البتہ اسی تشخص کے ساتھ جو اسے عالم طبیعت میں حاصل تھا۔

وحدت اور شخصیت کا محافظ جسم

خلاصہ یہ کہ ہم نے یہاں چند مطالب بیان کئے ہیں:

اول: یہ کہ خود نفس، قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ یہ بات تمام شرائع اور ادیان الٰہی کی ضروریات میں سے ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ جسم اور یہ بدن کہ جو یہاں ہے، نشور کے وقت محشور ہوگا۔ اور جہاں تک اس سؤال کا تعلق ہے کہ یہ بدن عالم طبیعت کے مراتب میں سے کون سے مرتبہ کے ساتھ، عالم آخرت میں داخل ہوگا؟ تو فی الحال یہ ہمارے زیر بحث نہیں ہے۔ یہاں ہم فقط یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہی جسم بعینہ، آخرت میں محشور ہوگا۔

ملا صدراؒ کہتے ہیں: یہی طبیعی جسم، بعینہ، قیامت میں حاضر ہوگا اور خود بشخصہ باقی رہے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس جسم اور بدن کا تشخص جدا ہے اور نفس وروح کا تشخص جدا ہے۔ آخرت میں انسان کی شخصیت کے باقی رہنے سے مراد یہ ہے کہ نفس کی شخصیت باقی رہے گی۔ نفس، انسانی صورت ہے اور ایک شخصیت وتشخص رکھتا ہے اور اس کا مادہ، اسی بدن کی صورت ہے اور یہ بدن بھی شخصیت وتشخص کا حامل ہے۔ جو نفس کے تشخص وشخصیت کے علاوہ ہے اور یہاں اسی شخصیت کی بقا مراد ہے۔

صورت اور مادہ میں فرق یا بدن کے مادہ کی صورت

خود بدن کی ایک انسانی صورت ہوتی ہے، جسے 'صورت جسمیّہ' کہتے ہیں اور اس کا ایک مادہ ہوتا ہے کہ جسے 'ہیولیٰ' کہا جاتا ہے۔ شئے کی شیئیت اور شخصیت، اس کی صورت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس لیے آخرت میں صورت جسمیّہ، ہیولیٰ سے نجات حاصل کر کے بغیر مادہ کے رہ جائیگی۔ لیکن اس کے باوجود اس کی شخصیت محفوظ رہے گی۔ پس بدن کی ایک شخصیت ہے اور نفس کی ایک الگ شخصیت ہے۔ البتہ بدن کی شخصیت کا محافظ، نفس ہے۔ ایسا نہیں کہ نفس کی شخصیت بعینہ، بدن کی شخصیت ہو، بلکہ جس طرح دنیا اور عالم طبیعت میں، بدن ہمیشہ تحلیل وتبدیل اور تغییر کی حالت

میں رہتا ہے لیکن اس کی صورت جسمیہ محفوظ رہتی ہے۔ (یہ وحدت کا مورث اور جسم کی شخصیت کی تکیہ گاہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ جو نفس ہے)۔ اسی طرح ایک اور وحدت کی تکیہ گاہ بھی ہے کہ جس کی وجہ سے عالم طبیعت سے عالم آخرت کی طرف منتقل ہونے والی صورت جسمیہ کی شخصیت، محفوظ رہتی ہے۔ لہذا بدن کی شخصیت، مختلف مراتب کے دوران ہرگز خراب نہیں ہوتی۔

جسم کی فعلیت تام کی طرف حرکت

دو عوالم کا تبدّل درحقیقت، ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ میں تبدیل ہونے، یعنی کسی جوہر کے وجود میں تبدیل ہونے سے عبارت ہے۔ اگر ہم غافل نہ ہوتے تو دیکھتے کہ موت، درحقیقت ایک نشئہ کی تغییر ہے جو دفعتاً نہیں، بلکہ تدریجاً واقع ہوتی ہے اور آخر کار موت کا وقت آ پہنچتا ہے۔ موت کے پہنچنے تک جسم تدریجاً ایک ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے کہ ﴿کلما لیس دخیلاً في جسمیّة الجسم، مع انّه کان متعانقاً معه ومنضماً الیه ﴾۔ جہاں وہ غیر کو اپنے آپ سے جدا کر دیتا ہے، اور ہویت مکمل طور پر حقیقت جسمیہ بن جاتی ہے۔ یہ جسم جب تک عالم طبیعت میں تھا، تو بتمام معنیٰ جسم نہ تھا بلکہ محوضۃ القوہ وصرافۃ الفعلیہ کے درمیان حرکت کر رہا تھا۔ جو چیز اس طرح ہو وہ استقلال حاصل نہیں کر پاتی۔ لہذا دنیوی جسم مستقل نہیں ہوتا۔

بنیادی طور پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو چیز، مبدأ و منتہیٰ کے درمیان حرکت کر رہی ہوتی ہے وہ ایک خاص نقطہ پر ہے۔ کیونکہ ہم مبدأ و منتہیٰ کے درمیان جس نقطہ کو بھی فرض کریں تو وہ چیز یا تو وہاں پہنچی ہی نہیں یا وہاں سے گزر چکی ہے۔ پس متحرک شئے کیلئے معین نقطہ، تعیین نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا جسم جب تک عالم طبیعت میں ہوتا ہے فعلیت محضہ کا حامل نہیں ہوتا تاکہ اسے متعیّن کر سکیں، بلکہ اس کی فعلیت ابہام اور لاتعیّن کی صورت میں ہوتی ہے۔ چنانچہ ملا صدرؒا اپنے کلام کے درمیان میں فرماتے ہیں: "طبیعی جسم کا تعیّن، جنس کے تعیّن کی طرح ہے کہ جو مبادی فصول کے درمیان، کسی ایک فصل سے متفصل ہونے تک ابہام کی شکل میں موجود رہتی ہے"۔

خلاصہ یہ کہ جو چیز حرکت میں ہوتی ہے اس کی خارجیت اور عینیت ابہام ولاتعین کی صورت میں ہوتی ہے۔ایسے موجود کی حرکت جب رک جاتی ہے اور وہ مستقل ہوجاتا تو وہ ایک ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اس کے تمام قویٰ، بالفعل ہوجاتے ہیں اور اس کا نقص ختم ہوجاتا ہے۔ (جسم کا ہیولیٰ کو چھوڑ دینے کا مطلب بھی یہی ہے)۔اس مقام پر اس کی ذات اور جوہر میں جس مقام تک پہنچنے کا امکان تھا، وہاں وہ پہنچ جاتا ہے اور متعیّن ہوجاتا ہے۔البتہ اس صورت میں وہ مکمل طور پر قوی ہوجائے گا اور اس کی تمام تر حقیقت ظاہر ہوجائے گی۔

روایات میں ابدان کا تبدّل

پس جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ انسانی بدن، آخرت میں بعینہ حاضر ہوگا اور وہ جہان ایک ایسا جہان ہے کہ جو وجود کے مراتب اور شدت میں اس دنیوی عالم کے برعکس ہے۔ہم نے ابدان کے تبدل کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جو اہل بہشت اور اہل جہنم کی صفات کے بارے میں منقول ہے:

انهم جُردٌ مُردٌ أبناء ثلاثين سنةً، وانّ أوّلَ زُمرةٍ يدخلُونَ الجنّةَ علىٰ صُورةِ القمرِ ليلةَ البدر، ثُمَّ الّذينَ يلونَهُم كأشدّ كوكبٌ دُريٌّ في السّماءِ اضاءَةً. وَفي صِفَةِ أهلِ النّار: أنّ ضِرسَ الكافرِ يَومَ القِيامَةِ مِثلُ أُحُد، وَفَخذَهُ مِثلِ البَيضاءِ، وَمقعدَهُ مِنَ النّارِ مَسيرةَ ثَلاثٍ مِثلِ البَريدةِ الرّبذةِ۔[۱]

وفي رواية ﴿انّ غِلَظَ جِلدِ الكافرِ اثنانَ وَأربَعُونَ ذِراعاً، وِانّ مَجلِسَهُ في جَهَنّم ما بَينَ مَكّةَ وَالمَدِينَة﴾ ۔[۲] وفي رواية اخرىٰ: ﴿انّ الكافِرَ يَسحَبُ لِسانَهُ الفَرسَخَ وَالفَرسَخَينِ يَتَوطّاهُ النّاس﴾ ۔[۳] الىٰ غير ذلك من اوصاف الفريقين في الآخرة۔[۴]

۱،۲،۳۔ اسفار اربعہ، ج۹ص۳۳۳سفر رابع، باب۸فصل۳۔

۴۔تقریرات اسفار، ۔

جسم میں تبدیلیاں آنے کے باوجود اس کی حقیقت نہیں بدلتی

مذکورہ مطالب کی وضاحت کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اگر کسی بچے کا جسم، مثلاً آدھ میٹر تھا تو اب ۳۰ سال گزرنے کے بعد وہ دو میٹر لمبا جوان بن گیا ہے۔ تو اس کا بدن درحقیقت وہی ہے کہ جو زندگی کے پہلے دن، آدھ میٹر تھا۔ اسی طرح وہ بدن کے جو کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی جلد اور ہڈیوں کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ تو ہم مجاز کے شائبہ کے بغیر حقیقتاً کہتے ہیں کہ یہ وہی پہلے والا بدن ہے۔ الغرض یہ بدیہی ہے کہ بدن کے اجزائے اولیہ، دائماً تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور غذا و خوراک کھانے سے، تحلیل ہونے والے اجزاء کے بدلے دوسرے اجزاء بنتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ چند سال میں پورا بدن بدل جاتا ہے۔ جن اجزاء سے دل بنا ہوا تھا وہ مکمل طور پر تحلیل ہو جاتے ہیں اور اب دل دوسرے اجزاء سے بن گیا ہے۔ اسی طرح مغز بدل چکا ہے، جگر بدل چکا ہے۔ ان سب تغیرات وتبدلات کے باوجود، سب لوگ مجاز کے شائبے کے بغیر کہتے ہیں کہ یہ وہی پہلے والا بدن ہے۔ اگر کسی نے چند سال پہلے دوسرے کا سر کاٹ دیا ہو تو گرفتاری کے بعد، مقتول کے ورثاء یہ نہیں کہتے کہ یہ قاتل نہیں ہے۔ کوئی بھی نہیں کہتا کہ قاتل بیس سال پہلے ایک جوان تھا، اور یہ بڈھا انسان قاتل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ موجودہ جسم کو مجاز اور تسامح کے طور پر سابقہ جسم کہا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقتاً یہ بوڑھا جسم، وہی جسم ہے کہ جو پہلے ایک بچے کا جسم تھا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ جسم پہلے والا جسم تو نہیں ہے، لیکن چونکہ نفس وہی نفس ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ جسم وہی پہلے والا جسم ہے۔ (یعنی چونکہ یہ نفس پہلے والا نفس ہے اس لیے ہم اس جسم کو پہلے والا جسم قرار دیتے ہیں)۔ تو اس کی یہ بات بالکل غلط ہوگی۔ کیونکہ اس قول کے مطابق موجودہ جسم پہلے والا جسم نہیں ہوگا اور اس جسم کو پہلے والا جسم کہنا مجاز اور تسامح ہوگا۔ حتیٰ مادہ پرست افراد کہ جو نفس کے قائل نہیں ہیں وہ بھی بغیر شک کئے کہتے ہیں کہ یہ جسم حقیقتاً وہی پہلے والا جسم ہے۔

پس بلا شبہ یہ جسم وہی پہلے والا جسم ہے اور بدن وہی بدن ہے۔ اگرچہ بدن میں ہمیشہ

تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ چند سال کے اندر بدن بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس تبدیلی وتغییر کے باوجود، چالیس سالہ شخص کا بدن وہی چالیس روزہ بچے کا بدن ہی ہوتا ہے۔

وحدت شخصیہ کے محفوظ رہنے کا راز

اس بات کا راز یہ ہے کہ ایک محافظ، جسم کی وحدت شخصیہ کی حفاظت کرتا ہے۔ جسم وبدن کا استقلال اپنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی تمام تر حیثیت بطور کلی، اسی محافظ سے تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً یہ ہاتھ اب بدل چکا ہے۔ اس کے (بچپن کے زمانے والے) اجزاء اب بالکل ختم ہو چکے ہیں)۔ لیکن اس کے باوجود یہ وہی بچپنے والا ہاتھ ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ جسم کا استقلال ذاتی نہیں ہے۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت اور خودی نہیں ہے، بلکہ یہ نفس اور باطن کا ظہور ہے۔ وہ اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ یہ نفس اور اپنے باطن میں فانی ہے۔ لہذا اس میں جتنی تبدیلیاں اور تغیرات رونما ہوتے ہیں، ان دو جسموں کے درمیان موجود یگانگت برقرار رہتی ہے۔

ہم نے کہا ہے کہ اجزاء آہستہ آہستہ تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور تحلیل ہونے والے اجزاء کی جگہ دوسرے اجزاء آجاتے ہیں، لیکن اس تدریجی عدم و وجود کے باوجود وہی پہلے والا جسم باقی رہتا۔

اب جبکہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ تدریجی تغییر وتبدل کی حالت میں موجودہ جسم وہی سابقہ جسم ہوتا ہے تو یہاں کہہ سکتے ہیں کہ اس معنیٰ میں 'تدریج' اور 'دفعۃً واحدۃ' میں کوئی فرق نہیں۔ اگر بالفرض کوئی نفس کسی جسم وبدن کو دفعتاً معدوم کرنے اور پھر دفعتاً دوسرے جسم وبدن کو وجود میں لانے پر قادر ہو تو وجود میں آنے والا یہ جسم بلاشبہ وہی پہلے والا جسم ہوگا۔ (جیسا کہ ہم نے تدریجی حالت میں اس بات کو ثابت کیا ہے اور وحدت وعینیت کا راز بیان کیا ہے)۔

رجعت میں حاضر ہونے والا جسم

اگر رجعت کے دوران امام حسین علیہ السلام نے نفس شریف نے کوئی جسم انشاء کیا تو وہ جسم حقیقۃً آپ ہی کا جسم ہوگا یہ بعینہ وہی جسم ہوگا جو ایام طفولیت میں آپؑ کا جسم مبارک تھا۔ البتہ آپؑ کا جو جسم کربلا میں تھا وہ اس وقت حقیقتاً آپ کا جسم نہیں ہے۔ اس مطلب کی مزید وضاحت کیلئے عرض ہے: جیسا کہ ہم نے 'تدریجی تحلیل' میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص کا گوشت و پوست اور ہڈیاں تدریجاً تحلیل ہو جائیں اور پھر انھیں جمع کر دیا جائے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کا حقیقی بدن، یہی جمع شدہ گوشت کے ٹکڑے ہیں یا اس کا حقیقی بدن، وہ ہے کہ جس کے ساتھ وہ واقعاً چلتا پھرتا ہے اور کھاتا پیتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جمع شدہ گوشت، اس شخص کا بدن نہیں۔ اسی طرح اگر آپ اپنے ناخن کاٹ کر انھیں ایک لفافے میں ڈال لیں تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس حالت میں بھی آپ کے ناخن ہیں یا آپ کے ناخن وہ ہیں جو اس وقت آپ کی انگلیوں سے جڑے ہوئے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے ناخن وہی ہیں جو اس وقت آپ کی انگلیوں پر ہیں وہ نہیں جو لفافے میں پڑے ہوئے ہیں۔ البتہ ایک دن وہ بھی آپ کے ناخن تھے لیکن اب نہیں ہیں۔ اسی طرح انسان کی ڈاڑھی وہی ہے کہ جو انسان کے چہرے پر اُگی ہوئی ہو وہ نہیں کہ جس کو قینچی سے کاٹ کر لفافے میں ڈال کر صحن کے کسی کونے میں دکھ دیا گیا ہو۔

الغرض معاد کے قائل حضرات، نہیں جانتے اس قسم کی باتوں سے وہ معاد اور حشر کا انکار لازم آتا ہے۔ اسی مسئلے سے بچنے کیلئے بعض محدثین مجبوراً اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ حشر کے دن انہی ابدان کی مانند ابدان خلق ہوں گے۔ انھوں نے قرآن مجید سے بھی دلیل پیش کی ہے اور کہا ہے: خداوند متعال نے قرآن میں فرمایا ہے: ﴿خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ﴾[1]

۱۔ (خداوند وہ ہے کہ) جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور انہی کی مانند زمین خلق کی ہے۔
سورۂ طلاق، آیت/۱۲۔

یہاں 'مثلھن' اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو خلق فرمایا ہے۔ اور وہ انہی جیسے اور زمین وآسمان خلق کرنے پر بھی قادر ہے۔ اسی طرح مٹی کے ڈھیر اکٹھے کئے جائیں تو ان میں گوشت تو نہیں ملے گا، لیکن ان سے گوشت بنتا ہے اور انسانی بدن تشکیل پاتا ہے۔ واضح ہے کہ یہ بدن بعینہ پہلے والا بدن نہیں، بلکہ اس کی 'مانند' ہے (کیونکہ کم از کم وہ یہ تو قبول کرلیں گے کہ وہ پہلے گوشت نہیں تھا، مٹی کا ڈھیر تھا مگر اب گوشت بن گیا ہے)۔ البتہ یہ اس گوشت سے الگ ہے کہ جو گلنے سڑنے سے پہلے تھا۔ پس یہ تو ثابت ہوگیا کہ یہ پہلے والے گوشت سے الگ ہے، البتہ یہ نظریہ زیادہ دقیق نہیں ہے۔[1]

روایات اور جسمانی وروحانی معاد

بعض آیات، روحانی معاد اور بعض دوسری آیات جسمانی معاد پر دلالت کرتی ہیں۔ ان دونوں قسموں کی آیات کے درمیان کسی قسم کی منافات نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ آیات کی دونوں اقسام کے پیش نظر خاص پہلو ہے۔ آیات کا ایک گروہ، آیات رجوع کہلاتا ہے۔ مثلاً: ﴿وَالَیهِ یُرْجَعُونَ﴾[2] ﴿تُرْجَعُونَ فیهِ الَی اللّٰه﴾[3] ﴿وَانَّ الیٰ رَبِّكَ الرُّجعیٰ﴾[4] ﴿انّا لِلّٰهِ وَانّا الَیهِ راجِعُون﴾[5] یا یہ آیت: ﴿یا ایَّتُها النَّفسُ المُطمَئِنَّة ☆ ارجِعي الیٰ رَبِّكِ راضِیَةً مَرضِیَّةً ☆ فَادخُلي في عِبادِي ☆ وَادخُلي جَنَّتي﴾[6] یہ سب آیات بظاہر عالم طبیعت سے بالاتر

۱۔ تقریرات اسفار۔

۲۔ اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ سورۂ آل عمران، آیت/۸۳؛ سورہ انعام، آیت/۳۶۔

۳۔ تم خدا کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ سورۂ بقرہ، آیت/۲۸۱۔

۴۔ بتحقیق تمہاری بازگشت، تمہارے پروردگار کی طرف ہے۔ سورۂ علق، آیت/۸۔

۵۔ ہم خدا ہی کی طرف سے ہیں اور ہمیں خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت/۱۵۶۔

۶۔ اے نفس مطمئن، اپنے ربّ کی طرف پلٹ آ، اس عالم میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے، پھر میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ سورۂ فجر، آیت ۲۷۔۳۰۔

عالم اور وجودی تجرد پر دلالت کرتی ہیں اور اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہیں کہ وہ جہان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے، سفر طبیعت سے پلٹنے اور جوار الٰہی کی طرف جانے والا جہان ہے۔

جہان طبیعت، تجرد سے دور ہے، لیکن مافوق عالم میں اشخاص ملائکہ اللہ سے گفتگو اور آمد ورفت رکھیں گے۔ جس طرح ہم اس وقت آپس میں میل جول رکھتے ہیں اور یہ بات ان روایات اور احادیث سے ثابت ہے جن میں آیا ہے کہ فرشتے، انسانوں کو جہنم کی طرف کھینچتے ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں۔[۱] یا یہ کہ اہل بہشت ملائکہ سے گفتگو کرتے اور ملائکہ مؤمنین کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔[۲] ہم اس طبیعی وجود کے ساتھ تو ملائکہ سے میل جول نہیں رکھ سکتے ہیں۔ بہت سی آیات بھی مذکورہ بات پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً وہ آیات کہ جو ان لوگوں کے جواب میں ہیں جنہوں نے پوچھا کہ: خداوند متعال نے ملائکہ میں سے کسی کو پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ ﴿وَقَالُوا لَوْلاَ أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكاً لَّقُضِيَ الأمْرُ ثُمَّ لاَ يُنظَرُونَ ☆ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكاً لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلاً وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ﴾۔[۳] یعنی، اگر ملک ہی آنا ہوتا تو وہ پھر ملک اور فرشتوں کی شکل میں تو نہیں آسکتا تھا، چونکہ اسے تمہارے ساتھ میل جول رکھنا ہے، نبوت کے فرائض انجام دینے ہیں، بلکہ اسے ہم بشری و طبیعی صورت میں بھیجتے، اس صورت میں بھی وہ ملک اور فرشتہ تو نہ ہوتا، بلکہ انسان ہی ہوتا۔ ہم نے ملائکہ سے بہتر کو انسان کی صورت اور لباس بشریت پہنا کر تمہاری تربیت کیلئے بھیجا ہے۔[۴]

۱۔ بحار الانوار، ج ۷ باب احوال المتقین والمجرمین فی القیامۃ، ج ۷ باب الجنۃ ونعیمہا، باب النار؛ علم الیقین، ج ۲ صفحات ۹۳۲، ۱۰۲۰، ۱۰۴۲...۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۷۔

۳۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ان پر ملک کیوں نہیں نازل ہوا حالانکہ ہم ملک نازل کر دیتے تو کام کا فیصلہ ہو جاتا اور پھر انہیں کسی طرح کی مہلت نہ دی جاتی۔ اگر ہم پیغمبر کو فرشتہ بھی بناتے تو بھی مرد ہی بناتے اور وہی لباس پہناتے جو مرد پہنا کرتے ہیں۔ سورۂ انعام، آیت ۸، ۹۔

۴۔ تقریرات اسفار، ۔

جسمانی معاد کے متعلق شبہات

پہلا شبہہ: شبہہ آکل وماکول

اس شبہہ میں کہا جاتا ہے اگر فرض کیا جائے کہ کوئی ایسا گروہ ہو کہ جس کی غذا انسانی بدن ہو مثلاً اس گروہ کے ایک شخص کا نطفہ تک دوسرے انسانوں کے بدن کی غذا سے منعقد ہوا ہو اور اس کا گوشت پوست بھی انسانی بدنی کھانے سے بنا ہو تو ایسے انسان کو معاد کیسے ہوگا؟ ماکول (کھائے جانے والے انسان) کے اجزائے بدن تو اب آکل (کھانے والے انسان) کے بدن کا جز بن چکے ہیں تو قیامت کے دن یہ اجزاء کس بدن سے متعلق ہوں گے، آکل (کھانے والے) کے بدن سے یا ماکول (کھائے جانے والے) کے بدن سے؟

ملا صدراؒ کے مسلک کے مطابق شبہہ کا جواب

آخوند ملا صدراؒ کے مسلک کے مطابق اس شبہہ کا جواب انتہائی واضح اور روشن ہے۔ کیونکہ ہم نے کہا ہے کہ معاد، بدن کے پوسیدہ اور خراب شدہ اجزاء سے نہیں ہوتا، بلکہ روح کے ہمراہ ایک انتہائی لطیف اور اعلیٰ بدن (کہ جسے نفس انشاء کرتا ہے) کے ساتھ انسان محشور ہوگا۔

عجب ذنب کی بقائے مطابق ایک دوسرا جواب

البتہ ان لوگوں کو کہ جو اس معاد کے قائل ہیں جو فہم عامہ اور ان کی استعداد کے مطابق ہے۔ اس اشکال کا جواب دینا چاہیئے۔ انھوں نے بھی مختلف جواب دیئے ہیں۔ مثلاً بعض نے کہا ہے: 'عجب الذنب' نام کا ایک ذرّہ ہمیشہ باقی رہتا ہے جو کبھی بھی خراب اور تحلیل نہیں ہوتا، لیکن اس گروہ کے جواب سے معلوم نہیں ہوتا کہ آیا انسان اسی ایک ذرّہ سے تشکیل پاتا ہے کہ جو ریڑھ کی ہڈی کے آخر میں ہوتا ہے؟ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کا نہ کہنا، کہنے سے بہتر ہے۔

بعض اوقات اہل سنت سے منقول ایک روایت سے تمسک کیا جاتا ہے جس کی سند بالکل مجہول ہے۔ وہ روایت یہ ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْبَدَنِ يُمْحىٰ اِلَّا عُجْبُ الذَّنْبِ﴾[1] (یعنی تمام اجزائے بدن نابود ہو جائیں گے سوائے عجب الذنب کے) اور اس سے مراد، ستون فقرات کی آخری ہڈی ہے۔

اب اگر واقعی ایسی کوئی جزئی باقی رہتی ہے تو کیا ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے اجزاء بھی اس کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور بدن دوبارہ بن جاتا ہے اور اس عجب الذّنب کے ذریعے، جو پہلے بدن میں تھا، دوسرا بدن، بعینہ پہلے بدن کی طرح ہو جاتا ہے؟ کیا پورے کا پورا بدن، عجب الذّنب کے اندر ہے؟ کیا تمہارا سارا بدن، وہی ریڑھ کی ہڈی کا آخری حصہ ہے؟ لیکن وہ بھی تو ایک ہڈی ہی ہے جو یقیناً گل سڑ جائے گی۔[2]

۱۔ بحار الانوار، ج ۷ ص ۴۳ کتاب العدل والمعاد، باب اثبات الحشر و کیفیتہ، حدیث ۱۹؛ مسند احمد حنبل، ج ۲ ص ۳۱۵، ۴۹۹۔

۲۔ اہل سنت کی ایک روایت میں حضرت رسول اکرمؐ سے منقول ہے: ﴿يبلو بنى آدم الّا عجب الذّنب منه﴾ عجب الذّنب کی تفسیر میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض متکلمین کا کہنا ہے: 'عجب الذّنب' ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سے حیوانات کی دم نکلتی ہے، فارسی میں اسے 'دمچہ' کہتے ہیں۔ یہ 'دمچہ' خراب نہیں ہوتا اور یہی انسانی بدن کی بقاء کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ یہ کسی بھی آکل (کھانے والے) کے ہاضمہ میں ہضم نہیں ہوتا۔

بعض دوسرے افراد کا کہنا ہے: عجب الذّنب سے مراد، 'بدن کے اصلی اجزاء' ہیں۔ غزالی کے بقول اس سے مراد 'نفس' ہے۔ اس کے متعلق دوسری تعابیر بھی موجود ہیں۔ ملاصدرا مرحومؒ کہتے ہیں: 'عظم الذّنب' یا 'عجب الذّنب' سے مراد 'قوۂ خیالیہ' ہے، جو عالم غیب کا آخری مرتبہ ہے اور دار طبیعت و عالم شہادت کہ جو پورے عالم کے دم کی حیثیت رکھتا ہے، اسی سے شروع ہوتا ہے۔ (اگرچہ وہ خود دم، عقبی حصہ نہیں لیکن عالم کا عقبی سلسلہ، عالم طبیعت سے خارج ہوا ہے گویا اسی سے پیدا ہوا ہے)۔ پس قوۂ خیال اور مرتبۂ خیالیہ، غیب نہیں، بلکہ عالم شہادت ہے اور یہ قوۂ خیالیہ کہ جسے نفس خیالی کہتے ہیں، کبھی بھی خراب نہیں ہوتا۔ اور اس عالم کے تمام قوئ، اس میں اس طرح جمع ہو جاتے ہیں کہ قوۂ خیال، قوت لامسہ، باصرہ اور سامعہ کے درمیان قرار پاتی ہے۔

عجب الذّنب اور جزء لایتجزیٰ کے جواب پر تنقید

بعض نے جب دیکھا کہ عجب الذّنب بھی خراب ہوجاتا ہے تو اپنے نظریئے کو ثابت کرنے کیلئے، 'جزء لایتجزیٰ' سے متمسک ہوئے ہیں۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں: پہلی بات تو یہ کہ کیا جزء لایتجزیٰ کا وجود، معقول بھی ہے یا نہیں؟ اپنے مقام پر محکم براہین سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جزء لایتجزیٰ کا وجود ممکن ہی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ کیا آپ کا بدن وہی جزء لایتجزیٰ ہے۔ اور اگر بطور فرض اس کے ساتھ کسی کی بھی چند کلو گوشت و پوست اور ہڈیاں رکھ دی جائیں تو پھر بھی اس سے آپ کا بدن بن جائے گا چونکہ وہ جزء آپ کے بدن سے باقی بچا ہوا ہے؟ پس اگر اس جزء کو لے جا کر دماوند پہاڑ کے ساتھ رکھ دیں تو کوہ دماوند اور وہ جزء مل کر آپ کا بدن بن جائے گا؟ اس طرح درحقیقت ہمیں اس بات کا ملتزم ہونا چاہیئے کہ وہ جزء، آپ کے پورے بدن کا قائم مقام ہے۔ کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہے؟ کیا ایسی باتیں شرع مقدس سے منسوب کرنا انصاف ہے؟ کیا جب مٹی کو اکٹھا کیا جائے گا تو یہ بدن، بعینہ پہلے والا بدن یا اس جیسا ہوگا؟ یا یہ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں اور ہم فقط مدارا کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اس جیسا ہے۔ اس گروہ نے درج ذیل آیت سے اپنا عقیدہ اور نظریہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے: ﴿قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ☆ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾[1] یہاں مثلیّت کی نفی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہی گل سڑی ہڈیاں کہ جن کی مٹی باقی رہ گئی ہے۔ (وہ بھی اگر باقی بچی ہو اور دوسرے تحولات و تبدلات واقع نہ ہوئے ہوں)، اس کو جمع کیا جائے گا اور پھر دوبارہ ہڈیاں بنائی جائیں گی، جبکہ یہ لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ آیت کچھ اور بیان کر رہی ہے۔ خداوند متعال فرماتا ہے: ﴿مَنْ يُحْيِيهَا﴾ قیامت کیلئے 'احیاء'

۱۔ وہ کہنے لگا بھلا جب یہ ہڈیاں (گل سڑ) کر خاک ہوجائیں گی تو (پھر) کون دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔ (اے رسولؐ) تم کہدو اس کو وہی خدا زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار زندہ کر دکھایا تھا۔ وہ ہر طرح کی پیدائش سے واقف ہے)۔ سورۂ یٰس، آیت/۷۸، ۷۹۔

کی تعبیر استعمال کی گئی ہے جبکہ پہلی دفعہ (کی پیدائش) کو 'انشاء' سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1]

دوسرا شبہہ: احیائے کیلئے زمین کے مواد کا کم ہونا

اس سلسلے میں دوسرے اعتراضات میں سے ایک اعتراض میں کہا گیا ہے: اگر حشر کے دن نفوس کی تعداد کے برابر، اس معلوم الحجم زمین کے اجزائے ترابیہ سے، بدن بنانا چاہیں تو ابتداء سے لے کر روز حشر تک وجود پانے والے انسانی نفوس کیلئے، ابدان کو خلق کرنے کا مادہ اور خمیر کافی نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ ہم حیوانات کیلئے بھی حشر کے قائل ہیں۔ لہذا انکے بدن کو دوبارہ بنانے کیلئے بھی اس مادے کی ضرورت ہوگی۔ علاوہ ازیں، سطح زمین سے بہت سی تحلیقات، ہمیشہ وقوع پذیر ہورہی ہیں۔ لہذا زمین کی یہ سطح آئے دن، اوپر نیچے ہورہی ہے جس سے درخت اور پودے بن رہے ہیں۔ بہرحال، جسمانی معاد پر یہ اعتراض بھی ایک شبہہ کے طور پر کیا گیا ہے۔

نفس کا وحدت بدن کا حافظ ہونا

یہ اعتراض بھی ملا صدراؒ کے نظریئے کے مطابق قابل جواب ہے۔ کیونکہ، مقرّرہ اصول وقواعد کے مطابق، انسان کا مادی بدن ذاتاً کوئی تعیّن اور تحصّل نہیں رکھتا اور فی نفسہ، مبہم وغیر متعیّن ہے۔ دائمی تحلیلات وتبدلات کے ذریعے، بدن کا مواد کم ہوتا رہتا ہے۔ پھر تغذیے اور خارجی مواد کے ذریعے تحلیل وضائع شدہ اجزاء دوبارہ حاصل ہوجاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بدن ختم نہیں ہوتا۔ تبدّل وتغییر یافتہ اس بدن کی وحدت کی حفاظت، اس کے حافظ کے سپرد ہوتی ہے کہ جو انسانی نفس ہے۔ (جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے)۔

پس انسان کا بدن، ایک مبہم اور غیر متعیّن جسم ہے کہ جو نفس کے ذریعے تعیّن پیدا کرتا ہے۔ یہ جس عالم اور نشئہ میں بھی ہو، اس کا حافظ وہی نفس ہے کہ جو پہلے والے عالم میں تھا۔ یہ وہی بدن

۱۔ تقریرات اسفار۔

ہوتا ہے کہ جسے اگر اس کے عالم طبیعت کے رفقاء، دوسرے عالم میں دیکھیں تو کہیں: یہ تو فلاں شخص ہے اور وہ دوسرا فلاں شخص ہے۔ یعنی اس کا بدن، وہی بدن ہوتا ہے۔ پس ہمارے مسلک اور نظریے پر یہ شبہہ نہیں کیا جاسکتا۔

متکلمین کے مبنیٰ کے مطابق مختلف جوابات

البتہ متکلمین حضرات کو اپنے مسلک کی بناء پر بتانا چاہیئے کہ بہت سی نفوس کا جسمانی معاد نہیں ہوگا۔ لہذا وہ جسمانیت سے نکل کر روحانی ہوجائیں گے۔ یا انھیں یہ کہنا چاہیئے کہ دوسری تخلیق کیلئے، لازمی ہے کہ ضروری مواد، اس عالم سے لیا جائے۔ بدن، ہیولائے عالم ہے اور ہیولیٰ ذاتاً، تناہی (توقف) وعدم تناہی کا حامل نہیں ہوتا۔ تناہی اور عدم تناہی اجسام کے لوازم میں سے ہے۔ لہذا ہوسکتا ہے کہ صورت جسمیہ جرمیہ کو دوسرے کرات واجرام سے لایا جائے اور ہیولیٰ کرہ ارض سے ہی ہو اور ضروری نہیں کہ صورت جرمیہ، جسمیہ بھی کرۂ ارض سے ہو۔[۱]

تیسرا شبھہ

جسمانی معاد کی نفی کے سلسلے میں قوی ترین شبہہ، جنت اور دوزخ کیلئے مکان کا مسئلہ ہے۔ منکرین کا کہنا ہے: جنت اور دوزخ کا مکان کہاں ہے؟ اگر افلاک سے بالا ہے کہ جہاں جہت وسمت نہیں اور جو لاخلاء ولاملاء ہے تو یہ جہت ومکان سے خالی ہے، اگر زمین پر ہے تو پھر یہاں پر نار اور جنت کے اثرات کیوں نہیں نظر آتے؟ اور اگر طبقات سماوات کے درمیان ہے تو پھر ہمیں افلاک کے درمیان خلاء کا قائل ہونا چاہیئے جبکہ محال ہے کہ وہان خلاء ہو یا ہمیں بہشت وجہنم کے افلاک کے ساتھ تداخل کا قائل ہونا چاہیئے۔ یہ بھی ناقابل قبول ہے چونکہ اس سے اجسام میں تداخل لازم آتا ہے۔

۱۔ اس شبہے کا مکمل جواب مادۂ اخروی اور جسم اخروی کے بارے میں گزشتہ مباحث سے واضح ہوجاتا ہے۔

اس شبهه کے جواب میں متکلمین کی مشکل

اس قسم کے شبہات کو رفع کرنے میں متکلمین حضرات نے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور عالم آخرت کے وجود کے ضروری ہونے کی وجہ سے فی الحال اس عالم کے معدوم ہونے کے قائل بھی نہیں ہو سکے۔ (کیونکہ عالم آخرت کا وجود، بعض احادیث کی وجہ سے نا قابل انکار ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے: ﴿أرْض الجَنَّةِ قيعان ﴾[1] یعنی بہشت کی زمین صاف وہموار ہے اور اس کے باغ اور قصور، ان باغ وقصور کے مالکین کے نیک اعمال کا نتیجہ ہیں۔ وہ اگر کسی دوسرے جگہ پر بھی جنت وجہنم کے ہونے کا کہیں تو وہ جگہ مکانی وسعت کے اعتبار سے، جنت وجہنم کی گنجائش نہیں رکھتی۔ ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰاتُ وَالأَرْض ﴾[2] (اس کی وسعت، زمین اور آسمان ہیں)۔

بہر حال، (منکرین کی جانب) سے مذکورہ اوصاف کے ساتھ مکان کا تقاضا برحق ہے۔ اور یہ اس بات پر مبتنی ہے کہ عالم آخرت، اپنے مکان کے ساتھ، اس عالم (دنیوی) کی جنس سے اور اس کے عرض میں واقع ہے۔ اور یہ دونوں عالم، مرتبۂ وجودی میں مساوی ہیں۔ لیکن قول حق کے مطابق واضح ہے کہ عالم آخرت، اس عالم کی جنس سے نہیں اور اس کا درجہ اور مرتبۂ وجودی اس عالم سے بالاتر ہے۔ لہذا اس کیلئے مکان کا طالب ہونا، واضح طور پر غلط ہے۔

۱۔ یہ حدیث نبوی کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق:

﴿ الجَنَّةُ قِيعَانٌ وَانَّ غِراسَها سُبْحانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ ﴾ بہشت کی زمین خالی ہے اور اس کے پودے ﴿سبحان الله وبحمده ﴾ جیسے اذکار ہیں۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۸۸۴ المقصد الرابع، الباب الثانی، فصل ۶۔

۲۔ ﴿وَسارِعُوا الى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰاتُ وَالأَرْض ﴾

اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کہ جس کی وسعت زمین وآسمان ہیں کی طرف سرعت سے بڑھو۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۳۳۔

دونوں جہانوں کے باہمی فرق کی بناء پر اعتراض کا جواب

وہ عالم، مکان و زمان سے بالاتر ہے وہ ایک کامل و تام عالم ہے اور کامل و تام عالم کا مکان نہیں ہوتا۔ جیسے پورے عالم طبیعت کا کوئی مکان نہیں ہے۔ مکان ایک ایسی چیز ہے جو موازنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب دو چیز ہم عرض ہوں تو مادی اجسام میں تداخل کے ناممکن ہونے کی وجہ سے، ان میں سے ہر ایک کی جانب حسی اور وضعی اشارہ ممکن ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں: یہ اس جگہ ہے اور وہ، اس جگہ ہے۔ لیکن پورا عالم طبیعت اپنے سے باہر، کسی شئے کے ہم عرض نہیں ہے۔ لہذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ، یہاں ہے اور وہ، وہاں ہے۔ اس کرۂ کے اندر تو، مشرق و مغرب کی جہت اور دوسری جہات ہیں۔ لیکن عالم آخرت، ایک مستقل و تام و کامل عالم ہونے کی وجہ سے، اس کے باہر کوئی جہت نہیں ہے اور اس کے اندر بھی، موجودات میں باہمی تزاحم نہیں پایا جاتا تاکہ وہ کسی ایک سمت میں واقع ہوں۔ مثلاً ہم میں سے ہر ایک کی ذہنی صورت کی طرف اشارۂ وضعیہ نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ وہ کسی مکان میں نہیں ہیں۔ اسی لیے آپس میں تزاحم بھی نہیں رکھتیں۔ اگر آپ کے ذہن میں زمین و آسمان کے برابر ایک وسیع و عریض جنت پیدا ہو جائے اور ایک دوسری جنت کی ذہنی صورت میرے ذہن میں پیدا ہو جائے کہ جو زمین و آسمان کے برابر وسیع و عریض ہو تو ان دونوں میں کوئی تزاحم نہیں ہوگا۔ آخرت کی جنّات بھی اسی طرح ہیں۔ اسی طرح عالم آخرت کے اندر، جہت اور طرف نہیں ہوتی تاکہ اس کے موجودات اور اشیاء کیلئے مکان کا مسئلہ درپیش ہو۔[1]

جسمانی معاد کے بارے میں غلط اعتقادات

اب ہم جسمانی معاد اور اخروی جسم کے بارے میں عوام کے بعض غلط اعتقادات کا تذکرہ کرتے ہیں: اگر بعض لوگوں کے دل کو کھول کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ برزخی بدن کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس وقت خداوند متعال نے کچھ سانچے بنا کر، 'عالم برزخ' نام کے ایک گودام

۱۔ تقریرات اسفار۔

میں رکھے ہوئے ہیں (جس طرح ایک کمہار نے کوزے بنا کر رکھے ہوتے ہیں) جب روح بدن سے خارج ہوتی ہے، تو اسے لے جا کر ان سانچوں میں ڈال دیتے ہیں۔ پھر یہی لوگ کہتے ہیں: جب قبر کے سؤالات ہوتے ہیں تو روح اس مثالی سانچے سے نکل کر اسی (دنیوی) بدن کہ جو قبر میں پڑا ہوتا ہے، میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس وقت، سؤال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور قبر کے فشار کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دوبارہ روح، اسی مثالی قالب میں لوٹ آتی ہے۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں: ﴾القبر اما حفرة من حفر النیران او روضة من ریاض الجنة﴿ یعنی وہ تا قیام قیامت، نفس کے اسی مثالی قالب میں رہنے کے قائل ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ قبر میں انسان کے اسی دنیوی بدن پر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ یہ بدن گل سڑ جاتا ہے اور مٹی کے ساتھ مل کر ختم ہو جاتا ہے۔

یہ کس قسم کی باتیں ہیں؟ اگر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھل جائے تو کیا دنیا یونہی رہے گی؟ عطر و خوشبو اور روح و ریحان سے دنیا یوں مہک اٹھے گی کہ کسی کو آنکھ کھولنے کی بھی ہمت نہ ہوگی یا اگر جہنم کا ایک دروازہ بھی، قبر میں کھول دیا جائے تو کیا اس کی بدبو اور گرمی سے دنیا باقی رہے گی؟

یہ کیسی تناقض گوئی ہے؟ درحالیکہ اسی قبر کے بارے میں کہتے ہیں: مؤمنین و متقین کی قبور مشرق سے مغرب تک وسیع ہوتی ہیں۔ کیا اس قم (شہر) میں لاکھوں مؤمنین کی قبریں نہیں ہیں؟ آخر ہماری زمین کس قدر وسیع و عریض ہے؟ جب وہ کہتے ہیں کہ انسان کے بدن پر قبر میں عذاب نازل کیا جاتا ہے تو کیا ان کی مراد یہ ہے کہ عذاب ہڈیوں پر نازل کیا جاتا ہے کہ جو یقیناً مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گی؟ یقیناً ان کی یہ مراد نہیں ہے۔ پھر شرع مقدس سے ایسی باتیں کیوں منسوب کی جاتیں ہیں کہ جن کی تائید کسی بھی آیت اور روایت سے نہیں ہوتی ؟![1]

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

روحانی معاد

قیامت سے پہلے روحانی معاد

نفس، بدن کے خراب ہو جانے اور اس سے مفارقت حاصل کر لینے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا، بلکہ عالم آخرت میں باقی رہتا ہے اور فنا نہیں ہوتا۔ اسی کو ارواح اور نفوس کا 'روحانی معاد' کہتے ہیں۔ جو قیامت سے پہلے اور ارواح کے ابدان میں واپس پلٹنے تک باقی رہتا ہے۔[1]

روحانی معاد کے حصول کیلئے عقل فطری کی فعلیت

ملا صدرؒ فرماتے ہیں: 'روحانی معاد' کیلئے کم از کم جو مراتب ضروری ہیں وہ یہ کہ انسان عقل نظری کے ذریعے تعقل کرے اور معرفت حاصل کر لے۔ ملا صدرؒ نے اس سلسلے میں تقریباً فلسفہ کا ایک دورہ پڑھانے کے بعد فرمایا ہے کہ عقل نظری کو استعمال میں لانے کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ انسان مبدأ، صرف الوجود اور غنی و بے نیاز ذات کو پہچان لے اور حق تعالیٰ کے ساتھ اس عالم کی نسبت سے آگاہ ہو جائے۔ اور جان لے کہ یہ عالم اس ذات حق کے کے شؤون اور جلوؤں میں سے ہے جس کو ذاتاً کوئی استقلال حاصل نہیں۔ نیز وہ یہ بھی جان لے کہ مبدأ اعلیٰ موجودات کے ذریعے کمال حاصل نہیں کرتا۔ موجودات کے ذریعے کمال نہ پانے کے باوجود انھیں اس نے اپنے لیے خلق فرمایا ہے۔ لہٰذا وہ ﴿خَلَقْتُكَ لِأجلي﴾[2] کا مطلب جانتا ہو۔ یعنی وہ یہ جانتا ہو کہ واجب تعالیٰ، تامّ الفاعلیہ اور تمام جہات سے واجب الوجود ہونے کی وجہ سے صاحب اثر و فعل ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ فعل انجام دینے کی وجہ سے تام الفاعلیہ ہے، بلکہ تام الفاعلیہ ہونے کی وجہ سے

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۰۰۔

۲۔ حدیث قدسی میں آیا ہے: ﴿يَابْنَ آدَمَ خَلَقْتُ الأشياءَ لِأجلِكَ وَخَلَقْتُكَ لأجلي﴾ اے فرزند آدم میں سب چیزوں کو تیرے لیے خلق کیا ہے اور تجھے اپنے لیے۔ علم الیقین، ج ۱ ص ۳۸۱ باب ۵ فصل ۳۔

اثر و فعل کا حامل ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ تمام اشیاء اپنی کوئی ذاتی حیثیت نہیں رکھتیں اور وجود منبسط (کہ جو اس کا ظل و سایہ ہے) میں فانی ہیں۔ وہ انھیں صاحب ظل (حق تعالیٰ) کے ظل میں فانی دیکھے، اور جان لے کہ مبدائے اعلیٰ، تام الفاعلیہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دائم الفیض ہے۔ فیض حادث ہونے کے باوجود ابدی ہے۔ نیز وہ علم ذات کو بھی سمجھے اور جان لے کہ کسی بھی ذرّے کا حق تعالیٰ کے علم سے باہر ہونا ناممکن ہے۔ خواہ وہ متغیر و حادث ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس سے مرتبہ ذات میں حق تعالیٰ کے علم میں کس قسم کا تغیر و حدوث لازم نہیں آتا۔[۱]

روحانی معاد کا فقط عقل بالفعل کے حاملین کیلئے ہونا

بعض نابلد لوگ کہتے ہیں: فلاسفہ جسمانی معاد کے قائل نہیں ہیں، بلکہ فقط روحانی معاد کے قائل ہیں۔ جبکہ روحانی معاد فقط 'عقل بالفعل' کے حامل افراد کیلئے ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی قوت عاقلہ مکمل طور پر بالفعل ہو جاتی ہے اور یہ بہت ہی نادر ہے کہ عوام میں سے کوئی شخص 'عقل بالفعل' کا حامل ہو۔ لوگوں کی اکثریت، حیوانات کی مانند، فقط جسمانی معاد کی حامل ہوتی ہے۔ وہ ہرگز حیوانات کے مرتبہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ وہ عقلی لحاظ سے گھوڑے، گدھے، گائے اور بندر جیسے حیوانات کے ہم پلہ ہوتے ہیں۔ لہذا وہ برزخ میں بھی انہی کے ہم نشین ہوں گے۔[۲]

عالم مثال میں حرکت کا رک جانا اور جسمانی معاد کا واقع ہونا

لاجسمیّت کے مرتبہ کو چھوڑنا ہی 'جسم مثالی' کے مرتبہ تک پہنچنا ہے۔ جب ایک موجود، اس مرتبے تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی امتدادی و جوہری حقیقت میں حرکت رک جاتی ہے۔ چونکہ بالفرض وہاں بھی یہ حرکت جاری رہے، یعنی جسم کیلئے ممکن ہو کہ وہاں بھی اس حرکت کو جاری رکھ سکے اور مرتبہ مثالی سے گزر کر بغیر جسم کے مجرد موجود بن سکے تو پھر اس میں جوہری امتداد (طول

۱۔ تقریرات اسفار۔ ۲۔ تقریرات اسفار۔

وعرض اور عمق) نہیں ہوگا۔ اگر یہ فرض درست ہو تو پھر جسمانی معاد نہیں ہوگا، بلکہ روحانی معاد ہوگا۔ جیسا کہ بعض افراد نے، انجیل سے نقل کیا ہے: 'چند ہزار سال کے بعد سب لوگ ملائکہ میں تبدیل ہو جائیں گے' ۔[۱] لیکن ایسا ہوگا نہیں کیونکہ عالم مثال میں حرکت نہیں ہے ۔[۲]

عالم مثال میں حرکت سے جسمانی معاد کی نفی ہونا

اگر عالم مثال میں بھی حرکت ہوتی جبکہ عالم وقوف اور توقف، حرکت میں نہ ہوتا اور وجود جس طرح اپنی کمالی حرکت کے ذریعے، افق طبیعت سے گزرتا ہے، اسی طرح وہاں بھی حرکت جاری رکھتا اور افق عالم عقل تک پہنچ کر، عقل میں تبدیل ہو جاتا تو بھی اس کی وہی ہویت وشخصیت اور وحدت رہتی۔ مگر اس صورت میں کسی کیلئے بھی جسمانی معاد نہ ہوتا، بلکہ سب کے سب روحانی معاد رکھتے ۔[۳]

۱۔ اسی دن صدوقیان، جو قیامت کے منکر تھے، اس کے پاس آئے اور سوال کیا: اے استاد، عیسیٰ نے کہا: 'اگر کوئی بے اولاد مر جائے تو اس کے بھائی کو چاہیے اس کی بیوی سے نکاح کرلے تا کہ اپنے بھائی کیلئے نسل پیدا کر سکے'۔ ہمارے یہاں سات بھائی تھے۔ پہلے نے بیوی اختیار کی اور مر گیا۔ چونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ لہذا اس کی بیوی سے دوسرے بھائی نے شادی کرلی، اسی طرح دوسرے، تیسرے اور آخر کار ساتویں بھائی نے بھی ایسے ہی کیا۔ آخر کار وہ عورت بھی مر گئی۔ پس وہ عورت قیامت کے دن ان سات بھائیوں میں سے کس کی بیوی ہوگی۔ کیونکہ وہ سب کی بیوی تھی۔ عیسیٰ نے انکے جواب میں کہا: تم لوگ گمراہ ہو۔ چونکہ تم خدا کی کتاب اور قوت کا ادراک نہیں کر سکے۔ کیونکہ قیامت کے دن نہ نکاح کرتے ہیں اور نہ نکاح کیے ہوئے رہتے ہیں، بلکہ سب خدا کے فرشتوں کی طرح آسمان پر رہتے ہیں'۔ انجیل متیٰ، باب ۲۲ شمارہ ۲۴، ۳۰ ۔

۲۔ تقریرات اسفار، ۔

۳۔ تقریرات اسفار، ۔

دسویں فصل:

قیامت

قیامت، ملک کا ملکوت کی طرف رجوع کرنا ہے

یوم قیامت کی ابتداء، ملک کا ملکوت کی طرف رجوع کرنے کا اولین مرتبہ اور تعینات (یقین تک پہنچنے والے) پردوں کے پھٹنے سے لے کر ظہور رجوع کے آخری مراتب (کا دن ہے) کہ جو قیامت کبریٰ کا ظہور تام ہے۔[1]

قیامت صغریٰ وکبریٰ

جب انسان مرجاتا ہے تو قویٰ، مرتبۂ برزخیت میں جمع ہوجاتی ہیں اور اس مرتبہ میں رجوع کرتی ہیں اور اپنا قشر (چھلکا) کہ جو بدن ہے، اتار پھینکتی ہیں۔ یعنی قویٰ باطن نفس کی طرف رجوع کرلیتی ہیں۔ اور یہی اس (جملے) ﴿اذا ماتَ ابنُ آدمَ فَقَدْ قامَتْ قِیامَتُه﴾[2] کا مطلب ہے۔ یہ 'قیامت صغریٰ' ہے۔ ایک 'قیامت کبریٰ' بھی ہے اور وہ اس وقت (ہوگی) کہ جب عالم کی تمام قوتیں، باطن وجود کی طرف پلٹیں گی۔[3]

۱۔ چہل حدیث، ص ۶۵۸۔

۲۔ جب انسان مرتا ہے تو اس کی قیامت برپا ہوجاتی ہے۔ بحار الانوار، ج ۵۸ ص ۷ و ج ۳۷ ص ۶۷۔

۳۔ تقریرات اسفار،۔

برزخ، عالم طبیعت کے ساتھ انس کا خاتمہ ہے

برزخ، (عالم) طبیعت کے ساتھ انس کی بقا (کا نام) ہے اور جب یہ انس (لگاؤ) ختم ہوجاتا ہے تو عالم غیب کے ظہور اور غلبے کی وجہ سے عالم طبیعت کی طرف تو جہات قطع ہوجاتی ہیں اور تمام وابستگیاں ختم ہوجاتی ہیں اور انس کا ختم ہونا ہی بعث اور قیامت کبریٰ ہے۔[1]

اسمائے الٰہیہ اور اعیان ثابتہ وخارجیہ کی قیامت کبریٰ

اسمائے الٰہیہ کی قیامت کبریٰ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اسماء مقام غیب میں اضمحلال واستہلاک (فنا) ہوجائیں جیسا کہ اکوان خارجیہ کی قیامت کبریٰ، نور ربوبی کی نورانیت ودرخشندگی میں ان (اکوان خارجیہ) کے نور اور ہویت کا گم ہوجانا اور ہر مظہر کا اپنے ظاہر کی طرف رجوع کرنا اور اس میں فنا ہوجانا ہے اور اعیان ثابتہ اور اسمائے الٰہیہ کی قیامت کبریٰ، ان کا احدیت ذاتیہ کے خورشید کی شعاع میں مغلوب ومقہور ہوجانا اور انکے انوار کا نور ذات کے پہلو میں ناپید ہوجانا ہے۔

اعیان خارجیہ میں یہ امر (قیامت کبریٰ کا برپا ہونا) 'انسان کامل' کے ذریعے اور اعیان ثابتہ میں 'عین ثابت محمدیؐ' کے واسطے سے اور اسمائے الٰہیہ میں 'اسم اعظم الٰہی' کے توسط سے انجام پاتا ہے۔

اسی طرح، اسم اعظم الٰہی کہ جو نشئہ ظاہریہ میں موجود ہے، اسماء کے تمام مراتب اور اعیان کے حقائق کا جامع ہے اور اپنی ذات کی رؤیت کے ذریعہ، ان کو جیسا کہ یہ ہیں ویسا ہی دیکھتا ہے۔ نیز اسمائے الٰہیہ کے وصول کا ادراک کرتا ہے۔ یہ ہے عالم ہستی کی اشیاء اور موجودات خارجیہ کی قیامت کبریٰ کی حقیقت۔[2]

۱۔ تقریرات اسفار۔

۲۔ استهلاكها (اسماء الله) واضمحلالها في مقام الغيب الأحدي الذي هو حقيقة القيامة الكبرى للأسماء الالهية، اذ كما أن القيامة الكبرى للأكوان الخارجيّة بانطماس نورها وهويتها تحت سطوع النور الربوبي، وبرجوع كلّ مظهر الى ظاهره وفنائه فيه، يكون الاعيان الثابتة والاسماء الالهيّة -->

قیامت میں تمام افراد کا اجتماع

ہر شخص کی برزخ، دوسرے کی برزخ سے مختلف ہوتی ہے اور عالم قبر میں توقف بھی عالم طبیعت سے اشخاص کے انس (لگاؤ) کی نسبت، مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اس بات کے منافی نہیں کہ سب کے سب قیامت میں جمع ہوں۔ کیونکہ عالم آخرت میں مکان و زمان نہیں تا کہ بُعد (دوری) اور حاضر نہ ہونے کے موجبات فراہم ہو سکیں۔ سب کے سب وہاں جمع ہیں۔ اور اہل جہنم، اہل بہشت کو دیکھتے ہیں (اور اس کے برعکس اہل بہشت، اہل جہنم کو دیکھتے ہیں) چونکہ جنت و دوزخ مکان و زمکان سے بالاتر ہیں۔[۱]

صفت جلال کے ذریعے قیامت کا برپا ہونا

لطف حق سے تعلق رکھنے والی، صفت کو صفت جمال کہتے ہیں اور قہر سے متعلق صفت، صفت جلال کہلاتی ہے۔ پس عالم کا ظہور اور اس کی نورانیت و زیبائی (صفات) جمال میں سے ہے اور اس کا نور خداوندی کی نورانیت سے مقہور مغلوب ہونا اور کبریائے حق کا تسلط (حق تعالیٰ کی صفات) جلال میں سے ہے۔[۲]

<-- بانقهارها تحت شمس الأحديّة الذاتيّة وانمحاق أنوارها لدى نورها بتوسّط الانسان الكامل في الأعيان الخارجيّة والعين الثابتة المحمّديّة ﷺ، في الأعيان الثابتة والاسم الأعظم الالهي في الأسماء الالهيّة كذلك الاسم الأعظم الالهي الموجود في النّشاة الظاهرة جامع لجميع مراتب الأسماء وحقائق الاعيان. ويرى الأشياء علىٰ ما هي عليها برؤية ذاته. ويرى كيفيّة ارتباطها بالأسماء الالهيّة ووصولها الى باب أربابها الذي هو حقيقة القيامة الكبرىٰ للأشياء الكونيّة الخارجيّة۔ مصباح الهدایه، ص۸۲، ۸۳۔

۱۔ تقریرات اسفار۔

۲۔ كلّ صفة متعلّقة باللّطف، فهي صفة الجمال، وكلّ ما يتعلّق بالقهر، فهو منصفة الجلال، فظهور العالم ونورانيته وبهائه من الجمال، وانقهاره تحت سطوع نوره وسلطة كبريائه، من الجلال۔
شرح دعائے سحر، ص۲۷۔

عظمت حق کے نور کی تجلی تام، قیامت کے برپا ہونے کا سبب ہے

تیرے دل کے سیاہ نقطے اور تیری بصیرت (عقل کی آنکھ) پر آشکار ہوگیا ہے کہ تمام موجودات، ارواح اور عوالم عقول کے آسمانوں سے لے کر اجساد واشباح کی زمینوں تک، سب کے سب حضرت رحمت (حضرت حق) کی طرف سے ہیں وہی جو ہر چیز پر حاوی ہے، جس کے سائے سے عالم ماہیات کی تاریکیاں، روشنی ونور حاصل کرتی ہیں اور ہیاکل قابلہ کے اندھیرے جس کے نور کی وسعتوں سے منور ہوتے ہیں اور عوالم عقول مجردہ، نفس ناطقہ کے انوار، مُثُل نوریہ اور طبیعت سافلہ میں سے کسی میں، عظمت وجلال کے نور کا مشاہدہ کرنے کی طاقت نہیں ہے اور حضرت کبریائے متعال کو دیکھنے کی ہمّت نہیں ہے۔ پس اگر (خداوند) 'قہار' اپنی عظمت وہیبت کے نور کے ساتھ ان پر تجلی فرمائے تو ان سب کی انیات اس کے قہر وعظمت کے نور میں ہلاک ہوجائیں اور بلند وبالا آسمانوں کے ستون متزلزل ہوجائیں اور موجودات اس کی عظمت کے سامنے مدہوش ہوجائیں۔ وہی دن، رجوع تام اور (حق تعالیٰ) کی مالکیت مطلق اور احدیت کے ظاہر ہونے کا دن ہے۔ وہ (خداوند) کہے گا 'آج کس کا ملک ہے' چونکہ سلطنت مطلقہ کے ظہور اور نور حق کی درخشندگی کی وجہ سے کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خداوند متعال خود جواب میں فرمائے گا: 'بس خدائے واحد وقہار کا ملک ہے'۔[۱]

۱- قد انكشف لسر قلبك وبصيرة عقلك أن الموجودات بجملتها . من سماوات عوالم العقول والأرواح واراضي سكنة الأجساد والأشباح . من حضرة الرحموت التي وسعت كل شيء، وأضاءت بظلها ظلمات عالم المهيات، وانارت ببسط نورها غواسق هياكل القابلات. ولا طاقة لواحد من عوالم العقول المجردة والأنوار الاسفهبدية والمثل النورية والطبيعة السافلة ان يشاهد نور العظمة والجلال، وان ينظر الى حضرة الكبرياء المتعالية. فلو تجلى القهار لها بنور العظمة والهيبة، لاندكت انيات الكل في نور عظمته وقهره، جل وعلا، وتزلزلت اركان السماوات العلى، وخرت الموجودات لعظمته صعقاً ويوم تجلي نور العظمة يهلك الكل في سطوع نور عظمته. وذلك يوم الرجوع التام وبروز الأحدية والمالكية <<

قیامت، حکومت جلالیہ کا دن

اور یہاں (اللہ تعالیٰ) کو رحمانیت اور رحیمیّت کی بجائے واحدیت وقہاریت سے متصف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دن، ان دو اسماء کی سلطنت وحکومت کا دن ہے۔ پس رحمت کا دن، وجود کی وسعت وبسط اور اس کے افاضہ کا دن ہے۔ اور اسی وجہ سے خداوند متعال نے فتح باب (وجود) اور فاتحۃ الکتاب میں اپنی توصیف 'رحمان ورحیم' جیسے ناموں کے ساتھ کی ہے۔ عظمت وقہاریت کا دن، وجود کے قبض ونزع (اکھاڑنے) کا دن ہے۔ لہذا (خداوند) نے اپنے آپ کو وحدانیت، قہاریت اور آخر میں 'مالکیت' کے ساتھ متصف فرمایا ہے: ﴿مالك يوم الدين﴾ ۔ا

قیامت کا برپا ہونا اور نزع مطلق

قطعی طور پر ایک ایسا دن ہونا چاہیئے کہ جس دن رب، عظمت ومالکیت کے ساتھ تجلّی فرمائے اور ان دو اسماء کی سلطنت کا دن بھی آپہنچے۔ چونکہ ہر اسم کی حکومت ہوتی ہے کہ جو حتماً ظہور کریگی اور معید ومالک جیسے اسماء کی حکومت کا ظہور، رجوع تام اور نزع مطلق کا دن ہے۔ اور یہ مسئلہ فقط عوالم نازلہ سے ہی مختص نہیں، بلکہ عوالم مجردات اعم از عقول مقدس وملائکہ مقرب میں بھی جاری ہے

<-- المطلقة: فيقول: ﴿لِمَنِ المُلْكُ اليَوم﴾[☆١] فلم يكن من مجيب يجيبه، لسطوع نور الجلال وظهور السّلطنة المطلقة، فيجيب نفسه بقوله: ﴿لِلّهِ الواحِدِ القَهّار﴾[☆٢] ۔

☆١۔سورۂ غافر، آیت/١٦ ☆٢۔ایضاً۔

ا۔والتّوصيف بالواحديّة والقهّاريّة دون الرّحمانية والرّحيميّة، لأن ذلك اليوم، يوم حكومتهما وسلطنتهما، فيوم الرّحمة يوم بسط الوجود وافاضته، ولهذا وصف الله نفسه عند انفتاح الباب وفاتحة الكتاب بالرّحمن الرّحيم. ويوم العظمة والقهاريّة يوم قبضه ونزعه، فوصفها بالوحدانيّة والقهّارية، وبالمالكيّة في خاتمة الدّفتر فقال: ﴿مالِكِ يَومِ الدّين﴾[☆١] ۔

☆١۔سورۂ حمد، آیت/۴۔

اسی لیے روایت میں آیا ہے کہ تمام موجودات کی روح قبض کرنے کے بعد، عزرائیل کی روح خداوند متعال کے دست مبارک سے قبض ہوگی۔ خداوند متعال کا فرمان ہے 'اس دن ہم تمام آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے' اور خداوند کا فرمان ہے: 'اے نفس مطمئن! اپنے ربّ کی طرف پلٹ آ، اس عالم میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے' اور پھر فرمایا: 'اس نے جس طرح تمہاری ابتدا کی ہے اسی طرح تم پلٹ کر بھی جاؤ گے'۔ وغیرہ دوسری آیات ہے۔[1]

حق تعالیٰ کی مالکیت کی کیفیت

جان لو کہ حق تعالیٰ کی مالکیت، اس مالکیت کی طرح نہیں جو بندوں کو اپنی مملوکات پر حاصل ہوتی ہے اور نہ اس مالکیت جیسی ہے جو سلاطین اپنی مملکت پر رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ مالکیتیں اضافی اور اعتباری ہیں اور حق کی نسبت واضافت خلق سے ایسی نہیں ہے۔ اگر چہ علمائے فقہ کے نزدیک

۱۔ ولابد من يوم يتجلّى الرّبّ بالعظمة وظهور المالكيّة وتبلعان دولتهما. فانّ لكلّ اسم دولة لابدّ من ظهورها. وظهور دولة المعيد والمالك وأمثالهما من الأسماء يوم الرجوع التّام والنزع المطلق. ولا يختص هذا بالعوالم النّازلة، بل جار في عوالم المجردات من العقول المقدّسة والملائكة المقرّبين. ولهذا ورد أنّ عزرائيل يصير بعد قبض ارواح جميع الموجودات مقبوضاً بيده تعالى [☆۱] وقال تعالى: ﴿يوم نطوي السّماء كطيّ السّجلّ للكتب﴾ [☆۲] وقال تعالى: ﴿يا أيّتها النّفس المطمئنّة ☆ ارجعي الى ربّك راضية مرضيّة﴾ [☆۳] وقال تعالى: ﴿كما بدءكم تعودون﴾ [☆٤] الى غير ذلك۔
شرح دعائے سحر، ص ۳۱، ۳۲۔

☆۱۔ بحارالانوار، ج ۵۷ ص ۲۵۸ و ج ۷۹ ص ۱۸۴؛ کتاب السماء والعالم، باب نادر و کتاب الطهارة، باب ۶۳

☆۲۔ سورۂ انبیاء، آیت/ ۱۰۴۔

☆۳۔ سورۂ فجر، آیت/ ۲۷، ۲۸۔

☆۴۔ سورۂ اعراف، آیت/ ۲۹۔

حق تعالیٰ کیلئے ایسی ملکیت طولاً ثابت ہے۔اور وہ ہمارے ملحوظ اور مذکورہ بیان کے منافی بھی نہیں۔ نیز حق تعالیٰ کی مالکیت، انسان کی اپنے اعضاء و جوارح پر مالکیت کی مانند بھی نہیں۔اور نہ ہی اس مالکیت کی طرح ہے جو انسان کو اپنی ظاہری و باطنی قوتوں پر حاصل ہے۔اگر چہ یہ آخری مالکیت، سابقہ تمام مالکیوں کی نسبت، حق تعالیٰ کی مالکیت کے زیادہ نزدیک ہے۔اسی طرح حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں جیسی نفس کو اپنے افعال ذاتی پر حاصل ہوتی ہے اور اس کے شؤون میں سے ہے۔مثلاً صور ذہنیہ کا ایجاد کرنا جن کو کم کرنا اور پھیلانا، کسی حد تک نفس کے ارادے کے تحت ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت، عوالم عقلیہ کی مالکیت جیسی بھی نہیں کہ جو انہیں اپنے ماسواء پر حاصل ہوتی ہے۔اگر چہ وہ ان عوالم میں اعدام و ایجاد کا تصرف کرتے ہیں۔کیونکہ دار تحقق امکانی کی تمام (موجودات) کہ جن کی پیشانی پر ذلت و فقر کا نشان ثبت ہے، حدود میں محدود اور قدر (مقدار) میں مقدر ہیں چاہے ماہیت ہی کی حد تک ہوں اور جو حد میں محدود ہوتا ہے وہ اپنی محدودیت کے مطابق اپنے فعل کے ساتھ تباین عزلی رکھتا ہے۔(یعنی ایک وقت اس فعل کو انجام دے سکتا ہے اور دوسرے وقت اس کی انجام دہی سے معزول ہو جاتا ہے) اور حق تعالیٰ کی طرح احاطۂ قیومی نہیں رکھتا۔پس تمام اشیاء اپنی ذات کے مرتبہ کے مطابق اپنے افعال سے متباین اور متقابل ہوتی ہیں۔ اسی لیے احاطہ ذاتیہ قیومیہ نہیں رکھتیں۔

مختلف عوالم کی نسبت حق (تعالیٰ) کی مالکیت

لیکن حق تعالیٰ کی مالکیت جو اضافۂ اشراقیہ اور احاطۂ قیومیہ سے ہے، مالکیت ذاتیہ حقیقیہ حقہ ہے، جو اپنے موجودات میں سے کسی بھی موجود کے ساتھ ذات و صفات میں تبایں عزلی کا کسی طرح سے شائبہ نہیں رکھتی اور اس ذات مقدس کی مالکیت تمام عوالم پر مساوی ہے بغیر اس کے کہ موجودات میں سے کسی موجود کے ساتھ کسی بھی جہت سے فرق ہو یا عوالم غیب و مجردات پر دوسرے عوالم کی نسبت زیادہ محیط اور زیادہ نزدیک ہو۔کیونکہ یہی (کمی و بیشی) محدودیت اور

تباین عزلی کا سبب ہوتی ہے اور افتقار و امکان کا لازمہ ہے۔ ﴿تعالیٰ اللّٰہ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوّاً كَبِيراً﴾۔ چنانچہ ممکن ہے خدائے تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی معنیٰ کی طرف اشارہ ہو:

﴿نَحْنُ أقرَبُ اِلَيْهِ مِنكُم﴾۔۱ اور ﴿نَحْنُ أقرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الوَرِيد﴾۔۲ اور ﴿اللّٰه نُورُ السَّمٰواتِ وَالأرْض﴾۔۳

(اور پھر فرمایا): ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَفِي الأرْضِ اِلٰه﴾۔۴ اور ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمٰواتِ وَالأرْض﴾۔۵

اسی طرح ایک نقل کے مطابق، رسول خداؐ کا قول ہے: ﴿لَوْ دَلَّيتُمْ بِحَبْلٍ الى الأرَضِينَ السُّفلىٰ، لَهَبَطتُمْ عَلَى اللّٰه﴾۔۶

اور حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: ﴿فَلا يَخلُو مِنهُ مَكانٌ، وَلا يَشتَغِلُ بِهِ مَكانٌ، وَلا يَكُونُ الىٰ مَكانٍ أقرَبَ مِنهُ الىٰ مَكان﴾۔۷

اور حضرت امام علی نقیؑ نے فرمایا: ﴿وَأعْلَمْ أنَّهُ اذا كانَ فِي السَّماءِ الدُّنيا فَهُوَ كَما هُوَ عَلَى العَرْش. وَالأشياءُ كُلُّها لَهُ سَواءٌ عِلماً وَقُدرَةً وَمُلكاً وَاحاطَة﴾۔۸

۱۔ ہم تم سے زیادہ اس سے نزدیک ہیں۔ سورۂ واقعہ، آیت/۸۵۔

۲۔ ہم اس سے رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ سورۂ ق، آیت/۱۶۔

۳۔ خداوند، زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ سورۂ نور، آیت/۳۵۔

۴۔ وہی ہے جو آسمان میں (بھی) خدا ہے اور زمین میں (بھی) خدا ہے۔ سورۂ زخرف، آیت/۸۴۔

۵۔ آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کا ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت/۱۰۷۔

۶۔ اگر تم رسیوں کے ذریعہ زمینوں کے نیچے بھیجے جاؤ تو (بھی) خداوند تک پہنچ جاؤ گے۔
علم الیقین، ج ۱ ص ۵۴ المقصد الاول، باب الثالث، فصل ۵۔

۷۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کوئی جگہ اس کا احاطہ نہیں کرتی اور وہ ایسی جگہ نہیں جو دوسری جگہ سے زیادہ نزدیک ہو۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب التوحید، باب الحرکۃ والانتقال، حدیث ۳۔

۸۔ اور جان لو کہ جب وہ آسمان دنیا میں ہے تو گویا جیسے عرش پر ہے اور تمام چیزیں اس کے علم، قدرت، -->

یوم الدین سے مالکیت کے اختصاص کا سبب

اس کے باوجود کہ اس کی ذات مقدس کی مالکیت تمام اشیاء اور تمام عالم پر مساوی ہے لیکن آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے: ﴿مٰالِكِ يَومِ الدّين﴾۔ یہ اختصاص ممکن ہے اس لیے ہو کہ 'یوم الدین' یعنی یوم الجمع کا مالک، وہ دوسرے ایام کا بھی مالک ہے جو متفرق ہیں۔ ﴿وَالْمُتَفَرِّقَاتِ فِي النَّشْئَةِ الْمُلْكِيَّة مُجْتَمِعَاتٌ فِي النَّشْئَةِ الْمَلَكُوتِيَّة﴾۔[۱]

یا (یہ اختصاص) اس لیے بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی مالکیت وقاہریت کا ظہور 'یوم الجمع' میں ہے جو ممکنات کے باب الٰہی کی طرف رجوع اور موجودات کے فناء اللہ کی طرف صعود کا دن ہے۔

اس کتاب کے مناسب اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک نور وجود اور آفتاب حقیقت، سیر تنزلی اور عالم غیب سے عالم شہود کی طرف (حالت) نزول میں ہے، تب تک وہ احتجاب وغیبت کی طرف جارہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ہر تنزل میں ایک تعیّن ہے اور قید ایک حجاب ہے اور چونکہ انسان میں تمام تعیّنات وقیود جمع ہیں اس لیے وہ ظلمت کے سات پردوں میں اور نور کے سات پردوں میں محجوب ہے۔ یہ پردے تأویل کے اعتبار سے سات زمینوں (ارضین سبع) اور سات آسمانوں (سموات سبع) کے پردے ہیں اور شاید 'اسفل السافلین' کی طرف پلٹنا بھی ہر قسم کے حجابات میں محجوب ہونا ہو۔ اس آفتاب وجود اور نور محض کے افق تعیّنات میں محجوب ہونے کی تعبیر 'لیل' اور 'لیلۃ القدر' سے کی جاسکتی ہے۔ اور جب تک انسان ان حجابات میں ہے، اس وقت تک جمال ازل اور نور اول کے مشاہدہ سے محجوب ہے۔

<-- مالکیت اور احاطہ میں برابر ہیں۔ حوالہ سابق، حدیث ۴۔

۱۔ عالم ملک کے متفرقات، عالم ملکوت میں جمع ہوتے ہیں۔

یوم الدین میں موجودات کا ظہور

جب تمام موجودات پستی سے بلندی کی طرف حرکت میں، عالم مادیات کی پست منزلوں سے، طبیعی حرکات کے ذریعے جوان کی جبلّت میں فطرت الٰہی کی قوت جاذبہ کے نور سے 'فیض اقدس' کی تقدیر کے مطابق حضور علمی میں ودیعت کی گئی ہیں، اپنے اصلی وطن اور حقیقی وعدہ گاہ کی طرف پلٹتے ہیں جیسا کہ آیات شریفہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تو وہ نورانی اور ظلمانی حجابات سے دوبارہ باہر آتے ہیں اور حق تعالیٰ کی مالکیت وقاہریت، جلوہ گر ہوتی ہے اور حق، وحدت وقہاریت کے ساتھ تجلّی کرتا ہے۔ اور اس جگہ جہاں آخر، اول کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ظاہر، باطن سے متصل ہوتا ہے اور ظاہر کی حکمرانی ختم اور باطن کی حکومت جلوہ گر ہوتی ہے۔ مالک علی الاطلاق کی جانب سے خطاب ہوتا ہے اور مخاطب ذاب اقدس کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوم﴾ ۔[۱] اور چونکہ کوئی جواب دینے والا نہیں، تو خود (خداوند) فرماتا ہے: ﴿لِلّٰهِ الواحِدِ القَهّار﴾ ۔[۲]

انسان کامل کیلئے احکام قیامت کا ظہور

اور یہ یوم مطلق جوافق تعینات کے حجاب سے آفتاب حقیقت کے نکلنے کا دن ہے، ایک معنیٰ میں 'یوم دین' ہے۔ کیونکہ موجودات مین سے ہر موجود اپنے مناسب اسم کے زیر سایہ حق میں فانی ہوجاتا ہے اور جب صور پھونکا جائے گا تو اسی اسم سے ظہور کرے گا اور اس اسم کے توابع سے قریب ہوجائے گا۔ ﴿فَرِيقٌ فِي الجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِير﴾ ۔[۳]

اور انسان کامل، اس عالم میں سلوک الی اللہ اور اس کی طرف ہجرت کے مطابق، ان حجابات سے نکل آئے گا اور قیامت، ساعت اور یوم الدین کے احکام اس کیلئے ثابت ہوجائیں گے، تب

۱،۲۔ آج ملک کس کا ہے؟ اس خدائے یگانہ قہار کا۔ سورۂ غافر، آیت/۱۶۔

۳۔ ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ (دوزخ) میں۔ سورۂ شوریٰ، آیت/۷۔

حق اپنی مالکیت کے ساتھ، اس 'معراج صلواتی'[۱] میں اس کے قلب پر ظہور کرے گا اور اس کی زبان اس کے قلب کی ترجمان ہوگی اور اس کا ظاہر اس کے باطن کے مشاہدات کی زبان بن جائے گا۔ یہ ہے 'یوم الدین' کے ساتھ مالکیت کے اختصاص کے اسرار میں سے ایک سرّ۔[۲]

انسان کامل کے واسطہ سے سلطنت تام الٰهیه کا ظهور

خداوند متعال، حضرت غیب میں، فیض اقدس کے ساتھ اور حضرت شہادت میں فیض مقدّس کے ساتھ... علی الاطلاق حکومت وسلطنت رکھتا ہے۔ (لیکن) اس کے باوجود قیامت کبریٰ میں رجوع کل کے وقت (خداوند کی) سلطنت تام ولی مطلق اور انسان کامل کے توسط سے ظہور پذیر ہوگی۔[۳]

قیامت کا عالم کرامت اور رحمت حق هونا

حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن خداوند اپنی بساط رحمت اس طرح پھیلائے گا کہ شیطان کو بھی مغفرت حق کی طمع ہونے لگے گی۔[۴] روایت کے مطابق خداوند متعال نے جب سے اس عالم کو خلق فرمایا، اس کی طرف نظر لطف نہیں کی۔ دوسرے عوالم کے مقابلے میں اس پر فقط ذرّہ بھر نظر کی رحمت نازل کی ہے۔ (اس کے باوجود) یہ تمام نعمت اور رحمت الٰہی، لطف وبخشش حضرت

۱۔ ﴿الصلاة معراج المؤمن﴾ ۔کی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)۔

۲۔ آداب الصلاۃ، ص۲۶۹۔۲۷۲۔

۳۔ لله تعالیٰ السّلطنةُ المطلقة في الحضرة الغيب بالفيض الأقدس ... وفي الحضرة الشّهادة بالفيض المقدس... الا أنّ بروز السّلطنة التّامة عند رجوع الكلّ اليه بتوسط الانسان الكامل والوليّ المطلق في القيامة الكبرىٰ. شرح دعائے سحر، ص۱۳۷۔

۴۔ قال الصادقؑ: ﴿اذا كانَ يَومُ القِيامَةِ نَشَرَ اللّٰهُ تَبارَكَ وَتَعالىٰ رَحْمَتَهُ حَتّى يَطْمَعَ ابليسُ في رَحْمَتِهِ﴾۔ ۲۸۷ کتاب عدل ومعاد، باب۱۴ حدیث۱۔

باری، سر سے پیر تک سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور تمام وہ چیزیں جو پیدا ہیں اور ناپید ہیں، سب عطا ونعمت الٰہی کا ایسا دسترخوان ہیں کہ اگر تمام دنیا والے اس کی نعمت و رحمت کے ایک ذرّے کا احاطہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ (یہ تو اس عالم کا حال ہے) تو پھر اس عالم کا کیا حال ہوگا جو عالم کرامت اور عطائے ربوبیّت کا مہمان خانہ ہے اور رحمت وبسط رحیمیّت و رحمانیّت کی جگہ ہے۔[1]

تفضّل حق کی بناپر قیامت کا برپا ہونا

اس عالم کی بناء، حق تعالیٰ جلّ وعلا کی غیر متناہی اور وسیع رحمت اور تفضّل پر رکھی گئی ہے اور حق تعالیٰ کے تفضّلات کی کوئی حد وانتہا نہیں۔[2]

رحمت حق سے محرومیت کا سبب

عالم آخرت میں کہ جو اچھی و بری فصل کی کٹائی کا دن ہے، جو لوگ بری فصل کے حامل ہیں وہ رحمت رحیمیّہ سے استفادہ کرنے سے قاصر ہوں گے۔[3]

اسمائے قیامت

قیامت کو یوم الدین کہنے کی وجہ تسمیہ

جو مستند اول تفاسیر ہم نے دیکھی ہیں یا ان سے جو نقل ہوا ہے (اس کے مطابق) 'دین' کو 'جزا وحساب' کے معنیٰ میں قرار دیا گیا ہے۔ اور لغت کی کتابوں میں بھی یہی معنیٰ مذکور ہیں اور شعرائے عرب کے اقوال سے بھی یہی استشہاد ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے: ﴿وَاعْلَمْ بِأَنَّكَ مَا

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۲۶، ۲۲۷۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۴۸۵۔ ۳۔ آداب الصلاۃ، ص ۲۳۶۔

تَـدِيـنُ تُـدانِ ﴾ ہے۔[۱] سہل بن ربیعہ کی طرف منسوب (ایک) قول ہے: ﴿وَلَـمْ يَبْـقَ سِـوَى الْعُدْوانِ، دِنّاهُمْ كَمَا دانُوا ﴾ ہے۔[۲] اور کہا جاتا ہے کہ 'دیان' کے بھی یہی معنی ہیں کہ جو اسمائے الٰہی میں سے ہے۔ شاید 'دین' سے مراد شریعت ﷺ ہو اور چونکہ قیامت کے دن، دین کے آثار ظاہر ہوں گے اور دین کی حقیقتیں بے پردہ ہو کر سامنے آ جائیں گی۔ اس لیے اس دن کو 'یوم دین' کہنا چاہیے۔ جیسا کہ آج 'یوم دنیا' ہے۔ کیونکہ یہ دنیا کے آثار ظاہر ہونے کا دن ہے اور دین کی صورت ظاہر نہیں۔ یہ بات خداوند متعال کے اس قول کی مانند ہے جس میں وہ فرماتا ہے: ﴿وَذَكِّـرْهُـمْ بِـأَيّـامِ اللّٰهِ﴾ ہے۔[۳] اور یہ وہ ایام ہیں۔ جن میں حق تعالیٰ ایک قوم کے ساتھ قہر و سلطنت کا سلوک کرے گا اور قیامت کا روز 'یوم اللہ' بھی ہے اور 'یوم الدین' بھی کیونکہ وہ سلطنت الٰہیہ کے ظہور اور دین خدا کی حقیقت کے ظاہر ہونے کا دن ہے۔[۴]

کشف سرائر کا دن

قیامت حقائق کے ظاہر ہونے، سرائر (پنہان باتوں) کے کشف ہونے، اعمال و اخلاق کے مجسّم ہونے، حساب کتاب لیے جانے اور مواقف (قیامت) میں ذلت و رسوائی کا دن ہے۔[۵]

۱۔ اور جان لو کہ جس طرح تمہیں سزا دی جاتی ویسے ہی جزا دی جائے گی۔

۲۔ اور دشمنی کے سوا اور کوئی چیز نہیں رہی۔ ہم نے ان کو ان کی سزا دے دی ہے جس طرح انھوں نے جزا دی ہے۔ (فَلَمّا أَصْبَحَ الشَّرُّ وَأَمسىٰ وَهُوَ عُرْيانٌ ☆ وَلَمْ يَبْقَ سِوَى العُدوان دَنّاهم كما دانوا)۔
سہل بن شیبان۔ جامع الشواہد، باب الفاء مع اللام، ص ۱۸۵۔

۳۔ روزہای خدارا بہ یاد ایشان آورد۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۵/۔

۴۔ آداب نماز، ص ۲۷۵، ۲۷۶۔

یوم حسرت

حسرتوں اور نداموں کے دن کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ﴿وَ أَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَ هُمْ فِي غَفْلَةٍ وَ هُمْ لا يُؤْمِنُونَ﴾۔[۱] خدا جانتا ہے کہ یہ حسرت و ندامت کا دن، کیسا دن ہے۔ آج ہم اس دن کی حسرتوں کے بارے میں سوائے خبر کے اور کچھ نہیں سنتے... وہ ایسی حسرتیں ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں، وہ ایسی ندامتیں ہیں کہ جن کی کوئی حد نہیں۔[۲]

ندامت کا دن

اس دن انسان کیلئے تلافی کا کوئی راستہ اور بچ نکلنے کا کوئی وسیلہ نہیں ہوگا۔ فقط حسرتیں اور ندامتیں رہ جائیں گی۔ ایسی ندامتیں کہ جن کی کوئی حد نہیں اور ایسی حسرتیں کہ جن کی انتہا نہیں ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْأَمْر﴾۔[۳]

زمین کے تبدّل اور تبدیلی کا دن

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْض غَيْرَ الْأَرْض﴾۔[۴] اور ﴿أَشْرَقَتِ الْأَرْض بِنُورِ رَبِّهَا﴾۔[۵]

اگر اس دن تمہاری زمین بدلی ہوئی نہ ہوئی اور نور رب سے نورانی نہ ہوئی تو تاریکی ہی تاریکی، سختی ہی سختی، وحشت ہی وحشت، فشار ہی فشار، ذلت ہی ذلت اور عذاب ہی عذاب تمہارے حصہ میں آئے گا۔ یہ ایک ایسی بدبختی ہوگی، جس کے بعد کسی سعادت کا وجود نہیں، ایسی

۱۔ اور (اے رسولؐ) تو انہیں حسرت کے دن سے ڈرا جبکہ کل معاملہ کا فیصلہ کرلیا جائے گا حالانکہ وہ (آج) بے خبری میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے ہیں۔ سورۂ مریم، آیت/۳۹۔

۲۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص۵۳۔

۳۔ آداب نماز، ص۹۲۔

۴۔ جس دن یہ زمین کسی دوسری زمین سے بدل دی جائے گی۔ سورۂ ابراہیم، آیت/۴۸۔

۵۔ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی۔ سورۂ زمر، آیت/۶۹۔

تاریکی ہے، جس کے پیچھے کوئی روشنی نہیں، ایسی وحشت ہے جس کے بعد اطمینان کی کوئی صورت نہیں اور ایسا عذاب ہے جس کے بعد آسائش نہیں ہے۔[۱]

روز قیامت کی شرمندگی اور ذلت

اس دن کی رسوائی کو آپ نہیں جانتے کہ کیسی رسوائی ہے اس جگہ کی شرمندگی کو خدا ہی جانتا ہے، (یہ شرمندگی) اپنے پیچھے کتنی بھیانک تاریکیاں لائے گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اس دن کافر کہے گا: 'اے کاش میں مٹی ہوتا' ۔[۲] لیکن اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔[۳]

۱۔ آداب نماز، ص ۱۵۳۔

۲۔ ﴿وَیَقُولُ الکافِرُ یا لَیتَنِي کُنتُ تُراباً﴾۔ سورۂ نبأ، آیت ۴۱۔

گیارہویں فصل:

صراط

موجودات کی صراط کا عرفانی بیان

ہر تجلی اسمی کیلئے حضور علمی میں ایک عین ثابت لازم ہے اور ہر اسم کیلئے تعین علمی کے ساتھ نشئہ خارجیہ میں ایک مظہر ہے، جس کا مبدأ و مرجع وہی اسم ہے جو اس سے تناسب رکھتا ہے اور موجودات عالم کثرت میں سے ہر موجود کی بازگشت جس غیب اسم کی طرف ہوتی ہے اور جو اس کا مبدأ و مصدر ہے وہی اس کی 'صراط مستقیم' کہلاتا ہے۔ لہذا ہر ایک کی ایک مخصوص حرکت اور ایک خاص صراط ہے اور ایک مخصوص مبدأ و مرجع ہے جو طوعاً یا کرہاً حضرت علم میں مقدر ہے اور مظاہر و صراط کا اختلاف، ظاہر اور حضرت اسماء کے اختلاف سے ہوتا ہے۔[1]

انسانی صراط سب سے طولانی صراط ہے

جاننا چاہیئے کہ موجودات میں سے ہر ایک موجود اپنی ایک خاص صراط اور مخصوص نور و ہدایت ہے۔ ﴿وَالطُّرُقُ الی اللّٰہِ بِعَدَدِ أنفاسِ الخَلائق﴾۔[2] چونکہ ہر تعین میں ایک ظلمانی حجاب اور ہر وجود وانیت میں ایک نورانی حجاب ہے اور انسان مجمع تعینات اور جامع وجودات ہے۔ اس لیے وہ حق تعالیٰ سے تمام موجودات میں محجوب ترین موجود ہے اور شاید آیۂ کریمہ میں

۱۔ آداب نماز، ص ۲۹۳۔

۲۔ مخلوقات کے سانسوں کے برابر، خداوند کی طرف راستے ہیں۔ یہ پیغمبر اکرمؐ سے منسوب ایک حدیث ہے، جامع الاسرار و منبع الانوار، ص ۸، ۹۵، ۱۲۱۔

اسی معنیٰ کی طرف اشارہ ہو: ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِينَ﴾ [1] اسی وجہ سے انسان کی صراط زیادہ طولانی اور ظلمانی ہے۔ نیز چونکہ انسان کا 'ربّ' 'اسم اللہ الاعظم' کا حضور ہے کہ ظاہر و باطن، اول و آخر، رحمت و قہر اور اسمائے متقابلہ و متضادہ جس کی نسبت برابر ہیں۔ لہٰذا خود انسان کو سیر و حرکت کی انتہا میں برزخیت کبریٰ کا مقام حاصل ہونا چاہیئے۔ اسی لیے اس کی صراط، سب سے زیادہ دقیق و باریک ہے۔ [2]

انسانوں کی صراط کے مختلف ہونے کا سبب

جاننا چاہیئے کہ اعلیٰ علّیین میں انسان کی تقویم، جمع اسمائی ہے۔ اسی لیے، اسے 'اسفل سافلین' کی طرف ردّ کیا گیا ہے اور اس کی صراط اسفل سافلین سے شروع اور اعلیٰ علّیین پر ختم ہوتی ہے یہ ان لوگوں کی صراط ہے جن پر اللہ نے نعمت مطلقہ عطا کر کے انعام کیا ہے۔ یہ نعمت کمال، جمع اسمائی کی نعمت ہے کہ جو نعمات الٰہیہ میں سے سب سے اعلیٰ ہے۔ دوسری صراط خواہ سعداء (نیک افراد) اور 'منعم علیہم' کی صراط ہو یا اشقیاء (برے افراد) کی صراط ہو، نعمت مطلقہ کا فیض جتنا کم ہوگا اسی کے مطابق، افراد و تفریط کی دونوں جانب میں سے کسی ایک جانب داخل ہوگا۔ پس انسان کامل کی صراط فقط صراط 'منعم علیہم' ہے۔ یعنی مطلق ہے اور یہ صراط اصالتاً ذات مقدس ختمی مرتبتؐ سے مختص ہے اور دوسرے اولیاء و انبیاء کیلئے آنحضرتؐ ہی کی تبعیت میں ثابت ہے۔ [3]

انسان کامل کی صراط، صراط مستقیم ہے

چونکہ انسان کامل تمام اسماء و صفات کا مظہر اور اسم جامع حق تعالیٰ کا پروردہ اور مملوک ہے۔ لہٰذا اس کے اندر کسی بھی اسم کا غلبہ، تصرف نہیں ہوتا اور چونکہ وہ خود بھی کون جامع کا ربّ ہے اس لیے اس کی مظہریت بھی اسمی ہوتی ہے اور زائد بر اسم نہیں ہوتی اور وہ وسط اور برزخ کبریٰ کے مقام کا حامل ہوتا ہے اور اس کی سیر و حرکت اسم جامع کے طریقہ مستقیمہ' وسطیہ پر ہوتی ہے اور تمام

اکوان (عوالم وجود) یعنی ہر اسم محیط اور غیر محیط اس پر متصرف ہیں اور اسی اسم کے مظہر ہیں اور ان سب کی ابتداء وانتہا وہی اسم ہے اور اس کے مقابل کا اسم مخفی ہے اور اس پر تصرف نہیں کرتا، صرف جمع اسماء کے وجہ احدیت کے اعتبار سے متصرف ہے لیکن اس کا بیان یہاں مناسب نہیں۔ پس، حق تعالیٰ مقام اسم جامع اور ربّ الانسان ہونے کی وجہ سے صراط مستقیم پر ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: ﴿انَّ رَبّي عَلىٰ صِراطٍ مُستَقيم ﴾۔۴ یعنی کسی صفت کو کسی صفت پر فوقیت دینے اور کسی اسم کے کسی دوسرے اسم پر ظہور کے بغیر اس کو مقام وسطیت و جامعیت حاصل ہے اور اس ذات مقدس کا بندہ و پروردہ بھی صراط مستقیم پر ہے بغیر اس کے کہ اسے تفاضل مقامی (یعنی ایک کے مقام کو دوسرے کے مقام پر فضیلت حاصل ہو) اور تفاضل شأنی (یعنی ایک کی شأن دوسرے کی شأن سے زیادہ ہو) حاصل ہو۔ چنانچہ حقیقی معراج صعودی اور مقام قرب کی انتہا پر پہنچ کر عرض عبودیت اور ہر عابد کی عبادت کو اور عبودیت کو ذات مقدس کی طرف پلٹانے کے بعد تمام مقامات قبض وبسط میں اعانت کو ذات حق میں یہ کہتے ہوئے: ﴿ایّاكَ نَعبُدُ وَایّاكَ نَستَعِین ﴾۔۵ منحصر کر کے عرض کرتے ہیں: ﴿اهدِنَا الصِّراطَ المُستَقِیم ﴾۔۶ اور یہ صراط وہی صراط ہے کہ جس پر انسان کامل کا ربّ ہے۔ وہ ظاہریت و ربوبیت کے طور پر ہے اور یہ مظہریت و مربوبیت کے طور پر۔ اس کے علاوہ کوئی بھی موجود جو سائر الی اللہ (خدا کی طرف حرکت کرنے والا) ہو وہ صراط مستقیم پر نہیں۔ بلکہ اس میں کجی ہے یا تو لطف و جمال کی طرف یا قہر و جلال کی طرف۔ مؤمنین چونکہ انسان کامل کے تابع ہوتے ہیں تو وہ اپنا قدم اسی (انسان کامل) کے نقش قدم پر رکھتے ہیں اور اسی کے نور ہدایت اور چراغ معرفت (کی روشنی میں) حرکت و سیر کرتے ہیں انسان کامل کی ذات مقدس کے آگے تسلیم ہوتے ہیں وہ اپنی طرف سے قدم نہیں

۱۔ سورۂ تین، آیت/۵۔ ۲۔ آداب نماز، ص ۲۸۹۔ ۳۔ آداب نماز، ص ۲۹۳۔

۴۔ بے شک میرے پروردگار کا راستہ بالکل سیدھا ہے۔ سورہ ہود، آیت/۵۶۔

۵۔ سورۂ حمد، آیت/۵۔ ۶۔ سورۂ حمد، آیت/۶۔

اٹھاتے اور اللہ کی طرف روحانی سیر وسلوک کی کیفیت میں اپنی عقل کو دخل نہیں دیتے۔اسی لیے ان کی صراط بھی مستقیم ہے اور ان کا حشر انسان کامل کے ساتھ ہے اور ان کا وصول (الی الحق) بھی انسان کامل کے تابع ہوتا ہے۔مگر اس شرط کے ساتھ کہ اپنے صاف قلوب کو شیاطین کے تصرفات اور خودی وانانیت سے محفوظ رکھیں اور اس سلوک میں انسان کامل اور مقام خاتمیت کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم ہو جائیں۔[1]

ولایت کی باطنی صورت ہی حقیقت صراط ہے

اگر تم اس دنیا میں نبوت کے سیدھے راستے اور ولایت کی صراط مستقیم پر گامزن رہے ہوگے اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے راستے سے بھٹکے نہیں ہوگے اور تمہارے اندر لغزش پیدا نہ ہوئی ہوگی تو صراط سے گزرنے میں تمہیں کسی قسم کا خوف نہیں، چونکہ حقیقت صراط، ولایت کی باطنی صورت ہے۔جیسا کہ روایت میں ہے کہ امیر المؤمنینؑ ہی صراط ہیں۔[2] اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ 'ہم ہی صراط مستقیم ہیں'۔[3] اور زیارت مبارکۂ جامعہ میں ہے کہ: ﴿أَنْتُم السَّبِيلُ

۱۔چہل حدیث،ص۵۳۲،۵۳۱۔

۲۔عن ابی عبداللہؑ قال: ﴿الصراط المستقیم امیر المؤمنین علی علیہ السلام﴾۔معانی الاخبار،ج۲ص۳۲باب معنی الصراط،حدیث۲؛اسی طرح اسی باب کی تیسری حدیث (دیکھیے)؛تفسیر علی بن ابراہیم،ص۲۰۶۔

۳۔عن سید العابدین علی بن الحسینؑ قال: ﴿لَيْسَ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَ حُجَّتِهِ حِجابٌ، فَلا للهِ دُونَ حُجَّتِهِ سِتْرٌ، نَحْنُ أَبْوابُ اللّهِ وَنَحْنُ الصِّراطُ الْمُسْتَقِيم، وَنَحْنُ عَيْبَةُ عِلْمِهِ، وَنَحْنُ تَراجِمَةُ وَحْيِهِ وَنَحْنُ أَرْكانُ تَوْحِيدِهِ، وَنَحْنُ مَوْضِعُ سِرِّهِ﴾۔
یعنی امام سجادؑ فرماتے ہیں: خدا اور اس کی حجت کے درمیان کوئی پردہ نہیں،ہم خدا کے دروازے اور صراط مستقیم اور اس کے علم کے خزانے ہیں۔ہم ہی اس کی وحی کے ترجمان،اس کی توحید کی بنیاد،اس کے سرو راز کا محل ہیں۔
معانی الاخبار،ص۳۵باب معنی الصراط،حدیث۵۔

الأعظمُ وَالصّراطُ الأقوَم ﴾[۱] اور جو بھی اس صراط پر استقامت کے ساتھ حرکت کرے اور اس کے پاؤں میں لغزش پیدا نہ ہو تو اس کے پاؤں اس صراط پر بھی نہیں لرزیں گے اور وہ چمکتی ہوئی بجلی کی طرح صراط سے گزر جائے گا۔[۲]

انسان کامل ہی صراط مستقیم ہے

آیۂ شریفہ 'صراط مستقیم' کی تفسیر میں وارد ہونے والی احادیث میں حضرت امیر المؤمنین اور ائمۂ معصومین علیہم السلام کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَنْ الكافي بِاسنٰادِهِ عَنْ أبي الحَسَنِ المٰاضِيّ علیہ السلام، قٰالَ: قُلْتُ: ﴿أفَمَنْ يَمْشي مُكِبّاً عَلىٰ وَجْهِهِ أهْدىٰ أمْ مَنْ يَمْشي سَوِيّاً عَلىٰ صِراطٍ مُسْتَقِيم ﴾؟[۳] قٰالَ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ ضَرَبَ مَثَلاً مَنْ حٰادَ عَنْ وِلايَةِ عَليٍّ علیہ السلام، كَمَنْ يَمْشي عَلىٰ وَجْهِهِ لا يَهْتَدِي لأمْرِهِ؛ وَجَعَلَ مَنْ تَبِعَهُ سَوِيّاً عَلىٰ صِراطٍ مُسْتَقِيم. وَالصّراطُ المُسْتَقِيمُ أميرُ المُؤمِنينَ علیہ السلام﴾۔[۴]

کافی میں امام ابوالحسن الماضیؑ سے مروی ہے کہ راوی نے پوچھا: ﴿أفَمَنْ يَمْشي مُكِبّاً... ﴾ سے کیا مراد ہے؟ تو (امامؑ نے) فرمایا: 'خدا نے اس آیت میں ایک مثال بیان کی ہے کہ جو لوگ حضرت علیؑ کی ولایت سے اعراض کرتے ہیں وہ گویا اپنے چہرے کے بل راستہ چلتے ہیں اور ہدایت تک نہیں پہنچ سکتے اور جو انکے پیروکار ہیں وہ صراط پر ہیں اور صراط مستقیم، امیر المؤمنین علیؑ ہیں'۔

۱۔ آپ ہیں عظیم راہ اور مستحکم صراط۔
من لا یحضرہ الفقیہ، ج۲ص۲۷۲؛ مفاتیح الجنان، باب زیارات، زیارت جامعۂ کبیرہ۔
۲۔ چہل حدیث، ۳۶۔ ۳۔ سورۂ ملک، آیت ۲۲۔
۴۔ اصول کافی، ج۱ص۴۳۲ کتاب الحجۃ، باب فیہ نکت ونتف، حدیث ۹۱۔

ایک دوسری حدیث میں بھی ہے کہ 'صراط مستقیم' سے مراد حضرت علی اور ائمہ علیہم السلام ہیں۔ا اور کافی شریف میں فضیل سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں امام محمد باقرؑ کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہوا۔ حضرت میرے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ حضرت نے لوگوں کی طرف نگاہ کی۔ اس وقت ہم 'باب بنی شیبہ' میں تھے۔ آپؑ نے فرمایا: اے فضیل! جاہلیت میں اس طرح طواف کرتے تھے کہ نہ کسی حق کو پہچانتے تھے اور نہ کسی دین کے پابند تھے۔ اے فضیل، ان کی طرف دیکھو! یہ اوندھے منہ پڑے ہیں۔ خداوند ان پر لعنت کرے یہ منکوس اور مسخ شدہ مخلوق ہیں۔ اس کے بعد امامؑ نے آیہ شریفہ ﴿أَفَمَنْ يَمْشِي ...﴾ کی تلاوت فرمائی اور حضرت امیر المؤمنین اور انکے اوصیاء علیہم السلام کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا۔۲

دنیا، صراط کی ابتداء ہے

صراط مستقیم الٰہی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ جہنم کا پل دنیا سے لے کر بہشت تک طولانی ہے۔ اور آپ لوگ ابھی راستے میں ہیں اور صراط پر ہیں۔۳

انسان کا صراط پر ہونا

ہم ابھی صراط پر ہیں، وہی صراط کہ جس کی ایک طرف دنیا ہے اور ایک طرف عاقبت اور ہم

۱۔عن حمران قال سمعت ابا جعفرؑ یقول: قول الله تعالیٰ: ﴿وانّ هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل﴾ قال: علی بن ابی طالب والائمة من ولد فاطمة هم صراط الله، فمن اباهم، سلك السبل۔
حمران کا کہنا ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے سنا کہ آپؑ نے اس کلام خدا 'بے شک یہ میری راہ ہے پس اس کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستوں کی طرف مت جاؤ' کے بارے میں فرمایا: علی بن ابی طالبؑ اور ذرّیہ فاطمہؑ سے ائمہ اطہارؑ، خدا کی راہ ہیں، پس جو بھی ان سے اعراض کرتا ہے، دوسرے راستے پر چلتا ہے۔
بحار الانوار، ج۲۴ ص۱۵ کتاب الامامة، باب۲۴ حدیث۱۷۔

۲۔ چہل حدیث، ص۵۳۳،۵۳۴۔ ۳۔ صحیفۂ امام، ج۸ ص۲۶۲۔

اس وقت صراط پر چل رہے ہیں۔ جب یہ پردہ اٹھا دیا جائے گا تو اس وقت صراط جہنم کہ جو جہنم کے درمیان میں سے گزرتی ہے، یعنی آگ نے اسے اطراف سے گھیر رکھا ہے، یہ (صراط) اس جگہ کے وسط سے گزرتی ہے، ہمیں اس جگہ سے عبور کرنا ہے۔ دنیا اسی طرح ہے۔ برائی کہ جو آگ ہے، تمہارے اوپر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ تمہیں انہی برائیوں کے درمیان سے عبور کرنا ہے اور صحیح وسالم عبور کرنا ہے۔[۱]

صراط آخرت، صراط دنیا کا باطن ہے

ہم سب صراط پر ہیں اور صراط، جہنم سے گزرتی ہے۔ اس کا باطن، آخرت میں ظاہر ہوگا۔ جبکہ دنیا میں ہر انسان اپنی ایک مخصوص صراط رکھتا ہے اور انسان حرکت کی حالت میں ہے یا تو وہ صراط مستقیم پر ہے کہ جو بہشت یا اس سے بھی بلند مقام پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ یا وہ بائیں جانب کی صراط پر ہے یا دائیں جانب کی صراط پر اور ان دونوں کا انجام جہنم پر ہوتا ہے اور ہم خداوند منان سے صراط مستقیم کی دعا کرتے ہیں: ﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ ☆ صِرَاطَ الَّذِينَ أنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم ﴾[۲] کہ یہ ایک جانب انحراف ہے ﴿وَلا الضَّالِّين ﴾[۳] کہ جو دوسری جانب انحراف ہے۔ یہ حقائق حشر میں عیان طور پر ظاہر ہو جائیں گے۔ صراط جہنم، کہ احادیث میں جس کی باریکی، تیزی اور تاریکی کو بیان کیا گیا ہے۔[۴] کا باطن اس دنیا میں ہے جو انتہائی دقیق اور ظلمانی راہ ہے اور اسے ہم جیسے عقب افتادہ لوگوں کیلئے

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۱۸ ص ۵۰۱۔

۲۔ سورۂ حمد، آیت ۶/، ۷۔ ۳۔ سورۂ حمد، آیت ۷/۔

۴۔ مجملہ ایک روایت امام صادقؑ سے منقول ہے: ﴿الصِّراطُ أدَقُّ مِنَ الشَّعرِ وَأحَدُّ مِنَ السَّيفِ وَأظلَمُ مِنَ اللَّيلِ﴾۔ یعنی صراط، بال سے زیادہ باریک تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور رات کی تاریکی سے زیادہ تاریک ہے۔ امالی شیخ صدوق، ص ۱۷۷، مجلس ۳۳، حدیث ۴؛ بحار الانوار، ج ۸ ص ۶۵ کتاب عدل ومعاد، باب ۲۲، حدیث ۲۔

عبور کرنا کس قدر مشکل ہے۔ جن لوگوں نے بغیر کسی انحراف و گمراہی کے راستہ طے کیا ہے وہ ﴿جُزْنَا وَهِيَ خَامِدَةٌ﴾[1] کہتے ہیں۔ ہر شخص اس (دنیا کی) صراط پر جو حرکت کرتا ہے وہی حرکت وہاں (آخرت کی صراط پر) منعکس ہوتی ہے۔[2]

صراط مستقیم، طبیعت سے لے کر الوہیت تک

ہم دوراہے پر کھڑے ہیں، ایک راستہ، انسانیت کا راستہ ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ صراط مستقیم کا ایک کنارہ (عالم) طبیعت ہے اور ایک کنارہ الوہیّت ہے۔ راہ مستقیم علق سے شروع ہوتی ہے۔ البتہ ان میں سے بعض طبیعی ہیں اور جو جگہ اہم ہے وہ ارادی ہے۔ اس کا ایک سرا (عالم) طبیعت ہے اور دوسرا سرا مقام الوہیّت ہے اور انسان (عالم) طبیعت سے شروع کرتا ہے یہاں تک اس جگہ جا پہنچتا ہے کہ جو ہم لوگوں کے گمان میں بھی نہیں آتا۔ ''آنچہ در وہم تو ناید آن شوم'' (یعنی میں وہ ہو جاتا ہوں کہ جو تیرے وہم و گمان میں بھی نہیں)۔

اب یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ ان دونوں راستوں میں سے کس کو انتخاب کرتے ہو! انسانیت کی صراط مستقیم کو یا دائیں جانب انحراف کو یا بائیں جانب کے انحراف و گمراہی کو۔

انحراف جس طرف بھی ہو انسان، انسانیت سے دور ہو جاتا ہے اور جتنا بھی آگے بڑھتا جائے، دور سے دور تر ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص، راہ مستقیم سے بھٹک جائے تو وہ جتنا بھی آگے جاتا ہے اتنا ہی (انسانیت کی راہ سے) دور تر ہو جاتا ہے۔

انسانیت کی راہ مستقیم، یعنی وہ راہ کہ جس کی معرفت اور پہچان کروانے کیلئے انبیاءؑ آئے ہیں اور اس راہ کی پہچان کروانے پر وہ مأمور ہوئے ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ، سورۂ حمد میں فرماتا

۱۔ درحالیکہ جہنم سرد تھی تو ہم اس سے گزرے۔

علم الیقین، ج ۲ ص ۱۷۹ المقصد الرابع، الباب التاسع، الفصل الثالث۔

۲۔ رہ عشق، ص ۳۱۔

ہے: ﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيم ☆ صِرَاطَ الَّذِينَ أنعَمتَ عَلَيهِم ﴾ ۱؎ وہ لوگ کہ جن کو تو نے نعمت عطا کی، انہیں تو انگر کیا اور ان پر اپنی نعمت نازل فرمائی اور انہیں ہدایت سے نوازا، ﴿غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلا الضَّالِّين ﴾ ۲؎ 'مغضوب علیہم' ایک منحرف و گمراہ گروہ ہے 'ضالین' گمراہوں کا دوسرا گروہ ہے۔ یہ دونوں ہدایت سے دور ہیں، وہ جس قدر آگے بڑھتے ہیں، دور تر ہوتے جاتے ہیں۔

یا صراط مستقیم ہے کہ جس کا ایک کنارہ پل جہنم ہے، دوسرا کنارہ، (عالم) طبیعت ہے۔ اس کے ایک طرف، بہشت ہے، بہشت کا آخری مرتبہ، لقاء اللہ ہے۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں انسان کے علاوہ کسی کی رسائی نہیں۔ فقط انسان وہاں جا سکتا ہے اور ہم سب اس وقت پل جہنم پر کھڑے ہیں۔

ہم میں سے جس نے یہاں راستہ طے کرلیا تو جب اس عالم میں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے پل صراط ظاہر ہوگا اس کو وہی طے کرے گا جو دنیوی صراط کو عبور کر چکا ہوگا۔ جو اس راہ (یعنی دنیوی صراط) کو طے نہیں کرتا تو وہ جہنم میں جا گرتا ہے اور راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ ایک راہ مستقیم ہے کہ جس کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور آپ نے سنے ہیں جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اور باریک و تاریک راستہ ہے اس کو طے کرنے کیلئے نور ہدایت کی ضرورت ہے۔ ﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيم ﴾ خداوند، ہماری ہدایت کرے۔ ۳؎

دنیوی و اخروی استقامت

مؤمن چونکہ راہ مستقیم پر چلتا ہے اور اس کا دل راست اور درست ہوتا ہے، اس کی توجہ اللہ کی طرف اور اس کی صراط (راہ) ہموار ہوتی ہے اسی لیے اس عالم میں بھی اس کی صراط سیدھی اور روشن ہے۔ اس کی قامت (بھی) سیدھی اور صورت و سیرت و باطن اور ظاہر (بھی) انسانیت کی

۱۔ سورۂ حمد، آیت ۶، ۷۔ ۲۔ سورۂ حمد، آیت ۷۔ ۳۔ صحیفۂ امام، ج ۸ ص ۳۲۷، ۳۲۸۔

صورت وشکل میں ہوتا ہے۔[1]

سعادت کا راہ مستقیم کے سائے میں ہونا

یہ دنیا، ایسی دنیا ہے کہ جہاں سے ہمیں عبور کرنا ہے، ایسی دنیا نہیں کہ جہاں ہمیں ٹھہرنا ہے، یہ راہ ہے، صراط ہے اگر ہم اس صراط کو مستقیم طے کر سکے جس طرح کہ اولیائے خدا نے طے کیا ہے ﴿جُزنا وهي خامِدة﴾ اگر ہم اس صراط سے صحیح وسالم عبور کر گئے تو ہم سعادتمند ہوں گے اور اگر خدانخواستہ، یہاں اور اس راستے ہم میں لغزش پیدا ہوگئی تو یہ لغزش عالم آخرت میں بھی ظاہر ہوگی یہاں کی لغزش وہاں کی لغزش کا موجب بن جاتی ہے۔[2]

صراط سے عبور کرنے کی شرط

وہ صراط کہ جو جہنم تک جاتی ہے اس صراط مستقیم کو ہم تب ہی عبور کر سکتے ہیں کہ جب دنیا میں صراط مستقیم پر چلیں۔ جہنم اس دنیا کا باطن ہے۔ اگر آپ اس راستے سے مستقیم جائیں گے، دائیں بائیں منحرف نہیں ہوں گے تو اس عالم میں بھی صراط سے مستقیم عبور کریں گے۔ دائیں بائیں مائل نہیں ہوں گے۔ اس کی دائیں طرف بھی جہنم ہے اور بائیں جانب بھی جہنم ہے۔[3]

صراط کا آگ کے گھیرے میں ہونا

روایات میں آیا ہے کہ صراط جہنم کے اندر ہے۔ یہ اس پل کی مانند ہے کہ جو پانی کے وسط میں ہو اور پل اس پانی میں غرق ہو چکا ہو جہنم نے بھی صراط کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور ہمیں اسے عبور کرنا ہے نہ یہ کہ وہ اوپر ہے اور ہم اس کے اندر گرنے والے ہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ وہ وسط

۱۔ چہل حدیث، ص۵۳۲۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج۳ ص۲۳۵۔ ۳۔ صحیفۂ امام، ج۱۲ص۳۶۷۔

میں ہے۔البتہ اگر آپ اسے عبور کر سکے تو۔مؤمن جب اسے عبور کرنا چاہتا ہے۔البتہ اسے حتماً عبور کرنا چاہیئے) تو وہ اسے کیلئے بھی جہنم ہے لیکن جہنم آواز دیتی ہے کہ تو میری آگ کو بجھا رہا ہے لہذا جلد از جلد گزر جا۔ائمہؑ سے مروی روایات میں ہے کہ ابنیاء نے فرمایا ہے کہ جب ہم صراط سے گزرے تو جہنم کی آگ بجھی ہوئی تھی ﴿جُزنا وهي خامدة﴾ اور یہ بات سب اولیاء کے بارے میں (صادق) ہے۔[1]

عقل کی نورانیت آگ کے شعلہ کو بجھا دیتی ہے

صراط کہ جس کو عبور کر کے لوگوں کو جنت کی طرف جانا ہے، جہنم کے اندر ہے اور شاید آگ اس پر احاطہ کئے ہوئے ہو، یعنی صراط کو آگ کے اندر قرار دیا گیا ہو۔البتہ مؤمن کیلئے آگ کے شعلے بجھ جاتے ہیں۔جیسا کہ روایت میں ہے:

﴿انَّ النّارَ تَقُولُ لِلمُؤمِنِ يَومَ القِيٰامَةِ جُزْ يٰا مُؤمِنُ فَقَدْ أطْفَأ نُورُكَ لَهَبي﴾۔[2]

مؤمن کیلئے شعلوں کا بجھ جانا اس لیے ہے کہ مؤمن کو عقل کی نورانیت حاصل ہوئی ہے اور وہ نورانیت عقل سے جتنا حصّہ پاتا ہے اسی کے مطابق، شعلۂ آتش پر غلبہ پالیتا ہے کہ جو دنیا میں شہوت وغضب کے شعلوں کی صورت میں ہوتی ہے۔چونکہ مؤمن عقل کلی کا حامل نہیں ہوتا اور دنیا اور دار طبیعت سے آلودہ ہوتا ہے۔البتہ اس کے سیر وسلوک اور ریاضت کے مطابق، نور عقل (اس آگ) پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے لہذا اسے اس طرح تعبیر کیا گیا ہے۔

اور عقل کل کے حاملین اور حضرات اولیائے کامل صلوات اللہ علیہم کے بارے میں ﴿جُزنا

۱۔صحیفۂ امام، ج ۱۴، ص ۲۱۱، ۲۱۲۔

۲۔بے شک آگ قیامت کے دن مؤمن سے کہے گی: اے مؤمن جلدی گزر جا، تیرے نور نے میرے شعلے بجھا [illegible] ۳۵۴، حدیث ۱۳۳۔

وَهِيَ خَامِدَة ﴾ ۔[1] نقل ہوا ہے کیونکہ نفوس کاملہ میں دار طبیعت کبھی بھی تصرف نہیں کرتا اور وہ جہنم طبیعت کے شعلوں سے بالکل محفوظ ہیں۔ چونکہ انھوں نے (عالم) طبیعت کو بھی الٰہی بنالیا ہوتا ہے۔[2]

آگ سے سلامتی کے ساتھ گزرنا

انبیاءؑ عبور کرتے ہیں ﴿جُزْنَا وَهِيَ خَامِدَة﴾ آگ بجھ جاتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم کیلئے اس (دنیا) میں بجھ گئی تھی، مؤمنین بھی سلامتی کے ساتھ گزریں گے۔ آگ جل رہی ہوگی لیکن انھیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔[3]

صراط کی دونوں طرف صلۂ رحم وامانت ہونا

وَبِاسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام، قَالَ:

قَالَ أَبُوذَرٍّ رضي الله عنه، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم، يَقُولُ: حَافَّتَا الصِّرَاطِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّحِمُ وَالْأَمَانَةُ: فَاذَا مَرَّ الْوَصُولُ لِلرَّحِمِ الْمُؤَدِّي لِلْأَمَانَةِ، نَفَذَ الَى الْجَنَّةِ؛ وَاذَا مَرَّ الْخَائِنُ لِلْأَمَانَةِ الْقَطُوعُ لِلرَّحِمِ، لَمْ يَنْفَعْهُ مَعَهُمَا عَمَلٌ وَتَكَفَّأَ بِهِ الصِّرَاطُ فِي النَّارِ ۔[4]

(کلینیؒ نے کافی) میں اپنے اسناد کے ساتھ امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

ابوذرؓ نے کہا: میں نے رسول خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن جہنم کے دونوں کناروں پر صلۂ رحم اور امانت ہوں گے۔ پس جس وقت صلۂ رحم کرنے والا اور امانت ادا کرنے والا گزرے گا تو وہ جنت میں پہنچ جائے گا اور جب خائن اور قطع رحم کرنے والا، گزرے گا تو اس کو

۱۔ ہم (آگ سے) گزرے گئے جبکہ جہنم کی آگ بجھی ہوئی تھی۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۱۷۹ باب ۹ مقصد ۴ فصل ۲۔

۲۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۴۶۔ ۳۔ صحیفۂ امام، ج ۱۸ ص ۵۰۱۔

۴۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۱۵۲ کتاب الایمان والکفر، باب صلۃ الرحم، حدیث ۱۱۔

کوئی عمل فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور صراط اس کو جہنم میں دھکیل دے گی۔

پس معلوم ہوا کہ صلہ رحم اور امانت، اس عالم میں صراط کے دونوں طرف کھڑے ہوں گے اور صلۂ رحم کرنے والے اور امانت ادا کرنے والے کی مدد کریں گے اور اگر ان دونوں کو چھوڑ دیا تو کوئی بھی عمل فائدہ نہیں پہنچائے گا اور گزرنے والے کو جہنم میں ڈال دیں گے۔[۱]

صراط کا نور اور روشنی

ایک مشہور حدیث میں نقل ہوا ہے:

﴿العِلمُ نُورٌ یَقذِفُهُ اللّٰهُ فِي قَلبِ مَن یَشاءُ﴾[۲] علم وایمان کے مراتب کے مطابق اس نور کے بھی متعدد مرتبے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ یہ حقیقی نور جو اہل علم وایمان کے قلوب میں ہے چونکہ عالم آخرت کے انوار میں سے ہے لہذا اس عالم میں نفس کی فعالیت کی بنا پر نورانیت حسّیہ کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہی نور صراط کو روشن کرے گا۔ کچھ لوگوں کا نور سورج کی طرح ہوگا، کچھ کا چاند کی طرح ہوگا یہاں تک کہ بعض کا نور صرف اتنا ہوگا کہ اس سے فقط اس کے سامنے کا حصہ روشن ہوگا۔[۳]

صراط سے گزرنے کا زاد وراحلہ

انسان کا زاد وراحلہ، اس کی اپنی خصلتیں ہیں۔ اس پر خطر سفر، تاریک وباریک راہ تلوار سے

۱۔ چہل حدیث، ص ۴۷۸، ۴۷۷۔

۲۔ علم نور ہے جس کو خداوند جس کے قلب میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

اور عنوان بصری کی حدیث میں امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے: ﴿لَیسَ العِلمُ بِالتَّعَلّم، انّما هُوَ نُورٌ یَقَعُ فِي قَلبِ مَن یُرِیدُ اللّٰهُ تَبارَكَ وَتَعالیٰ أن یَهدِیه﴾۔ بحار الانوار، ج۱ ص۲۲۵ کتاب العلم، باب ۷ حدیث ۱۷۔

۳۔ چہل حدیث، ص ۴۱۹۔

زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک صراط کی سواری، ہمت مردانہ ہے۔ اس تاریک واندھیرے راستے کا نور، ایمان اور اچھی خصلتیں ہیں۔ اگر کسی نے سستی کی تو اس صراط سے نہیں گزر سکے گا اور منہ کے بل جہنم میں گر جائے گا اور ذلت و رسوائی سے دوچار ہو جائے گا اور ہلاکت کی وادی میں جا پڑے گا اور جو اس صراط سے نہیں گزر سکے گا تو آخرت کی صراط سے بھی نہیں گزر سکے گا۔[1]

۱۔ چہل حدیث، ص ۹۸۔

بارہویں فصل:

نامۂ اعمال

تمام اعمال کا ثبت ہونا

ہم حق تعالیٰ کے حضور میں ہیں اور تمام امور وتمام نفسانی ہیجانات ہمارے نامۂ اعمال میں ثبت ہوتے ہیں اور ہمیں آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔[۱]

ہمارے اعمال کا محضر حق میں ہونا

آپ کی آنکھوں کی ہر جھپک، آپ کے ذہن کے تمام تصورات وخیالات اور تمام افکار، خداوند کے حضور میں ہیں اور اعمال ناموں میں ثبت ہوتے ہیں۔ آپ کی آنکھوں کی ہر جھپک کہ جو حکم الٰہی کے برخلاف ہوتی ہے وہ خداوند کے حضور میں ہے اور لکھی جاتی ہے۔[۲]

عالم بھر کی وسعتیں انسان کا نامۂ عمل ہیں

آپ کے تمام اعمال اور تمام باتیں ثبت ہوتی ہیں اور پورا عالم ان چیزوں کو اپنے اندر ثبت کرتا ہے اور ہمیں ان کا جواب دینا ہے۔[۳]

لوح نفس کا نامۂ عمل ہونا

خداوند حاضر ہے اور یہ عالم اس کے سامنے ہے اور ہمارا ''صفحۂ نفس'' (بھی) ہمارے اعمال

۱۔صحیفۂ امام، ج۲۰ص۱۲۵۔ ۲۔صحیفۂ امام، ج۱۲ص۳۵۸۔ ۳۔صحیفۂ امام، ج۱۵ص۷۵۔

ہوتے ہیں اور ان کے لوازم وجودی (سب کے سب) وجود نفس میں جمع ہوتے ہیں اور "لوح نفس" پر ثبت ہوجاتے ہیں اور جب انسان (عالم) طبیعت سے خارج ہوتا ہے اور اپنی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کے تمام اعمال لوح نفس پر محفوظ ہیں لہذا وہ کہتا ہے: ﴿وَيٰـلَتَنا ما لِهٰذَا الكِتابِ لا يُغادِرُ صَغِيرَةً وَلا كَبِيرَةً اِلّا اَحْصٰها﴾ شاید وہ کتاب کہ جس کے بارے میں خداوند متعال نے قرآن میں فرمایا ہے (کہ وہ ہر شخص کیلئے ہے) یہی "لوح نفس" ہو جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ یہ لوح نفس ہے کہ جس میں ملائکہ موکل لکھتے ہیں اور یہی ملائکۃ اللہ ہیں کہ جو نفوس کے مربی ہیں اور نفوس پر مقومیت و ربوبیت کا منصب رکھتے ہیں اور انکے رب النوع ہیں اور کتابت تکوینی کے ذریعے، (نفوس سے) صادر ہونے والے ملکات و معالیل کو انکے نفس کی لوح پر ثبت وضبط کرتے ہیں۔[3]

صفحۂ قلب کا نامۂ عمل کی صورت میں ہونا

ہمیں خود اپنے نامۂ اعمال پر نظر کرنی چاہیئے یعنی اپنے "صفحۂ قلب" کو دیکھنا چاہیئے کہ جس میں سب چیزیں نقش ہوجاتی ہیں اور یہی نامۂ اعمال کی صورت ہے، ہمیں جاننا چاہیئے کہ ہم کیا ہیں۔[4]

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۲۰ ص ۴۳۹۔

۲۔ اے ہمارے خرابی، یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتا ہے اور نہ ہی بڑی بات کو مگر یہ کہ اس نے اس کا احاطہ کرلیا ہے۔ سورۂ کہف، آیت ۴۹۔

۳۔ تقریرات اسفار۔

۴۔ صحیفۂ امام، ج ۹ ص ۴۴۱۔

تمہیں جان لینا چاہیے ک

وجہ سے اس شخص کو لوگو

وخوار کر دے اور کر دیت

تمہارے نامۂ اعمال کو گ

اس کے نامۂ اعمال کو

۱۔ وَعَنِ النَّبيِّ (ص):

﴿يُوتى بِأَحَدٍ يَومَ الق

فَيَقُولُ: الهي، لَيسَ هـ

عَمَلُكَ بِاغْتِيابِ النَّاسِ.

كِتابي، فَانّي ما عَمِلتُ هٰذِ

رسول اکرمؐ سے منقول ہے

جائے گا تو جب وہ اس میں

نیکیاں نہیں دیکھ رہا ہوں

"تیرا عمل، لوگوں کی غیبت

اس کا نامۂ اعمال دیا جائے

نے یہ نیکیاں نہیں کیں! ا

ہیں"۔

بحار الانوار، ج ۷۲ ص ۹ ۵

۲۔ چہل حدیث، ص ۳۱۲

نامۂ عمل کو کھولا جانا

آپ کو متوجہ رہنا چاہیئے کہ خداوند ہر جگہ حاضر ہے اور تمام مسائل کی طرف متوجہ ہے اور ہمارے کام خداوند کے حضور ثبت ہوتے ہیں اور اس کے سامنے جاتے ہیں اور بعد میں یعنی جب قیامت ہوگی تو ہمارے سامنے بھی ہمارے اعمال کھولے جائیں گے۔[1]

انسان کے ہاتھ میں نامۂ عمل دیا جانا

اس عالم میں ہمارے اعمال کا حساب کتاب اور ہمارے افعال کا صحیفہ ہمارے ہاتھوں میں دے دیا جائے گا اور کہا جائے گا: تم خود اپنا حساب کرلو۔[۲،۳]

پیغمبرؐ کے سامنے نامۂ اعمال پیش ہونا

پیغمبر اکرم (ص) کی نظریں اس ملت پر لگی ہوئی ہیں، تمام نامۂ اعمال آپؐ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ ہمیں سعی کرنی چاہیئے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کی رضا حاصل کریں۔[4]

امام زمانہؑ کے سامنے نامۂ اعمال پیش ہونا

ہم خود اپنے نامۂ اعمال کو پرکھ سکتے ہیں، اس سے پہلے کہ ہمارا یہ نامۂ اعمال خدا کے حضور اور اس سے پہلے کہ امام زمان سلام اللہ علیہ کے حضور پیش کیا جائے۔[5]

(روایت کے مطابق) ہمارا نامۂ اعمال ہر ہفتے دو دفعہ امام زمان سلام اللہ علیہ کے حضور پیش ہوتا ہے۔[6]

۱۔ صحیفۂ امام، ج۱۸ص۳۷۹۔

۲۔ یہ آیۂ شریفہ: ﴿اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾۔ سورۂ اسراء، آیت ۱۴/۔

۳۔ آداب نماز، ص۳۴۔

۴۔ صحیفۂ امام، ج۸ص۲۷۔

۵۔ صحیفۂ امام، ج۹ص۳۳۔

۶۔ صحیفۂ امام، ج۸ص۳۹۱۔

تیرہویں فصل:

جنت اور جہنم

جنت وجہنم کی اقسام

قرآن مجید اور انبیاء واولیاء کی روایت میں زیادہ تر اعمال کی جنت ودوزخ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ ایسی جنت وایسا دوزخ جو اچھے وبرے عمل کی جزاء ہوں گے، اخلاق کی جنت ودوزخ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور اخلاق کی جنت ودوزخ کی اہمیت زیادہ ہے اور بہشت لقاء اور دوزخ فراق کہ جو سب سے زیادہ اہم ہے، کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے۔[۱]

جنت کے مراتب

''جزائے وفاق'' یعنی وہ جزا کہ جو اعمال کے مطابق ہو اور یہی ''جنت اعمال'' ہے۔ جیسا کہ فرمان خداوند ہے ''وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اسے حاضر پاتے ہیں''۔ چنانچہ ''استحقاق'' سے مراد ''صفات واخلاق کی جنت'' ہے کہ جو ملکات حسنہ اور ہیئات نوریہ کسب کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور کتاب الٰہی میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے: اور وہاں ان کیلئے وہ تمام چیزیں ہوں گی جن کی دل میں خواہش ہو اور جو آنکھوں کو بھلی لگیں''۔[۲]

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۳۔

۲۔ قوله: "الجزاء الوفاق" ای الجزاء الذي يكون بحسب الاعمال وهو "جنة الاعمال" لقوله تعالى: ﴿وَوَجَدُوا ما عَمِلُوا حاضِراً﴾[☆۱] كما أنَّ الاستحقاق هو "جنة الصفات والاخلاق" التي يحصل بحصول الملكات الحسنة والهيئات النورية[☆۲] واشير اليه في الكتاب الالهي

<--

جنت کے مراتب کا انسانی مراتب کے ساتھ مربوط ہونا

تقسیم کلی کے لحاظ سے جنتوں کی بھی تین قسمیں ہیں؛ ایک: جنت ذات کہ جو علم باللہ اور معارف الٰہیہ کی غایت ہے۔ دوسری: جنت صفات جو تہذیب نفس اور اس کی ریاضت کا نتیجہ ہے۔ تیسری: جنت اعمال ہے کہ جو عبودیت کی ادائیگی اور اس کا نتیجہ ہے اور یہ تمام جنتیں آباد نہیں ہیں۔ جنت اعمال کی زمین ایک بیابان ہے کیونکہ ابتدائے امر میں سرزمین نفس ایک بیابان ہوتی ہے۔ ان سب کی تعمیر اور آبادی نفس کی آبادی پر موقوف ہے۔ چنانچہ اگر نفس کا مقام غیب، معارف الٰہیہ اور جذبات غیبیہ ذاتیہ سے آباد نہ ہو تو انسان کو جنت ذات اور جنت لقاء نہیں حاصل ہو سکتی اگر تہذیب باطن اور زینت باطن نہ کی ہو اور عزم و ارادہ قوی نہ ہو، دل اسماء وصفات کا آئینہ نہ ہو تو انسان کو اسماء وصفات کی جنت یعنی جنت متوسطہ حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر فرائض بندگی کو پورا نہ کرے اور اس کے اعمال وافعال، حرکت وسکنات شریعت کے قانون کے مطابق نہ ہوں تو بہشت اعمال ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾[1] (یعنی جس میں نفس کی ہر پسندیدہ چیز اور آنکھوں کیلئے ہر لذت بخش چیز حاصل ہو) اس کو حاصل نہیں ہو سکتی۔[2]

جنت کے مراتب کا روحانی مقامات کے ساتھ ارتباط

جیسا کہ بزرگ فلاسفہ نے کہا ہے اور قرآن کریم سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ''بہشت جسمانی''

<-- بقوله: ﴿فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾[☆۳]۔

تعلیقات علی شرح فصوص الحکم، ص۱۹۴۔

☆۱۔ سورۂ کہف، آیت/۴۹۔

☆۲۔ بینات نوریہ سے مراد ''غیر سے قائم انوار عرضیہ'' ہے۔ فرہنگ علوم عقلی، ص۶۳۶۔

☆۳۔ سورۂ زخرف، آیت/۷۱۔

۱۔ سورۂ زخرف، آیت/۷۱۔ ۲۔ چہل حدیث، ص۴۱۲، ۴۱۳۔

کے علاوہ کہ جس کے بارے میں بہت سی قرآن آیات نازل ہوئی ہیں اور وہ اہل بہشت کے ثواب کی منزل ہے، بہشت کے اور مراتب ومقامات بھی ہیں کہ جو مقام ثواب سے بالاتر ہیں اور یہ (مراتب ومقامات) روحانی مقامات اور روحی لذات میں سے ہیں اور روحی کمالات اور الٰہی معارف سے متعلق ہیں کہ جو نفس کے مقامات میں سے ہے۔اس مقام کے بعد اور مقامات بھی ہیں کہ انھیں ''محبت وولایت کے شہروں'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو لوگ ان مقامات روحانیہ تک پہنچ جاتے ہیں تو وہ پھر ''بہشت جسمانی'' کہ جو ثواب الٰہیہ کا مقام ہے، کی طرف نگاہ نہیں کرتے بلکہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور معنوی (روحانی) مقامات میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔

اس وجہ سے اور دوسری بہت سی وجوہات کی بناء پر کہ جن کا تذکرہ اس کتاب (کشف الاسرار) میں مناسب نہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان روحانی ومعنوی مقامات کے حامل افراد، منزل ثواب کہ جو جسمانی بہشت ہے، سے اعراض کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جو اس مقام تک نہیں پہنچے، وہ اسی بہشت جسمانی اور (منزل) ثواب پر ہی خوش رہتے ہیں۔ ولایت ومحبت کے شہروں والے جنتیوں کے درجات ان جنتیوں کے درجات سے کئی ہزار گنا زیادہ ہوں گے جبکہ دوسرے بہشتیوں کی روح کو بھی ان جنتیوں کے معنوی مقامات اور روحانی لذات کی خبر تک نہیں ہوگی۔[1]

جنت کے مراتب اور معرفت حق کے ساتھ ان کی نسبت

شیخ جلیل بہائی (قدس سرہ) عروۃ الوثقیٰ میں فرماتے ہیں:

خدائے سبحان کی نعمتیں اگرچہ اس سے اجل ہیں کہ ان کی حد بندی کی جا سکے لیکن وہ دو قسم کی ہیں: ایک دنیوی نعمتیں۔ دوسری اخروی نعمتیں...[2]

جن نعمتوں کا ذکر شیخ بزرگوار نے فرمایا ہے اور جو لذات حیوانیہ اور حظوظ نفسانیہ کی طرف پلٹتی ہیں انکے علاوہ اور بھی نعمتیں ہیں جن میں سے زیادہ اہم تین ہیں:

۱۔ کشف الاسرار، ص۱۷۲، ۱۷۳۔ ۲۔ رسالہ عروۃ الوثقیٰ، ص۳۸۔

اول: معرفت ذات ومعرفت توحید ذاتی کی نعمت، جس کی اصل سلوک الی اللہ اور جس کا نتیجہ بہشت لقاء ہے اور اگر سالک کی نظر نتیجہ پر ہو تو یہ سلوک کا نقص ہے، کیونکہ یہ خود اور لذات خود کو ترک کرنے کا مقام ہے اور نتیجہ کے حصول کی طرف توجہ ''اپنی طرف توجہ'' ہے اور یہی خود پرستی ہے خدا پرستی نہیں تکثیر سے توحید نہیں اور تلبیس ہے تجرید نہیں۔

دوم: معرفت اسماء کی نعمت اور کثرت اسمائی کے مطابق اس نعمت کے بہت سے شعبے ہیں اور اگر انکے مفردات کا حساب کیا جائے تو ہزار ہیں اور اگر دو یا چند اسموں کی ترکیبات کے ساتھ حساب کی اجائے تو حد احصاء سے خارج ہیں ﴿وَانْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰہِ لاَ تُحْصُوھا﴾ ۱؎ اور توحید اسمائی اس مقام پر معرفت ''اسم اعظم'' کی نعمت ہے جو جمع اسماء کا مقام احدیت ہے اور معرفت اسماء کا نتیجہ ہر شخص کیلئے ایک اسم یا چند کی معرفت کے بقدر فرداً یا جمعاً بہشت اسماء ہے۔

سوم: معرفت افعال کی نعمت، اس نعمت کے بھی کثیر اور لامحدود شعبے ہیں اور اس مرتبہ میں مقام توحید، جمع تجلیات فعلیہ کا مقام احدیت ہے جو مقام ''فیض مقدس'' اور مقام 'ولایت مطلقہ' ہے اور اس کا نتیجہ ''بہشت افعالی'' ہے۔ یعنی قلب سالک میں حق تعالیٰ کی تجلیات افعالی ہیں او شاید حضرت موسیٰ بن عمران کیلئے اول امر میں جو تجلی ہوئی جس کو دیکھ کر انھوں نے فرمایا: ﴿آنَسْتُ نَاراً﴾ ۲؎ تجلی افعالی تھی اور وہ تجلی جس کی طرف خدائے تعالیٰ: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکّاً وَخَرَّ مُوسیٰ صَعِقاً﴾ ۳؎ کہہ کر اشارہ کیا ہے تجلی اسمی تھی یا تجلی ذاتی۔

پس صراط ''منعم علیہم'' مقام اول میں ''صراط سلوک'' الیٰ ذات اللہ ہے اور نعمت اس مقا میں تجلی ذاتی ہے اور دوسرے مقام میں ''صراط'' سلوک بہ اسماء اللہ ہے اور نعمت اس مقام تجلیات اسمائی ہیں۔ اور مقام سوم میں ''صراط'' سلوک بہ فعل اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں تجلیا -

---

۱۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۳۴۔

۲۔ میں آگ لاتا ہوں۔ سورۂ طہٰ، آیت ۱۰؛ سورۂ نمل، آیت ۷؛ سورۂ قصص، آیت ۲۹۔

۳۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳۔

افعالی ہیں جن لوگوں کو یہ مقامات حاصل ہیں ان کی نظر عام بہشتوں اور لذتوں کی طرف نہیں ہوتی، چاہے روحانی ہوں یا جسمانی، جیسا کہ روایات میں بھی بعض مؤمنین کیلئے یہ مقام ثابت کیا گیا ہے۔[۱،۲]

جسمانی جنت کی حقیقت

جسمانی جنت کی حقیقت، اعمال کی غیبی وملکوتی صورت ہے۔[۳]

جسمانی جنت، نیک اعمال کا نتیجہ ہے

حدیث میں ہے کہ جب رسول خداؐ معراج پر تشریف لے گئے تو جنت میں چند ملائکہ کو دیکھا کہ جو کبھی تو عمارت بنانے لگتے ہیں اور کبھی رک جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے جبرائیلؑ سے دریافت کیا: اس کا کیا سبب ہے؟ جبرائیلؑ نے عرض کی: اس عمارات کا ساز وسامان، امت کے اذکار ہیں جب لوگ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں تو سامان آنے لگتا ہے لہذا یہ ملائکہ تعمیر میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جب امت کے لوگ ذکر کو ترک کر دیتے ہیں تو یہ بھی رک جاتے ہیں۔[۴]

۱۔ بحار الانوار، ج ۷۷ ص ۲۱ کتاب الروضۃ، باب مواعظ اللہ تعالیٰ وسائر الکتب السماوی، حدیث ۶۔

۲۔ آداب الصلاۃ، ص ۲۹۴، ۲۹۶۔ ۳۔ سر الصلاۃ، ص ۲۵۔

۴۔ عَنْ جَمِيل، عَنْ أبِي عَبْدِاللهِؑ قَالَ: قَالَ رَسُوُ اللهِؐ:

﴿لَمَّا أسْرِيَ بِي اِلَى السَّمَاءِ دَخَلْتُ الجَنَّةَ فَرَأيْتُ فِيهَا مَلائِكَةً يَبْنُونَ لَبِنَةً مِنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةً مِنْ فِضَّةٍ وَرُبَّمَا أمْسَكُوا. فَقُلْتُ لَهُم: مَا لَكُم رُبَّمَا بَنَيْتُم وَرُبَّمَا أمْسَكْتُم؟ فَقَالُوا: حَتَّى تَجِيئَنَا النَّفَقَةُ. فَقُلْتُ لَهُم: وَمَا نَفَقَتُكُم؟ فَقَالُوا: قَولُ المُؤمِنِ فِي الدُّنْيَا: سُبْحَانَ اللهِ وَالحَمْدُ لِلهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ أكْبَر. فَاِذَا قَالَ بَنَيْنَا وَاِذَا أمْسَكَ أمْسَكْنَا۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں: پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا اور جب میں بہشت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں چند ملائکہ کو دیکھا کہ جو سونے وچاندی کی اینٹوں سے عمارت بنا رہے ہے --->

خلاصہ یہ کہ جسمانی جنت ودوزخ، بنی آدم کے وہی نیک وبد اعمال ہیں جو وہ اس دنیا میں کرتے ہیں۔ چنانچہ آیات میں بھی اس جانب اشارہ ہوا ہے۔ مثلاً ﴿وَوَجَدوا ما عَمِلُوا حاضِراً﴾ ۔[۱] (اسی طرح قول معصومؑ ہے): ﴿انّما هِيَ أعمالُكم تردّ اليكم﴾ ۔[۲،۳]

جنّت

اعمال کی جنت

تمام اعمال حسنہ اور افعال عبادیہ کیلئے ان کی ایک باطنی ملکوتی صورت ہوتی ہے۔ اور قلب عابد میں اس کا ایک اثر ہوتا ہے۔ باطنی صورت تو وہی ہے جس سے عالم برزخ اور جسمانی جنت کی تعمیر ہوتی ہے۔ کیونکہ زمین بہشت ایک چٹیل میدان ہے جو ہر چیز سے خالی ہے جیسا کہ روایت میں ہے، بہشت کی آبادکاری انہیں اعمال واذکار سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی منقول ہے۔[۴]

<-- تھے وہ کبھی اپنا ہاتھ کام سے کھینچ لیتے۔ میں نے ان سے کہا: تم کیوں کبھی کام کرنے لگتے ہو اور کبھی اس سے ہاتھ کھینچ لیتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم تعمیر کے ساز وسامان کا انتظار کرتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا وہ ساز وسامان کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اکبر'' کہ مؤمن جب یہ ذکر دنیا میں کہتا ہے تو اس وقت ہم عمارت بنانے لگتے ہیں جب وہ خاموش ہو جاتا ہے تو ہم بھی ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

۱۔ اور جو کچھ ان لوگوں نے (دنیا میں) کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے۔ سورۂ کہف، آیت ۴۹۔

۲۔ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم کو واپس کئے جا رہے ہیں۔

علم الیقین، ج ۲ ص ۸۸۴ المقصد الرابع، الباب الثانی، الفصل السادس۔

۳۔ چہل حدیث، ص ۳۶۲، ۳۶۳۔

۴۔ چہل حدیث، ص ۴۳۷۔

عام مؤمنین کی جنت

عام لوگ جسمانی اعمال کی جنت کے حامل ہوتے ہیں اور اعمال حسنہ بجالا کر اور اعمال بد ترک کر کے، اخروی مقامات حاصل کرتے ہیں۔[۱]

نفس کی مطلوبہ چیزوں کا فراہم ہونا

اعمال کی جنت کہ جو ﴿فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾۔[۲] ہی ہے۔[۳]

بہشت اعمال کا فراہم کیا جانا

قرآن کریم میں جس جنت کا ذکر آیا ہے شاید اس سے مراد جنت اعمال ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾۔[۴] دوسری آیت میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾۔[۵] اور مراد بہشت اعمال کا فراہم کیا جانا ہے۔[۶]

جنت اعمال کی وسعت

جنت کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم محجوبین و مقیدین کے ذہن میں ہے اور یہ جو جنت کی حد بندی کے بارے میں کہا گیا ہے: ﴿عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾۔[۷] شاید یہ جنت اعمال کے بارے میں ہو۔[۸]

۱۔ چہل حدیث، ص ۴۷۔ ۲۔ سورۂ زخرف، آیت ۷۱۔ ۳۔ چہل حدیث، ص ۴۱۳۔

۴۔ یہ صاحبان تقویٰ کیلئے تیار کی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۳۔

۵۔ یہ ایمان لانے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ سورۂ حدید، آیت ۲۱۔

۶۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۴۱۶، ۴۱۷۔

۷۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۳۔ ۸۔ چہل حدیث، ص ۲۶۶۔

صفات کی جنت

جنت متوسط

اسماء وصفات کی جنت، جنت متوسط ہے۔[1]

جنت اخلاق کا مرتبہ

بہشت صفات کا رتبہ بہشت اعمال سے بالاتر ہے۔[2]

جنت متوسط کا جسمانی جنت سے برتر ہونا

آخرت کی ابدی زندگی کا سرمایہ اور اس عالم میں زندگی گزارنے کا رأس المال اخلاق حسنہ کا حصول اور مکارم اخلاق سے متصف ہونا ہے اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے جو جنت انسان کو ملتی ہے وہ بہشت صفات ہے جس کے ساتھ جسمانی و اعمالی بہشت کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بہشت صفات میں تمام نعمتیں اور جسمانی لذتیں بطور اعظم و اُحسن موجود ہیں۔[3]

بهشت متوسطین، اخلاق کریمه کا نتیجه هے

جو لوگ نیک اعمال بجا لاتے ہیں اور اپنے اخلاق کو ظواہر شرع کے مطابق بنا لیتے ہیں لیکن عقل نظری کے لحاظ سے، مرتبہ تخیّل تک ہی رہتے ہیں اور اعتقادی و شرعی امور اور حقائق عالم کو فقط قوۂ خیال سے ہی تصور اور ان کا ادراک کرتے ہیں اور فقط جنات کی متوسط نعمات اور بعض ملائکہ کو کہ جو مرتبۂ برزخی میں ہیں، تصور کر سکے ہیں تو ان لوگوں کیلئے موت کے بعد جنات متوسطین ہوگی اور ان کا نفس اپنے ملکات کے مطابق وہاں فعالیت میں مشغول ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو شرع کے

۱۔ چہل حدیث، ص ۴۱۳۔ ۲۔ سر الصلاۃ، ص ۶۴۔ ۳۔ چہل حدیث، ص ۵۱۱۔

تابع ہیں اور قوی براہین سے ثابت ہونے والی چیزوں کو مفروض الوجود جانتے ہیں اور شرعی قضایا کو قبول کرنا ان کیلئے ملکہ ہو چکا ہے۔

غرض یہ کہ اگر انسان خارج کے مطابق، صحیح ''تصورات'' رکھتا ہو اور بعض مراتب مثلاً مرتبۂ برزخیہ کا ادراک کرلے اور اس کا عمل بھی صالح ہو تو وہ ''متوسطین'' میں سے ہے۔ ایسا شخص جن ملائکہ کا اس نے تصور و تخیل کیا ہے، انہی کے ساتھ محشور ہوگا اور جو جنت اس کے عمل کا نتیجہ ہے وہی اسے حاصل ہوگی۔ البتہ یہ متوسط افراد اگرچہ ایک جنت کے مالک ہیں اور اصحاب یمین میں سے ہیں لیکن مقرّبین میں سے نہیں ہیں کہ ان کیلئے حق کا جلوہ و جمال اور عالم عقول کے مجردات نوریہ منکشف ہوں اور ان کا ادراک ہو سکے۔[۱]

جنت اخلاق کی وسعت

بہشت اخلاق کی وسعت مرتبہ متوسطہ میں کمال انسانی کی وسعت کے مطابق ہے اور اس کیلئے معین نہیں کی جا سکتی۔[۲]

ارادہ، بہشت اخلاق کا میزان ہے

جنت اخلاق میں میزان، ارادے کی قوت اور کمال ہے اور اسے کسی حد میں محدود نہیں کرنا چاہیئے۔[۳]

اے میرے عزیز! جان لو کہ اس عالم کیلئے عزم اور قوی ارادہ بہت ہی ضروری ہے۔ جنت کے ایک بلند ترین مرتبے کہ جس کا شمار بہترین جنتوں میں کیا جاتا ہے، کا معیار انسان کا ارادہ و عزم

۱۔ تقریرات اسفار، ۔ ۲۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۲۱۷۔

۳۔ چہل حدیث، ص ۲۶۶۔

ہے جب تک انسان کے اندر مضبوط ارادہ اور قوی عزم پیدا نہ ہو جائے وہ جنت اور اس بلند مقام کا مالک نہیں بن سکتا۔ حدیث میں ہے کہ: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو پروردگار کی طرف سے ایک تحریر آئے گی جس کا مضمون یہ ہوگا: ''یہ تحریر ہمیشہ باقی رہنے والے خدا کی طرف سے (اپنے) زندۂ جاوید بندے کیلئے ہے۔ میں جس چیز کو حکم دے دوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ آج سے تم کو بھی ایسا بنا دیتا ہوں کہ جس چیز کو حکم دو گے کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی''۔

اب ذرا غور کرو کہ یہ کون سا مقام اور کون سی سلطنت اور کیسی الٰہی قدرت ہے کہ اب ارادۂ انسانی، ارادۂ الٰہی کا مظہر ہے اور وہ معدومات کو لباس وجود عطا کر سکتا ہے۔ یہ قدرت اور نفوذ ارادہ، تمام جسمانی جنتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تحریر عبث و بے کار نہیں ہے۔

جس کا ارادۂ حیوانی شہوات کے تابع ہوگا، جس کا عزم مردہ اور بجھا ہوا ہوگا وہ اس مقام تک کبھی نہیں پہنچ پائے گا۔ خدا کا کام عبث نہیں ہوا کرتا۔ جب یہ دنیا نظام و ترتیب اور اسباب و مسببات کے تابع ہے تو پھر آخرت میں بھی یہی ہوگا بلکہ عالم آخرت تو نظام اور اسباب و مسببات کے زیادہ لائق اور سزاوار ہے۔ نفوذ ارادہ اسی دنیا میں حاصل کر لینا چاہیئے۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور تمام بہشتی نعمتوں اور جہنمی عذابوں کا سرچشمہ ہے۔[1]

جنت لقاء

جنت کا بلندترین مرتبہ

بہشت لقاء مراتب بہشت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔[2]

جنت کا آخری مرتبہ

جنت کا آخری مرتبہ ''لقاء اللہ'' ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس تک انسان کے علاوہ اور کوئی نہیں

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۲۶، ۱۲۵۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۳۲۸۔

پہنچ سکتا۔ فقط انسان وہاں تک جا سکتا ہے۔[۱]

جمال الٰہی کی لذت تک پہنچنا

جمال الٰہی کی لذات تک رسائی حاصل کرنا اور دعا و ذکر کر کے انوار کی لامحدود مسرتوں تک پہنچنا کہ جو ''جنت لقاء'' کہلاتی ہے اور یہ مرتبہ یعنی جنت لقاء اہل معرفت اور صاحب دل لوگوں کے اہم مقاصد میں سے ہے اور عام لوگوں کا دست امید اس تک پہنچنے سے قاصر ہے اور اہل معرفت میں سے (بھی) شاذ و نادر افراد ہی اس سعادت سے مشرف ہوتے ہیں۔[۲]

جنت لقاء و باطن معارف

علم المعارف قلبی اعمال اور باطنی جذبات کا نام ہے جس کا نتیجہ اعمال و جذبات ہوتے ہیں اور ان کی باطنی صورتیں جنت ذات اور بہشت لقاء کی صورت ہوتی ہے۔[۳]

عرفا کی جنت

ہم جیسے لوگ جنہوں نے حیوانیت کی حد سے آگے قدم نہیں رکھا، ہمارے لیے جسمانی بہشت اور شکم و شرمگاہ سے متعلق امور کی انجام دہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور اس تک بھی فضل خدا کی امید کے سہارے ہی پہنچیں گے لیکن یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ سعادت اسی میں منحصر ہے اور بہشت حق تعالیٰ اسی حیوانی بہشت تک محدود ہے، بلکہ حق تعالیٰ کے پاس بہت سے ایسے عالم ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے ہیں نہ کسی کان نے سنے ہیں اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آ سکا۔ ارباب محبت الٰہیہ اور اہل معرفت نہ ان جنتوں میں سے کسی ایک جنت کی طرف اعتنا کرتے ہیں اور نہ عالم غیب

۱۔ صحیفۂ امام، ج۸ ص ۳۲۸۔

۲۔ آداب نماز، ص۱۲۶، ۵۶۱۔ ۳۔ چہل حدیث، ص ۴۱۳۔

وشہود کی طرف کسی قسم کی توجہ کرتے ہیں۔ان کی جنت فقط ''جنت لقاء'' ہے۔[1]

حق تعالیٰ کے اولیا کی جنت

﴿انّ اللہ اشتریٰ مِنَ المُؤمِنِینَ أنفُسَهُم وَأموالَهُم بِأنّ لَهُم الجَنّة﴾۔[2]

یہ جنت کہ جو خریدار آپ کو عطا کر رہا ہے، اس جنت سے مختلف ہے جو دوسروں کیلئے پیدا ہوئی ہے، مجھے امید ہے کہ یہ جنت، ''جنت لقاء'' ہو۔امید رکھتا ہوں کہ آپ کا خریدار، آپ کو اپنی بارگاہ میں قبول کرے۔اولیائے خدا اس عالم میں بھی، غیر خدا سے سروکار نہیں رکھتے۔وہ جنتی نعمتوں سے اعراض کر کے، حق تعالیٰ کی لقاء کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔[3]

جنت خداوند

﴿يا أيّتُها النّفسُ المُطمَئِنّة﴾ اے وہ نفس تم ایسے مقام تک پہنچ گئے کہ جہاں تم مطمئن ہو، تم لغزش کی حد سے باہر ہو اور دوسری طرف تمہاری توجہ نہیں ﴿يا أيّتُها النّفسُ المُطمَئِنّة اِرجِعي الیٰ رَبّك﴾ اب کوئی بھی چیز تیرے لیے نہیں۔تو رجوع کر، اپنے خدا کی طرف پلٹ آ۔ ''ربک'' (یعنی) ''نفس مطمئنہ'' کے رب (کی طرف) ﴿فَادخُلي في عِبادِي﴾ (میرے بندوں میں داخل ہو جا) یہ نہیں کہا کہ ''یا عباد صالحین'' (کہ اللہ کے بندوں میں یا صالح بندوں میں داخل ہو جا) بلکہ فرمایا: ''عبادی'' (میرے بندوں میں داخل ہو جا) اس قدر دقت کے ساتھ جب تم عباد میں واقع ہو جاؤ تو اس وقت ﴿فَادخُلي جَنّتي﴾ (میری جنت میں داخل ہو جا) یہ نہیں کہا کہ ''الجنۃ'' یہ جنت دوسرے کیلئے ہے۔یہ جنت اپنے تمام تر وسعتوں کے ساتھ ''عباد

۱۔آداب نماز، ص ۱۵۵۔

۲۔ خداوند نے اہل ایمان کی جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۱۱/۔

۳۔صحیفۂ امام، ج ۱۶ ص ۱۹۸۔

صالح'' کیلئے ہے۔ ''عبادی'' کیلئے نہیں۔ ''عبادی'' کی نظر سوائے عبادت کے کسی اور چیز پر نہیں، وہ بھی عبادت ''ہو'' جب تم اس مقام تک پہنچ گئے تو ﴿أدخُلي جَنَّتي ﴾ جنت لقاء، جنت ذات میں داخل ہو جا۔ دوسروں کی جنت میں نہیں۔

آپ کی جنت کہ انشاء اللہ آپ سب اس جنت میں داخل ہوں گے۔ اس جنت سے مختلف ہے وہ ''جنت عباد صالح'' اور ''عباداللہ صالحین'' (کی جنت) ہے لیکن یہ ''جنّتی'' ہے (یعنی میری جنت)۔ ایسی جنت کہ جو کسی سے بھی منسوب نہیں سوائے ''ہو'' کے۔ اس وقت، نفس مطمئنہ ایک ''منبع نور'' اور کمال مطلق میں داخل ہوتا ہے اور اس چیز کو پالیتا ہے جس کا وہ عاشق تھا۔[1]

رسول اللہ (ص) اور ائمہ (ع) کا مقام

ایک روایت میں آیا کہ ﴿يا أيّتها النّفسُ المُطمَئِنّة ﴾۔[2] کا خطاب حضرت سیّدالشہداء سے ہے۔ اس وقت خداتعالیٰ آپ سے کہے گا: ﴿فادخُلي في عِبادِي ﴾۔[3] یہ نہیں کہے گا کہ اللہ کے بندوں میں یا دوسرے بندوں میں داخل ہو جا، بلکہ کہے گا ''فی عبادی'' یہ ایک خصوصی عنایت ہے (یعنی) میرے اپنے (عباد)، یہ انسان اس کا اپنا ہے، جب ایسا ہے تو اس کی جنت بھی دوسری جنتوں سے مختلف ہے۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ آپ کی اور ہماری جنت، رسول اللہ کی جنت کی طرح ہے، ہرگز نہیں، بلکہ ان کی جنت دوسری طرح کی ہے۔ ''جنّتی'' ہے ''الجنّۃ'' انشاء اللہ سب کی ہے لیکن انسان اگر اس مقام تک پہنچ جائے تو ''جنّتی'' (میری جنت) ہے۔[4]

شہداء کا مقام، جنت خدا ہے

شہداء دوستوں کی محفل کی شمع ہیں۔ شہداء، اپنے مستانہ قہقہوں میں اور ﴿عِنـــدَ رَبِّهِـم

۱۔ صحیفۂ امام، ج ۱۴ ص ۲۰۷۔ ۲۔ سورۂ فجر، آیت ۲۷۔

۳۔ سورۂ فجر، آیت ۲۹۔ ۴۔ صحیفۂ امام، ج ۱۴ ص ۲۱۰۔

یُـرزَقُون ﴾۔۱ اتک پہنچنے کی خوشی میں ہیں اور وہ ایسے نفوس مطمئنہ میں سے ہیں کہ جن کو پروردگار کی طرف سے ﴿فَـادخُـلـي فـي عِبـادِي ☆ وَادخُـلـي جَـنَّتي ﴾۔۲ کا خطاب ہوتا ہے۔ یہ بس عشق کی وادی ہے اور قلم اس کی تصویر پیش کرنے سے عاجز ہے۔۳

پروردگار کے حضور شهدا کی ضیافت

یہ ارجمند و محترم شہداء کہ جن کی شان میں خداوند نے یہ عظیم جملہ: ﴿أحيـاءٌ عِـنـدَ رَبّهِم يُـرزَقُون ﴾۔۴ فرمایا ہے (انکے بارے میں) مجھ جیسا قاصر انسان کیا کہہ سکتا ہے؟ کیا خداوند کی بارگاہ میں انکے باریاب ہونے اور مقام ربوبی کی ضیافت سے بہرہ مند ہونے کو قلم و بیان اور گفتگو کے ذریعے واضح کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ وہی مقام ﴿فَـادخُـلـي فـي عِبـادِي ☆ وَادخُـلـي جَـنَّتي ﴾۔۵ نہیں ہے کہ جس کو حدیث شریف میں سیّد الشہداء اور مظلوموں کے مولا و آقا پر منطبق کیا گیا ہے؟۶ کیا یہ وہی جنت ہے کہ جو مؤمنین کیلئے ہے یا اس سے بھی زیادہ لطیف، الہی جنت ہے؟ کیا یہ باریابی اور رب الارباب کے حضور رزق پانا وہی بشری معانی میں ہے یا ایک الہی رمز و راز اور خاکی انسان کی سمجھ سے بالاتر کوئی چیز ہے؟ اے پروردگار! یہ کتنی عظیم سعادت ہے کہ جو تو نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرمائی ہے اور ہم اس سے محروم ہیں؟ ﴿يـا لَيتَـنـي كُنتُ مَعَهُم فَأفُوزُ فَوزاً عَظِيما﴾۔۷،۸

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۶۹۔
۲۔ سورۂ فجر، آیت/۲۹،۳۰۔
۳۔ صحیفۂ امام، ج۲۱ ص ۱۴۷۔
۴۔ سورۂ آل عمران، آیت/۶۹۔
۵۔ سورۂ فجر، آیت/۲۹،۳۰۔
۶۔ تفسیر برہان، ج۴ ص ۴۶۰، ۴۶۱، حدیث ۱، ۹ ذیل تفسیر آیہ۔
۷۔ مقام شہدا کی مزید تحقیق کیلئے مجموعہ ''تبیان'' کی کتاب ''ایثار و شہادت'' مطبوعہ مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ کی طرف رجوع کیا جائے۔
۸۔ صحیفۂ امام، ج۷ ص ۱۳۵۔

اہل جنت کی خصوصیات

اہل آخرت آپس میں صلح وصفا کے ساتھ رہتے ہیں انکے قلوب خدااور بندگان خدا کی محبت سے لبریز ہیں۔خداوند سے محبت، خدا پر ایمان رکھنے والوں سے محبت رکھنے کا موجب بنتی ہے۔خدا کے بندوں سے محبت، محبت خداوندہی کا پرتو ہےاور خداوند کی محبت کا سایہ ہے۔[۱]

جہنم

جہنم کی حقیقت

جہنم کا ضروریات ادیان الٰہی میں سے ہونا

جہنم اوراس کا عذاب الیم، تمام ادیان کی ضروریات میں سے اور برہان کے واضحات میں سے ہے۔اصحاب مکاشفہ اورارباب قلوب اسی عالم میں، اس کا نمونہ دیکھ چکے ہیں۔[۲]

جہنم، عالم طبیعت کا باطن ہے

دار طبیعت، جہنم کی (ظاہری) صورت ہے جیسا کہ جہنم (عالم) طبیعت کا باطن ہے۔[۳]

جہنم دنیا کا باطن ہے

دنیااور جو کچھ اس میں ہے سب جہنم ہے کہ جس کا باطن اس سفر کے آخر میں ظاہر ہوگا۔[۴]

جہنم، طبیعت کا ظاہر ہونا

طبیعت، متن جہنم ہے جب آخرت میں طبیعت ظاہر ہوگی تو بصورت جہنم ظاہر ہوگی۔[۵]

۱۔جہاد اکبر،ص۳۱،۳۲۔
۲۔چہل حدیث،ص۲۴۔
۳۔شرح حدیث جنود عقل وجہل،ص۴۵،۴۶۔
۴۔رہ عشق،ص۳۰۔
۵۔صحیفۂ امام،ج۸ص۳۲۸۔

جہنم، ظہور طبیعت ہے

اس (عالم) طبیعت کا باطن، جہنم ہے، (عالم) طبیعت کی طرف رخ کرنا جہنم کی طرف کرنا ہے۔[1]

جہنم کا اعمال انسان سے بننا

جہنم، عالم ملکوت اور قیامت کے گونا گوں عذاب تمہارے ہی عمل اور اخلاق کی (باطنی) شکل وصورت ہیں۔ تو نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ذلت وسختی میں مبتلا کیا ہے اور کر رہے ہو۔ تم اپنے پاؤں سے جہنم کی طرف جا رہے ہو اور اپنے عمل سے، جہنم تیار کر رہے ہو۔

جہنم ہمارے ناپسندیدہ اعمال کے باطن کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ برزخ، قبر اور قیامت کی سختیاں اور تاریکیاں، بنی نوع انسان کے باطل عقائد اور برے اخلاق کے ظلمانی سایوں کے سوا اور کچھ نہیں۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَه ☆ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَه﴾[2]

امیر المؤمنین علیہ السلام، فرماتے ہیں: ''یہ آیہ شریفہ، محکم ترین آیات میں سے ہے''۔[3] اس آیہ شریفہ کا ظاہر یہ ہے کہ ہم خود اچھے و برے عمل کو دیکھتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۳۰ میں (خداوند) فرماتا ہے: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَراً وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ﴾[4]

۱۔ جہاد اکبر، ص ۳۲۔

۲۔ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے وہ (بھی) اسے دیکھے گا۔ سورۂ زلزال، آیت ۷، ۸۔

۳۔ یہ قول، تفسیر ''مجمع البیان'' میں مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں اور ''نور الثقلین'' ج ۵ ص ۶۵ حدیث ۱۶ میں صحابی رسولؐ، عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب ہے۔

۴۔ وہ دن کہ جب ہر شخص اپنے نیک و بد اعمال کو اپنے سامنے حاضر پائے گا۔

اگر بنی نوع انسان کے اعمال نہ ہوتے اور ہمارے برے اعمال کی غیبی صورتیں نہ ہوتیں تو جہنم بھی نہ ہوتا اور پورا عالم غیب ٹھنڈا اور سلامتی لئے ہوئے ہوتا۔[۱]

جہنم، انسانی اعمال کی باطنی شکل ہے

رسول خداؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ﴿وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ﴾۔[۲] اس حدیث اور دوسری بہت سی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جہنم ہمارے اعمال کی باطنی صورت ہے۔[۳]

ہماری روایات میں ہے کہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام (اور یہ بات دوسرے سب اولیاء کے بارے میں ہے) نے فرمایا ہے کہ ہم صراط سے اس حالت میں گزرے ہیں کہ جب جہنم کی آگ بجھی ہوئی تھی ﴿جُزْنَا وَهِيَ خَامِدَة﴾ چونکہ یہ خمود خود سے شروع ہوتی ہے۔ اگر انسان کے اندر جہنم کی آگ بجھی ہوئی ہو تو وہ آخرت کی جہنم کی آگ بھی بجھی ہوئی پائے گا۔

وہ جہنم کہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ ہے کہ جو ہم نے خود تیار کیا ہے۔ ہمیں فقط وہی عذاب دیا جائے گا جس کو ہم نے خود تیار کیا ہو گا ﴿ذٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُم﴾۔[۴] ہم نے خود جہنم کو بنایا ہے۔[۵]

۱۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۱۴۲، ۱۴۱۔

۲۔ کیا لوگوں کو قیامت کے دن آگ میں ڈالیں گے سوائے ان باتوں (کی وجہ سے) کہ جو انھوں نے دوسروں کے بارے میں کہی ہیں۔ بحار الانوار، ج ۶۸ ص ۲۹۰ کتاب الایمان والکفر، باب ۷۸ حدیث ۵۷۔

۳۔ رہ عشق، ص ۳۹۔

۴۔ ﴿ذلك بما قدمت ایدیکم﴾۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۲؛ سورۂ انفال، آیت ۵۱۔

۵۔ صحیفۂ امام، ج ۱۴ ص ۲۱۲۔

جہنم کا غضب کی صورت میں رحمت ہونا

جہنم، غضب کی شکل میں ایک قسم کی رحمت ہے ان لوگوں کیلئے کہ جو سعادت تک پہنچنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔ اگر جہنم میں جو خالص وطاہر کرنے کا عمل ہے نہ ہوتا تو یہ اشخاص ہرگز سعادت سے ہمکنار نہ ہو پاتے۔[۱]

جہنم کے باطن کا لطف خدا ہونا

جہنم کا باطن، الٰہی لطف ورحمت کی ایک صورت ہے کہ جو گناہگار مؤمنین کو خالص کرنے اور انھیں ابدی سعادت تک پہنچانے کیلئے، واحد چارۂ کار ہے.... جہنم، ان لوگوں کیلئے غضب کی صورت میں رحمت ہے کہ جن کی فطرت پر پوری طرح پردہ نہیں پڑ چکا اور جو کفر وانکار اور نفاق تک نہیں پہنچ چکے۔[۲]

موحدین کیلئے رحمت کی آگ

اگر چہ دار آخرت کو جہنم و جنت میں تقسیم کرنا صحیح ہے، لیکن آگ بھی درحقیقت موحدین کیلئے، رحمت الٰہی کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ آگ، غرائب وہیات مظلمہ (اعراض جسمانی) کو ان سے دور کر کے، انکے انتہائی کمالات کا موجب بنتی ہے اور انھیں شفاعت کے قابل ولائق بناتی ہے، بلکہ شیخ اور انکے پیروکاروں کے نزدیک (آگ) کفار کیلئے بھی رحمت ہے۔ کیونکہ ان کی نظر میں عذاب کا لفظ ''عذب'' (یعنی مٹھاس وشیرینی) سے مشتق ہوا ہے۔[۳]

۱۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۲۳۳۔ ۲۔ ایضاً، ص ۱۴۲۔

۳۔ تقسیم الدار الآخرۃ الی الجنۃ والنار وان کان صحیحاً، الا ان النار حقیقۃ صورۃ الرحمۃ الالهیۃ لأهل التوحید فانها توجب وصولهم الی الکمالات المترقبۃ بالقاء الغرائب والهیئات المظلمۃ وتصرهم قابلین للشفاعۃ بل عند الشیخ واتباعہ للکفار ایضاً، <--

آگ کا رحمت حق کی ایک شکل ہونا

حکومت ارحم الراحمین، ایک ایسی حکومت ہے کہ جس میں ذرّہ بھر انتقام وغضب کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ اگر چہ رحمت، آگ ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو۔[۱]

جہنم گناہگاروں کا شفا خانہ

بعض اوقات شقاوت، سعادت کے منافی نہیں ہوتی، جیسا کہ دنیوی زندگی میں اہل سعادت کا بیماریوں اور بلیّات میں مبتلا ہونا بھی ایسے ہی ہے۔ (اور ان دونوں کے درمیان منافات نہیں)۔ بلکہ ''عذاب دینا'' بھی درحقیقت بدبختی اور شقاوت نہیں چونکہ جہنم، گناہگار موحدین کیلئے قطعاً ایک الٰہی دارشفا کی حیثیت رکھتا ہے کہ جوانکے نفسانی امراض اور ظلمانی کدورات سے پاک وخالص ہونے کا باعث بنتی ہے اور شیخ کے مطابق، سب اہل دوزخ کیلئے بھی ''سعادت'' ہے، چونکہ ان سب کا مرجع ''رحمت'' ہے اور رحمت نے غضب پر سبقت حاصل کرلی ہے۔[۲]

جہنم کا دارالشّفاء اور دارجزاء ہونا

برزخیں اور قیامت کے مواقف، بندوں پر خداوند کی عنایات ہیں تا کہ اس سبب سے ان کا

<-- فانّ العذاب عنده من العذب۔ تعلیقات علیٰ شرح فصوص الحکم، ص ۱۲۱۔

۱۔ حکومة ارحم الراحمین غیر مشوبة بالانتقام والسّخط وان کانت صورة الرحمة هي النار۔ تعلیقات علیٰ شرح فصوص الحکم، ص ۷۶۔

۲۔ الشّقاء في زمان لا ینافي السّعادة، کما الامر کذلك في ابتلاء اهل السّعادة في الحیوة الدّنیا بالامراض والبلیّات، بل التّعذیب لیس شقاء في الحقیقة، فانّ دار الجحیم دار الشّفاء الالهي بالنّسبة الی الحصلة من الموحّدین قطعاً، لیخلوصهم فیها عن الامراض النفسانیة والکدورت الظلمانیة، وبالنسبة الی الجمیع علی طریقه، من کون المرجع هو الرحمة، وسبق الرحمة الغضب۔
تعلیقات علیٰ شرح فصوص الحکم، ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

انجام "آگ" نہ ہو۔ لہذا انسانوں کو ہمیشہ ایک روحانی شفاخانے سے دوسرے روحانی شفاخانے میں منتقل کیا جاتا ہے اور اگر وہ ان دواؤں سے شفایاب نہ ہوں تو آخری علاج کے طور پر انھیں آگ سے داغا جاتا ہے۔ (لہذا) آگ میں داخل ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا (خدا کی پناہ)۔ البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب تصفیہ کا امکان باقی رہے ورنہ ہمیشہ آگ میں رہنا پڑے گا۔

پس آگ، گناہگار مؤمنین کیلئے لطف وعنایت اور قرب الٰہی کے جوار میں جانے کا ایک راستہ ہے اور کفار کیلئے سزا اور دردناک انجام ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ان اہل آتش کی بازگشت، آگ ہے: "ہم نے بہت سے جن وانس کو آگ کیلئے خلق کیا ہے" ۱؎

جہنم کے مراتب اور خصوصیات

جہنم اعمال

جہنم اعمال باقی سب جہنموں کی نسبت ٹھنڈا ہے۔ ۲؎

۱۔ البرازخ والمواقف في القيمة من عنايات الله تعالىٰ علىٰ العباد لئلاّ ينتهي امرهم الى النّار فلا يزال يخرجهم من مستشفى الى آخر لشفاء عللهم الروحيّة، فان لم تشف بتلك الادوية فآخر الدّواء الكيّ[۱☆]، فلابدّ من دخول النّار والعياذ بالله للتّصفية مع الامكان، والاّ فللقرار فيها.
النّار بالنسبة الىٰ أهل العصيان من المؤمنين لطف وعناية وطريق الىٰ جوار الله، وبالنسبة الى الكفّار واصحاب النّار جزاء وغاية. فهم أصحاب النّار ومأويهم النّار وهم ناريّون لهبيّون، مصيرهم النّار ﴿ولقد ذرأنا لجهنّم كثيراً من الجنّ والأنس﴾ الاية.[۲☆]. طلب وارادہ، ص۱۵۵، ۱۵۶۔

☆۱۔ آخری چارۂ کار داغنا ہے۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۷۔

☆۲۔ سورۂ اعراف، آیت/۱۷۹۔

۲۔ چہل حدیث، ص۲۳۔

تم نے اب تک جس جہنم کے بارے میں سنا ہے وہ تمہارے اعمال کا جہنم ہے جو حقیقت بن کر وہاں تمہارے سامنے حاضر ہوگا۔ خداوند متعال کا ارشاد ہے: ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً﴾ ۔[1] یعنی جو کچھ انھوں نے (دنیا میں) کیا تھا اس کو حاضر پایا۔

دنیا میں تو تم نے یتیم کا مال کھا کر لذت اٹھائی لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت میں جہنم کے اندر تم اس کو کس صورت میں دیکھو گے اور وہاں کتنی ذلت اٹھاؤ گے اور اس ذلت کی حقیقت کیا ہوگی؟ یہاں تم نے اپنے سخت وست الفاظ سے لوگوں کے دل جلائے اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت میں اس کا کیا عذاب تم پر نازل ہوگا۔ جب تم خود دیکھو گے تو تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ تم نے خود اپنے لیے کیسا عذاب تیار کرلیا ہے؟ اگر تم نے کسی کی غیبت کی ہے تو اس غیبت کی جو اخروی شکل ہے وہ تم کو دے دی جائے گی اور تم اسی صورت پر محشور کئے جاؤ گے اور اس کے عذاب کا مزہ چکھو گے۔ یہ سب اس جہنم کی بات ہے جو برے اعمال کی ہے جو نسبتاً سرد، آسان، ملائم اور گوارا ہے اور یہ ان لوگوں کیلئے ہے کہ جو اہل معصیت ہیں۔[2]

جهنم اخلاق

باطنی گندگی سعادت سے محرومی کا موجب اور جہنم اخلاق کا سرچشمہ ہے کہ جو اہل معرفت کے بقول، جہنم اعمال سے بالاتر اور زیادہ جلانے والا ہے۔[3]

اخلاق یا ملکات کا جهنم

طمع، حرص، لڑائی جھگڑا، حُبّ مال وجاہ، حبّ دنیا جیسی صفات جن اشخاص کیلئے ملکہ بن چکے ہوں تو ان کیلئے جو دوزخ ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ایسی صورتیں ہوں گی جن کا تصور بھی ہم لوگوں کا ذہن نہیں کرسکتا، حالانکہ یہ خود نفس کے باطن سے ظاہر ہوں گی اور انکے

۱۔ سورۂ کہف، آیت/۴۹۔ ۲۔ چہل حدیث، ص۲۱۔ ۳۔ آداب نماز، ص۵۷۔

عذاب سے خود اہل جہنم بھی گریزاں ہوں گے اور وحشت کریں گے۔[1]

عقائد کا جہنم

خدا نہ کرے انسان کی معصیتیں فاسد ملکات اور برے وظلمانی اخلاق پر منتج ہوں اور پھر اس کے نتیجہ میں ایمان کا خاتمہ ہوجائے اور انسان کفر کی حالت میں مرجائے۔ کافر کا جہنم اور باطل عقائد کا جہنم (پہلے) دو جہنموں سے کہیں زیادہ سخت، گرم اور تاریک تر ہے۔[2]

جہنم کے مراتب اور انسان کے مراتب

جہنم کے مراتب، خود انسان کے مراتب کی طرح لامحدود ہیں، اہل معصیت کا جو دن بھی گزرتا ہے، ان کا جہنم بدتر اور زیادہ گرم ہوتا جاتا ہے۔[3]

دنیا پر جہنم کا احاطہ

ہم صراط پر ہیں اور صراط جہنم کے درمیان میں ہے اور صراط (جہنم) انبیاءؑ اور اولیاء کیلئے ٹھنڈا ہے، جہنم کی آگ بجھی ہوئی ہے اور مؤمنین کیلئے نقصان نہیں ہے جبکہ دوسروں کیلئے محیطۃ بالکافرین ہے: ﴿وَانَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالكافِرِين﴾ ۔[4] یہ ابھی سے احاطہ رکھتی ہے نہ کہ آئندہ احاطہ کرے گی، ابھی سے محیط ہے۔ البتہ ہم ابھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔[5]

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۱۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۲۱۔ ۳۔ صحیفہ امام، ج ۲۱ ص ۴۶۔

۴۔ بتحقیق، دوزخ نے کفار کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ سورۂ توبہ، آیت ۴۹۔

۵۔ صحیفۂ امام، ج ۱۸ ص ۵۰۲۔

کفار پر جہنم کا احاطہ

ہم سب سوئے ہوئے ہیں اور حجابات میں گرفتار ہیں: ﴿النّاسُ نِیامٌ اذا ماتُوا انتَبِهُوا﴾ ۱۔ گویا جہنم نے ہم کو گھیر رکھا ہے اور طبیعت نے ہمیں سن کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہم شہود واحساس سے محروم ہو چکے ہیں: ﴿وَانَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیطَةٌ بِالکافِرِین﴾ ۔۲،۳

جہنم کی آگ اور عذاب کا شدید ہونا

اے عزیز! علوم عالیہ (یعنی عقلی علوم) میں ثابت ہو چکا ہے کہ ''شدت کے مراتب غیر متناہی ہیں''، تم چاہے جتنا تصور کرو اور تمام عقول چاہے جتنے زیادہ شدید عذاب کا تصور کرلیں، اس سے شدید تر کا امکان موجود ہے۔ اگر تم نے حکماء کی برہان نہیں دیکھی یا اہل ریاضت کے مکاشفے پر تمہارا اعتقاد نہیں، لیکن الحمدللہ مؤمن تو ہو، انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم کو سچا جانتے ہو، معتبر کتب میں منقول اخبار وروایات کو درست جانتے ہو کہ جنہیں سب علماء قبول کرتے ہیں، ائمہ معصومینؑ سے منقول دعاؤں اور مناجات کو صحیح جانتے ہو، تم نے تو مولائے متقیان امیر المؤمنین علیہ السلام کی مناجات کو دیکھا ہوا ہے، تم نے سید الساجدینؑ کی مناجات کو دعائے ابوحمزہ (ثمالی) میں دیکھا ہے، تو انکے مطالب پر تھوڑا بہت غور کرو انکے فقروں پر کچھ غور کرو، ضروری نہیں کہ تم ایک طولانی دعا کو ایک ہی دفعہ جلدی اور سرعت کے ساتھ پڑھ ڈالو اور انکے معانی پر غور وفکر نہ کرو ہم جیسے لوگ سید سجادؑ جیسی کیفیت وحالت تو پیدا نہیں کر سکتے کہ ان مفصّل دعاؤں کو خضوع وخشوع کے ساتھ پڑھ سکیں لہذا ہر رات ایک چوتھائی پڑھو یا ہر رات ایک تہائی پڑھو۔ البتہ سمجھ کر پڑھو، ہر ہر فقرے میں غور وفکر کرو شاید (اس طرح) تم بھی ''صاحب حال'' ہو جاؤ۔

۱۔ لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب مریں گے تب بیدار ہوں گے۔

شرح علی المأۃ کلمہ، کلمہ دوم، ص ۵۴؛ عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۷۳، حدیث ۴۸، از امیر المؤمنینؑ۔

۲۔ سورۂ توبہ، آیت ۴۹؛ سورۂ عنکبوت، آیت ۵۴۔ ۳۔ رہ عشق، ص ۲۷۔

اس کے علاوہ، قرآن میں بھی غور کرو اور یہ دیکھو کہ اہل جہنم سے کس کس قسم کے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ لوگ مالک سے کہیں گے کہ انہیں مار ڈالے، لیکن افسوس کہ موت نہیں آئیگی۔ غور کرو خداوند متعال (کیا) فرما رہا ہے: ﴿يٰا حَسْرَتىٰ عَلىٰ مٰا فَرَّطْتُ في جَنْبِ الله﴾ ۔۱ یہ کون سی حسرت ہے؟ جس کو خدا اپنے اس عظمت کے ساتھ اس تعبیر کے ساتھ ذکر کر رہا ہے۔ اس میں غور کرنا چاہیئے، تدبّر کے بغیر اس سے نہیں گزرنا چاہیئے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَومَ تَرَوْنَهٰا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمّٰا أرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ حَمْلٍ حَمْلَهٰا وَتَرَى النّٰاسَ سُكٰارىٰ وَمٰا هُم بِسُكٰارىٰ وَلٰكِنَّ عَذابَ اللهِ شَدِيد﴾ ۔۲

(خداوند روز قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: جس دن تم اسے دیکھ لوگے ہر دودھ پلانے والی (ڈر کے مارے) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور ساری حاملہ عورتیں (دہشت سے) اپنے اپنے حمل گرادیں گی اور (گھبراہٹ میں) لوگ تجھے مست نظر آئیں گے حالانکہ وہ مست نہیں ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے (کہ جس سے لوگ بدحواس ہوجائیں گے)۔

اے میرے عزیز! ذرا سوچو! قرآن مجید، نعوذ باللہ، کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے۔ تم سے مذاق نہیں کر رہا۔ دیکھو تو سہی وہ کیا کہہ رہا ہے؟ آخر یہ کس قسم کا عذاب ہے جو عزیز رشتہ داروں کو بھلا دیتا ہے، جس سے حاملہ عورتوں کا حمل سقط ہوجاتا ہے؟ آخر یہ کیسا عذاب ہے، جس کو خداوند تعالیٰ نے عظمت اور شدت کے ساتھ متصف کیا ہے۔ خدا جس کی عظمت کی حد نہیں اور جس کی عزت و سلطنت کی کوئی انتہا نہیں اگر کسی چیز کو شدت اور عظمت کے ساتھ متصف کردے تو پھر وہ چیز کیا ہوگی؟ خدا ہی جانتا ہے، ہم جیسے لوگوں کی عقل اور تمام انسانوں کی فکر اس کے تصور سے بھی عاجز ہے۔ اگر آپ اہل بیت اطہارؑ سے منقول اخبار و روایات کا مطالعہ کریں اور ان میں

۱۔ سورۂ زمر، آیت/۵۶۔ ۲۔ سورۂ حج، آیت/۲۔

غور وفکر کریں تو آپ جان لیں گے کہ اس عالم کا عذاب، اس دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ شدید ہے۔اس کا قیاس اس دنیا کے عذاب سے کرنا غلط اور باطل ہے۔

میں تمہارے لیے شیخ جلیل القدر صدوق الطائفہؒ سے ایک حدیث نقل کرتا ہوں تا کہ تم جان لو کہ حقیقت کیا ہے؟ اور مصیبت کتنی عظیم ہے؟ حالانکہ یہ حدیث دوزخ اعمال سے متعلق ہے جو تمام جہنموں کی نسبت سرد ہے۔شیخ صدوقؒ کہ جن سے یہ حدیث منقول ہے، وہ بزرگوار ہیں، جن کے سامنے تمام علمائے اعلام اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے ہیں اور ان کی جلالت قدر کے قائل ہیں۔یہ وہ بزرگوار ہیں کہ جو امامؑ کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں۔یہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن پر امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کا لطف وکرم رہا ہے اور راقم الحروف بزرگ علمائے امامیہ کے طریقے سے کہ جو شیخ صدوقؒ سے متصل ہیں، یہ حدیث نقل کرتا ہے اور ہمارے اور شیخؒ کے درمیان جتنے بھی مشائخ (واسطہ) ہیں وہ سب کے سب بزرگان میں سے اور اصحاب ثقات میں سے ہیں۔پس اگر آپ اہل ایمان ہیں تو اس حدیث پر اعتقاد رکھیں۔

رَوَى الصَّدوق بِاسنادِهِ عَن مَولينَا الصَّادِقِ عليه السلام، قالَ:

﴿بَينا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله، ذاتَ يَومٍ قاعِداً اذ أتاهُ جَبرَئِيلُ عليه السلام، وَهُوَ كَئِيبٌ حَزِينٌ مُتَغَيِّرُ اللَّونِ، فَقالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله، يا جَبرَئِيلُ مالي أراكَ كَئِيباً حَزِيناً؟ فَقالَ: يا مُحَمَّدُ، فَكَيفَ لاأكُونُ كَذلِكَ وَانَّما وُضِعَت مَنافِيخُ جَهَنَّمَ اليَومَ. فَقالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله: وَما مَنافِيخُ جَهَنَّمَ يا جَبرَئِيلُ؟ فَقالَ: انَّ اللهَ تَعالىٰ أمَرَ بِالنّارِ فَأوقِدَ عَلَيها ألفَ عامٍ حَتّى احمَرَّت: ثُمَّ أمَرَ بِها فَأوقِدَ عَلَيها ألفَ عامٍ حَتّىٰ ابيَضَّت، ثُمَّ أمَرَ بِها فَأوقِدَ عَلَيها ألفَ عامٍ حَتّى اسوَدَّت، وَهِيَ سَوداءُ مُظلِمَةٌ. فَلَو أنَّ حَلقَةً مِنَ السِّلسِلَةِ الَّتي طُولُها سَبعُونَ ذِراعاً وُضِعَت عَلَى الدُّنيا، لَذابَتِ الدُّنيا مِن حَرِّها؛ وَلَو أنَّ قَطرَةً مِنَ الزقُّومِ وَالضَّرِيعِ قَطَرَت في شَرابِ أهلِ الدُّنيا، ماتَ أهلُ الدُّنيا مِن نَتنِها. قالَ: فَبَكىٰ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله، وَبَكىٰ جَبرَئِيل: فَبَعَثَ اللهُ اليهِما مَلَكاً، فَقالَ: انَّ رَبَّكُما يَقرَأُكُما السَّلامَ وَيَقُولُ: انّي

أَمِنْتُكُمَا مِنْ أَنْ تُذْنِبَا ذَنْباً أُعَذِّبُكُمَا عَلَيْهِ ﴾[۱] انتھی۔

اس حدیث شریف کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن رسول خداؐ تشریف فرماتھے کہ جبرئیل امین افسردہ ومحزون حالت میں نازل ہوئے انکے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔رسول خداؐ نے پوچھا: جبرئیل! میں تم کومحزون وافسردہ دیکھ رہا ہوں؟ جبرئیل نے عرض کی: اے محمدؐ! میں کیوں افسردہ نہ ہوں؟ جبکہ میں نے دیکھا ہے کہ منافیخ جہنم کو آج بھڑکایا گیا ہے۔رسول خداؐ نے پوچھا: منافیخ جہنم کیا ہے؟ جبرئیل نے عرض کی: اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے کہ جہنم کو ہزار سال تک دہکایا جائے یہاں تک کہ وہ سرخ ہوجائے۔اس کے بعد پھر اس کے دہکانے کا حکم ہوااور وہ ہزار سال تک دہکتا رہا یہاں تک کہ آگ سفید ہوگئی۔اس کے بعد پھر اس کو دہکانے کا حکم ہوااور وہ ہزار سال تک دہکتا رہا یہاں تک کہ سیاہ ہوگیا یعنی بالکل سیاہ وتاریک۔ اب اگر اس زنجیر کی ایک کڑی جس کا طول ستر ذراع ہے، دنیا پر گر جائے تو اس کی گرمی سے پوری دنیا پگھل جائے اور اگر اس کے زقوم (ایک درخت) یا ضریع (ایک نہایت کڑوی گرم شئے جو اہل جہنم کی غذا ہوگی) کا ایک قطرہ اہل دنیا کے تمام پانی میں ٹپک پڑے تو اس کی بدبو سے پوری دنیا کے لوگ مرجائیں۔(یہ سن کر) رسول خداؐ رونے لگے اور جبرئیل بھی گریہ کرنے لگے۔اس وقت خداوند نے ایک فرشتے کو بھیجا اور اس نے آکر کہا: ''تمہارا خدا تم کو سلام کہہ رہا ہے اور کہا ہے کہ میں نے تم دونوں کو اس بات کی امان دے دی کہ تم کوئی گناہ ہی نہ کرو تا کہ تمہیں اس پر عذاب نازل کروں''۔

اے عزیز! اس حدیث جیسی بہت سی حدیثیں ہیں اور جہنم کا وجود اور اس کا دردناک عذاب دنیا کے تمام ادیان کے نزدیک بدیہیات میں سے ہے اور اس کے براہین واضح ہیں (بلکہ) اس

۱۔علم الیقین، ص۱۰۳۲، مقصد۴، باب۱۵، فصل۱۔

کی حقیقت اسی دنیا میں صاحب کشف افراد اور ارباب دل پر ظاہر ہو چکی ہے۔اس کمر شکن حدیث کے مطالب پر غور وفکر کرو۔اگر اس کے صحیح ہونے کا احتمال بھی ہو تو کیا ہمیں دیوانوں کی طرح جنگل و بیابان کی طرف نکل جانا چاہیئے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اس قدر غفلت و جہالت میں پڑے ہوئے ہیں؟ کیا رسول خداؐ اور جبرئیلؑ کی طرح ہم پر بھی کوئی فرشتہ نازل ہوا ہے اور اس نے ہمیں عذاب سے امان دے دی ہے؟ اس کے باوجود کیا رسول خداؐ اور اولیائے الٰہی تمام عمر خوف خدا سے تڑپتے نہیں رہے؟ ان کا کھانا پینا، سونا، جاگنا سب چھوٹ نہیں گیا تھا؟ ولی خدا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، خوف خدا سے غش کھا جاتے تھے۔امام معصومؑ کی گریہ وزاری اور مناجات دل کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔آخر ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم محضر ربوبیت میں حیا نہیں کرتے اور اس کے محرمات وقوانین کی بے حرمتی کرتے ہیں؟ وائے ہو ہمارے اوپر اور ہماری غفلت کے اوپر۔وائے ہو ہمارے پر اور سکرات موت کی شدت پر۔وائے ہو ہمارے اوپر جب ہم دوزخ میں اس کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور قیامت میں اس کی تاریکیوں میں مبتلا ہوں گے۔وائے ہو ہمارے اس حال پر (کہ جب ہم) جہنم اور اس کے عذاب وعقاب میں ہوں گے۔[1]

جہنم کی آگ وعذاب کی شدت

اعمال کی آگ کو جو جہنم اعمال سے ہے جو ظاہر ہے باطن میں جاتی ہے اور انسان اس باطنی وظاہری آگ کے درمیان ایسے دباؤ میں ہوگا جس کو دنیا کے پہاڑ ایک لحظہ کیلئے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔[2]

انسان کو اس ہولناک دن کوئی بھی چیز عذاب سے نہیں بچا سکتی، اگر چہ وہ اس دنیا میں جو کچھ

۱۔ چہل حدیث، ص۲۱، ۲۴۔

۲۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص۲۷۔۳۔

بھی رکھتا ہے خواہ بیوی ہو یا بچے سب کو قربان کردے۔ تحقیق، جہنم کی آگ بھڑک رہی ہے اور وہ دائماً اپنے شعلوں کے ساتھ گوشت و پوست، رگوں اور پٹھوں کو ہڈیوں سے جدا کر رہی ہے۔ وہ شعلے، ان لوگوں کو اپنی جانب بلا رہے ہیں کہ جو حق سے روگردانی کرتے ہیں اور مال و منال جمع کر رہے ہیں۔[۱]

دنیا و آخرت کی آگ کے اختلاف کا سبب

آتش آخرت کی شدت حرارت اور سختی کا ہم اس دنیا میں ادراک نہیں کر سکتے۔ چونکہ عذاب کی شدت وضعف کے اختلاف کا سبب ایک تو خود ادراک کی قوت وضعف ہے، چونکہ مُدرِک جتنا قوی ہوگا اور ادراک جتنا کامل اور خالص ہوگا اتنا ہی درد والم کا ادراک زیادہ ہوگا۔

دوسرا اختلاف مواد کا ہے کہ جس سے حس قائم ہوتی ہے حرارت کو قبول کرنے میں۔ چونکہ حرارت کو قبول کرنے میں مادوں میں اختلاف ہوتا ہے، مثلاً جستہ اور سیسہ کے مقابلے میں سونا اور لوہا حرات کو زیادہ قبول کرتے ہیں اور یہ دونوں لکڑی اور کوئلے کے مقابلے میں حرارت کو زیادہ جذب کرتے ہیں اور یہ دونوں گوشت و پوست کے مقابلے میں حرارت کو قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔

ایک اور سبب اختلاف محل قابل کے ساتھ قوۂ ادراک کا شدید ارتباط ہے۔ مثلاً انسانی دماغ جو ہڈیوں وغیرہ کے مقابلہ میں حرارت کو کم قبول کرتا ہے مگر اس پر حرارت کا اثر اس لیے کہیں زیادہ ہوتا ہے کہ اس کی قوت حس بہت تیز ہوتی ہے۔

ایک اور سبب خود حرارت کا کم اور زیادہ ہونا ہے۔ مثلاً اگر حرارت ۱۰۰ درجہ (سینٹی گریڈ) پر ہو تو زیادہ شدید اور جلانے والی ہوگی جبکہ ۵۰ درجہ کی حرارت کم جلانے والی ہوگی۔

ایک اور سبب حرارت پیدا کرنے والے مادے اور اس کو قبول کرنے والے مادے کے

۱۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۲۲۶۔

درمیان ربط کا اختلاف ہے۔مثلاً آگ ہاتھ کے قریب رکھی جائے یا ہاتھ کے اوپر رکھی جائے تو دونوں کے جلانے میں فرق ہوگا۔

یہ پانچ اسباب جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس دنیائے فانی میں بہت ہی زیادہ ناقص ہیں عالم آخرت میں اپنی پوری قوت اور کمال پر ہوں گے۔دنیا میں ہمارے تمام ادراکات اور احساسات ناقص وضعیف اور بے شمار پردوں میں چھپے ہوئے ہیں کہ جن کا ذکر کرنا یہاں مناسب نہیں اور بحث کے طول ہونے کا بھی موجب ہے۔آج ہماری آنکھیں بہشت، جہنم اور فرشتوں کونہیں دیکھ سکتیں، ہمارے کان برزخ واہل برزخ اور قیامت واہل قیامت کی عجیب وغریب آوازوں کونہیں سن سکتے، ہم وہاں کی حرارت کا احساس نہیں کر سکتے۔یہ خود ان کا اپنا نقص ہے۔اہل بیت اطہارؑ سے منقول روایات واخبار ان مطالب سے صراحتاً واشارتاً بھرے پڑے ہیں۔

لیکن انسان کا بدن اس دنیا کی آگ کو قبول نہیں کر سکتا۔اگر اس دنیا کی آگ میں جو (آخرت کی آگ کے مقابلہ میں بہت ہی) سرد ہے، (انسانی بدن) ایک گھنٹہ بھی رہے تو جل کر خاکستر بن جائے۔لیکن خداوند متعال وقادر اسی بدن کو قیامت میں اس طرح خلق کرے گا کہ آتش جہنم میں ہمیشہ باقی رہے گا اور کبھی بھی نہیں پگھلے گا اور نہ ختم ہوگا (وہ بھی وہ آتش جہنم) کہ جو بقول جبرئیلؑ اگر اہل جہنم کی ستر ہاتھ زنجیر میں سے صرف ایک کڑی اس دنیا میں لائی جائے تو اس کی شدت حرارت سے دنیا کے تمام پہاڑ پگھل جائیں [1]۔ قیامت میں انسانی بدن کی صلاحیت اس دنیا کی نسبت قابل قیاس نہیں۔

دنیا میں جسم وروح کا جو رابطہ ہے وہ بہت ہی ضعیف اور ناقص ہے۔اس عالم میں اس کی گنجائش ہی نہیں کہ روح اس میں اپنی قوتوں کا مظاہرہ کر سکے۔البتہ عالم آخرت، روح کے ظہور کا

۱۔﴿... لَو أنَّ ذِراعاً مِنَ السِّلسِلَةِ الَّتي ذَكَرَها اللهُ تعالىٰ في كتابِهِ وُضِعَ عَلىٰ جَميعِ جِبالِ الدُّنيا لَذابَتْ عَنْ آخِرِها﴾ بحار الانوار، ج ۸ ص ۳۰۵، کتاب العدل والمعاد، باب النار، حدیث ۶۴؛ تفسیر برہان، ج ۴ ص ۳۷۹ تفسیر آیہ ۳۲ سورۃ الحاقہ۔

مقام ہے۔ وہاں روح کا جسم کے ساتھ فاعلیت اور خلاقیت کا رشتہ ہوگا اور یہ رشتہ اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہے گا۔[1] اس لیے یہ ارتباط کی آخری شکل اور مکمل ترین درجہ ہے۔

رہی بات اس دنیا کی آگ کی تو وہ ایک افسردہ اور ٹھنڈی آگ ہے۔ اور عارضی چیز ہے جس میں خارجی اور غیر خالص چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ لیکن جہنم کی آگ خالص ہے اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہیں ہے۔ وہ قائم بالذات جوہر ہے، حی اور مرید ہے، وہ باشعور (آگ) ہے۔ اہل جہنم کو جلائے گی اور جتنا اس کو حکم دیا گیا ہے اسی کے مطابق جہنمیوں کو عذاب دے گی۔ آپ نے جبرئیل امین جیسے صادق و مصدق (فرشتے) کا قول جہنم کے بارے میں پڑھ لیا ہے۔ قرآن اور انبیاء کے فرمودات جہنم کے اوصاف سے پر ہیں۔

البتہ آتش جہنم کے انسانی جسم پر اثر انداز ہونے کی اس دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس دنیا کی تمام آگ اگر کسی انسان کو گھیر لے تب بھی وہ صرف ظاہری سطح ہی کا احاطہ کرسکتی ہے۔ لیکن آتش جہنم کا احاطہ اتنا وسیع ہے کہ وہ اپنے تمام متعلقات سمیت انسان کے ظاہر و باطن اور اس کے تمام حواس کو گھیر لے گی۔ یہ وہ آگ ہے جو دل و روح اور قویٰ کو بھی جلا دے گی اور پھر ان میں ایک ایسا اتحاد پیدا ہو جائے گا جس کی اس دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں موجبات عذاب کسی بھی طرح فراہم نہیں۔ نہ یہاں کا مادہ حرارت کا پورا اثر قبول کرسکنے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ یہاں کی حرارت پوری طرح کسی پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے اور نہ ہی اس کا مکمل ادراک ہوسکتا ہے وہ آگ جس کے سانس لینے سے پورا جہنم جل جائے، ہم نہ اس کا ادراک کرسکتے اور نہ ہی تصور کرسکتے ہیں۔[2]

۱۔ اسفار، ج ۸ ص ۱۳۷، ۱۴۳، ۱۵۴، ۱۵۵ السفر الرابع، باب سوم فصل ۱۱، ۱۵۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۸۷، ۸۹۔

دنیوی آگ کا باطن وقلب کو نہ جلانا

ہم نے غضب الٰہی کی آگ کے بارے میں سن تو رکھا ہے لیکن ایسا ممکن نہیں کہ اس کی حقیقت کو جیسی کہ وہ ہے ہمارے لیے بیان کیا جاسکے۔ دنیا میں اتنی ہمت نہیں اور عالم طبیعت کی کوئی ایسی ڈکشنری نہیں کہ جس میں عالم غیب اور ماورائے طبیعت کے حقائق اپنی اصلی صورت میں بیان کئے جاسکیں۔ ہم جو کچھ بھی سعادت اور شقاوت کے بارے میں سنتے ہیں تو اسی دنیا اور اپنی مأنوس وعادی چیزوں کے ساتھ موازنہ کر کے سمجھتے ہیں۔ جبکہ عالم ملکوت وآخرت، دنیوی معیاروں اور میزانوں پر پورے نہیں اترتے۔

ہم نے اب تک جو بھی آگ دیکھی ہے وہ بدن سے مس ہونے والی ہے وہ بھی سطح بدن سے مس ہونے والی آگ ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں دیکھی۔ دنیا کی تمام تر آگ اگر اکٹھی کی جائے تو بھی وہ قلب انسان کو نہیں جلاسکتی چونکہ قلب، ملکوت کے مراتب میں سے ہے اور دنیوی آگ اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ ملکی (دنیوی) آگ دنیوی وملکی بدن کی حد سے خارج نہیں ہوتی۔ یہ ملکوتی والٰہی آگ ہے کہ جو ظاہر وباطن اور روح وقلب اور دل وبدن کو جلا کر رکھ دیتی ہے یہ قلب کے باطن سے ظاہر ہوتی ہے اور ظاہر سے حواس تک جا پہنچتی ہے۔[۱]

انسان کا دو جھنموں کی درمیان ھونا

غضب کی صورت اس عالم (طبیعت) میں وہی ہے جو اس عالم (آخرت) میں غضب الٰہی کی آگ کی صورت ہوگی اور جس طرح غصہ دل سے ظاہر ہوتا ہے ہوسکتا ہے آتش غضب الٰہی کہ جس کا مبدأ غصہ اور دوسری قلبی برائیاں ہیں (بھی) باطن قلب سے ظاہر ہو کر تمام ظاہر کو گھیر لے اور انسان کے حواس خمسہ ظاہری، آنکھ، کان، زبان وغیرہ سے دردناک شعلے بلند ہونے لگیں۔ بلکہ (شاید) یہ حواس خمسہ، وہ دروازے ہوں جو جہنم میں کھلتے ہوں۔ انسانی اعمال کے جہنم اور

۱۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۲۴۹۔

جسمانی دوزخ کی آگ انسان کے ظاہری بدن کو اپنی لپیٹ میں لے کر پھر اس کے باطن کا رخ کرتی ہے۔ پس انسان ان دونوں جہنموں کے درمیان فشار وعذاب میں گرفتار ہے۔ ایک جہنم تو وہ ہے جو قلب کے اندر سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کی آگ اور شعلے ام الدماغ کے راستے سے، پورے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور دوسرا جہنم قبیح اعمال وافعال کی ظاہری شکل وصورت کا نتیجہ ہوگا۔ یہ ظاہر باطن کی طرف صعود کرے گا۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انسان کو جلنے اور جل کر پگھلنے کے علاوہ اور کیسی کیسی سختیوں اور عذابوں کا سامنا ہوگا۔ تم خیال کرتے ہوگے کہ جہنم (کے شعلوں) کا احاطہ اتنا ہی ہے کہ جتنا تم عموماً تصور کرتے ہو؟ دنیا کی آگ کے شعلے تو صرف ظاہر اور سطح بدن کا احاطہ کرتے ہیں۔ لیکن جہنم کے شعلے اندر، باہر، سطح وعمق کا احاطہ کر لیتے ہیں۔[۱]

دلوں کو جلانے والی آگ

اپنی کتاب میں خداوندمتعال آیہ شریفہ: ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ ☆ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾[۲] میں اسی آگ کے بارے میں خبر دے رہا ہے جو "الٰہی آگ" ہے اور دلوں پر مسلط ہو جاتی ہے اور قلوب کو جلا ڈالتی ہے "آتش الٰہی" کے سواء کوئی بھی آگ، قلب کو نہیں جلاتی۔[۳]

انسان کی روح اور باطن کو جلانے والی آگ

آپ نے دوزخ کی آگ اور قبر وقیامت کے عذاب کے بارے میں جو کچھ سنا ہے اور اسے

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۳۶، ۱۳۷۔

۲۔ خداوند کی بھڑکائی ہوئی آگ کہ جو دلوں پر مسلط ہو جائے گی۔ سورۂ ہمزہ، آیت ۶/ ۷۔

۳۔ چہل حدیث، ص ۳۹۔

دنیوی آگ اور عذاب دنیا پر قیاس کیا ہے تو یہ آپ کا قیاس درست نہیں اور آپ غلط سمجھے ہیں۔ دنیا کی آگ ایک عرضی و سرد چیز ہے۔ اس کا عذاب بہت ہی ہلکا اور کم ہے، اس میں آپ کا ادراک ناقص اور کوتاہ ہے۔ اس کی تمام تر آگ اکٹھی کر لی جائے تو بھی وہ انسانی روح کو نہیں جلا سکتی۔ جبکہ آخرت کی آگ جسم کو جلانے کے علاوہ، روح کو بھی جلا دیتی ہے اور دل کو پگھلا ڈالتی ہے، قلب وفؤاد کو جلا ڈالتی ہے۔[1]

آتش جهنم کا احاطه، حق کا قیومی احاطه هے

انسان پر نار جہنم کا احاطہ، اس احاطہ وگھیراؤ کی مانند نہیں جو دنیا میں نظر آتے ہیں، چونکہ یہاں کے احاطے، سطحی ہیں، یعنی ایک سطح کا دوسری سطح پر احاطہ ہے، لیکن باطن کا باطن سے کوئی ربط نہیں۔ نار الٰہی ظاہر و باطن اور گہرائی و سطح پر احاطہ رکھتی ہے اور یہ احاطہ، احاطہ قیومی کا ظہور ہے کہ جو تمام وجودات پر یکساں قسم کا احاطہ ہے۔

خدائی آگ جس طرح جسم کے ظاہر و باطن کو جلاتی ہے اسی طرح قلب کو بھی جلاتی ہے اور ایسی آگ کا تصور دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی تمام تر آگ ظاہری حد سے آگے نہیں بڑھتی اور انسان کے باطن تک نہیں پہنچتی، لیکن آخرت کی آگ باطن کو زیادہ سخت جلاتی ہے اور ظاہر کی نسبت، باطن پر زیادہ احاطہ رکھتی ہے۔[2]

جهنم کے مختلف عذاب

جہنم کا عذاب فقط آگ ہی نہیں (بلکہ) اس کا ایک ہولناک دروازہ تمہاری آنکھوں کی طرف کھلتا ہے۔ اگر اسے دنیا کی طرف کھولا جائے تو اس کے تمام بسنے والے وحشت سے ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح ایک دروازہ تمہارے کان کی طرف کھلتا ہے اور ایک تمہارے ناک کی

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۰، ۲۱۔ ۲۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۲۶۶، ۲۶۷۔

طرف۔ ان میں ہر ایک اگر دنیا کے رہنے والوں پر کھلے تو اس کی شدت سے سب ہلاک ہو جائیں۔

علمائے آخرت میں سے ایک کا کہنا ہے کہ جس طرح جہنم کی حرارت بہت زیادہ شدید ہے اسی طرح اس کی سردی بھی انتہائی شدید ہے۔ خداوند متعال، سرما اور گرما میں جمع کرنے پر قادر ہے۔ ۱، ۲

سقـــر

عَنْ ابنِ بُكَير، عَنْ أبي عَبْدِاللهِ ؑ، قَالَ: ﴿اِنَّ في جَهَنَّمَ لَوادِياً لِلْمُتَكَبِّرِينَ يُقالُ لَهُ "سَقَر": شَكىٰ الَى اللهِ، عَزَّوَجَلَّ، شِدَّةَ حَرِّهِ وَسَأَلَهُ أنْ يَأذَنَ لَهُ أنْ يَتَنَفَّسَ: فَتَنَفَّسَ فَأَحْرَقَ جَهَنَّمَ﴾۔ ۳

یہ حدیث انتہائی معتبر ہے بلکہ ''صحیح حدیث'' کی مانند ہے۔ ابن بکیر حضرت امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بتحقیق، جہنم میں متکبرین کیلئے ایک وادی ہے جس کو ''سقر'' کہتے ہیں۔ اس نے خداوند متعال سے اپنی شدت حرارت کے بارے میں شکایت کی اور خدا سے ایک سانس لینے کی اجازت چاہی۔ پس اس نے سانس لی، جس سے اس نے جہنم کو جلا ڈالا۔ خدا کی پناہ مانگتے اس جگہ سے کہ جو خود عذاب ہونے کے باوجود اپنی حرارت کے بارے میں شکایت کر رہی ہے اور جہنم اس کی ایک سانس سے جل رہی ہے۔ ۴

مالک جهنم کی ہیبت

حدیث میں منقول ہے کہ رسول اکرمؐ کی امت میں سے ایک گروہ کو جب جہنم میں داخل کیا

۱۔ فتوحات مکیہ، ج ۴ص ۳۶۷، فصل ۱باب ۶۱۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۹۵۔

۳۔ اصول کافی، ج ۲ص ۳۱۰ کتاب الایمان والکفر، باب الکبر، حدیث ۱۰۔ ۴۔ چہل حدیث، ص ۸۷۔

جائے گا تو وہ لوگ مالک جہنم کی ہیبت کی وجہ سے، پیغمبر اکرمؐ کا اسم مبارک بھول جائیں گے۔ اسی حدیث میں ہے: اس کے باوجود کہ وہ لوگ اہل ایمان ہوں گے اور انکے دل اور ان کی صورتیں، نور ایمان سے درخشان و نورانی ہوں گی۔[۱،۲]

اہل جہنم کی نشانیاں

جہنمی ہونے کی علامت یہ ہے کہ جو دل صحف تکوین و تدوین کی آیات کریمہ میں تدبّر و تفقہ کیلئے خلق ہوا ہے اور جو آنکھ اور کان حقائق الٰہیہ کو سننے اور دیکھنے کیلئے عطا ہوئے ہیں، وہ ان میں استعمال نہ ہوں اور حیوانیت کے افق سے آگے نہ بڑھیں اور مقام انسانیت کہ جس کا کمترین درجہ، تدبیرات عقلیہ کا مقام ہے، تک نہ پہنچیں تو ایسا انسان درحقیقت حیوان بلکہ تمام حیوانات سے زیادہ گمراہ ہے۔ اگرچہ وہ دنیوی و ملکی صورت میں انسان ہی نظر آتا ہے۔[۳]

اہل جہنم کے اوصاف

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِنَ الْجِنِّ وَالْأِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔[۴]

۱۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۴۲، المقصد الرابع، باب ۱۵، فصل ۳۔

۲۔ آداب نماز، ص ۱۸۔ ۳۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۲۸۷۔

۴۔ بتحقیق ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کیلئے خلق کیا ہے، وہ قلب رکھتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے، وہ آنکھیں رکھتے ہیں لیکن نہیں دیکھتے، وہ کان رکھتے ہیں لیکن نہیں سنتے۔ یہی لوگ چوپایوں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی پست تر ہیں۔ یہ لوگ غافل اور بے خبر ہیں۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۷۹/۔

آپ دیکھیں کہ جو لوگ جہنم کیلئے خلق ہوئے ہیں، کہیں ان کی نشانیاں آپ میں تو نہیں ہیں؟

جو دل تدبّر و تفقّہ کے نور اور ظواہر دنیا کو انکے باطن کی طرف پلٹانے سے محروم ہو اس میں اور اس گوشت کے ٹکڑے میں کوئی فرق نہیں کہ جس سے ایک حیوان کا دل بنا ہوا ہے۔ جو آنکھ اس عالم (طبیعت) کی (ظاہری) صورت کے سوا اور کچھ نہ دیکھے اور عبرت و حکمت کے لحاظ سے اندھی ہو اور جو کان عالم (طبیعت) کی آوازوں کے سوا اور کچھ نہ سنے اور مواعظ الٰہیہ سے گریزپا ہو اور حکم ونصائح کو قبول نہ کرے، ان میں اور حیوانات کی آنکھوں اور کانوں میں کوئی فرق نہیں۔ جو لوگ یہ تین عظیم انسانی خصوصیات نہیں رکھتے، وہ انسانی صورت میں حیوانات اور چوپائے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ پست و گمراہ ہیں۔[۱]

اھل جھنم کا نزاع

جہنم میں نزاع اور کینہ ہوگا۔ اہل جہنم (آپس میں) لڑائی جھگڑا اور نزاع کریں گے۔ ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھائیں گے۔ اگر آپ دنیا کی خاطر لڑ رہے ہیں تو جان لیں کہ آپ اپنے لیے جہنم تیار کر رہے ہیں اور جہنم کی طرف جا رہے ہیں، اخروی امور میں تو جھگڑا نہیں ہوتا۔[۲]

خصومت کا جھنم کے مصائب میں سے ھونا

''خصام اہل النار'' ایک بڑا عذاب کہ جس میں اہل جہنم گرفتار ہوں گے باہمی لڑائی سے عبارت ہے۔ وہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر کتوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں۔[۳]

۱۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔

۲۔ جہاد اکبر، ص ۳۱۔ ۳۔ صحیفۂ امام، ج ۱۶ ص ۱۴۰۔

اهل آتش کا باهمی تخاصم اور مجادله

خدا نہ کرے کہ ایک عالم اور صاحب مکاشفہ کی یہ بات درست ہو، وہ کہتے ہیں: مکاشفات کے دوران مجھ پر کشف ہوا ہے اہل نار کا تخاصم (باہمی لڑائی جھگڑا) کہ جس کے بارے میں خداوند نے خبر دی ہے، یہی اہل علم وحدیث کا مجادلہ ہے۔ [1]

خلود (همیشگی)

آگ میں خلود

ارحم الراحمین کی حکومت، وہ حکومت ہے کہ جس میں ذرّہ بھر بھی انتقام وخشم نہیں ہوتا۔ اگر چہ آگ، رحمت کی ایک صورت ہے۔ پس (جان لینا چاہیئے) آگ میں ہمیشہ رہنا بھی اس بات کے منافی نہیں ہے کہ آگ میں ہمیشہ رہنے والے آگ سے لذت اٹھائیں گے اور یہ بات شیخ اور انکے پیروافراد کے موقف کے مطابق درست ہے جو عذاب کے دائمی نہ ہونے کے قائل ہیں۔ اگر چہ آگ میں ہمیشہ رہنا ضروریات ومسلّمات میں سے ہے۔ [2]

عالم طبیعت کی همیشگی کا آگ میں همیشگی کی صورت میں ظاهر هونا

جو شخص دینا میں ہمیشہ رہنا چاہتا ہے اس کی اس خواہش کا باطن دوسرے عالم میں ظاہر ہوتا

۱۔ چہل حدیث، ص۲۵، ۲۶۔

۲۔ حکومت ارحم الراحمین حکومة غیر مشوبة بالأنتقام والسّخط وان کانت صور الرحمة هي النّار، فانّ الخلود في النّار لا ینافی التذاذ أهلها بها، بناءً علیٰ مذهب من یریٰ عدم الخلود في الیم العذاب کالشیخ ومن تبعه [☆۱] وان کان الخلود في النّار من الضروریات۔

تعلیقات علیٰ شرح فصوص الحکم، ص۷۶۔

☆۱۔ یہاں محی الدین عربی اور انکے پیروکار مراد ہیں۔

ہے اور وہ ہے عذاب جہنم کا خلود۔[۱]

ہمیشگی کے اسباب

نور فطرت کا خاتمہ

جہنم میں ہمیشہ رہنا، نور فطرت کے ختم ہو جانے کے تابع ہے اور یہ چیز ﴿اخلادِ الی الأرض﴾[۲] سے مطلقاً حاصل ہو جاتی ہے۔[۳]

فطرت توحید کا نابود ہو جانا

اگر فطرت توحید کہ جو فطرۃ اللہ ہے، (انسان کے) ہاتھ سے نکل جائے تو اس کی جگہ شرک اور کفر لے لیتا ہے اور پھر شافعین کی شفاعت انسان کو نصیب نہیں ہوتی اور انسان ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے۔[۴]

ایمان کو زائل کرنے والے ملکات

کبھی کبھی یہ ملکات انسان کے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا سبب بن جاتے ہیں کیونکہ انسان سے اس کا ایمان چھین لیتے ہیں۔ مثلاً حسد کہ جس کے بارے میں ہماری صحیح روایات میں ہے کہ حسد ایمان کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔[۵] اسی طرح، دنیا

۱۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۵۵۔

۲۔ یہ تعبیر، سورۂ اعراف کی آیت ۱۷۶ سے لی گئی ہے: ﴿وَلٰکِنَّهُ أَخْلَدَ اِلَى الأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاه﴾۔ لیکن وہ زمین پر ہا اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگا رہا۔

۳۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۶۵۔ ۴۔ چہل حدیث، ص ۳۹۔

۵۔ عن ابی عبداللہ قال: ﴿انّ الحَسَدَ يَأكُلُ الايمانَ كَما تَأكُلُ النّارُ الحَطَبَ﴾۔
اصول کافی، ج ۲ ص ۳۰۶ کتاب الایمان والکفر، باب الحسد، حدیث ۲۔

ومال اور مقام وشرف کی محبت۔ جیسا کہ ہماری صحیح روایات میں ہے کہ اگر دو بھیڑیے کسی ایسے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں کہ جن کا کوئی چرواہا نہ ہو اور ان میں سے ایک ریوڑ کے آگے سے اور دوسرا پیچھے سے حملہ کرے تو وہ اس ریوڑ کو اتنی جلدی ہلاک نہیں کر سکیں گے جتنی جلدی، دنیوی مقام ومنزلت اور دنیا کی محبت مؤمن کے دین کو خراب کرے گی۔[۱]

خودپسندی اور فضل حق سے بے نیازی

خودپسند شخص کو یہ جان لینا چاہیئے کہ خودپسندی دوسری برائیوں کی جڑ ہے اور یہ ایسے امور کو جنم دیتی ہے جن میں سے ہر ایک بذات خود ابدی ہلاکت اور خلود فی النّار کا سبب ہے۔ جب اس کی دنیوی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور برزخ وقیامت کا سورج طلوع ہوگا تو وہ دیکھے گا کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کا حال بھی اس سے بہتر ہے اور گناہان کبیرہ کرنے والوں کو بھی رحیم آخرت نے اپنے دریائے رحمت میں مستغرق کر رکھا ہے (اور یہ سب) یا تو ان کی ندامت وپشیمانی کی بنا پر یا اس اعتماد وبھروسہ کی وجہ سے جو ان کو اپنے پروردگار کے فضل وکرم پر تھا۔ لیکن یہ چونکہ اپنی ذاتی حیثیت کا قائل تھا اور باطن میں اپنے آپ کو خدا کے فضل وکرم سے بے نیاز سمجھتا تھا اس لیے خدا نے اس کے ساتھ حساب میں سختی کی اور اس کو اس کی خواہش کے مطابق میزان عدل پر لا کر بتا دیا کہ اس نے کوئی بھی عبادت حق کیلئے نہیں کی تھی اس کی تمام عبادتیں ساحت الٰہی سے دور تھیں، اس کے سارے اعمال وعقائد باطل وہیچ تھے بلکہ اس سے بڑھ کر یہی اعمال اس کی ہلاکت کا موجب اور عذاب الیم اور جحیم میں ہمیشگی کا سبب ہیں۔[۲]

بری نیات اور فاسد اخلاق

اگر انسان اسی برے اخلاق کے ساتھ دنیا سے جو مادی تغیرات اور ہیولانی تبدلات کی دنیا

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۱۔ ۲۔ چہل حدیث، ص ۶۹، ۷۰۔

ہے، منتقل ہوگیا تو پھر وہاں اس برائی کا قلع قمع کرنا اس کے بس سے باہر ہوگا، یہاں تک کہ آخرت یا برزخ میں اخلاق نفسانی میں سے ایک خلق کا تبدیل ہونا بہت ہی بعید ہوگا۔ حدیث میں رسول اکرمؐ سے منقول ہے کہ "اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں اپنی نیتوں کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"۔ ۱، ۲

۱۔ امام صادقؑ اپنے اجداد سے اور وہ امیر المؤمنینؑ سے روایت کرتے ہیں:

﴿كانَ رَسُولُ الله، صلى الله عليه وآله، ذاتَ يَومٍ جالِساً في مَسْجِدِهِ اذْ دَخَلَ عَلَيهِ رَجُلٌ مِنَ اليَهُود... قالَ اليَهُودِيُّ: فَانْ كانَ رَبُّكَ لا يَظْلِمُ فَكَيْفَ يُخَلِّدُ في النّارِ أبَدَ الآبِدِينَ مَنْ لَمْ يَعْصِهِ الّا أيّاماً مَعْدُودَةً؟ قالَ: يُخَلِّدُهُ عَلى نِيَّتِهِ. فَمَنْ عَلِمَ اللهُ نِيَّتَهُ أنَّهُ لَو بَقِيَ في الدُّنيا الىٰ انْقِضائِها كانَ يَعْصِي الله عَزَّوَجَلَّ، خَلَّدَهُ في نارِهِ عَلى نِيَّتِهِ؛ وَنِيَّتُهُ في ذٰلِكَ شَرٌّ مِنْ عَمَلِه. وَكَذٰلِكَ يَخْلُدُ مَنْ يَخْلُدُ في الجَنّةِ بِأنّهُ يَنْوِي أنّه لَو بَقِيَ في الدُّنيا أيّامَها لأطاعَ الله أبَداً؛ وَنِيَّتُهُ خَيرٌ مِنْ عَمَلِه. فَبِالنِّيّاتِ يَخْلُدُ أهْلُ الجَنّةِ في الجَنّةِ، وَأهْلُ النّارِ في النّارِ﴾۔

ایک دن پیغمبر اکرمؐ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی آپؐ کے پاس آیا (اس نے مختلف سؤالات کئے) ان میں سے ایک سؤال یہ تھا: اگر آپؐ کا رب ظلم نہیں کرتا تو وہ کیسے ایک شخص کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈالتا ہے؟ جبکہ اس نے فقط چند دن کے سوا گناہ نہیں کیا! پیغمبرؐ نے جواب میں فرمایا: خداوندا سے اس کی نیت کی خاطر دائمی طور پر جہنم میں ڈالتا ہے۔ جس کے بارے میں خداوند جانتا ہے کہ وہ جب تک دنیا میں رہے گا، اس کی نافرمانی کرے گا تو اس کی نیت کی وجہ سے اسے ابدی جہنم عطا کرتا ہے۔ اور اس کی یہ نیت اس کے عمل سے بدتر ہے۔ اسی طرح جو شخص ابدی جنت میں جاتا ہے وہ بھی اس لیے کہ وہ قصد رکھتا ہے کہ جب تک دنیا میں رہے گا، خداوند کی فرمانبرداری کرتا رہے گا۔ لہذا اس کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ اور اپنی نیتوں کے سبب ہی اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں دائمی طور پر رہیں گے۔

التوحید، ص ۳۹۸، ۳۹۹ باب الاطفال، حدیث ۱۴۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۱۱۱۔

پیدائش جنت وجہنم کی کیفیت

جان لو کہ اس حدیث ﴿عَمَّرْتُمُ الدُّنْيَا وَأَخْرَبْتُمُ الآخِرَةَ﴾ [۱] (یعنی تم نے دنیا کو آباد کیا اور آخرت کو برباد کیا) سے ظاہر ہوتا ہے کہ دار آخرت اور بہشت معمور وآباد ہے لیکن ہمارے اعمال سے خراب ہو جاتی ہے۔ لیکن (یہ سب کو) معلوم ہے کہ یہاں تعبیر میں مشابہت مراد ہے کیونکہ دنیا کیلئے لفظ ''آباد'' استعمال کیا ہے اور اسی کی مناسبت سے آخرت کیلئے لفظ ''برباد'' استعمال ہوا ہے۔ اگر چہ عالم جنت ودوزخ مخلوق ہیں لیکن جنت ودوزخ کی آبادکاری (تعمیر) اور بربادی (تخریب) اس میں رہنے والوں کے اعمال کے تابع ہے۔ روایت میں ہے کہ ''جنت کی زمین بالکل سادہ ہے اور اس کی تعمیر (آبادکاری) کا مواد اور ساز وسامان، بنی نوع انسان کے اعمال ہیں'' اور یہ بات اہل کشف ومکاشفہ کی برہان کے مطابق ہے۔ چنانچہ ایک محقق عرفاء فرماتے ہیں:

جان لو! عصمنا اللہ وایاک۔ کہ جہنم مخلوقات میں سے سب سے بڑی مخلوق ہے اور وہ آخرت میں خداوند تعالیٰ کا قید خانہ ہے اور اس کی زیادہ گہرائی کی وجہ سے اس کو جہنم کہتے ہیں جس طرح اس کنویں کو ''بئر جہنام'' کہا جاتا ہے جس کی گہرائی زیادہ ہو۔ جہنم میں گرمی وسردی دونوں ہیں۔ سردی ہے تو آخری درجہ کی اور گرمی ہے تو وہ بھی آخر درجہ کی۔ اس کی ابتدا اور گہرائی کے درمیان ساڑھے سات سو سال کی راہ ہے۔ لوگوں میں اس کے مخلوق وغیر مخلوق ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور خلاف حقیقت بات مشہور ہے۔ اسی طرح بہشت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اور ہمارے اہل معرفت وصاحبان کشف علماء کے نزدیک یہ مخلوق بھی ہے اور مخلوق نہیں بھی۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ یہ مخلوق ہے تو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ایک گھر بنانا چاہے لیکن فقط چاروں طرف سے اس کی بڑی بڑی دیواریں بنائے تو اگر چہ

۱۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۴۵۸ کتاب الایمان والکفر، باب محاسبۃ العمل، حدیث ۲۰۔

باہر سے دیکھ کر اسے گھر کہا جائے گا، لیکن جب اندر جا کر دیکھیں گے تو سوائے دیواروں کے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا اب اس کے بعد جب اس میں رہنے والوں کی خواہش کے مطابق کمرے، ہال اور گودام وغیرہ بن جائیں گے تب اسے مکان کہا جائے گا۔[1] اور ہوسکتا ہے کہ جنت و دوزخ، دو نشہ اور دو الگ الگ گھر ہوں جن کی طرف بنی آدم اپنی جوہری حرکت اور ملکوتی دوڑ اور عملی و خلقی اور ارادی حرکات کے ذریعے سفر کرے گا۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا حصّہ وہی ہوگا جو انکے اعمال کی صورت ہوگی۔

مختصر یہ کہ عالم ملکوت اعلیٰ، عالم بہشت ہے کہ جو خود ایک جداگانہ عالم ہے اور سعید نفوس کو اس کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اور عالم ملکوت سفلیٰ، عالم جہنم ہے۔ جس کی طرف بدبخت و شقی نفوس کو ہانکا جاتا ہے۔ لیکن جنت و دوزخ میں سے جس کی طرف بھی بازگشت ہوتی ہے وہ خود انکے اچھے اعمال یا المناک و وحشتناک برے اعمال ہیں۔[2]

اعتقادات اور مقام آخرت کے درمیان ارتباط

دین وتمدّن سے جاہل انسانوں کا مقام

بنی نوع انسان کا ایک گروہ ادراکات کے لحاظ سے حیوانات کی مانند ہے۔ یہ لوگ مبدأ و معاد سے بے خبر ہونے اور اعتقادی مسائل سے محروم اور ان چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے غفلت محض میں پڑے ہوئے ہیں اور جو چیزیں ہمارے دلوں اور اذہان میں ہیں وہ انکے اذہان وقلوب سے گزرتی تک نہیں۔ لہذا وہ لوگ حق پر مبنی اعتقادی سعادت سے بھی محروم ہیں اور باطل پر مبنی اعتقادی شقاوت سے بھی خالی ہیں۔ یہ افراد حیوانات کی طرح ہیں کہ جن کا فقط حیوانی پہلو

۱۔ فتوحات مکیہ، ج ۴، ص ۳۶۶، ۳۶۸ فصل اول، باب ۶۱۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۳۶۱، ۳۶۳۔

مثلاً غضب و کینہ اور درندگی وغیرہ کامل ہوتا ہے اور یہ لوگ (فقط) حیوانی ملکات حاصل کرتے ہیں۔

آخرت میں یہ گروہ فقط حیوانی برزخی تجرد کا حامل ہوگا اور انکے ملکات، اپنے برزخی نفوس کے مطابق فعالیت کریں گے۔ اس وجہ سے یہ لوگ شقاوت میں ہوں گے اور ان کا نفس اپنے ملکات کے مطابق اپنے اندر درد والم کے اسباب فراہم کرے گا اسی لیے، نفس کے انشائات (بھی) انکے ملکات کے مطابق ہوں گے۔ ایسے لوگ عذاب میں ہوں گے اور اعتقادی لحاظ سے ان کیلئے نجات کی امید نہیں ہوگی، چونکہ ان کی کوئی اعتقادی صورت نہیں اور نور توحید، اعتقادی صورت میں حتیٰ مخفی و پوشیدہ شکل میں بھی انکے قلوب میں موجود نہیں۔ اس لیے وہ طولانی عرصہ کے بعد بھی نجات حاصل نہ کر سکیں گے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ اگر چہ انکے اندر اعتقاد توحید کی اکتسابی صورت موجود نہیں لیکن اصل توحید فطری، یعنی کمال سے عشق کہ جو انکے بشمول تمام لوگوں میں موجود ہوتا ہے اور اس لحاظ سے متمدن و غیر متمدن، افریقی اور یورپی، سیاہ اور سفید میں کوئی فرق نہیں (یعنی سب لوگ فطرت توحیدی پر ہیں) لہذا ہم یہ احتمال دے سکتے ہیں کہ (ان لوگوں کیلئے) فطری توحید کا نور جلوہ گر ہو اور آخر کار ان کیلئے نجات کا موجب بن جائے۔ اگر چہ یہ افراد اپنے ملکات کے مطابق جہنم اور آگ میں ہمیشہ رہیں گے، لیکن خارجی آگ کہ جو عصیان اور نافرمانی کے مقابلے میں ہوتی ہے، ان کیلئے نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم نے کہا ہے کہ ان کی توحید فطری کا نور غلبہ حاصل کرلے اور باطنی ملکات کی آگ کو زائل کردے اور جو کچھ بعض اہل جہنم کے بارے میں بعض روایات میں آیا ہے کہ: ﴿تَلْعَبُونَ بِالنَّار﴾ ۔[۱] شاید انہی اشخاص سے متعلق ہو۔

بہر حال دنیا میں ﴿انَّهُم عَنْ رَبِّهِم يَومَئِذٍ لَمَحْجُوبُون﴾ ۔[۲] کے مصداق لوگ اور الہی

۱۔ شرح قیصری علی الفصوص، ج ا ص ۴۳۵ فص اسماعیلی، ﴿انَّ بَعْضَ أهلِ النَّارِ يَتَلاعبُون فِيهَا بِالنَّار﴾ بعض جہنمی لوگ وہاں آگ سے کھیلتے ہیں۔

۲۔ اس دن وہ اپنے پروردگار سے حجاب میں ہوں گے۔ سورۂ مطففین، آیت/۱۵۔

معارف کو کسب نہ کرنے کے نتیجہ میں جن کی اندرونی توحید کے بیج (یعنی فطری توحید) نے باہر سے مدد حاصل نہیں کی، یعنی اس بیج کو مدد نہیں پہنچی تا کہ وہ شاخیں اور پتے نکال کر اور قلب میں جڑیں پیدا کر کے، رشد و نمو حاصل کر سکے۔ بعض ایسے حیوانات کی مانند ہیں کہ جن سے جنت وجہنم کا وعدہ نہیں کیا گیا بلکہ فقط انکے ملکات پیش نظر ہوتے ہیں اب یہ دیکھنا ہے کہ انکے ملکات کیا ہیں۔

دین وتمدّن سے جاهل انسانوں کامقام

البتہ جو شخص علمی و عملی تہذیب وتمدن سے دور ہو، وہ (اپنے) حیوانی اوصاف میں قوی ہوگا اور اس کے باطن میں ان اوصاف کی صورت اور ملکہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے نتیجہ میں وہ اسی صورت کے ساتھ محشور ہوگا جو نفس نے ان ملکات کے مطابق حاصل کی ہے۔ آخر کار یہ گروہ اگر توحید فطری سے بہرہ مند نہ ہوا تو ہمیشہ ہمیشہ، ملکات کی تنگی اور درد و الم میں رہے گا۔

لیکن ایک دوسرا گروہ کہ جو بنی نوع انسان کی اکثریت پر مشتمل ہے، اگر چہ علمی و عملی تہذیب وتمدن میں زندگی گزار رہا ہے لیکن ﴿أباً عَنْ جَدٍّ﴾ اپنے سابقہ منسوخ شدہ دین پر قائم ہے اور بعد والے دین سے مشرّف نہیں ہوا۔ لیکن ان لوگوں کا (دین جدید) پر ایمان نہ لانا عناد و نفاق کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کے برخلاف وہ قطع و یقین رکھتے ہیں، یعنی وہ اسلام کے صحیح ہونے کا احتمال تک نہیں رکھتے یا یہ کہ وہ ایسی جگہ زندگی گزار رہے ہیں کہ جہاں انکے کانوں تک اسلام کا نام تک نہیں ٹکرایا۔ مثلاً بدھ مت کے ماننے والے کہ جو فلاں جزیرے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے سابقہ دین پر قائم ہیں جس کے وہ معتقد تھے اور ابھی بھی اسی پر باقی ہیں اور فرض یہ ہے کہ وہ اس دین کے احکام کے مطابق صراط مستقیم پر چل رہے ہیں اور اپنے عقائد و اعمال میں، جس طرح انکے پیغمبر نے کہا ہے، عمل کر رہے ہیں۔

مثلاً ایک راہب کہ جس نے ساری زندگی دیر میں زندگی گزاری اور فقط حضرت عیسیٰ کو پہنچانتا ہے اور جس طرح حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے اسی طرح مبدأ و معاد کے مسائل کا معتقد ہے

اور اس کا عمل بھی نیک و صالح ہے۔ اور اسی مسلک کے راہ راست پر قائم رہا ہے چونکہ وہ اول سے ہی دین اسلام کے برخلاف یقین رکھتا تھا اور دین اسلام کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ تو ایسے شخص کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ وہ جہنم میں جائے گا۔ اس لیے کہ محال ہے، خداوند متعال اپنے بندوں کے ساتھ عدل کے خلاف رفتار کرے۔ اس شخص کو عذاب نہیں دیا جاسکتا اور ایسا شخص جہنم میں نہیں جائے گا اور وہ کفار کہ جن کو خداوند نے قرآن میں عذاب اور جہنم کی وعید سنائی ہے، قطعاً اس قسم کے کفار نہیں ہیں۔

اگر انسان غور سے قرآن کو دیکھے تو وہ یہ بات سمجھ جائے گا کہ جن کفار سے قرآن مخاطب ہوا ہے اور انھیں وعید دی ہے۔ وہ کفار قریش اور پیغمبرؐ کے معاند تھے کہ جن پر قرآنی اصطلاح میں ''فاسق'' کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور قرآن کی اصطلاح میں ''فاسق'' اس معنیٰ میں ہے۔

الغرض، یہ دوسرا گروہ قطعاً جہنم میں نہیں جائے گا۔ البتہ اس بہشت میں بھی نہیں جائے گا جو مقرّبین کا مقام ہے اور نہ ہی مؤمنین کا مقام و مرتبہ حاصل کر سکے گا۔ کیونکہ اگر چہ انھوں نے کوئی برا کام نہیں کیا۔ لیکن انکے اعمال حقیقت میں باطل تھے اور ان کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ وہ واقعیت کی صورت اختیار نہیں کر سکتے۔ لہذا یہ لوگ جنت اعمال سے بہرہ مند نہیں ہوں گے جو عبادات اور دینی اعمال پر عمل کرنے سے وجود میں آتی ہے۔

البتہ احسان اور والدین سے نیکی وغیرہ، جسے اعمال جو خدا تعالیٰ کیلئے انجام پاتے ہیں وہ ملکوتی صورت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بہشت موعود میں تو نہیں جائیں گے لیکن مبدأ و معاد کے معتقد ہونے کی وجہ سے جہنم میں بھی نہیں جائیں گے۔

پس جیسا کہ ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾[۱] ہے ایسے ہی ممکن ہے کوئی گروہ ہو جو ﴿لَا فِي الْجَنَّةِ وَلَا فِي النَّارِ﴾ ہو اور ایسی جگہ ہو کہ جہاں وہ رہے یا جنت سے

۱۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۷۔

نچلے مرتبہ میں پہنچ جائے۔ چونکہ یہ لوگ آخرکار مغفور ہو جائیں گے اور اس بات میں کوئی عیب بھی نہیں۔

ایسا نہیں کہ جہنم کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور انسانوں کو مسلسل اس میں ڈالا جائے گا۔ بہت کم افراد جہنم میں جائیں گے۔ اسی طرح بہت کم لوگ جنت میں جائیں گے۔ لوگوں کی اکثریت، چوپایوں کی طرح دنیا میں آتی ہے، چرتی چگتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ آخرت میں ان لوگوں کو ایک وسیع چراگاہ دے دی جائے گی کہ وہاں بھی چرتے رہیں، لوگوں کی اکثریت اس طرح ہے یعنی نادان و کم عقل ہے۔

لوگوں کا ایک دوسرا گروہ ایسا ہے کہ جو شقی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو تکبر کرتے ہیں اور عناد و ہٹ دھرمی رکھتے ہیں۔ کفار قریش کی طرح کہ جن کا کہنا تھا کہ: محمدؐ تو ایک یتیم ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس کے آگے سر جھکائیں اور خضوع کریں۔

ایسے افراد کہ جو گمراہ اور منحرف اعتقادات رکھتے ہیں اور حقیقت کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں، ان کا باطن نفاق وجود (انکار) کی صورت اختیار کر چکا ہے اور ان کی روح اور نفس حقیقت سے منحرف ہو چکا ہے۔ ان کی واقعی صورت و شکل، باطل صورت و شکل میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ان کا عقیدہ بھی باطل اور ظلمانی ہے۔ لہذا یہ لوگ دائمی وبال میں گرفتار ہمیشہ کی شقاوت اور مکمل خسارے و نقصان میں ہوں گے۔[1]

بالقوہ انسانوں کا مقام

نجانے جنگل میں وحشیانہ زندگی گزارنے والے انسانوں میں اور حیوانات میں بندر اور گدھے سے زیادہ فرق نہیں ہوگا۔ اجمالاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے انسانوں کی روح کا تجرد بندر سے زیادہ ہے۔

۱۔ تقریرات اسفار۔

وہ انسان کہ جو حیوانات کا ہم رتبہ ہے اور فقط اسی قدر برزخیت وتجرد سے بہرہ مند ہے۔ یعنی فقط طبیعی رشد کرنے والا اور کسی انسانی پہلو کی طرف متوجہ نہ ہونے والا انسان صرف جوہری قہری حرکت کرتا ہے اور اپنی طبیعی زندگی کا ایک دورہ پورا کرتا ہے۔ اور جب اس عالم میں منتقل ہوتا ہے تو طبیعت انسان پر حاکم احکام وقوانین سے خارج ہوجاتا ہے کہ جن کے ذریعے وہ دوسرے حیوانات سے کامل تر اور اس کا برزخی تجرد، ان سے زیادہ ہوتا ہے۔ ایسا فرد اگرچہ دنیا میں دوسرے تمام حیوانات سے اس لحاظ سے مختلف تھا کہ اس میں معارف کسب کرنے کی استعداد اور قوت تھی اور وہ (اپنے) لوح نفس پر حیوانات کی فعلیت سے بڑھ کر فعلیت اور کمال حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن کسی چیز میں فقط حرکت جوہری قہری کافی نہیں تا کہ وہ چیز دوسری چیز سے کامل تر ہوسکے۔ پس ایسے اشخاص بالفعل فقط اسی حیوانی مرتبہ کے حامل ہوتے ہیں، اگرچہ بالقوہ ان کا مرتبہ دوسرے حیوانات سے بلند ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ ہم ایسے شخص کے جہنّمی وناری ہونے کا اعتقاد نہیں رکھ سکتے۔ علمائے معقولات کا کہنا ہے: ان افراد کا جہنّمی ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ کونسا مولیٰ وآقا اس مولیٰ سے زیادہ ظالم ہوگا کہ جو اپنے بندے کو اس کی روح کے بدن سے جدا ہونے کے بعد آتش جہنم میں ڈالے تا کہ وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ جلتا رہے، جبکہ اس نے (اپنی دینوی زندگی میں) کبھی بھی، رسالت ونبوّت اور کتاب ودعوت کی آواز تک نہ سنی ہو اور زمین کے ایک گوشے میں حیوانات کی مانند زندگی گزارتا رہا ہو۔ ایسی بات کو کوئی بھی عقل پسند نہیں کرتی۔ البتہ اس کا اپنی اندرونی اور داخلی جہنم میں ہونا بھی اس سے زیادہ نہیں کہ جس کا تقاضا اس کے حیوانی ملکات کرتے ہیں، اس سلسلے میں بھی وہ دوسرے حیوانات کی طرح ہے۔

بالقوہ استعدادوں کا آخرت میں منتقل نہ ہونا

انسانوں کو جو چیزیں قوہ واستعداد کی صورت میں ودیعت کی گئی تھیں اور انھیں چاہیئے تھا کہ

اکتساب کے ذریعے ان کو فعلیت تک پہنچاتے لیکن انھوں نے ان استعدادوں کو فعلیت کے مرحلے تک نہیں پہنچایا۔ لہٰذا اس سلسلے میں ان کیلئے نہ تو مبدأ سعادت ہے اور نہ ہی مبدأ شقاوت، چونکہ ان کی استعداد، بالقوہ کی بالقوہ ہی رہ گئی تھی اور بالفعل نہ ہو سکی اور قوہ بحیثیت قوہ، قابل حشر نہیں۔ قوہ، دار طبیعت سے متعلق ہے، آخرت میں نہیں جا سکتی۔ فقط بالفعل (چیزیں)، عالم طبیعت سے خارج ہونے کی قابلیت رکھتی ہیں۔ (نہ کہ بالقوہ چیزیں)، چونکہ قوہ، طبیعت کے لوازمات میں سے ہے۔ لہٰذا اس سے جدا نہیں ہوتا اور طبیعت سے خارج ہونے کے معنیٰ بھی یہ ہیں کہ موجود، وجودی کیفیت کہ جو قوہ و صاحب استعداد ہونے سے عبارت ہے، سے خارج ہو جائے۔ البتہ اس قسم کے بے خبر افراد کے بارے میں یہ نہیں پوچھنا چاہیئے کہ ان کیلئے رسول کیوں نہیں بھیجے گئے تا کہ یہ اس طرح (جاہل و بے خبر) نہ رہتے؟ کیونکہ بنیادی طور پر اس بات کی ضرورت ہی نہیں کہ ہم تمام انسانوں کے جنت میں یا دوزخ میں جانے کا اعتقاد رکھیں، یہ اعتقاد ضروری نہیں۔ اس میں کیا برائی ہے؟ انسانوں کا ایک گروہ حیوانات کی طرح (اس دنیا میں) آئے اور (یہاں) سے چلا جائے؟ البتہ اگر کوئی علمائے اصول کی طرح اس بات کا قائل ہو کہ ''ہر مرنے والے کا حساب کتاب کیا جانا اور ایک میزان پر اسے پرکھا جانا ضروری ہے'' اور جب کہ اس گروہ نے کوئی سعادت کسب نہیں کی تو علمائے اصول کو قائل ہونا پڑے گا کہ ان اشخاص کو جہنم میں ڈالا جانا چاہیئے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ آیۂ مجیدہ ﴿ماکنّا معذّبین حتّیٰ نبعث رسولاً﴾ ا؎ ایک تکلف آمیز جملہ ہے؟ آیا یہ فرض کرنا ممکن ہے کہ خداوند متعال رسول بھیجنے سے پہلے بعض لوگوں کو جہنم میں ڈالنا چاہتا تھا، لیکن اس نے یہ کام نہیں کیا اور تکلف آمیز یہ وعدہ کیا ہے کہ ارسال رسل کے بعد یہ کام کرے گا؟ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ یہ بات عقلی ہے اور بہت ہی واضح ہے (کہ)

ا۔ ہم جب تک رسول نہ بھیج لیں اس وقت تک عذاب نہیں دیتے۔ سورۂ اسراء، آیت/۱۵۔

خداوند متعال عادل ہے اور وہ (ہر کام) عدل کی بنیاد پر کرتا ہے۔

برزخی تجرد کے حامل انسانوں کا مقام

اوپر جو مطالب بیان کئے گئے ہیں وہ ان لوگوں کے بارے میں تھے کہ جو کسی قسم کے معارف کی طرف متوجہ نہیں تھے اور مبدأ و معاد کا خیال انکے دل و دماغ کو چھو کر بھی نہیں گزرا اور بعض لوگ اگرچہ تہذیب وتمدن کے مراکز میں رہتے ہیں اور دین و آخرت کے بھی قائل ہیں، لیکن حیوانیت کے مرتبے سے خارج نہیں ہوئے ہیں اور حیوانی و برزخی تجرد کی حد پر ہی پڑے ہیں یہ لوگ اگرچہ انبیاء کرامؑ کی پیروی کرتے ہیں مگر فقط حیوانی پہلو پر نظر رکھتے ہیں وہ صرف یہ چاہتے ہیں آگ سے نجات حاصل کرلیں اور لذات تک پہنچ جائیں۔ یہ لوگ اگرچہ احکام شریعت پر عمل کر کے اس سعادت کہ جس کی ظاہر شریعت نے خبر دی ہے یعنی ﴿جَنّٰاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ﴾[۱] (جنت کے) سبب اور ناشپاتیوں اور حور وقصور تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ برزخی وحیوانی سعادت کی حد سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ یہ لوگ حیوانی کمال وسعادت تک پہنچ جاتے ہیں، لیکن عقلانی سعادت کو نہیں پاسکتے اور اکثر لوگ اس مرتبہ سے آگے نہیں جاتے۔ لہذا قرآن نے بھی کہ جو لوگوں کی اکثریت سے مخاطب ہے، ان سے اسی قسم کی نعمات اور جنات کا وعدہ کیا ہے۔

دوسرے ادیان کے معتقد اور عامل افراد

بعض اور لوگ جن کی تعداد انتہائی کم ہے قرآن نے ان سے رمز وراز کی صورت میں وعدہ کیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ☆ ارْجِعِي الىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً

۱۔ ایسی جنت کہ جس نیچے ندیاں بہہ رہی ہیں۔ سورۂ توبہ، آیت ۷۲؛ سورۂ ابراہیم، آیت ۲۳۔

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ☆ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴾۱ یہ "جَنَّتِي" ﴿جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَار﴾ سے بہت زیادہ مختلف ہے۔

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسرے ادیان کا معتقد ہیں اور اپنی عمر انھوں نے اسی مسلک کے تحت گزاری ہے اور اس کے ظواہر پر عمل کرتے رہے ہیں ان لوگوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ انکے دین کے علاوہ دوسرا کوئی دین بھی ہے۔ تو بعید نہیں ہے کہ یہ لوگ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ہماری روایات میں آیا ہے کہ "خداوند متعال نے بہشت کے ساتھ دروازے بنائے ہیں، اسکے چھ دروازوں سے مسلمان اور ایک دروازے سے غیر مسلمان داخل ہوں گے"۔ لہذا جس شخص نے خود کوتاہی نہیں کی، اور جو کچھ سمجھا اس کے علاوہ اور کوئی بات اس کے کانوں میں نہیں پڑی اور اپنے ماں باپ سے اتنا زیادہ سنا کہ اسی پر اعتقاد قائم کرلیا، اس کے علاوہ کسی دوسری عقیدے کے صحیح ہونے کا اسے گمان تک نہ گزرا اور وہ فقط اسی پر عمل کرتا رہا تو ایسے شخص کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا۔

عقلی تجرد کے حامل انسان

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسان ایک ایسی قوت کا حامل ہے جس کو وہ اپنی دنیوی زندگی کے دوران، حرکت جوہری کے ذریعے، اپنے اختیار کے ساتھ ایسی فعلیت حاصل کرسکتا ہے کہ جسے عقلی فعلیت کہتے ہیں (وہ اس قوت کے ذریعے) باطن ذات کو مختارانہ طور پر عقلی حقائق کے ادراک کے ساتھ فعلیت عطا کرسکتا ہے۔ اگر کسی نے مبدأ و معاد سے متعلق مطالب پر غور وفکر کر کے عقلی حقائق کو صحیح طور پر حاصل کرلیا اور علمی صورت کو نفس کے (صفحہ) پر منقش کرلیا۔ اگر چہ یہ کام مختلف مراتب کا حامل ہے اور اس بات سے متعلق ہے کہ کس حد تک حقائق کی صورت کو کشف اور اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بلا واسطہ صور کا ادراک کرلے اور وہ صور علمیہ

۱۔ سورۂ فجر، آیت ۲۷ / ۳۰۔

"واقع" کے بالکل مطابق ہوں اور جب عالم طبیعت کا گردوغبار چھٹ جائے تو یہ سب (باتیں) اس کی عقلی سعادت کا موجب بن جائیں گی اور اگر ان مطالب میں وہ ٹیڑھا میڑھا داخل ہوا اور اسے علمی عقائد کی صورتیں، واقع کے برخلاف حاصل ہوں تو یہاں دو حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ وہ عناد اور دشمنی کی وجہ سے باطل عقائد کی معتقد ہوا اور اس نے انبیاءؑ کی مخالفت میں ادلہ و براہین قائم کیں اور اپنی مخالفت کو (بھی) آشکار کیا۔ تو ایسا شخص کافر ہے اور وہ ذاتی شقاوت پیدا کرلے گا۔ (چونکہ عقلی مرتبہ پر جا کر وہ ٹیڑھا ہو گیا) دوسری حالت یہ کہ یہ شخص باطل عقیدہ اختیار کرنے کے باوجود اور ہمیشہ انبیاءؑ کے برخلاف عمل کرتے ہوئے، ریا اور نفاق کرتا رہے اور بظاہر دیانت کا اظہار کرے تاکہ دین سے ناجائز فائدہ اٹھا سکے۔ درحالیکہ وہ ملحد ہے لیکن قرآن کے راستے سے وارد ہوا ہے تاکہ اس طرح مسلمانوں کو دھوکہ دے سکے، تو ایسے شخص کے بارے میں، ہمیں سخت ترین شقاوت کا قائل ہونا چاہیئے۔ ہم خداوند کی پناہ مانتے ہیں اس (قسم کی) شقاوت سے۔[1]

۱۔ تقریرات اسفار۔

چودہویں فصل:

تجسم اعمال

اعمال واخلاق کا مجسم ہونا

تجسم اعمال اور تجسم اخلاق وغیرہ کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جو اہل نظر اور محققین کے نزدیک مسلّم ہے۔[۱]

عقائد واخلاق کا تجسم اعمال

انسان آخرت میں اسی عذاب اور عقاب کو دیکھے گا جس کو وہ خود دنیا میں تیار کر چکا ہوگا۔ دنیا میں اس کے جتنے بھی اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ اور عقائد صحیحہ تھے، ان کو اور ''ان دوسری کرامات کو جو خدا اپنے فضل سے اسے عنایت فرمائے گا'' اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھے گا۔[۲]

قرآن میں تجسم اعمال

تمام نیک اور برے اعمال کی نشئہ ملکوت اور عالم غیب میں ایک ملکوتی وغیبی صورت ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں مختلف تعبیرات کے ساتھ اس غیبی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۳۰/ میں آیا ہے کہ: ﴿یَومَ تَجِدُ کُلُّ نَفسٍ مٰا عَمِلَتْ مِنْ خَیرٍ مُحضَراً وَمٰا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَو أنَّ بَینَهٰا وَبَینَهُ أمَداً بَعِیداً﴾۔[۳]

۱۔صحیفۂ امام، ج۷/ص۱۸۶۔ ۲۔چہل حدیث، ص۴۶۲۔

۳۔وہ دن کہ جب ہر شخص اپنے اچھے و برے اعمال کو اپنے سامنے پائے گا۔اور آرزو کرے گا: اے کاش، اس کے اور اس کے اعمال کے درمیان لمبا فاصلہ ہوتا۔

یہ آیۂ شریفہ اس بات کو گویا صراحت سے بیان کر رہی ہے کہ انسان اپنے تمام اچھے اور برے اعمال کو قیامت کے دن دیکھے گا، اور (قرآن) اس بات کی تاکید کر رہا ہے (یہاں تک کہ) آیہ کے ذیل میں فرماتا ہے: (اہل آخرت) آرزو کریں گے کہ انکے برے اعمال اور انکے درمیان ایک لمبی جدائی ہو۔

اور سورۂ مبارکہ ''زلزال'' میں فرماتا ہے: ﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتاً لِيُرَوا أَعْمَالَهُم ☆ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يَرَه ☆ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَه﴾ ۱

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ صراحت ہوتی ہے کہ لوگ اپنے اعمال کو خواہ وہ جیسے بھی ہوں، آخرت میں دیکھیں گے۔

اور یہ بات یعنی اعمال اور ان کی غیبی صورت کا تمثل، اہل معرفت ۲ کے نزدیک مسلمات میں سے ہے۔ ۳

احادیث میں تجسم اعمال

عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ عليه السلام، قَالَ: ﴿مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ المَفْرُوضَاتِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا وَأَقَامَ حُدُودَهَا، رَفَعَهَا المَلِكُ الَى السَّمَاءِ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، تَقُولُ: حَفِظَكَ اللهُ كَمَا حَفَظْتَنِي، اسْتَودَعَنِي مَلَكٌ كَرِيمٌ. وَمَنْ صَلَّيهَا بَعْدَ وَقْتِهَا مِنْ غَيرِ عِلَّةٍ وَلَمْ يُقِمْ حُدُودَهَا، رَفَعَهَا المَلَكُ سَودَاءَ مُظْلِمَةً، وَهِيَ تَهتِفُ بِهِ: ضَيَّعْتَنِي

۱۔ اس دن لوگ جدا جدا ہو کر (قبروں) سے نکل پڑیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں پس جو کوئی ذرّہ بھر نیکی بھی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرّہ بھر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

سورۂ زلزال، آیت/۶۔۸۔

۲۔ الاسفار الاربعہ، ج۹ ص۲۹۶ فصل ۲۱ باب ۱۱ کی طرف رجوع کیجئے۔

۳۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۴۳۷۔۴۸۳۔

ضَيَّعَكَ اللهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي، وَلاَ رَعَاكَ اللهُ كَمَا لَمْ تَرْعَنِي﴿ ۔[1]

امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں: جو شخص واجب نماز کو اول وقت میں پڑھتا ہے اور ان کی حدود کو قائم کرتا ہے، یعنی پورے اجزاء وشرائط کے ساتھ بجالاتا ہے تو فرشتہ اس کو آسمان کی طرف لے جاتا ہے اس حالت میں کہ وہ نماز سفید ونورانی ہوتی ہے اور کہتی ہے: جس طرح تو نے میری حفاظت کی، خدا تیری حفاظت کرے۔ کریم فرشتے نے مجھے بطور امانت لے لیا ہے۔ اور جو شخص واجب نماز کو بغیر کسی عذر کے اول وقت کے بعد پڑھتا ہے اور اس کی حدود کو قائم نہیں رکھتا تو فرشتہ اس نماز کو تاریک وسیاہ حالت میں لے جاتا ہے اور (وہ) چیخ چیخ کر کہتی ہے: تو نے مجھے برباد کردیا۔ جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے خداوند تجھے برباد کرے اور جس طرح تو نے میری مراعات نہیں کی خداوند تیری مراعات نہ کرے۔

اس حدیث سے جس طرح عمل کی ملکوتی صورت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس کی زندگی اور شؤون زندگی بھی ثابت ہوتے ہیں اور یہ برہان کی ایک قسم کا تقاضا بھی ہے اور روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام موجودات، حیات ملکوتی رکھتے ہیں اور عالم ملکوت، سراسر، حیات اور علم ہے: ﴿وَانَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوان﴿ ۔[2]

وَفي الكافي بِاسْنَادِهِ عَنْ أبي عَبْدِاللهِ علیہ السلام، في حديثٍ طويلٍ:

﴿اذا بَعَثَ اللهُ المُؤمِنَ مِنْ قَبْرِهِ، خَرَجَ مَعَهُ مِثَالٌ يَقْدُمُ أمَامَهُ: كُلَّمَا يَرَى المُؤمِنُ هَوْلاً مِنْ أهْوالِ يَومَ القِيَامَةِ، قَالَ لَهُ المِثَالُ: لاَ تَفْزَعْ وَلاَ تَحْزَنْ وَأبْشِرْ بِالسُّرُورِ وَالكِرَامَةِ مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: حَتَّىٰ يَقِفَ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فَيُحَاسِبَهُ حِسَاباً يَسِيراً وَيَأمُرُ بِهِ الَى الجَنَّةِ، وَالمِثَالُ أمَامَهُ: فَيَقُولُ لَهُ المُؤمِنُ: يَرحَمُكَ اللهُ، نِعْمَ الخَارِجُ. خَرَجْتُ مَعِي مِنْ قَبْرِي وَمَازِلْتَ تُبَشِّرُنِي

۱۔ امالی، ص ۲۵٦ مجلس ۴۴ حدیث ۱۰۔

۲۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۴۔

السُّرُورُ الَّذِي كُنْتَ أَدْخَلْتَهُ عَلَىٰ أَخِيكَ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا، خَلَقَنِيَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ لِأُبَشِّرَكَ﴾ ۱

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا:

جب خدا مؤمن کو اس کی قبر سے اٹھائے گا تو اس کے ساتھ ایک مثال بھی نکلے گی جو اس مؤمن کے آگے آگے چلے گی۔ مؤمن جب بھی قیامت کے کسی ہول کو دیکھے گا تو وہ مثال کہے گی: ڈرو نہیں اور غمگین نہ ہو! خدا کی طرف سے تمہیں، سرور و کرامت کی بشارت ہو۔ یہاں تک کہ وہ مؤمن خدا کے سامنے حساب کیلئے کھڑا ہوگا اور خدا اس سے آسان سا حساب لے گا۔ اور جنت میں جانے کا حکم دیدے گا۔ وہ مثال اس کے آگے آگے چلے گی۔ مؤمن اس سے کہے گا: خدا تجھ پر رحمت نازل کرے تو وہ بہترین چیز ہے جو میرے ساتھ قبر سے نکلی اور مسلسل مجھے خدا کی مسرت و کرامت کی خوشخبری دیتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ یہ بتا تو کون ہے؟ وہ کہے گی: میں وہ سرور (خوشی) ہوں جو تو دنیا میں اپنے مؤمن بھائی کے دل میں ڈالتا رہا ہے۔ خداوند عالم نے مجھے اسی سے خلق کیا ہے تاکہ تجھے خوشخبری دوں۔

اس حدیث میں بھی آخرت میں اعمال کے تجسّم و تمثّل پر واضح دلالت موجود ہے اور شیخ اجل جناب شیخ بہاء الدین (بہائیؒ) ۲ نے بھی اس حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے: بعض روایات تجسّم اعتقادات پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ پس صحیح اعمال و عقائد خوش شکل اور نورانی صورت میں ظاہر ہوں گے اور اپنے عمل کرنے والوں کیلئے کمال سرور و مسرت کا باعث بنیں گے اور برے اعمال

۱۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۱۹۰ کتاب الایمان والکفر، باب ادخال السرور علی المؤمنین، حدیث ۸۔

۲۔ شیخ بہاء الدین محمد بن حسین بن عبد الصمد عاملی، المعروف ''شیخ بہائی'' (۹۵۳۔۱۰۳۰ھ) انھوں نے مختلف علوم میں بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، منجملہ: فقہ میں ''جامع عباسی''، حواشی بر قواعد شہیدؒ، علم ہیئت میں ''مشرق الشمس''، حدیث و دعا میں ''حبل المتین''، شرح دعائے صباح، شرح اربعین حدیث اور ادب میں ''الفوائد الصمدیہ'' اور ''اسرار البلاغہ''۔

و باطل عقائد، بری اور قبیح وظلمانی صورت میں ظاہر ہوں گے جو اپنے انجام دینے والوں کیلئے باعث اندوہ اور دردناک ہوں گے۔ چنانچہ مفسرین کے ایک گروہ نے اس آیت: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَراً وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَداً بَعِيداً﴾ ۱ کی تفسیر میں یہی مطلب بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت خداوند تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے: ﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتاً لِيُرَوْا أَعْمَالَهُم...﴾ ۲ اور جو لوگ آیت میں ''جزا'' کو مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿لِيُرَوْا جَزَاءَ أَعْمَالِهِم﴾ اور ''یُرَہ'' کی ضمیر کو عمل کی طرف نہیں پلٹاتے وہ حق سے دور جا پڑے ہیں۔ ۳

اس جگہ ایک جلیل القدر محدّث کا عجیب وغریب کلام ہے ۴ کہ جس کا ذکر نہ کرنا بہتر ہے۔ اور انکے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو گمان ہوا ہے کہ تجسّم اعمال کے عقیدے اور معاد جسمانی کے عقیدے میں تضاد ہے حالانکہ یہ مطلب تضاد نہیں رکھتا بلکہ اس کا مؤکد ہے اور لفظ ''تمثّل'' جو اس حدیث میں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيّاً﴾ ۵ میں آیا ہے۔ یعنی حقیقتاً جسمانیت کی صورت میں متمثّل ہوتا ہے۔ نہ کہ صرف وہم وگمان اور خواب کی صورت میں۔

بہر حال اس قسم کی آیات اور روایات کو محض اس وجہ سے کہ یہ باتیں ہماری عقل کے مطابق نہیں اور حکماء وفلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہیں، ظاہر سے منصرف نہیں کرنا چاہیئے۔ جبکہ یہ

۱۔ جس دن ہر شخص جو کچھ اس نے (دنیا میں) نیکی کی ہے اور جو کچھ برائی کی ہے اس کو موجود پائے گا (اور) آرزو کرے گا کہ کاش اس کی بدی اور اس کے درمیان زمانہ دراز ہو جاتا۔ سورۂ آل عمران، آیت ۳۰۔

۲۔ اس دن لوگ گروہ گروہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تا کہ اپنے اعمال کو دیکھیں۔ سورۂ زلزال، آیت ۶۔

۳۔ اربعین شیخ بہائیؒ، ص ۲۹۲، شرح حدیث ۳۳۔

۴۔ مرآۃ العقول، ج ۹ ص ۹۵ کتاب الایمان والکفر، باب ادخال السرور علی المؤمنین، حدیث ۸۔

۵۔ پس وہ اس کیلئے انسانی صورت میں متمثّل ہو گیا۔ سورۂ مریم، آیت ۱۷۔

مطالب قوی برہان کے مطابق ہیں کہ جو اپنی جگہ ثابت شدہ ہے۔ بہترین بات یہی ہے کہ پروردگار اور معصومینؑ کی بارگاہ میں ہمیں سر تسلیم کر لینا چاہیئے۔

پس معلوم ہوا کہ جو عمل مقبول بارگاہ ایزدی ہو جائے وہ اچھی صورت کا ہوتا ہے اور اپنی مناسبت سے حور و قصور اور جنات عالیات اور انہار جاریات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کائنات کے اندر کوئی موجود بلا وجہ متحقق نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایک عقلی ربط ہوتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ کامل اولیا کے علاوہ کوئی اس کو کشف نہیں کر سکتا۔ اجمالاً یہ باتیں میزان عقل کے تحت ہیں اور برہان حکمی کے مطابق ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ ''آخرت کی زندگی اور لذت کا دارومدار اعمال سے وابستہ ہے اور اعمال کی صورت کمالیہ ہی اس عالم میں منتقل ہوا کرتی ہے اور اعمال سے مراد وہ عبادتیں ہیں جن سے کشف تام محمدیؐ کے طفیل ملت مسلمان نے آگاہی حاصل کی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حسن عمل اور کمال عمل، نیت و اقبال قلب اور حفظ حدود کے تابع ہے اور اگر کسی عمل میں یہ تمام صفات یا بعض صفات نہ ہوں تو وہ عمل درجۂ اعتبار سے ساقط ہے بلکہ اپنی بری و قبیح صورت کے ساتھ دوسرے عالم میں منتقل ہوگا جیسا کہ اخبار و آثار میں بھی یہی آیا ہے۔ پس عالم غیب و اخبار انبیاءؑ و اولیاء اور اہل معرفت پر ایمان لانے والے اور حیات ابدی و زندگی جاوید کے خواہشمند ہر انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر قیمت پر زحمت برداشت کر کے اور ریاضت کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور جب ظاہری طور پر ان کی صورت قواعد اجتہادیہ یا فقہاء کی رائے کے مطابق ہو تو پھر سیرت و کردار کے باطن (کو سنورانے) کی کوشش کرے اور زحمت برداشت کر کے کم از کم واجبات کو حضور قلب کے ساتھ بجا لائے اور نوافل کے ذریعے ان کی کمی کو پورا کرے۔ چونکہ احادیث میں آیا ہے کہ نوافل فرائض کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں اور فرائض کی قبولیت کا سبب ہیں۔

فی العلل باسنادہ عن ابی جعفرؑ قال: ﴿انّما جعلت النافلة لیتمّ بها ما یفسد من

الفریضة﴾۔[۱]

وروی الشیخؒ، باسنادہ عن ابی بصیر، قال، قال ابو عبداللهؑ:

﴿یُرۡفَعُ لِلرَّجُلِ مِنَ الصَّلاۃِ رُبۡعُهَا أوۡ ثُمۡنُهَا أوۡ نِصۡفُهَا أوۡ أکۡثَرُ بِقَدۡرِ مَاسَهَا؛ [۲] وَلٰکِنَّ اللّٰه تَعَالیٰ یُتِمُّ ذٰلِکَ بِالنَّوافِلِ﴾۔[۳،۴]

اعمال کی ملکوتی حیات کامعیار

جان لینا چاہیئے کہ ظاہری وصوری اعمال، ملکوت میں مقام غیب وحشر کے لائق اس وقت تک نہیں ہوتے جب تک باطن روحانیت اور خلوص قلب سے ان کی مدد نہ ہو اور ان کو حیات ملکوتی نہ بخش دیں اور وہ نفحۂ روحی، جس کی صورت خلوص نیت اور نیت خالص ہے۔ بمنزلۂ روح و باطن کے ہے جس کے ضمن میں جسد بھی ملکوت میں محشور اور لائق قبول بارگاہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے روایات

۱۔ نافلہ اس لیے قرار دیا گیا ہے تا کہ اسکے ذریعے، جو کچھ واجب میں سے باطل ہو گیا ہے، اس کی تلافی کی جاسکے۔
علل الشرائع، ج ۲ ص ۳۲۹ باب ۲۴ حدیث ۴؛ وسائل الشیعہ، ج ۳ ص ۵۴ کتاب الصلاۃ، باب ۱۷ حدیث ۱۰۔

۲۔ ''بقدر ماسھا'' اس حدیث کا مطلب جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے یہ ہے کہ نماز کا اتنا ہی حصّہ قبول ہوتا ہے جو توجہ قلب کے ساتھ بجالایا جائے۔ لہذا ''بقدر ماسھا'' اصل نسبت کا بیان ہے نہ کہ جو مقبول ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ سہو کے معنیٰ یہاں سکون قلب اور لینِ قلب کے ہوں کیونکہ سہو بمعنی سکون ولین آیا ہے۔ جیسا کہ جوہری کا قول ہے۔ (منہ عفی عنہ)۔

۳۔ امام صادقؑ نے فرمایا: انسان کی نماز ۴/۱ یا ۸/۱ یا ۲/۱ حصّہ یا جتنا سہو ہوا ہے اس سے کچھ زیادہ بلند کیا جاتا ہے (یعنی قبول کیا جاتا ہے) لیکن باقی کو خداوند نوافل کے ذریعے مکمل کر دیتا ہے۔
وسائل الشیعہ، ج ۳ ص ۵۴ کتاب الصلاۃ، باب ۱۷ از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۱۲۔

۴۔ چہل حدیث، ص ۴۳۷، ۴۴۰۔

شریفہ میں آیا ہے کہ اعمال کی قبولیت، اتنی ہی ہوتی ہے جتنا حضورِ قلب ہو۔[۱،۲]

اعمال کی مکمل صورت، نیت ہے

نیت ہی عمل کی صورت فعلی اور جنبۂ ملکوتی ہے...اور حدیث ﴿وَالنِّيَّةُ أَفْضَلُ مِنَ الْعَمَلِ، أَلَا وَإِنَّ النِّيَّةَ هِيَ الْعَمَلُ﴾۔[۳] نیت عمل سے افضل ہے، بلکہ تمام نیت، حقیقت عمل ہے اور یہ مبالغہ پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ علماء نے احتمال دیا ہے، بلکہ یہ مبنی بر حقیقت ہے۔ کیونکہ نیت ہی عمل کی صورت کاملہ ہے اور اس کی فصل محصل ہے۔ اعمال کی صحت و بطلان، کمال ونقص کا دارومدار نیت پر ہی ہے۔ چنانچہ ایک ہی عمل کبھی تعظیم اور کبھی توہین کا سبب ہوا کرتا ہے اور کبھی مکمل اور کبھی ناقص ہوتا ہے اور کبھی ملکوت اعلیٰ کی سنخ سے ہوتا ہے اور اچھی وخوبصورت شکل کا حامل بن جاتا ہے اور کبھی ملکوت اسفل سے ہوتا ہے اور وحشتناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔

حضرت علیؑ اور منافق کی نماز میں اجزاء وشرائط اور عمل کی ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، لیکن حضرت علیؑ کی نماز اپنے اس عمل کے ساتھ ''معراج الی اللہ'' تک پہنچتی تھی اور اس کی صورت ملکوت اعلیٰ کی ہوتی تھی جبکہ منافق کی نماز اس عمل کے ساتھ واصل جہنم ہوتی تھی اور اس کی صورت ملکوت اسفل کی ہوتی تھی اور شدت ظلمت کی وجہ سے اس کی کوئی مثال نہیں بیان کی جاسکتی۔[۴]

۱۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ صُوَرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ، وَإِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ﴾۔ خدا تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

بحار الانوار، ج ۶۷ ص ۲۴۸ کتاب الایمان والکفر، باب ۵۴ حدیث ۲۱۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۲۹۳۔

۳۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۱۶ کتاب الایمان والکفر، باب الاخلاص، حدیث ۴۔

۴۔ چہل حدیث، ص ۳۳۱۔

صورت کے حامل قلبی افعال

آیۂ مجیدہ ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ۱ سے مراد قلبی افعال ہیں کہ جو ملکوت میں ایک صورت اور اس سے بھی اوپر ایک (دوسری) صورت رکھتے ہیں۔ ۲

غصے وغضب کا مجسم ہونا

حدیث شریف میں حضرت امام باقر العلوم سلام اللہ علیہ سے منقول ہے کہ: "یہ غضب (غصہ) شیطان کی طرف سے آگ کا ایک دہکتا ہوا انگارا ہے جو فرزند آدم کے دل میں دہکایا گیا ہے"۔ ۳

اور شاید یہی دہکتی ہوئی آگ کہ جو انسان کے قلب میں شیطان نے جلائی ہوتی ہے۔ اس کی صورت، آخرت میں کہ جو حقائق و سرایر (پوشیدہ چیزوں) کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ ﴿نَارُ اللهِ الْمُوقَدَةُ ☆ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾ ۴ کی صورت میں ہو اور اس کا باطن، غضب الٰہی کی آگ کی حقیقت ہو کہ جو سب سے زیادہ جلانے والی آگ ہے اور جو قلب کے اندر سے نکلتی ہے اور بدن کے باہر آتی ہے۔ ۵

اطاعت الٰہی کے سوا اعضاء کے استعمال ہونے کا مجسم ہونا

عظیم الشان محدّث جناب مجلسی علیہ الرحمہ، "مرآۃ العقول" میں حدیث شریف ﴿كُنْتُ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ﴾ ۶ کی شرح میں فرماتے ہیں: جو شخص اپنی آنکھ، کان اور دوسرے اعضاء کو

۱۔ ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے اپنی کل کیلئے کیا بھیجا ہے۔ سورہ حشر، آیت/۱۸۔

۲۔ نقطہ عطف، ص ۲۷۔

۳۔ حضرت باقر العلومؑ فرماتے ہیں: ﴿إنّ هذا الغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشّيطانِ تُوقَدُ في قَلْبِ ابنِ آدَمَ﴾۔ یعنی، بتحقیق یہ غضب شیطان کی طرف سے آگ کا ایک دہکتا ہوا انگارا ہے کہ جو فرزند آدم کے دل میں دہکایا گیا ہے۔

۴۔ سورہ ہمزہ، آیت/۶، ۷۔ ۵۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۲۷۲۔

۶۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الایمان والکفر، باب من اذی المسلمین، حدیث ۸۔

اطاعت حق تعالیٰ میں مصروف نہیں رکھتا وہ روحانی آنکھ وکان کا حامل نہیں ہوسکتا۔ چونکہ یہ ملکی (دنیوی) وجسمانی آنکھ اور کان آخرت میں نہیں جائیں گے۔ لہٰذا وہ عالم قبر اور عالم قیامت میں آنکھ اور کان کے بغیر ہوگا۔ قبر کے سؤال وجواب کا میزان یہی اعضائے روحانی ہیں۔[۱]

اور احادیث شریفہ میں ہے کہ جو شخص قرآن کے کسی سورہ کو بھول جائے تو وہ بہشت میں ایسی صورت میں ہوگا جو اچھی نہ ہوگی، تو جب یہ شخص اس کو دیکھے گا تو اس سے کہے گا: تو کیا ہے؟ تو کتنا اچھا ہے، کاش تو میرا ہوتا۔ تو وہ سورہ جواب دے گا: مجھے نہیں پہنچانتا؟ میں فلاں سورہ ہوں۔ اگر تو نے مجھے فراموش نہ کیا ہوتا تو تجھے اس بلند درجہ تک پہنچا دیتا۔[۲،۳]

غیبت کا مجسم ہونا

عالم غیب میں اور پردہ ملکوت کے پیچھے ہلاک کنندہ گناہ کبیرہ کی ایک بہت ہی بدنما صورت ہے اور اپنی قباحت کے علاوہ یہ ملاء اعلیٰ میں انبیاء ومرسلین ومقرب فرشتوں کے سامنے رسوائی کا بھی سبب ہے۔ اس کی ملکوتی صورت وہی ہے۔ جس کی طرف خدا نے اپنی کتاب میں اشارہ فرمایا ہے اور احادیث میں بھی اسے صراحتاً واشارتاً بیان کیا گیا ہے۔ قال اللہ عز وجل: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُم أَنْ يأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيتاً فَكَرِهْتُمُوه﴾۔[۴]

۱۔ مرآۃ العقول، ج ۱۰ص ۳۹۲۔

۲۔ علی بن ابراہیم عن أبیہ، ...عن أبی بصیر قال: قال ابوعبداللہ علیہ السلام: ﴿مَنْ نَسِيَ سُورَةً مِنَ الْقُرآنِ مُثِّلَتْ لَهُ فِي صُورَةٍ حَسَنَةٍ وَدَرَجَةٍ رَفِيعَةٍ فِي الْجَنَّةِ، فَاذا رَآهَا، قَالَ: "مَا أَنْتِ، مَا أَحْسَنَكِ، لَيْتَكِ لِي" فَيَقُولُ: "أَمَا تَعْرِفُنِي؟ أَنَا سُورَةُ كَذَا وَلَو لَمْ تَنْسَنِي رَفَعْتُكَ الَى هذَا"﴾۔

۳۔ آداب نماز، ص ۱۸،۱۹۔

۴۔ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسے پسند نہیں کرو گے۔ سورۂ حجرات، آیت ۱۲۔

ہم اس بات سے غافل ہیں کہ ہمارے اعمال آخرت میں بعینہ متناسب شکل کے ساتھ ہماری طرف پلٹیں گے۔ہم جانتے نہیں ہیں کہ ہمارا یہ عمل مردار کھانے کی ایک صورت ہے۔اس عمل کو انجام دینے والے کی مثال اس درندہ کتے کی سی ہے جو لوگوں کی عزت و آبرو کو چاک کر کے ان کا گوشت کھاتا ہے۔جہنم میں بھی اس شخص کے عمل کی ملکوتی صورت اسی طرح اس کی طرف پلٹ کر آئے گی۔ایک روایت میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، لَمّا رَجَمَ الرَّجُلَ فِي الزِّنا، قالَ رَجُلٌ لِصاحِبِهِ: ﴿هٰذا أُقْعِصَ كَما يُقْعَصُ الْكَلْبُ. فَمَرَّ النَّبِيُّ مَعَهُما بِجِيفَةٍ، فَقالَ: انْهَشا مِنْها، فَقالا: يا رَسُولَ اللهِ نَنْهَشُ جِيفَةً؟ فَقالَ: ما أَصَبْتُما مِنْ أَخِيكُما أَنْتَنُ مِنْ هٰذِهِ﴾ ۔[1]

رسول خداؐ نے جب ایک شخص کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا تو حاضرین میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: یہ شخص اپنی جگہ پر کتے کی طرح مارا گیا ہے۔اس کے بعد رسول خداؐ ان دونوں کے ساتھ ایک مردار کے پاس سے گزرے تو ان سے آپؐ نے فرمایا: اپنے دانتوں سے اس مردار کا گوشت نوچو! ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ کیا ہم مردار کھائیں؟ حضورؐ نے فرمایا: تم دونوں تک جو کچھ تمہارے بھائی کی طرف سے پہنچا ہے وہ اس مردار سے کہیں زیادہ برا ہے۔

جی ہاں! رسول خداؐ اپنے قوی نور بصیرت سے مشاہدہ فرما رہے تھے کہ ان کا عمل مردار سے زیادہ برا ہے۔اور اس کی شکل زیادہ رسوا کن اور بری ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: غیبت کرنے والا قیامت کے دن اپنا ہی گوشت کھائے گا۔ وسائل میں صدوق الطائفہ کی ''مجالس'' سے حضرت امیرؑ کی سند کے ساتھ منقول ہے کہ: آپ نے نوف البکائی کو موعظہ کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔المحجۃ البیضاء، ج۵ ص۲۵۳ کتاب آفات اللسان۔

قَالَ: قُلْتُ: زِدْني، قَالَ:

﴿اجْتَنِبِ الغَيْبَةَ فَاِنَّهَا ادامُ كِلابِ النَّار. ثُمَّ قَالَ: يَا نُوفُ كَذَبَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ وَلِدَ مِنْ حَلالٍ وَهُوَ يَاكُلُ لُحُومَ النَّاسِ بِالغِيبَةِ﴾ [1]

نوف کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: کچھ اور اضافہ فرمائیے۔ امامؑ نے فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ جہنم کے کتوں کی خوراک ہے۔ پھر فرمایا: اے نوف! جو شخص غیبت کے ذریعے لوگوں کا گوشت کھاتا ہے وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ وہ حلال زادہ ہے۔

ان روایات شریفہ میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ان سب کا واقع ہونا ممکن ہے یعنی کوئی شخص ہوسکتا ہے مردار کا گوشت بھی کھائے، اپنا گوشت بھی کھائے اور کتے کی صورت کا بھی ہو اور اس کی خوراک مردار ہو اور مردار کی شکل ہو اور جہنمی کتوں کی خوراک بھی ہو۔ آخرت میں صورتیں فاعل کی جہات کے تابع ہوں گی اور ممکن ہے کہ ایک موجود کی متعدد اور مختلف شکلیں ہوں۔ [2]

بدکردار عالم کے عمل کا مجسم ہونا

گمراہ اور بدکردار شخص جس نے عمامہ پہن لیا ہو اور امام جماعت بن گیا ہو اور (اپنے لیے ایک) دکان بنالی ہو (تاکہ) لوگوں کو فریب دے اور گمراہ کرے، اس کی یہی آلودگی ہے کہ جس کی بدبو سے اہل جہنم کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ یہ ایک ایسی بدبو ہے کہ جسے اس بدکردار اور بے عمل عالم نے اسی دنیا میں حاصل کیا ہے۔ اس کی بدبو سے اہل جہنم کو اذیت پہنچتی ہے۔ ایسا نہیں کہ آخرت میں اس میں کچھ اضافہ ہوتا ہو۔

آخرت میں جو کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے وہ دنیا میں ہی تیار ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے عمل کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں دی جاتی۔ جب کوئی عالم بدکردار اور خبیث ہو جائے تو سارے معاشرے کو گندا

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۸ ص ۶۰۰، ابواب احکام العشرہ، باب ۱۵۲ حدیث ۱۶۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۳۰۳، ۳۰۴۔

کر دیتا ہے۔ البتہ اس دنیا میں اس کی گندگی کی بدبو کو ہماری قوت شامہ محسوس نہیں کرتی جبکہ آخرت میں اس کی گندگی کی بو محسوس ہو گی۔[۱]

عالم دین (کے عمل بد) کی بدبو، ایک پورے عالم کو بدبودار کر دیتی ہے۔ جہنم میں عالم کی بدبو کی وجہ سے (جہنمی) آگ سے پناہ مانگیں گے اور یہ بدبو اور سڑاند دنیا پرستی کی بدبو ہے، مقام وجاہ طلبی کی بدبو ہے، ریاست طلبی کی سڑاند ہے۔[۲]

حبّ دنیا اور حبّ نفس کا مجسّم ہونا

حبّ نفس اور اس کے نتیجے میں حبّ دنیا میں مبتلا انسان جب دنیائے فانی سے کوچ اور ابدی مقام کی طرف جانے لگتا ہے تو احتضار اور کوچ کے وقت ممکن ہے اس پر بعض امور منکشف ہوں اور وہ جان لے کہ خداوند کا مأمور (فرشتہ) اسے، اس کے محبوب ومعشوق (یعنی دنیا) سے جدا کر رہا ہے اور ایسی حالت میں خطرہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ دشمنی اور نفرت وغصے کی حالت میں، کوچ کرے اور یہ حبّ نفس اور دنیا کی محبت کا نتیجہ ہے۔ روایات میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ ایک قابل اعتماد اور عبادت گزار شخص نے نقل کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ: ''میں ایک محتضر کے سرہانے حاضر ہوا تو اس نے کہا: جو ظلم خدا نے مجھ پر کیا ہے کسی اور نے نہیں کیا، وہ مجھے ان بچوں سے جدا کر رہا ہے جنہیں میں نے بہت ہی زحمت ومشقت سے پالا ہے!! میں وہاں سے اٹھ گیا اور اس نے جان دے دی''۔ میری نقل کردہ عبارت اور اس عبادت گزار عالم کی عبارت میں شاید قدرے اختلاف ہو۔ بہرحال جو ہم نے کہا ہے، اگر اس کے صحیح ہونے کا ذرا سا احتمال بھی ہو تب بھی یہ بات اس قدر اہم ہے کہ انسان کو اس کی فکر کرنی چاہیئے۔[۳]

۱۔ جہاد اکبر، ص ۱۷۔

۲۔ صحیفۂ امام، ج ۶ ص ۲۸۵۔

۳۔ جلوہ ہائے رحمانی، ص ۳۲، ۳۳۔

نفسانی شہوات میں اسارت کا مجسم ہونا

اگر پردہ اٹھ جائے تو پتہ چلے کہ خواہشات نفسانی اور شہوتوں کی ان زنجیروں کی قید و بند کے پس پردہ ان کی حقیقت کیا ہے؟ شاید وہ زنجیر کہ جس کا طول ستر ہاتھ کا ہے۱ اور جس کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اور وہ قید و زنجیر جو ہمارے لیے ہے وہ اسی دنیا میں ہمارا شہوت و غضب سے مغلوب ہونے ہی کی صورت ہے۔ ارشاد پروردگار ہے: ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً﴾ ۲ ''جو کچھ کیا تھا اسے حاضر پایا''۔ نیز ارشاد ہوا: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ۳

آخرت میں جو کچھ بھی ہم کو ملے گا وہ ہمارے اعمال ہی کی صورت ہے۔ خواہشات اور شہوات کے پیچ در پیچ سلسلے کو پھاڑ ڈالو اور دل کی بیڑیاں توڑ دو اور قید خانے سے باہر آ کر دنیا میں آزادی کی زندگی گزارو تاکہ آخرت میں بھی آزاد رہو۔ ورنہ اس قید کی صورت وہاں دیکھنا ہوگی اور جان لو کہ وہ بہت ہی تکلیف دہ ہوگی۔۴

عبادات کا مجسم ہونا

عبادات خصوصاً نمازیں اور خاص کر واجب نمازیں اخروی زندگی کیلئے سعادت، راس المال اور سرچشمۂ کمالات ہیں۔ مختلف ابواب میں موجود متعدد روایات برہان کی ایک قسم اور اصحاب کشف کے مشاہدہ کے مطابق عبادات مقبولہ میں سے ہر عبادت کی ایک خوبصورت اور نورانی غیبی شکل ہوتی ہے اور ملکوتی و اخروی صورت ہوتی ہے کہ جو غیبی عالم کے ہر مرحلے پر انسان کے ہمراہ رہتی ہے اور تمام سخت مقامات پر انسان کی دست گیری کرتی ہے۔۵

۱۔ یہ اشارہ ہے آیۂ شریفہ: ﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعاً﴾۔ سورۂ حاقہ، آیت/۳۲۔

۲۔ سورۂ کہف، آیت/۴۹۔

۳۔ اور جو کچھ اس نے (نیکی) کمائی ہے (اس کا فائدہ) اسی کیلئے ہے اور جو بدی کمائی ہے اس کا وبال (بھی) اسی پر ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت/۲۸۶۔

۴۔ چہل حدیث، ص/۲۵۷، ۲۵۸۔

۵۔ سرّ الصلاۃ، ص/۲۵۔

قراء ت قرآن کا مجسم ہونا

کتاب کافی شریف میں، سعد کی سند کے ساتھ حضرت امام باقر العلومؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''اے سعد! قرآن کی تعلیم حاصل کرو۔ کیونکہ قرآن، قیامت کے دن، بہترین صورت وشکل میں آئے گا''۔ امامؑ نے مزید فرمایا کہ: ''قرآن کریم مؤمنین وشہداء، انبیاء اور ملائکہ کی صف میں سے گزرے گا تو وہ سب کہیں گے کہ یہ ہم سے زیادہ نورانی ہے۔ تب رسول ختمی مرتبتؐ بتائیں گے کہ یہ قرآن کریم ہے'' ۔[1]

حضرت امام صادقؑ سے منقول ہے کہ ''جب خداوند متعال اولین وآخرین کو اکٹھا کرے گا تو اچانک وہ ایک شخص کو دیکھیں گے کہ اس سے پہلے انھوں نے اس سے زیادہ خوبصورت شکل نہیں دیکھی ہوگی'' ۔[2] مؤمنین اسے دیکھیں گے تو پہچان لیں گے کہ یہ قرآن ہے اور کہیں گے کہ یہ ہم میں سے ہے۔ جو چیزیں بھی ہم نے دیکھی ہیں یہ ان سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس مضمون کی احادیث بہت زیادہ ہیں کہ جو اہل معرفت کے اس قول کی واضح دلیل ہیں کہ اس عالم کے موجودات کیلئے، آخرت میں اخروی صورتیں ہوں گی ۔[3]

حق کے سامنے تسلیم ہونے کا مجسم ہونا

آخرت میں، حق کے آگے ارادے کے تسلیم ہوجانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ایسے انسان کے ارادے کو عوالم غیب میں نافذ فرما دیتا ہے اور اسے اپنی مثل اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ

۱۔ عن ابی جعفرؑ، قال: ﴿یـا سَـعدُ! تَعَلَّمُوا القُرآنَ. فَانَّ القُرآنَ یَأتِي یَومَ القِیامَةِ فِي أحسَنِ صُورَةٍ نَظَرَ الَیها الخَلق... الخ﴾۔ اصول کافی، ج۲ص ۵۹۶۔۵۹۸، کتاب فضل القرآن، باب احدیث۱۔

۲۔ قال أبو عبداللهؑ: ﴿اذا جَمَعَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ الأوَّلِینَ وَالآخَرِینَ اذا هُم بِشَخصٍ قَد أقبَلَ لَم یَرَ قَطُّ أحسَنَ صورَةً مِنهُ فَاذا نَظَرَ الَیهِ المُؤمِنُونَ وَهُوَ القُرآنُ قالُوا: هذا مِنّا، هذا أحسَنُ شَيءٍ رَأَینا... الخ﴾۔ اصول کافی، ج۲ص۶۰۲ کتاب القرآن، باب۱، حدیث۱۴۔

۳۔ آداب نماز، ص۲۰۹، ۲۱۰۔

جس طرح خود ذات مقدس جس چیز کا بھی ارادہ کرتی ہے، محض ارادے سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندے کو بھی ایسا ہی بنا دیتا ہے۔ (اور اس کا ارادہ نافذ ہونے لگتا ہے)۔

بعض اہل معرفت نے رسول اکرمؐ سے ان اہل بہشت کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ جن کے پاس ایک فرشتہ آئے گا اور اجازت حاصل کرنے کے بعد بارگاہ ربوبیت کی جانب سے ایک خط انھیں دے گا اس مکتوب میں، خداوند متعال کے سلام وتحیت کے بعد ہر مخاطب انسان کے نام درج ہوگا۔

مِنَ الحَيِّ القَيُّومِ الَّذِي لاٰ يَمُوتُ الَى الحَيِّ القَيُّومِ الَّذِي لاٰ يَمُوت. أمّا بَعْدُ، فَانّي أقُولُ لِلشَّيءِ كُنْ فَيَكُون، وَقَدْ جَعَلْتُكَ تَقُولُ لِلشَّيءِ كُنْ فَيَكُون. فَقالَ صلى الله عليه وآله وسلم: "فَلاٰ يَقُولُ أحَدٌ مِنْ أهْلِ الجَنَّةِ لِلشَّيءِ كُنْ الاّٰ وَيَكُون"۔

اور یہ ایسی سلطنت الٰہیہ ہے کہ جو بندہ کو اپنا ارادہ ترک کرنے، خواہشات نفسانی کو چھوڑنے اور ابلیس اور اس کے لشکر کی اطاعت سے دور رہنے کے سبب ملے گی۔[۱]

اعمال وجزاء میں عدم تناسب کے شبہے کا جواب

دنیوی اعمال کے نتیجہ میں اخروی ثواب وعقاب

عالم آخرت میں جو کچھ بھی ہو وہ وہی چیز ہوگی جسے ہم دنیا میں تیار کر چکے ہوں گے اسے ہم خود ہی آخرت میں بھیجتے ہیں۔ ہمیں اپنے اعمال کے سوا اور کچھ نہیں دیا جائے گا۔ یہ سب ہماری ہی اعمال ہوں گے۔[۲]

دنیوی اور اخروی عذاب میں فرق

عذاب الٰہی کی بنیاد ہمارے اعمال ہیں۔ ہم سے جو بھی عمل صادر ہوتا ہے، آخرت میں اس

۱۔ آداب نماز، ص ۳۲، ۳۳۔ ۲۔ صحیفۂ نور، ج ۲۲ ص ۳۔

کی ایک صورت ہوگی جو انسان کی طرف پلٹائی جائے گی۔ آخرت کا عذاب، دنیوی عذابوں کی طرح نہیں کہ جن کی ڈیوٹی لگی ہو۔ وہ آئیں اور انسان کو گھسیٹتے ہوئے لے جائیں آخرت میں انسان کے اندر سے آگ ظاہر ہوگی، جہنم کی بنیاد، انسان ہے اور انسان سے جو بھی عمل صادر ہوتا ہے۔ اسی کی شدّت اور مدّت، عذاب کی شدّت اور مدّت میں اضافہ کرتی ہے۔[1]

اخروی ثواب وعقاب، انسانی باطن کا ظہور ہے

ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہم انجام دیں گے اس کی غیبی شکل آخرت میں ہم تک پہنچے گی اور ہم اپنے ہی اعمال میں گرفتار ہوں گے۔ ہمیں الگ سے کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ ہم ہیں کہ جو اس عالم کی بنیاد رکھتے ہیں۔ آپ کے اعمال ہی آپ کو لوٹائے جائیں گے۔ ﴿انّما هِيَ أعمالُکُم تُرَدُّ الیکم﴾ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقالَ ذَرَّةٍ خيراً يَرَه﴾۔[2] انسان ثواب لے کر قیامت کے دن نہیں جائے گا بلکہ اپنے اعمال کو دیکھے گا۔ ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَه﴾۔[3] وہ خود برائی اور شر کو دیکھے گا، خود عمل کو وہاں دیکھے گا۔ ہمارے کام، ہمارے عقائد اور ہمارا اخلاق، سب کے سب وہاں منعکس ہوں گے۔[4]

اعمال کے نتیجہ سے ڈرانا

آیت ﴿وَلْتَنظُر نَفسٌ ما قَدَّمَتْ لِغَد﴾۔[5] ہمیں، ہمارے اعمال کے نتیجے سے ڈرا رہی ہے اور یہ گواہ ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں، وہی ہمارے اعمال سے ملتی جلتی صورت میں آخرت میں جائے گا اور ہم تک پہنچے گا۔[6]

۱۔ صحیفہ امام، ج ۱۹ ص ۱۱۳، ۱۱۴۔
۲۔ سورۂ زلزال، آیت ۷۔
۳۔ سورۂ زلزال، آیت ۸۔
۴۔ صحیفہ امام، ج ۱۶ ص ۱۴۰۔
۵۔ سورۂ حشر، آیت ۱۸۔
۶۔ نقطۂ عطف، ص ۲۰۔

آخرت میں ہمارے اعمال کا انعکاس

جب انسان دنیا سے آخرت کی طرف جاتا ہے اور پردے ہٹتے ہیں تب سمجھتا ہے کہ: ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُم﴾ -۱ ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً﴾ -۲ جتنے بھی اعمال دنیا میں انسان انجام دیتا ہے، وہ آخرت میں دیکھے جاتے ہیں اور اس کے سامنے مجسم ہوجاتے ہیں۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يَرَه ☆ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَه﴾ -۳

انسان کے تمام اعمال، کردار اور گفتار دوسرے جہان میں منعکس ہوتے ہیں۔ گویا ہماری زندگی کی مووی بنائی جاتی ہے جو آخرت میں دکھائی جائے گی اور وہ ناقابل انکار ہوگی۔ ہماری تمام حرکات وسکنات اور اعمال، اعضاء وجوارہ کی گواہی کے علاوہ ہمیں دکھائی جائیں گی۔

﴿قَالُوا أَنطَقَنَا اللهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيءٍ﴾ -۴ خداوند کے سامنے کہ جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت دی ہوئی ہے، ہم اپنے برے اعمال کو چھپا نہیں سکتے اور ان کا انکار نہیں کرسکتے۔۵

جنت اور دوزخ کا انسان کے عمل سے بننا

جنت اور دوزخ انسان کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسان کا عمل صالح ہوتو وہ بہشت کے پیدا ہونے کا باعث بنتا ہے اور اگر غلط اور برا ہوتو اس سے دوزخ پیدا ہوتا ہے۔ -۷

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۸۲؛ سورۂ انفال، آیت/۵۱۔

۲۔ سورۂ کہف، آیت/۴۹۔

۳۔ سورۂ زلزال، آیت/۷، ۸۔

۵۔ انھوں نے کہا: ہمیں اس خدا نے بولنا سکھایا ہے جس نے ہر چیز کو گویائی عطا کی ہے۔ سورۂ فصلت، آیت/۲۰۔

۶۔ جہاد اکبر، ص۳۲، ۳۳۔

۷۔ صحیفہ امام، ج۸ ص۱۷۲۔

دوزخ، انسانی عمل واخلاق کی مختلف صورتوں کا نام ہے

جہنم اور عالم ملکوت وقیامت کے مختلف عذاب، خود تیرے عمل اور اخلاق (کی مختلف) شکلیں ہیں۔ تو نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ذلت وعذاب سے دوچار کیا ہے اور کرتے ہو۔ تم اپنے پاؤں کے ساتھ جہنم کی طرف جاتے ہو اور اپنے عمل سے جہنم تیار کرتے ہو۔ جہنم سوائے تیرے برے اعمال کے باطن کے اور کچھ بھی نہیں۔ برزخ وقبر اور قیامت کی تاریکیاں اور وحشتیں، انسان کے باطل عقائد اور برے اخلاق کے تاریک سائے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يَرَه ☆ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَه﴾ [۱]

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: ''یہ آیہ شریفہ، محکم ترین آیات میں سے ہے''۔[۲] اور اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ ہم اچھے اور برے عمل کو دیکھیں گے...

اگر بنی نوع انسان کے اعمال نہ ہوتے اور ہمارے برے اعمال کی غیبی صورتیں نہ ہوتیں تو جہنم بھی نہ ہوتا اور پورا عالم غیب، ٹھنڈا اور سلامتی والا ہوتا۔[۳]

جہنم کی آگ جلانے والے اعمال وکردار

آپ لوگ اپنے ہاتھوں سے آگ نہ جلائیں، جہنم کی آگ کو نہ بھڑکائیں۔ آتش جہنم انسان کے برے اعمال وکردار سے روشن ہوتی ہے۔ یہ انسان کے برے اعمال ہیں کہ جو آگ کے شعلے بھڑکاتے ہیں۔ اولیاء اللہ فرماتے ہیں: ﴿جُزنا وهي خامدة﴾ ہم جہنم سے گزر گئے جبکہ اس کی

۱۔ ہر شخص ذرّہ بھر اچھائی انجام دے تو اسے دیکھے گا اور اگر ذرّہ بھر برائی انجام دے گا تو اسے (بھی) دیکھے گا۔ سورۂ زلزال، آیت ۷، ۸۔

۲۔ یہ قول: تفسیر مجمع البیان، ج ۱۰ ص ۸۰۰ اور ''نور الثقلین'' ج ۵ ص ۶۵۰، حدیث ۱۶ میں، رسول خداؐ کے صحابی عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب ہے۔

۳۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

آگ بجھی ہوئی تھی۔ اگر بشر اپنے اعمال و کردار کے ذریعے آگ نہ جلائے تو جہنم ہمیشہ بجھا رہے۔[1]

۱۔ جہاد اکبر، ص ۳۲۔

پندرہویں فصل:

اخروی ملکوتی صورت

باطن کا ظاہر سے رابطہ

بارہا ذکر کیا گیا ہے کہ روح وملکوتی باطن اور ظاہر ونفس کے ملکی قویٰ کے درمیان اس قدر زیادہ رابطہ پایا جاتا ہے کہ ظاہر وباطن آپس میں، ایک دوسرے کے آثار سے متاثر ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کا کمال ونقص اور صحت وبطلان دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک سالم وکامل روح، اپنے کمال اور سلامتی کا مظاہرہ ملکی قوای کے دریچوں سے کرتی ہے اس کی مثال اس کوزے کی مانند ہے کہ جو اپنے صاف اور شیرین پانی کو اپنے مسام، کہ جو ظاہر وباطن کے درمیان رابطے کا کام کرتے ہیں، کے ذریعے خارج کرتا ہے۔﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلىٰ شَاكِلَتِهِ﴾[۱] اسی طرح ایک ایسی علیل اور ناقص روح کہ جس کے چہرے پر زمانے بھر کی پریشانی اور سیاہ بختی چھائی ہوئی ہو اور جو شیطان کی پیروی میں فطری سعادت وکمال کو ہاتھ سے کھو کر انواع واقسام کے پردوں میں پنہان ہو چکی ہو، وہ اپنے قوای کے منافذ سے کہ جو ملک اور ملکوت کے درمیان رابطے کا کام کرتے ہیں، اپنے رنگ یعنی ''صبغۃ الشیطان'' کہ جو ''صبغۃ اللہ'' کے مقابلے میں ہے، کو ظاہر کرتی ہے۔(یہ بیمار روح) اپنے ملکی قوا کے ظاہر کو، اپنی شکل وشاکلہ پر لے آتی ہے۔جس طرح کوزہ، تلخ وکھاری پانی کو اپنے اندر سے ٹونٹی کہ جو ظاہر وباطن کے درمیان رابطہ ہے، کے ذرائع ظاہر کرتا ہے اور ایسا اتفاق کم ہی ہوتا ہے کہ نفس کے روحانی وقوائے ماسکہ (گناہ سے بچانے کے قوا) اس قدر قوی اور انسان کی خود حفاظتی کی بنیادیں اس قدر شدید ہوں کہ

۱۔ ہر شخص جس طرح پروان چڑھا ہے اسی طرح عمل کرتا ہے۔ سورۂ اسراء، آیت۸۴۔

وہ کسی پر اپنے اسرار (نفسانی) ظاہر یہ ہونے دے۔ یہ چونکہ جبری اور مخالف طبیعت ہوتی ہے اس لیے مجبوراً ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتی ہے اور ایسا، یا دنیا میں ہوتا ہے جب نفس اپنی طبیعی حالت سے خارج ہو جاتا ہے، یا غضب کی شدت سے کہ جو اکثر پیش آتی ہے یا شہوت کے غلبہ سے۔ البتہ یہ قوای ماسکہ کو کم ہی خراب کرتا ہے اور اگر دنیا میں اتفاقاً یا قوت ماسکہ کی شدت کی وجہ سے اپنی روحی حالت اور اخلاق کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دے۔ تو آخرت میں کہ جو حقائق کے ظاہر اور سرائر کے کشف ہونے کا دن ہے، نفس کی قدرت ماسکہ پر کہ جو جبری تھی، غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو لامحالہ جو کچھ باطن میں ہوتا ہے وہ ظاہر اور جو کچھ راز میں ہوتا ہے وہ منکشف ہو جاتا ہے۔ البتہ ایسا دنیا کی طرح اور سرایت کے ذریعے نہیں ہوتا ہے، بلکہ علیّت و معلولیّت اور ارادۂ روح کے احدی التعلق سے ہوتا ہے۔ ﴿یَومَ یُکشَفُ عَن ساقٍ﴾ ۔۱ ﴿یَومَ تُبلَی السَّرائِرُ﴾ ۔۲

آخرت میں پردہ ڈالنا اور اظہار کو روکنا ممکن نہیں۔ اس جگہ پوری زندگی ظاہر ہو جائے گی اور تمام خفیہ راز، برملا ہو جائیں گے۔ وہاں خوبیاں بھی ظاہر ہو جائیں گی اور بدیاں بھی آشکار ہو جائیں گی۔ ملکوتی صور و اشکال، ملکوتیوں کی انواع و اقسام کیلئے بنتی ہیں اور دنیا میں واقع ہونے والا، ملکوتی تناسخ کہ جس کی طبیعت پیروی کرتی تھی، وہاں اس کی واقعیت، ظاہر ہو جائے گی۔

جو کچھ یہاں تک بیان ہوا ہے وہ باطن اور اسرار (نفس) کے ظاہر اور برملا ہونے کے بارے میں تھا۔ اسی طرح روح اور ظاہری قوا کے درمیان اسی رابطے کے ذریعے، ظاہری اعمال واطوار، روح پر بہت ہی واضح آثار چھوڑتے ہیں اور اچھے و برے اعمال اور خوبصورت و بدصورت کردار کے ذریعے ملکات حسنہ و فاضلہ اور ملکات خبیثہ و سیئہ پیدا ہوتے ہیں اور باطن کے تشکیل پانے اور ملکوتی تنسخ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ۳

۱۔ وہ دن کہ جب پنہان باتیں، آشکار ہو جائیں گی۔ سورۂ قلم، آیت/۴۲۔

۲۔ وہ دن کہ جب پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔ سورۂ طارق، آیت/۹۰۔

۳۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۳۸۸، ۳۹۰۔

بدن سے روح کی مفارقت کے سبب نفسانی ملکات کا ظاہر ہونا

جونہی موت آتی ہے اور نفس کی توجہ بدن سے ہٹ جاتی ہے تو انسان کے تمام جسمانی امراض اور مادی مشکلات ختم ہو جاتی ہیں اور بدنی آلام و مصائب میں سے کوئی بھی چیز باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر خدانخواستہ وہ روحانی امراض اور نفسانی بیماری میں مبتلا رہا ہو تو نفس کی توجہ بدن سے ہٹتے ہی اور اپنے ملکوت کی طرف متوجہ ہوتے ہی، امراض و مشکلات بھی شروع ہو جاتی ہیں۔

دنیا کی طرف توجہ اور تعلق کی مثال اس نشہ آور شئے جیسی ہے جو انسان کو اپنے آپ سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ بدن سے روح کے تعلق کا ختم ہونا، اپنے آپ میں آنے کا باعث بنتا ہے اور جونہی وہ اپنے آپ میں آتا ہے آلام و مصائب اور امراض کہ جو اس کی ذات کے اندر تھے، اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور وہ تمام (نقائص و امراض) کہ جو اس وقت تک مخفی تھے اور خاکستر کے نیچے چنگاری کی مانند تھے، ظاہر ہونے لگتے ہیں۔[۱]

دنیا و آخرت میں ملکات کا اظہار اور پوشیدگی

حق تعالیٰ کہ جس کی رحمت عظیم اور جس کی ستاریت وسیع ہے، خلق کی تمام برائیوں اور پوشیدہ چیزوں کو چھپانے والا ہے اپنی کرامت و بزرگواری کے ساتھ، وہ انسان کو مختلف لباس عطا کر کے اس کے بدنی و ظاہری نقائص و برائیوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور حق تعالیٰ نے پردۂ ملکوت کے ذریعے انسان کے اعمال کی برائیوں کو ڈھانپا ہوا ہے اور اگر یہ ملکوتی ستاریت کا پردہ ہم بندوں کی اعمالی صورتوں پر نہ ہوتا اور ان کی غیبی صورت ظاہر ہو جاتی تو ہم اسی دنیا میں ذلیل و خوار اور رسوا ہو جاتے۔ لیکن حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی ستاریت کے ساتھ، انھیں اہل دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے اور (اپنی بزرگواری کے ساتھ) ہماری اخلاقی برائیوں اور ملکات خبیثہ کے ملکوت کو اس معتدل و مستقیم ملکی صورت میں ڈھانپ رکھا ہے۔ اگر وہ اس پردے کو پھاڑ ڈالتا اور

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۰۷۔

اخلاقی ملکات کی صورتیں ظاہر ہو جاتیں تو ہم میں سے ہر ایک، اس باطنی ملکہ کے ساتھ مناسب صورت میں ہوتا۔ چنانچہ اس عالم کے علاوہ کہ جو سرائر کے ظاہر ہونے کا وقت اور ملکات کے ظہور کا دن ہے، ایسا ہی ہوگا۔[1]

اخروی ملکوتی صورت کا دنیوی ملکات کے تابع ہونا

جان لو کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنے دست قدرت وحکمت سے عالم غیب اور باطن نفس میں ایسی قوتیں خلق فرمائی ہیں کہ جو بے شمار منافع کی حامل ہیں۔ یہاں پر ہم فقط تین قوتوں کے بارے میں بحث کریں گے اور وہ تین قوتیں: ۱۔ واہمہ ۲۔ غضبیہ ۳۔ شہویہ ہیں۔ ان قوتوں میں سے ہر ایک کے، بنی نوع انسان اور فرد کی حفاظت دنیا وآخرت کی تعمیر کے اعتبار سے بے انتہا فوائد ہیں۔ جن کو علماء نے ذکر کیا ہے کہ فی الحال ہمیں انکے بارے میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں پر صرف اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہ تینوں قوتیں تمام اچھے برے ملکات کا سرچشمہ ہیں اور تمام غیبی وملکوتی صورتیں انہی سے نکلتی ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح انسان اس دنیا میں ایک ملکی (ظاہری) دنیوی صورت رکھتا ہے کہ جسے خداوند تبارک وتعالیٰ نے کمال حسن وخوبی اور بدیع (و بے مثال) ترکیب کے ساتھ خلق فرمایا ہے کہ تمام فلاسفہ اور بزرگوں کی عقول متحیر ہیں اور معرفۃ الاعضاء اور تشریح (الابدان) کا علم (یعنی اناٹومی وفزیالوجی) اب تک اس کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکا اور (جس طرح) خدا نے تمام مخلوقات کے درمیان انسان کو حسن ترکیب، حسن وجمال اور خوبصورتی سے نوازا ہے، اسی طرح موت کے بعد کے عالم (خواہ وہ برزخ ہو یا قیامت) کیلئے (بھی) ایک ملکوتی وغیبی شکل وصورت (معین کی) ہے۔ (البتہ) یہ ملکوتی صورت اس کے نفس کے ملکات اور خلق باطن کے تابع ہوتی ہے۔ (یعنی) اگر انسان کا باطنی اخلاق، ملکہ اور سریت، انسانی ہوگا تو

۱۔ سر الصلاۃ، ص۴۹، ۵۰۔

اس کی ملکوتی صورت بھی انسانی صورت میں ہوگی۔لیکن اگر اس کے ملکات غیر انسانی ملکات ہوں گے تو پھر اس کی صورت، انسانی نہیں ہوگی، بلکہ اسی ملکہ اور سریرہ کے تابع ہوگی۔مثلاً اگر اس کے باطن پر شہوت وبہیمیّت کا غلبہ ہوگا تو مملکت باطن کا حکم (بھی) بہیمیہ ہوگا اور انسان کی ملکوتی صورت بھی کسی ایسے جانور کے تابع ہوگی جو اس کے خلق کے مطابق ہوگا اور اگر باطن پر غضب ودرندگی (جیسی صفات) مسلط ہوں گی تو اس کی مملکت باطن وسریرت کا حکم (بھی) درندہ (صفت) حکم ہوگا اور اس کی ملکوتی وغیبی صورت کسی درندے کے مطابق ہوگی اور اگر اس پر وہم وشیطنت کا غلبہ ہوگا اور اس کے باطن وسریرت میں شیطانی ملکات راسخ ہوگئے، مثلاً دھوکہ، چغلخوری، غیبت، وغیرہ تو اس کی ملکوتی صورت، شیاطین کی صورت پر ہوگی۔

ضروری نہیں کہ انسان دنیا میں جس صورت میں ہے آخرت بھی اسی صورت میں ہو۔خداوند متعال فرماتا ہے کہ حشر کے وقت بعض لوگ کہیں گے: اے خدا! تو نے مجھے اندھا کیوں محشور کیا ہے؟ جبکہ میں دنیا میں آنکھیں رکھتا تھا۔ جواب میں خدا فرمائے گا: کیونکہ تو نے ہماری آیات (نشانیوں) کو فراموش کردیا تھا (لہذا) آج تم بھی فراموش کردیئے گئے ہو۔[۱] اے بے چارے انسان تم ملکی (دنیوی) ظاہر بین آنکھ تو رکھتے تھے لیکن تمہارا باطن اور ملکوت اندھا تھا۔تو نے اپنے اندھے پن کا اب ادراک کیا ہے جبکہ تم پہلے ہی سے اندھے تھے۔تم باطنی چشم بصیرت سے عاری تھے کہ جس سے آیات خدا کو دیکھا جاتا ہے۔اے بے چارہ انسان! تو دنیوی بلند قد وقامت اور خوش ترکیب صورت کے حامل ہو جبکہ باطن وملکوت کا معیار، اس کے برعکس ہے۔تم باطنی استقامت پیدا کرو تا کہ قیامت میں مستقیم القامت بنو۔تمہاری روح، انسانی روح ہونی چاہیئے تا کہ عالم برزخ اور عالم آخرت میں تمہاری صورت، انسانی صورت رہے۔تم خیال کرتے ہو کہ عالم غیب وباطن، جو کشف سرائر وظہور ملکات کا عالم ہے، یہ دنیا کے عالم ظاہر کی طرح ہے کہ جہاں

۱۔یہاں آیہ شریفہ: ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيراً ☆ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ﴾ (سورۂ طٰہ، آیت/۱۲۵، ۱۲۶) کی طرف اشارہ ہے۔

امور میں اشتباہ اور خلط ملط ہوتا ہے۔ (جان لو!)، تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، تمہارے ہاتھ پیر بلکہ سارے اعضاء، ملکوتی زبان کے ساتھ بلکہ بعض کے بقول، ملکوتی صورت کے ساتھ، ہر اس چیز کی شہادت و گواہی دیں گے جو تو نے انجام دی ہے۔[۱]

آخرت میں انسان کی ہشتگانہ صورتیں

عالم آخرت کہ جو غیبی صورتوں اور نفسانی ملکات کے ظاہر ہونے کا دن ہے، میں انسانی صورت، بطور کلی، آٹھ صورتوں میں سے کوئی نہ کوئی ایک ہوتی ہے۔ کیونکہ عالم آخرت اور ماورائے عالم طبیعت کے نشئہ میں انسان کا مقام جسمانیت اور صورت ظاہری، مقام نفس اور صورت روحانی کے تابع ہے۔

پس اگر انسان نے دنیا میں انسانیت کی راہ مستقیم پر حرکت کی اور ان تین[۲] قوہ کو اعتدال پر اور انھیں روحانیت و عقل کے تابع رکھا، اسی طرح اس کا ظاہر و باطن شریعت الٰہیہ کے معیار پر رہا، اس کے باطن نے ملکۂ استقامت حاصل کر لیا اور اس کی روح اور باطن کی صورت، مستقیم انسانی صورت ہوئی تو اس کی جسمانی و ظاہری صورت، آخرت میں مستقیم اور جمیل انسانی صورت ہوگی۔

اور اگر نفس کا مقام روحانیت اور اس کا نشئہ عقلیہ، دوسری تین قوتوں میں سے کسی ایک کے تابع ہو گیا ان تین قوتوں میں کسی ایک قوت نے غلبہ حاصل کر کے دوسرے قوتوں کو اپنے تحت تأثیر کر لیا اور مملکت انسانی کے ظاہر و باطن کو اپنے حکم کے ماتحت کر لیا تو باطنی و ملکوتی صورت (بھی) اس کے تابع ہو جائے گی۔ لہٰذا غیبی و ملکوتی صورت یا تو درندوں میں سے کسی ایک درندے کی شکل میں ہو جائے گی، اگر قوۂ غضبیہ کا غلبہ ہوا۔ یا چوپایوں میں سے کسی چوپائے کی شکل میں ہو جائے گی اگر قوۂ شہویہ کا غلبہ ہوا اور مملکت، مملکت شہوی بن گئی۔ (اسی طرح) اگر قوۂ واہمہ

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۴-۱۶۔

۲۔ قوۂ شہویہ، قوۂ غضبیہ، قوۂ وہمیہ۔

شیطانیہ کا غلبہ ہوگیا تو مملکت (نفس) شیطان کے تصرف میں چلی جائے گی۔ یہ بسیط ملکوتی صورتیں ہیں۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان تین قوتوں میں سے دو قوتیں مملکت (نفس) کی حکمران بن جاتی ہیں اور انسان ایک ہی وقت میں کمال غضب پر بھی ہوتا ہے اور کمال شہوت پر بھی یا کمال شیطنت کے ساتھ، کمال شہوت یا کمال غضب کا بھی حامل ہوتا ہے۔ لہذا، دو قوتوں کے ایک ساتھ ہو جانے سے، مرکب ملکوتی صورت حاصل ہو جاتی ہے۔ نہ تو وہ فقط درندہ ہوتا ہے نہ فقط حیوان اور نہ ہی فقط شیطان اور ان دو قوتوں کی ترکیب سے، تین صورتیں حاصل ہوتی ہیں اور کبھی تو تینوں قوتیں انسان میں عروج پر ہوتی ہیں۔ پس باطن ہر تین کے تابع ہو جاتا ہے اور وہ ایک مرکب صورت، ان تینوں سے حاصل ہوتی ہے۔

ممکن ہے آخرت میں انسان کی ایک ہی آن میں، ایک سے زیادہ صورتیں ہوں یا ہر حال میں ایک جداگانہ صورت ہو، کبھی درندہ ہو، کبھی حیوان و چوپایہ اور کبھی شیطان۔

پس معلوم ہوا کہ انسانی صورت، ان آٹھ صورتوں میں سے فقط ایک ہے اور باقی غیر انسانی صورتیں ہیں۔[1]

مشرک کی ملکوتی صورت

چونکہ (مشرک) کا دل، الٰہی فطرت سے خارج اور کمال کے مرکزی نقطہ سے ہٹا ہوا اور نور و جمال کے مرکز سے منحرف اور ہادی مطلق، ولی کامل کے اتباع سے الگ اور اپنی انسانیت، انیت اور دنیا و زینت دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دوسرے عوالم میں بھی انسان سیرت و صورت مستقیمہ پر محشور نہیں ہوگا، بلکہ کسی حیوان منکوس الرأس شکل میں محشور ہوگا، کیونکہ آخرت میں، ہیئت و صورت، قلوب کے تابع ہوتی ہے اور ظاہر باطن کا سایہ اور چھلکا، مغز کا پرتو ہے اور آخرت کے

۱۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۲۸۳، ۲۸۴۔

مواد دنیا کے مواد کی مانند باطن ملکوتی اشکال کو قبول کرنے سے انکار نہیں کرتے اور یہ بات اپنی جگہ برہان سے ثابت ہے۔ اس لیے جو قلب حق وحقیقت سے اعراض کئے ہوئے ہے اور فطرت مستقیمہ سے خارج ہے اور دنیا کی طرف توجہ کئے ہوئے ہے۔ اس کا سایہ بھی اسی کی طرح استقامت سے خارج، منکوس اور طبیعت و دنیا کی طرف رخ کئے ہوئے ہے کہ جو اسفل السافلین ہے اور بعض لوگ آخرت میں اپنے سر کے بل چلیں گے انکے پیر اوپر ہوں گے اور بعض پیٹ کے بل رینگ رہے ہوں گے بعض حیوانات کی طرح ہاتھ پاؤں پر چل رہے ہوں گے۔ جیسا کہ دنیا میں وہ اسی طرح چلتے تھے: ﴿أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمْ مَنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ [۱] ممکن ہے یہ مجاز جو عالم مجاز میں ہے، عالم حقیقت اور روحانیت کے ظاہر ہونے پر، حقیقت کا روپ دھار لے۔[۲]

آخرت میں انسان کی وحشتناک صورت

دو یا متعدد ملکات سے مرکب ہو کر انسان کی ملکوتی صورت وشکل کے تشکیل پانے کا امکان ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی ملکوتی صورت کسی بھی حیوان کی طرح نہیں ہوگی، بلکہ وہ ایسی عجیب وغریب صورت کا حامل ہوگا اور ایسی وحشتناک شکل حاصل کرلے گا کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ چنانچہ رسول خداؐ سے منقول ہے: ''قیامت میں کچھ لوگ ایسی شکل وصورت میں محشور ہونگے، جن کی شکل وصورت سے کہیں اچھی شکل بندروں اور گوریلوں کی ہوتی ہے''۔ بلکہ یہ بھی امکان ہے کہ آخرت میں ایک شخص کی کئی صورتیں ہوں گی، کیونکہ آخرت دنیا کی طرح نہیں ہے کہ جو ایک صورت سے زیادہ کو قبول نہیں کرتی اور یہ بات دلیل وبرہان کے ساتھ اپنی جگہ ثابت شدہ ہے۔[۳]

۱۔ سورۂ ملک، آیت/۲۲۔

۲۔ چہل حدیث، ص۵۳۱، ۵۳۲۔

۳۔ چہل حدیث، ص۱۵۔

ایک فرد کا مختلف صورتوں میں محشور ہونا

میں نے ایک صاحب الرائے شخص (خدا ان پر رحمت نازل فرمائے) سے سنا ہے کہ: آخرت میں تجسّم اور ملکات کے ظہور کا تقاضا یہ ہے کہ بعض لوگ (متعدد) اور مختلف صورتوں میں محشور ہوں اور ایک ہی وقت میں (مثلاً) خنزیر، چوہے اور کتے وغیرہ کی (شکل) میں ہوں [۱]

ایک فرد کی متعدد صورتیں ہونا

شارح نے شیخ کے قول: ''صورتوں کے مختلف اور متعدد ہونے کی دلیل'' کے بارے میں (وضاحت کے طور پر) کہا ہے: یعنی دوسری بار باطن زمین کی طرف منتقل ہوتے وقت متعدد صورتوں اور ہیئتوں میں سے جو غالب صورت و ہیئت تم پر طاری ہوگی تم اسی کے ساتھ نکلو گے۔

عارف کامل شیخ شاہ آبادی (ادام اللہ ظلّہ) فرماتے ہیں: صورتوں کا مختلف و متعدد ہونا، متعدد اشخاص کے بارے میں نہیں ہے، جیسا کہ شارح کا کہنا ہے، بلکہ ایک شخص کے بارے میں ہے۔ یعنی ایک انسان کیلئے جتنی بھی صورتیں (ممکن) ہیں وہ انکے ساتھ عالم ملکوت سے عالم ملک اور عالم ملک سے ملکوت کہ جو برزخ ہی ہے اور وہاں سے عالم قیامت کی طرف جائے گا۔[۲]

۱۔ سمعت من احد اهل النظر رحمه الله تعالیٰ یقول: "انّ مقتضی تجسّم الملکات وبروزها في النشأه الآخرة أنّ بعض الناس یحشر علی صور مختلفة، فیکون خنزیراً وفارة وکلباً الی غیر ذلك في أن واحد"۔ شرح دعائے سحر، ص۲۶۔

۲۔ قال الشّارح عند قول الشیخ "لاختلاف الوجوه" [☆۱]: ای "یخرج کلّ واحد منکم من الأرض تارة أخریٰ علیٰ صورةٍ تقتضیها" هیئته الغالبة علیٰ نفسه حال انتقاله الیٰ باطن الأرض لاختلاف الوجوه والهیئات..."۔ قال شیخنا العارف الکامل الشّاه آبادي، ادام الله ظلّه الظّلیل: انّ اختلاف الوجوه یکون بالنّسبة الی شخص واحد، لا اشخاص متعدّدة کما ذکره الشّارح، اي لاختلاف الوجوه الذي للشخص الأنساني خرج من الملکوت الی الملك ومن الملك الی الملکوت الذي هو البرزخ ومنه الی القیامة۔ -->

انسان کا آخری دنیوی شکل میں محشور ہونا

جان لو کہ ان مختلف صورتوں کہ جن میں فقط ایک انسانی صورت ہے اور باقی جانوروں کی صورتیں ہیں، کا دارومدار انسان کے بدن سے روح کے نکلنے کی کیفیت، برزخ کی مملکت کے شروع ہونے اور سلطان آخرت کے تسلط حاصل کرنے کہ جس کی ابتداء برزخ ہے، پر ہے۔

روح جس ملکہ کے ساتھ دنیا سے جاتی ہے آخرت میں اسی ملکہ کے مطابق روپ دھار لیتی ہے اور ملکوتی و برزخی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور وہ خود بھی، برزخی آنکھ کھولنے پر اپنے آپ کو جس شکل وصورت میں بھی ہو، دیکھتی ہے بشرطیکہ اس کی آنکھیں ہوں ۱۔

نفس کی آخری حالت پر اخروی صورت کی تعیین کا دارمدار ہونا

قوۂ عاقلہ کے بعد انسان کی طبیعی نشو ونما کے اوائل ہی سے اس کے ساتھ تین قوتیں ہوتی ہیں:

ایک، قوت واہمہ کہ جسے ہم "قوۂ شیطنت" کہتے ہیں۔ یہ قوت چھوٹے بچے میں اول سے ہی موجود ہوتی ہے۔ اسی کے ذریعے وہ جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ وفریب دیتا ہے اور مکرو بہانہ جوئی کرتا ہے۔

دوسری، قوۂ غصبیہ ہے جسے "نفس سَبُعی" کہتے ہیں اور یہ قوت خطرات ومضر اشیاء سے بچنے اور فوائد کے موانع کو دور کرنے کیلئے ہوتی ہے۔

تیسری، قوۂ شہویہ ہے جسے "نفس بہیمی" کہتے ہیں اور وہ شہوات، مفاد کے حصول اور کھانے پینے اور نکاح (وغیرہ) میں لذات حاصل کرنے کا سرچشمہ ہے۔

<۔۔ تعلیقات علیٰ شرح فصوص الحکم، ص ۹۸۔

☆۱۔ قیصری کی نظر میں، انسان جس صورت میں محشور ہوتا ہے، وہ اس کی موت کے وقت کی (آخری) صورت ہوتی ہے۔

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۵۔

یہ تین قوتیں، عمر کے مطابق مختلف ہوتی ہیں، جس قدر انسان طبیعی رشد کرتا ہے اسی قدر، یہ تین قوتیں اس میں کامل ہوتی رہتی ہیں اور روز بروز ترقی کرتی ہیں۔ ممکن ہے انسان میں ان تین قوتوں میں سے ہر ایک قوت اپنے عروج تک پہنچ جائے، یہاں تک کہ ان تینوں میں سے کوئی دوسری سے آگے نہ بڑھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے ایک قوت، دوسری دو پر غلبہ حاصل کرلے، اسی طرح ممکن ہے، دو قوتیں، ایک پر غالب آجائیں، اس لحاظ سے ملکوتی ممسوخات (مسخ ہونے والوں) کا اصول، سات صورتوں تک جا پہنچتا ہے۔

پہلی، بہیمی (حیوانی) صورت ہے۔ اگر باطن نفس کی صورت کو بہیمی صورت میں تصور کیا گیا ہو اور بہیمی نفس غالب آجائے تو انسان اخروی وغیبی اور ملکوتی صورت میں بہائم (چوپایوں وحیوانات) میں سے کسی ایک کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ مثلاً گائے وگدھے وغیرہ کی طرح ہوجاتا ہے اور جب انسان کی آخری حالت، سبعی (درندگی) ہو یعنی اس کا سبعی (درندہ صفت) نفس غالب آجائے تو (اس کی) غیبی وملکوتی شکل بھی، سباع (درندوں) میں سے کسی ایک کی شکل جیسی ہوجاتی ہے۔ مثلاً وہ چیتے وبھیڑیے وغیرہ (کی شکل اختیار کرلیتا ہے) اور اگر اس کی قوۂ شیطنت، دوسری تمام قوتوں پر غالب آجائے، اور اس کی (مرتے وقت) آخری حالت، شیطانی ہو تو اس کا ملکوتی باطن شیاطین میں سے کسی ایک کی شکل میں ہوتا ہے اور یہ مسخ ملکوتی کے اصول کی ایک اصل ہے۔

اور ان تینوں میں سے دو کے اکٹھا ہونے سے گائے، چیتا، گائے، شیطان اور چیتا کی تین صورتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور تینوں کی ترکیب سے، گائے، شیطان، چیتا کی ایک مرکب صورت حاصل ہوتی ہے۔[۱]

۱۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص۱۴۹، ۱۵۰۔

بعض اعمال وحرکات کی اخروی صورتیں

رذائل کے حامل لوگوں کی اخروی صورت

جن اشخاص کے یہاں طمع، حرص، جنگ وجدال، حبّ مال وحبّ مقام، حبّ دنیا جیسے گناہ ملکات بن چکے ہوں تو ان کیلئے ایک ایسا جہنم ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں عذاب کی صورتوں کا تصور بھی ہم لوگوں کا ذہن نہیں کرسکتا۔ یہ خود نفس کے باطن سے ظاہر ہوں گے اور انکے عذاب سے خود اہل جہنم بھی فرار کریں گے اور وحشت زدہ ہوں گے۔[۱]

منافق کی اخروی شکل

اگر انسان نفس امارہ کو کھلا چھوڑ دے اور اس کے بگاڑ کی طرف ذاتی میلان اور نفسانی نامناسب چیزوں اور شیطان کی مدد اور خناس کے وسوسہ کے ساتھ بگاڑ وبرائی کی طرف مائل ہوجائے تو پھر اس کی برائیاں دن بدن شدید اور زیادہ ہوتی جائیں گی اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ وہ رذیل صفت جس کی وہ پیروی کرچکا ہے نفس کی صورت جوہری اور آخری فصل بن جاتی ہے اور پھر اس کے ظاہر وباطن کی تمام مملکت اسی کے حکم میں آجاتی ہے۔ پس اگر وہ رذیل صفت نفاق کی طرح شیطانی صفت ہو یعنی جو اس ملعون کی مخصوص صفت ہے کہ جس کے بارے میں قرآن نے خبر دی ہے: ﴿وَقَاسَمَهُمَا انّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِين﴾[۲] ''(یعنی) شیطان نے آدمؑ وحواؑ کے سامنے قسم کھائی کہ میں آپ دونوں کو نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں''۔ جبکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ تو پھر نفس کی (پوری) مملکت شیطان کے تابع ہوجاتی ہے اور نفس کی آخری صورت اور ذات کا باطن اور اس کا جوہر (سب ہی) شیطان کی صورت اختیار کرلیتا

۱۔ چہل حدیث، ص ۲۱۔

۲۔ اور اس نے انکے سامنے قسم کھائی کہ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ سورۂ اعراف، آیت ۲۱۔

ہے اور دنیا میں انسانی صورت میں زندگی گذارنے کے باوجود، آخرت میں اس کی ظاہری شکل، شیطان جیسی ہوگی۔ منافقت اور نفاق ایک ایسی بری صفت ہے جس سے کوئی بھی شریف آدمی متصف نہیں ہوتا اور اس صفت کا حامل انسان انسانیت کے معاشرے سے خارج ہوتا ہے، بلکہ وہ کسی بھی حیوان کے مشابہ نہیں ہوتا وہ دنیا میں بھی اپنے جیسے دوسروں کے سامنے رسوا و ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: آخرت میں منافق کی حالت یہ ہوگی کہ آگ کی دو زبانوں کے ساتھ محشور ہوگا۔[۱] مخلوق خدا کے سامنے ذلیل و رسوا ہوگا۔ انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین کی موجودگی میں شرمندہ و ذلیل ہوگا۔ اسی روایت سے شدت عذاب کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ اگر جوہر بدن، جوہر آتش ہو جائے تو الم و درد کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے۔ میں اس کی شدت سے، خداوند کی پناہ مانگتا ہوں۔

دوسری حدیث میں منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: منافق قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی ایک زبان جو آگ کی ہوگی پشت کی طرف نکلی ہوئی ہوگی اور دوسری زبان جس سے آگ کے شعلے بلند ہوں گے آگے کی جانب نکلی ہوئی ہوگی اور یہ دونوں زبانیں اس کے سارے جسم کو آگ لگا دیں گی۔ پھر یہ اعلان کیا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جو منافق تھا۔ اس کے دنیا میں دو چہرے اور دو زبانیں تھیں اور وہ روز قیامت اسی عنوان سے معروف ہوگا۔[۲،۳]

۱۔ ففي الكافي الشريف باسناده عن أبي عبدالله ؑ: قال: ﴿مَنْ لَقِيَ الْمُسْلِمِينَ بِوَجْهَيْنِ وَلِسانَيْنِ جاءَ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَلَهُ لِسانانِ مِنْ نارٍ﴾۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: جو شخص مسلمانوں دو چہروں اور دو زبانوں کے ساتھ ملے، وہ قیامت کے دن اس طرح وارد ہوگا کہ اس کی دو زبانیں آگ کی ہوں گی۔

اصول کافی، ج۲ ص۳۴۳ کتاب الایمان والکفر، باب ذی اللسانین، حدیث ۱۔

۲۔ عن زيد بن علي عن آبائه عن علي عليهم السلام: قال: ﴿قال رسول الله، ﷺ: يَجيءُ يَوْمَ الْقِيامَةِ ذُوالْوَجْهَيْنِ دالِعاً لِسانُهُ في قَفاهُ وَآخَرُ مِنْ قُدّامِهِ، يَلْتَهِبانِ ناراً حَتّى يُلَهِّبا جَسَدَه. ثُمَّ يُقالُ لَهُ: هذا الَّذي كانَ في الدُّنْيا ذا وَجْهَيْنِ وَلِسانَيْنِ، يُعْرَفُ بِذلِكَ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾۔

<--

متعصب کی اخروی شکل

یہ حدیث شریف کہ جس کی ہم نے شرح کی ہے، اس میں فرماتے ہیں: ''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی عصبیت ہوگی، خداوند اس کو اعراب جاہلیت کے ساتھ اٹھائے گا۔ ہوسکتا ہے اس (حدیث) میں بھی اسی مذکورہ مطلب کی طرف اشارہ ہو۔[1]

جو شخص اس خبیث صفت (تعصب) کے ساتھ دنیا سے جائے گا۔ شاید وہ اپنے آپ کو ایسے اعراب جاہلیت کی صورت میں دیکھے گا جن کا نہ وحدانیت خدا پر عقیدہ ہوگا نہ رسالت ونبوت پر اعتقاد۔ (بلکہ) ان لوگوں کی جو بھی صورت ہوگی وہ اپنے آپ کو اسی صورت پر محشور پائے گا اور اس کو یہ بھی احساس نہ ہوگا کہ دنیا میں وہ عقائد حقّہ کا اظہار کرتا تھا اور امت محمدؐ میں اس کا شمار ہوتا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے: ''اہل جہنم رسول خداؐ کا نام بھول جائیں گے اور اپنا تعارف بھی نہیں کراسکیں گے۔ البتہ جب ارادۂ الٰہی ان کی نجات سے متعلق ہوجائے گا''۔[2] (تب ان کو آنحضرتؐ کا نام یاد آئے گا) اور چونکہ یہ خلق (عصبیت) بعض احادیث کے مطابق شیطان کی صفات میں سے ہے شاید اسی لیے اعراب جاہلیت اور جاہلی عصبیت رکھنے والا انسان (دونوں) شیطان کی صورت میں محشور ہوں گے۔[3]

<-- ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص۳۱۶ ''عقاب من کان ذاوجہین وذالسانین''۔

۳۔ چہل حدیث، ص۱۵۶، ۱۵۷۔

۱۔عن أبی عبداللہ قال: قال رسول اللہؐ: ﴿مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ حَبَّةٌ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ عَصَبِيَّةٍ بَعَثَهُ اللهُ يَوْمَ القِيامَةِ مَعَ أعْرابِ الجاهِلِيَّةِ﴾۔ اصول کافی، ۲،ص۳۰ کتاب الایمان والکفر، باب العصبیۃ، حدیث۳۔

۲۔وسائل الشیعہ، ج۱۱ص۳۰ ابواب جہاد نفس، باب ۵۸ حدیث ۹۔

۳۔چہل حدیث، ص۱۴۸، ۱۴۹۔

متکبر کی اخروی شکل

کافی شریف میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ: ”متکبر لوگ ضعیف و کمزور چیونٹیوں کی صورت میں ہو جائیں گے اور لوگ انھیں پامال کریں گے یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ حساب کتاب سے فارغ ہو جائے گا“۔[۱]

تکبر کی غیبی صورت، کمزور چیونٹی جیسی ہے، اور شاید یہ برزخی و قیامتی صورت، متکبر شخص کے نفس کے چھوٹے اور حقیر ہونے کے سبب ہو۔[۲]

متکبر کا مظہر شیطان ہونا

اے برادر! جب تک عمر اور جوانی، طاقت و اختیار باقی ہے، نفس کی اصلاح کر لو۔ اس جاہ و مقام کی اعتنا نہ کرو، ان وقتی و اعتباری چیزوں کو روند ڈالو۔ تم اولاد آدمؑ ہو، لہذا شیطانی صفت کو اپنے سے دور رکھو۔ ممکن ہے کہ شیطان غرور کو دوسری تمام بری صفات پر اہمیّت دے، کیونکہ یہ خود اسی کی اپنی صفت ہے جس کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے نکالا گیا ہے۔ اسی لیے وہ چاہتا ہے کہ ہر عارف، عام و خاص، عالم و جاہل کو اپنا ہم مسلک بنا لے اور جب تم اس بری صفت میں مبتلا ہو کر، آخرت میں اس (لعین) سے ملاقات کرو گے تو تمہیں اس کی ملامت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا اور وہ تم سے کہے گا: اے آدم کے بیٹے! کیا انبیاءؑ نے تجھے نہیں بتایا تھا کہ تیرے باپ کے ساتھ تکبر کرنے کی وجہ سے میں بارگاہ ایزدی سے نکالا گیا تھا۔ اپنی تعظیم اور آدمؑ کی تحقیر کی وجہ سے ملعون قرار دیا گیا تھا۔ پھر تم نے اپنے آپ کو اس بلا میں کیوں گرفتار کیا ہے؟

۱۔ اس حدیث شریف کا متن اس طرح ہے:

﴿اِنَّ المُتَکَبِّرِینَ یُجعَلُونَ فِي صُوَرِ الذَّرِّ، یَتَوَطَّاُهُمُ النَّاسُ حَتّیٰ یَفرَغَ اللهُ مِنَ الحِسابِ﴾۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۳۲۵ کتاب الایمان والکفر، باب الکبر، حدیث ۱۱۔

۲۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۳۵۰۔

اس وقت تم بے چارے کو" عذابوں، حسرتوں اور ندامتوں میں مبتلا ہونے کے علاوہ، جنہیں سننے کی تاب لانا مشکل ہے، دنیا کی ذلیل ترین مخلوق اور پست ترین موجود کی لعنت وملامت بھی سننی پڑے گی۔ شیطان نے خدا کے ساتھ تکبّر نہیں کیا تھا، اس نے تو جناب آدمؑ کے ساتھ جو ایک مخلوق خدا تھے، یہ کہہ کر تکبّر کیا تھا: ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ [۱] شیطان نے اپنے آپ کو برتر اور آدمؑ کو پست تر سمجھا تھا (مگر) تم تو شیطان کے فریب میں آ کر خود آدمؑ کے بیٹوں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہو۔ تم بھی تو خدا کے احکام کی نافرمانی کررہے ہو۔ خدا نے تو فرمایا ہے: "انکساری کرو، تواضع کرو، مگر تم بندگان الٰہی کے ساتھ تکبّر کرتے ہو، اتراتے ہو۔ (جب ایسا ہے) تو صرف شیطان ہی پر کیوں لعنت کرتے ہو؟ اپنے خبیث نفس کو بھی لعنت میں شریک کرو۔ کیونکہ اس بری صفت میں تیرا نفس بھی شیطان کا شریک ہے۔ تم خود شیطان کے مظہر ہو، بلکہ مجسّم شیطان ہو۔ ہوسکتا ہے تمہاری برزخی واخروی صورت بھی شیطان کی صورت پر ہو۔ کیونکہ آخرت میں صورتوں کا معیار، نفس کے ملکات ہیں۔ لہذا شیطان بھی ہو سکتے ہو، چیونٹی بھی ہو سکتے ہو۔ آخرت کا معیار دنیا سے مختلف ہے۔ [۲]

غضب کرنے والے کی اخروی شکل

خدانخواستہ اگر غصہ کسی انسان کا اس طرح راسخ ملکہ بن جائے کہ جس کی آخری فصل ہی غصہ کی صورت ہو جائے تو مصیبت ومشکل دوگنا ہو جائے گی۔ برزخ وقیامت میں اس کی صورت ایسے درندہ جیسی ہوگی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، کیونکہ انسان کی جو درندہ والی شکل ہوگی اس کا قیاس دنیا کے کسی حیوان پر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ [۳]

۱۔ تونے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۲۔

۲۔ چہل حدیث، ص ۹۸، ۹۹۔ ۳۔ چہل حدیث، ص ۱۳۷۔

غیبت کرنے والے کی اخروی شکل

عن عقاب الأعمال باسناده عن رسول الله ﷺ فی حدیث: ﴿... وَمَنْ مَشیٰ في غَيْبَةِ أخِيهِ وَكَشْفِ عَوْرَتِهِ، كانَتْ أوَّلُ خُطْوَةٍ خَطاٰها وَضَعَها في جَهَنَّمَ وَكَشَفَ الله عَورَتَهٗ علیٰ رُؤوسِ الخَلائِقِ ... الخ﴾ [1]

آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے برادر مؤمن کی غیبت اور اس کی مخفی چیز کو ظاہر کرنے کیلئے چلے تو اس کا پہلا قدم جو پڑتا ہے، وہ جہنم میں پڑتا ہے اور خدا اسے تمام خلائق کے سامنے رسوا کرتا ہے'' یہ ہے قیامت کے دن، اس کی حالت، اس دن خداوند متعال اسے تمام مخلوق اور دونوں ملکوت کے حضور، رسوا کرتا ہے۔

اور وسائل میں حضرت امام صادقؑ کی سند کے ساتھ، رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ﴿مَنِ اغتابَ امرءً مُسلِماً، بَطَلَ صَومُهٗ وَنُقِضَ وُضوءُهٗ وَجاءَ يَومَ القِيامَةِ يَفُوحُ مِنْ فِيهِ رائِحَةٌ أنتَنُ مِنَ الجِيفَةِ، يَتَأذّیٰ بِهِ أهْلُ المَوقِفِ. وَانْ ماتَ قَبلَ أنْ يَتُوبَ، ماتَ مُستَحِلّاً لِما حَرَّمَ الله عَزَّوَجَلَّ﴾ [2]

آپؐ نے فرمایا: اگر کوئی شخص، مسلمان کی غیبت کرے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے، وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے منہ سے ایسی بدبو نکل رہی ہوگی جو مردار سے بھی زیادہ بری ہوگی اور جس سے تمام اہل موقف کو اذیت ہوگی اور اگر وہ توبہ سے پہلے مر گیا تو محرمات خدا کو حلال جاننے والے کی موت مرا''۔

اور یہ حال اس کا جہنم میں جانے سے پہلے ہوگا کہ وہ اہل موقف کے نزدیک رسوا ہو۔ اس حدیث کی بناپر اس کا شمار کفار میں ہوگا، کیونکہ حرام الٰہی کو حلال جاننے والا کافر ہوتا ہے اور غیبت کرنے والا اسی کی طرح ہے۔ اس کے برزخ کی حالت رسول خداؐ سے یوں منقول ہے کہ:

۱۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۳۴۰۔

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۸ ص ۵۹۹ ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۲، حدیث ۱۳۔

عن أنس، قال، قال رسول الله، صلى الله عليه وآله: ﴿مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بي عَلىٰ قَوْمٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُم بِأَظَافِيرِهِم. فَقُلْتُ: يَا جَبْرَئِيلُ! مَنْ هَؤُلاءِ؟ قَالَ: هَؤُلاءِ الَّذين يَغْتَابُونَ النَّاسَ وَيَقَعُونَ في أعراضِهِم﴾ ۔[1]

انس کہتے ہیں: رسول خداؐ نے فرمایا: شب معراج میرا گزر ایک قوم کی طرف ہوا جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہروں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت اوران کو بے آبرو کرتے تھے۔

لہذا معلوم ہوا کہ غیبت کرنے والا برزخ میں بھی رسوا ہوگا، موقف میں بھی اہل موقف کے سامنے شرمندہ ہوگا اور جہنم میں بھی رسوائی و بے حیائی کے ساتھ رہے گا۔[2]

آیات حق کی فراموشی اور باطنی اندھاپن

یہ ذکر[3] اس نسیان کے مقابلہ میں ہے جس کو خداوند آیات کے بھولنے والوں کے سلسلے میں ذکر فرماتا ہے: ﴿كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسىٰ﴾ ۔[4]

جس طرح خدا کے مظاہر جلال و جمال سے باطنی اندھاپن اور آیات کا بھلا دینا، آخرت میں اندھے پن کا سبب بنتا ہے۔[5]

۱۔ المحجۃ البیضاء، ج۵ ص۲۵۱، کتاب آفات اللسان۔

۲۔ چہل حدیث، ص۳۰۴-۳۰۵۔

۳۔ یہاں قیامت کے دن خداوند متعال کا اپنے ذاکر بندے کا ذکر (یاد) کرنا مراد ہے۔

۴۔ سورۂ طٰہ، آیت/۱۲۶۔

۵۔ چہل حدیث، ص۲۸۹۔

سولہویں فصل:

عوالم سہ گانہ میں تغییر اور تکامل

دنیا، جوھری تبدّلات کا مقام ھے

دار دنیا شجرۂ ہیولیٰ اور صوری وعرضی وجوہری تغیرات وتبدلات کا مبدأ ہے۔[۱]

دنیا کا دارتغییر وتبدیل ھونا

دنیا، تغیّر وتبدّل کا مقام ہے۔ اس میں قلبی احوال، ملکات اور اوصاف میں سے ہر ایک کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔[۲]

دنیا میں نفسانی ملکات واخلاق کا تبدیل ھونا

جان لو کہ کسی خلق وخو کے طبیعی وفطری ہونے سے مراد یہ نہیں کہ وہ ذاتی اور ناقابل تغیر ہے، بلکہ جب تک نفس عالم حرکت وتغییر میں ہے، جب تک وہ زمان کے تصرف اور تجدّد کے تحت ہے اور جب تک وہ ہیولیٰ وقوہ کا حامل ہے اس وقت تک تمام ملکات اور اخلاق قابل تغییر ہیں۔ انسان اپنے تمام اخلاق کو انکے مقابل اخلاق میں تبدیل کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ پر برہان وتجربہ کے علاوہ انبیاء کرامؑ اور شرائع حقّہ کا اخلاق کریمہ اختیار کرنے اور اخلاق فاسدہ سے اجتناب کی دعوت دینا بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔[۳]

۱۔ چہل حدیث، ص ۵۲۸۔

۲۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۱۰۴۔

۳۔ چہل حدیث، ص ۵۱۰۔

صفات رذیلہ کے ذاتی ہونے کی نفی

انسان جب تک دنیا، کہ جو دار تغیّر وتبدّل اور نشئہ تصرّم وہیولویت ہے میں ہے اس قوۂ منفعلہ کے ذریعے کہ جو خداوند متعال نے اسے عنایت فرمائی ہے اور اس کیلئے سعادت وشقاوت کا راستہ واضح کیا ہے، وہ اپنے نقائص کو کمالات میں تبدیل کر سکتا ہے اور اپنے رذائل کو خصائل حمیدہ میں اور سیئات کو حسنات میں بدل سکتا ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ ''فلاں برا اخلاق یا فلاں صفت رذیلہ ذاتیات میں سے ہے اور نا قابل تغییر ہے'' بالکل بے بنیاد بات ہے اور تدبّر کی کمی کا نتیجہ ہے۔ ذاتیات کے نا قابل تغییر وتبدیل ہونے کا زیر بحث بات سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ریاضت ومجاہدت کے ذریعے تمام نفسانی صفات کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ بزدلی، کنجوسی اور حرص وطمع کو شجاعت وکرم وقناعت وعزت نفس میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔[۱]

مادہ، حرکت وتکامل کا اصلی عامل ہے

موجود جب تک (عالم) طبیعت میں ہوتا ہے، درحقیقت حرکت (کی حالت) میں ہوتا ہے چونکہ مادہ کا حامل ہے اور جو بھی چیز حرکت میں مشغول ہو اور کسی فعلیّت میں مستقر نہ ہو چکی ہو تو اس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس نوع سے ہے۔ بدن کہ جو ہیولیٰ ہے، اپنی ذاتی ترقی وتکامل کے ذریعے، نچلے مراحل کو طے کر کے، جسمیّت، جمادیت، عنصریت اور معدنیّت کی فعلیات سے گزر کر اب ایک ایسی صورت اختیار کر چکا ہے جس کا نام ہے نفس۔ نفس چونکہ صورت ہے بدن کے ساتھ ذاتی تعلق رکھتا ہے اور ہر قسم کی دوئیت کے بغیر وہ اپنے مادہ کے ساتھ متحد ہے۔ دراصل وہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو دوسری حقیقت میں تبدیل ہونے کی قوت رکھتی ہے اور اس حقیقت سے کہ جو قوۂ تبدّل کی حامل ہے، ہم ''جنس'' کو اخذ کرتے ہیں اور اس حقیقت سے کہ جو بالفعل اس (جنس) میں تبدیل ہو گئی ہے، ''فصل'' اخذ کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ کہنا چاہیئے کہ جنس وفصل ایک

۱۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۵۱۔

دوسری میں مضمن ہیں۔

پس ہم کہتے ہیں یہ شئے ایک امر ہے کہ جس کے بالفعل ہونے کا مرتبہ، ناقص شئے کا کامل تر مرتبہ ہے۔ اس طرح اس شئے کے جتنے نقص کا زائل ہونا ممکن ہو وہ زائل ہو جاتا ہے اور اس کی قوت کا جس قدر بالفعل ہونا ممکن تھا (کہ جس کے نتیجے میں ایک فعلیت، دوسری فعلیت میں تبدیل ہوتی ہے اور وجود ایک کمال کے ایک مرتبے سے ترقی کر کے کمال کے دوسرے مرتبے تک جا پہنچتا ہے) فعلیت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ جب تک بالفعل ہونے کے قابل تمام قوہ، بالفعل نہ ہو جائیں، یعنی موجود میں کوئی ایسی قوت باقی نہ رہے کہ جس کے ذریعے یہ حقیقت کسی دوسری حقیقت میں تبدیل ہو سکے۔

اس وقت ایک ایسی صورت ایجاد ہو جاتی ہے اور فعلیت حاصل ہو جاتی ہے کہ جس کا مادہ نہیں ہوتا۔ ایسی صورت مستقل ہوتی ہے اور چونکہ مستقل ہوتی ہے اس لیے عالم طبیعت سے خارج ہو جاتی ہے، عالم طبیعت سے خارج ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے بالقوہ باقی رہنے کا کوئی شائبہ نہیں رہا۔ پس وہ ایسا موجود بن جاتا ہے جس کا مادہ نہیں ہوتا۔ یعنی اب یہ موجود کمال کی طرف حرکت کی قوت سے خالی ہے اور یہ موجود کہ جو فقط صورت ہے اور مادہ کا حامل نہیں ہے۔ یہ وہی صورت ہے کہ جو انسانی بدن سے جدا ہوئی ہے اور مادہ سے بے نیاز ہونے کے سبب غیر مادی ہو گئی ہے۔ لہذا اب ایسے موجود میں ترقی و تنزل محال ہے۔ کیونکہ جہت قوہ سے خالی ہے اور اس کا وجود صرف فعلیت ہے۔[1]

حرکت جوہری میں وجود مادہ کی ضرورت

مادہ طبیعت کی اولین منزل سے حرکت کرتا ہے (اور ''ما فیہ الحرکۃ'' صورت ہے) اور ایک ایسے مرتبہ تک آتا ہے کہ اس مرتبہ میں وہ بدن کی صورت میں اور مادہ کے ہمراہ ہوتا ہے اور

۱۔ تقریرات اسفار، ۔

''نفس'' کہلاتا ہے۔ چونکہ یہ مرتبہ عالم طبیعت کا آخری نقطہ ہے، لہذا مادہ کی حرکت، صورت کو طبیعت سے نجات دلا دیتی ہے۔ مادہ اپنی تمام تر حقیقت اور جوہر کے ساتھ حرکت کرتا ہے لیکن صورت جب مادہ کے ساتھ اختلاط سے نجات پالیتی ہے تو پھر وہ حرکت نہیں کرتی (کیونکہ مادہ سے خالی ہوجاتی ہے)۔

مادہ کے نہ ہونے کی وجہ سے عالم ماورائے طبیعت میں حرکت کا ختم ہوجانا

جب مادہ حرکت شروع کرتا ہے اور حرکت جوہری کے ساتھ خود کو آخر تک لے جاتا ہے تو مرجاتا ہے۔ اس کی حرکت کی انتہا اور وسعت بھی اسی جگہ تک ہے کہ جہاں تک وہ جاسکتا ہے۔ مادہ جب طبیعت کے آخری نقطہ تک جا پہنچتا ہے تو پھر اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتا۔ پس جب وہ طبیعت کے افق اعلیٰ تک حرکت کرلیتا ہے تو صورت کو مابعد الطبیعت کے حوالے کردیتا ہے اور صورت مادہ سے رہائی حاصل کرلیتی ہے۔

جب مادہ عالم طبیعت کی سرحد میں صورت کو مابعد الطبیعت کے حوالے کرنے کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوجاتا ہے تو وہ اپنے طبیعی عہدے پر رک جاتا ہے۔ پس جب صورت اس عالم میں مستقر ہوجاتی ہے تو پھر وہ حرکت نہیں کرتی کیونکہ مادہ سے خالی ہوتی ہے جب تک مادہ ہوتب تک حرکت بھی ہوتی ہے، جب مادہ مرجاتا ہے تو حرکت بھی ختم ہوجاتی ہے اور صورت ایک مقام پر ٹھہر جاتی ہے۔ اس مرحلہ میں وہ حقیقت کہ جو عالم طبیعت سے آئی ہوتی ہے ''عقل'' کہلاتی ہے کہ جو (اس درجہ کے اوپر فائز ہونے سے پہلے) نچلے درجہ میں ''نفس'' کہلاتی تھی۔[1]

مادہ کا ممکنات کی ترقی کی بنیادی شرط ہونا

حرکت جوہری سے فارغ ہونے والا موجود فقط وجود برزخی سے بہرہ مند ہوتا ہے اور وہ عالم

۱۔ تقریرات اسفار۔

طبیعت کی اپنی تمام کمالی جہات، مثلاً ذائقہ، شامہ، لامسہ، جسم اور بدن وغیرہ کا عالم برزخ میں بھی حامل ہوتا ہے۔

(عالم) طبیعت سے خارج ہونے والا وجود جب تک برزخی صورت اختیار نہیں کر لیتا، مادہ کا حامل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ارتقا کی قابلیت رکھتا ہے۔ یہ موجود قدم بہ قدم اور تدریجاً ترقی کرتا ہے اور عالم طبیعت و عقل کے درمیان، عالم برزخیت و متوسطیت تک جا پہنچتا ہے اور پھر اس میں عالم عقل پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جب تک موجود، مادہ کا حامل ہے، اس کیلئے ترقی ممکن ہے اور حرکت جوہری کے ذریعے ذاتی ارتقا حاصل کر سکتا ہے اور کچھ ملکات بھی اپنے اختیار کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جونہی وہ عالم طبیعت کو چھوڑ کر اس سے جدا ہو جاتا ہے تو مستقل ہو جانے کی وجہ سے، اس کیلئے حرکت کرنا محال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ صورت مستقل کا حامل ہے یعنی بغیر مادہ کے ہے اور اس کا جسم، برزخی جسم بن چکا ہے۔[1]

عالم برزخ اور آخرت میں حرکت کا بند ہوجانا

وجود جب تک (عالم) طبیعت میں ہوتا ہے، حرکت کرتا ہے۔ جب عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کی حرکت رک جاتی ہے۔ عالم برزخ عالم مادہ (طبیعت) اور عالم عقل (تجرد خالص) کے درمیان واقع ہے۔ چونکہ برزخ میں قوہ اور ہیولیٰ نہیں ہوتا۔ اس لیے حرکت نہیں ہوتی۔ لہذا وہ جگہ، جسم طبیعی کے جسمیت میں توقف کا مقام ہے اور اس کیلئے ممکن نہیں کہ اپنی حد سے آگے بڑھے اور مجرد عقلانی میں تبدیل ہو جائے۔ یعنی جب وہ عالم برزخ میں داخل ہو جائے تو پھر وہ ہیولیٰ کو چھوڑ نہیں سکتا اور نہ ہی اپنی جسمیت کو عالم برزخ میں حرکت و سیر کے ذریعے چھوڑ کر، عالم عقل میں داخل ہو سکتا ہے۔[2]

۱۔ تقریرات اسفار۔ ۲۔ تقریرات اسفار۔

دنیا اور برزخ و آخرت میں تکامل کا فرق

برزخ اور آخرت میں ترقی وتکامل، دنیوی ترقی کی مانند نہیں۔ کیونکہ دنیا دار ہیولیٰ اور (دار) استعداد ہے کہ جسے مثلاً ازدیاد درجات، سے تعبیر کیا جاتا ہے، نیز جو کچھ برزخوں میں واقع ہوتا ہے اور فشار قبر اور عذاب وغیرہ کے ذریعے اعجائب وغرائب اور کدورات اور جسمانی اعراض میں ڈالا جاتا ہے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں ان (سب) سے۔[1]

برزخ میں تکامل

انسان جب (عالم) طبیعت سے خارج ہوجاتا ہے تو پھر یا مجرد عقلانی ہوتا ہے یا مجرد شیطانی، نتیجہ یہ کہ انسان یا تو مجرد سعید ہوتا ہے یا مجرد شقی، عالم تجرد میں جانا قہری وجبری ہے۔ البتہ اس غیر اختیاری مسافرت میں ممکن ہے کوئی اپنے اختیار کے ساتھ نفع یا ضرر حاصل کرلے۔ لہذا یا شیطان مجرد ہوجائے یا انسان مجرد۔ اس آیۂ شریفہ: ﴿انّا هدیناه السّبیلَ امّا شاکِراً وَامّا کَفُوراً﴾[2] کے معنی بھی یہی ہیں۔ یعنی ہم نے ان کی قہری وتجردی راستے کی طرف حرکت جوہری کے ذریعے ہدایت کی ہے۔ وہ یا تو ''کفوراً وشیطاناً'' آئیں گے یا ''انساناً وشکوراً ومؤمناً'' یہ راستہ طے کریں گے۔

۱۔ ان الترقّي في البرازخ والدّار الآخرة ليس من سنخ الترقّي في الدّنيا، فانّ الدّنيا دار الهيولى والاستعداد وبه دارت الترقّيات الجوهريّة والاستكمالات الذاتيّة والنفسيّة. وامّا ترقّيات دار الآخرة المعبّر عنها بزيادة الدّرجات مثلاً وكذلك التي وقعت في البرازخ فتكون بالقاء الغرائب والحجب والكدورات والهيئات المظلمة [☆۱] بضغطة القبر والتعذيبات، نعوذ بالله منها.
تعلیقات علی شرح فصوص الحکم، ص۱۷۰، ۱۷۱۔

☆۱۔ ہیئات مظلمہ (ظلمانیہ) سے مراد اعراض جسمانی ہیں۔ (فرہنگ علوم عقلی، ص۶۳۵)۔

۲۔ ہم نے انھیں راستہ دکھادیا ہے وہ خواہ شکرگزار بنیں یا ناشکرگزار۔ سورۂ دہر، آیت ۳۔

عقلانی تجرد کے حصول میں عالم برزخ کا کردار

یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ دار طبیعت سے نکل جانے کے ساتھ عقلانی تجرد کامل نہیں ہوتا، بلکہ عالم برزخ سے بھی حرکت جوہری کے ذریعے گزر کر تجرد عقلانی مطلق تک پہنچنا پڑتا ہے۔ برزخ سب کیلئے ہے اور اہل برزخ، وجود برزخی (کہ جو عقلانی تجردی وجود اور طبیعی جسمانی وجود کے درمیان (واقع) ہے) کے حامل ہیں۔ لہذا نیکوں کی بہشت، برزخی بہشت اور برے لوگوں کی جہنم، برزخی دوزخ ہوگی۔

عالم برزخ بھی مراتب وجود کے قہری مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے۔ لہذا اس سے عبور کرنا سب کیلئے ضروری و جبری ہے۔ البتہ جن لوگوں نے دنیا میں عقلانی مطالب اور فضائل کو کسب کر لیا ہو، ان کا برزخی راستہ کم ہوگا وہ لوگ جلد تجرد عقلانی کے عالم تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی برزخی سیر و حرکت کمتر ہوئی ہے اور ان کی برزخی حرکت جوہری انتہائی تیز اور سریع ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عقلانی فضائل کسب کرنے کی وجہ سے تجرد عقلانی کی خلعت سے آراستہ ہونے کیلئے پہلے سے آمادہ و مستعد ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے دنیا میں رذائل کسب کئے ہوں وہ کامل تجردی دوزخ تک جلد از جلد پہنچ جاتے ہیں اور برزخی دوزخ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے کہ: ''میں سیڑھی سے جو گرا تو سیدھا جہنم میں جا پڑا'' ہم اس سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔[1]

انسان کی تغییر و اصلاح میں اختیار کا کردار

آپ یہ خیال نہ کریں کہ نفسانی رذائل اور روحانی اخلاق ممکن الزوال نہیں ہیں۔ انسان جب تک اس دار تغیّر اور نشئہ تبدّل میں ہے تو اس کے اخلاق و اوصاف میں تغییر و تبدیلی کا امکان پایا جاتا ہے۔ ملکات چاہے جتنے بھی محکم و مضبوط ہوں جب تک اس عالم میں ہیں، قابل زوال ہیں۔ البتہ، شدّت و ضعف کے اختلاف کے مطابق ان کی تبدیلی کی ریاضت میں فرق ہوتا ہے۔ آپ

۱۔ تقریرات اسفار،۔

جس قدر دیر سے روحانی مفاسد کی جڑوں کو اکھاڑنے کیلئے قدم اٹھائیں گے اتنی ہی آپ کو زحمت اور ریاضت زیادہ کرنا پڑے گی۔ عقلمند انسان اگر کسی چیز کی برائی کے بارے میں سوچ بچار کرے تو اگر اس کے مفاسد میں ابھی داخل نہیں ہوا ہے تو پھر اس کے قریب بھی نہیں جائے گا اور نہ اپنے آپ کو اس سے آلودہ کرے گا اور اگر خدانخواستہ اس نے جڑ پکڑ لی ہو تو بہت زحمت و مشقت سے اس کی جڑ اکھاڑ پھینکے گا کہ کہیں اسے اس کا ثمرہ برزخی و آخرتی نہ ملے۔ کیونکہ اگر وہ اس اخلاقی برائی کے ساتھ اس دنیا سے جو مادہ تغیرات اور ہیولانی تبدلات کی دنیا ہے، منتقل ہو گیا تو پھر وہاں اس کا قلع قمع کرنا اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔[1]

دنیا میں تمام نفسانی امراض کی اصلاح کا ممکن ہونا

جب تک انسان دنیا میں ہے وہ امراض نفسانیہ میں سے ہر مرض کی اصلاح کرسکتا ہے چاہے اس مرض کی جڑیں نفس کے اندر ہوں، وہ مرض ملکہ بن گیا ہو اور مضبوط و مستحکم ہو گیا ہو۔ البتہ نفسانی ریاضات اپنی شدت و کثرت کے لحاظ سے آپس میں مختلف ہوتی ہیں۔ یہ (نفسانی مشقت) جس قدر مشکل، سخت، اور بدنی وروحی مشقت و ریاضت کی محتاج ہو، اتنی ہی اس کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں یہ بہر حال انسان کے اپنے اختیار اور اس کے عبادی اعمال وغیرہ کے ذریعے انجام پاتی ہے۔

احتضار و برزخ کی حالت میں اصلاح کے عوامل

لیکن اگر خدانخواستہ انسان برے ملکات اور ناپسندیدہ اوصاف کے ساتھ دوسرے عالم میں منتقل ہوا اگر اس کی ذات کے اندر فطرت و ایمان کا نور محفوظ ہو اور نفس کی اصلاح اور تزکیہ اس کے اختیار سے نکل جائے تو اس کی اصلاح کیلئے دوسرے طریقے استعمال کئے جائیں گے۔ مثلاً

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۱۰، ۱۱۱۔

احتضار و قبض روح کی سختیاں اور وحشتیں، ملائکہ مؤکلہ کے روبرو ہونے کا خوف کہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے سخت و محکم مأمور ہیں۔ اسی طرح قبر کی تاریکیاں اور سختیاں بلکہ قبر میں انواع و اقسام کے عذاب کہ جو غیبی عوالم میں سے ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول اکرمؐ سے منقول روایت میں ہے: ''قبر یا تو بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے''۔[۱] ایک اور روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ: ''کافر پر قبر میں ننانوے اژدھا مسلط ہو جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک اژدھا زمین پر پھونک مارے تو زمین پر ایک بھی درخت نہ اگ سکے''۔[۲]

اہل معرفت کہتے ہیں کہ یہ موذیات کہ جو قبر میں انسان پر مسلط ہوتے ہیں اخلاق ذمیمہ کے ملکوت کا ظہور ہے۔[۳] اور یہ اخلاق ذمیمہ اس عالم میں بھی انسان کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور اپنے دباؤ میں رکھتے ہیں لیکن نفس چونکہ طبیعت کے غلاف میں ہوتا ہے اور طبیعت کے پردے کا غلبہ ہونے کی وجہ سے انسان اپنے ملکوت سے غافل ہو جاتا ہے اور اس میں قدرت تامۂ ملکوتیہ بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ باطن نفس میں موجود انواع و اقسام کے موذیوں سے غافل رہتا ہے اور ان کا احساس تک نہیں کرتا۔

۱۔ حدیث نبوی کا متن یہ ہے: ﴿القَبْرُ امّا رَوْضَةٌ مِنْ رِيا ضِ الجَنَّةِ أوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النّيران﴾۔
بحار الانوار، ج ۶ ص ۲۰۵ کتاب العدل والمعاد، باب ۸۔

۲۔ اس روایت کا متن یہ ہے: ﴿أنَّهُ يُسَلَّطُ عَلَى الكافِرِ في قَبْرِهِ تِسعَةٌ وَتِسعُونَ تَنيناً... لَوْ أنَّ تَنيناً مِنها نَفَخَ في الأرْضِ لَمْ تُنْبِتْ زَرْعاً﴾۔
بحار الانوار، ج ۶ ص ۲۱۸ کتاب العدل والمعاد، باب ۸، حدیث ۱۳۔

۳۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۸۷۶، ۸۸۳۔ یہ مطلب بعض روایات سے بھی اخذ ہوتا ہے۔ رجوع کیجئے:
بحار الانوار، ج ۶ ص ۲۲۴ کتاب العدل والمعاد، باب ۶، احادیث ۳، ۵۔

قیامت میں اصلاح کے عوامل

جب نشئہ ملک، عالم قبر و برزخ کے ملکوت میں تبدیل ہوجاتا ہے تو ظاہر کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے اور باطن کا صفحہ ظاہر ہوجاتا ہے۔ نفس کا غیبی پہلو، شہادت میں بدل جاتا ہے اور باطنی ملکات محسوس اور ظاہر ہوجاتے ہیں اور مناسب صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور انسان اپنے آپ کو انواع واقسام کی بلیّات وموذیات میں مبتلا وگرفتار پاتا ہے اور انواع واقسام کی وحشتیں اور سختیاں اس کو گھیر لیتی ہیں۔

اگر ان سختیوں، زحمتوں، ذلتوں اور برزخی وقبری عذابوں کے ذریعہ انسان کی نفسانی کدورتیں ختم ہوگئیں اور فطرت کی مخالف قوتیں زائل ہوگئیں تو وہ قیامت میں سعادت حاصل کریگا اور شافعین علیہم السلام کی عنایات کے سائے میں اپنے اس مقام کریم تک جا پہنچے گا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے اور اگر خدانخواستہ برے اخلاق کی جڑیں اور نفسانی کدورتیں اور تاریکیاں مکمل طور پر زائل نہ ہوئیں تو وہ قیامت کے دن کے عذابوں، اہوال اور پنجگانہ مواقف [1] میں مبتلا ہوجائے گا اور زیادہ سے زیادہ سختیوں اور عذابوں میں گرفتار ہوگا تاکہ جہنم کا سخت عذاب اس کا مقدر نہ بنے لیکن اگر ان ہولناک مواقف پر بھی نور فطرت غلبہ نہ حاصل کرسکا تو پھر جہنم ہی اس کا مقدر ہوگا جیسا کہ کہا گیا ہے: ﴿آخر الدواء الكيّ﴾ [2] آخری علاج داغنا ہے۔

پس اسے جہنم کے طبقات میں گوناگوں عذابوں میں گرفتار کیا جائے گا تاکہ اس کی فطرت اور باطن نفس، آلودگی اور سیاہی سے پاک ہوجائے اور فطرت الٰہی کا خالص طلا کہ جو کرامت حق کا مستحق ہے، اس میں پیدا ہوجائے اور وہ اجنبی اجناس سے خالص ہوجائے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِنْ غِلٍّ اِخْوَاناً عَلىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِين﴾ [3] کمال وملکات کے اختلاف ونقص

۱۔ رجوع کیجئے: بحارالانوار، ج ۷ ص ۱۲۶ کتاب العدل والمعاد، باب ۶، احادیث ۳، ۵۔

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۷۔

۳۔ اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ سورۂ حجر، آیت ۴۷۔

کے مطابق افراد میں اس نزع کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔۱

برزخ اور قیامت کا روحانی بیماریوں کیلئے شفا ہونا

برزخیں اور قیامت کے مواقف، بندوں پر خداوند کی عنایات ہیں تا کہ ان کا انجام ''آگ'' نہ ہو۔لہذا انسانوں کو روحانی بیماریوں کی شفا کیلئے ہمیشہ ایک شفا خانے سے دوسرے شفا خانے کی طرف منتقل کیا جاتا ہے اور اگر وہ ان دواؤں سے شفایاب نہ ہوں تو آخری علاج کے طور پر انھیں آگ سے داغا جائے گا اور انھیں آتش جہنم میں ڈالے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ہم اس سے خدا کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ اس صورت میں کہ ابھی اس میں پاک ہونے کا امکان ہو ورنہ اسے وہاں ہمیشہ رہنا ہوگا۔۲

آخرت میں تغییرات کی مدت کا دراز ہونا

آخرت اور برزخ میں اخلاق نفسانی میں سے کسی خلق کا تبدیل ہونا بہت ہی بعید ہے۔ حدیث میں رسول اکرمؐ سے منقول ہے: ''اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں اپنی نیتوں کی بناء پر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔ بری نیات جو برے اخلاق سے پیدا ہوتی ہیں، اس وقت تک زائل نہیں ہوتیں جب تک ان کا منشاء زائل نہ ہو جائے۔

آخرت میں ملکات کا ظہور اتنی شدت وقوت سے ہوگا کہ ان کا زائل ہونا یا تو ممکن نہیں ہوگا

۱۔شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص۱۵۷-۱۶۰۔

۲۔ البرازخ والمواقف فی القیامة من عنایات الله تعالیٰ علی العباد، لئلّا ینتهي أمرهم الی النار. فلا یزال یخرجهم من مستشفیٰ الیٰ آخر لشفاء عللهم الروحیّة. فان لم یشف بتلك الادویة "فآخر الدّواء الکيّ" فلابدّ من دخول النار ـ والعیاذ بالله ـ مع الامکان والا فللقرار فیها۔

طلب وارادہ، ص۱۵۵۔

اور ایسی صورت میں انسان جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اگر سختیوں، آتشوں اور دباؤ کی وجہ سے زائل ہو بھی گیا تو یہ زوال شاید ربوبی صدیوں کے بعد ہو۔[1]

دنیا و آخرت میں تغییرات کے حصول کی مدت

کھوٹ کا خاتمہ نفس کو عتاب و ملامت کی بھٹی میں رکھنے اسے آتش پشیمانی میں پگھلانے اور توبہ و ندامت کی آگ میں جلانے اور خداوند کی طرف واپس جانے سے ہوتا ہے۔ تم دنیا میں ہی اپنا آپ علاج کرلو ورنہ عذاب الٰہی کی بھٹی ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴾[2] میں تمہارے قلب کو پگھلایا جائے گا اور خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت کی کتنی صدیاں اس کی اصلاح کیلئے درکار ہوں گی۔ اس دنیا میں پاک ہونا سہل و آسان ہے۔ یہاں پر تبدیلیاں اور تغیّرات بہت جلد واقع ہوتے ہیں، لیکن آخرت میں تغیّرات دوسرے ڈھنگ سے ہوتے ہیں اور نفسانی ملکات میں سے کسی ایک ملکہ کے زوال کیلئے صدیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔[3]

پاک وطاہر اور خراب وپست نفوس کا کمال

بعض روایات میں آیا ہے کہ: ''اے دنیا و آخرت کے رحمٰن اور ان دونوں کے رحیم! اور یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی ہے تاکہ موجودات میں سے ہر ایک میں عشق طبیعی پیدا کیا جائے، انھیں کمال کی طرف حرکت سپرد کی جائے، دنیا و آخرت اور فصل کی کٹائی کے دن اپنے مقام کی طرف تدریجاً بڑھنے اور ہر موجود کو اس کے کمال اور فعلیت تک پہنچنے کی ترغیب دلائی جائے۔ رہی بات طاہر و پاک نفوس کی تو وہ مقام قرب اور کرامات اور آسمانوں کی وسعت تک پھیلی ہوئی جنّات پر فائز ہیں۔ اور گمراہ و درندہ صفت وحیوان و چوپایوں کی صفات اور شیطانی اوصاف کے حامل نفوس کی حرکت، آتش، درکات جہنم اور اس کے سانپوں اور بچھوؤں کی طرف جاری ہے۔ ان میں سے

۱۔ چہل حدیث، ص ۱۱۱۔ ۲۔ سورۂ ہمزہ، آیت/۶۔ ۳۔ چہل حدیث، ۹۸۔

ہر ایک وہی حاصل کرے گا جو اس نے بویا ہے۔ کیونکہ ان مقامات تک پہنچنا بھٹکے ہوئے نفوس کی نسبت، ایک کمال ہے خواہ پاک و انسانی مستقیم راستے پر چلنے والے نفوس کی نسبت نقص ہی کیوں نہ ہو۔[1]

۱۔ في بعض الآثار:

﴿يـا رحمن الدّنيا والآخرة ورحيمهما﴾. وذلك بـاعتبـار ايجـاد العشق الطبيعي في كلّ موجود وايكاله عـليـه السيـر الىٰ كماله، والتدرّج الىٰ مقامه في النشأة الدّنياويّة وفي النشأة الآخرة وبروز يوم الحصاد، وايصال كلّ الىٰ فعليّته وكماله: أما النّفوس الطاهرة الزكية فالىٰ مقامات القرب والكرامات، والجنّات التي عرضها كعرض السّماوات؛ وأما النفوس المنكوسة السبعيّة والبهيميّة والشيطانية فالى النيران ودركاتها وعـقـاربهـا وحيّـاتهـا، كـلّ بـحسـب زرعـه. فـانّ الـوصـول الـىٰ هذه المراتب كمال بـالنّسبة الى النّفوس المنكوسة الشيطانيّة وغيرها، وان كان نقصاً بالنسبة الى النفوس الزكيّة المستقيمة الانسانيّة.

شرح دعائے سحر، ص ۴۳، ۴۴۔

فہرست

مقدمہ --- ۷
زیرِ نظر کتاب کی خصوصیات --- ۱۹

پہلی فصل: معاد، زندگی کا دوام اور استمرار

معاد کی عمومیت --- ۲۳
انسان کی دنیوی واخروی زندگی --- ۲۴
دنیوی زندگی، اخروی زندگی کا پیش خیمہ ہے --- ۲۴
حس پسندی کی وجہ سے معاد کا انکار --- ۲۵
اخروی زندگی کی طرف جبری حرکت --- ۲۵
دنیا راستہ ہے اور ماورائے دنیا منزل --- ۲۵
انسانی معاد اور دیگر موجودات کے معاد میں پایا جانے والا فرق --- ۲۶
عوالم وجودیہ کا مرجع ومعاد --- ۲۷
انسان کامل کے توسط سے موجودات کا معاد --- ۲۸
انسان کامل کے توسط سے ایجاد اور موجودات کی معاد --- ۲۹
عالم عقل سے اتصال کا حق کیطرف بازگشت کی شرط ہونا --- ۳۰
معاد، اسی عالم میں تحول کا نام نہیں --- ۳۰
قرآن میں اصل معاد کا بیان --- ۳۱

زندگی پر عقیدۂ معاد کی تأثیر --- ۳۲
عقیدۂ معاد، مانع گناہ ہے --- ۳۲
سفر آخرت کی فراموشی کے علل واسباب --- ۳۲
علم وعمل، زادو راحلۂ آخرت ہے --- ۳۳
امر آخرت کا پر خطر ہونا --- ۳۵

دوسری فصل: اثبات معاد کے دلائل

ادیان کے نزدیک معاد کا مسلم ہونا اور اس کی برہان --- ۳۹
معاد پر ایمان کا فطرہ ہونا --- ۳۹
فطرت بشر کے ذریعہ معاد کا اثبات --- ۳۹
آسائش مطلق سے عشق --- ۴۰
قوائے انسانی کا تدریجاً ایجاد ہونا --- ۴۱
تجرد نفس کے مراتب کا تدریجی حصول --- ۴۱
حریت اور نفوذ ارادہ کی طرف میلان --- ۴۲
آخرت میں راحت ونفوذ ارادہ کا حصول --- ۴۲
بقائے ابدی سے عشق --- ۴۳
عالم غیب اور ابدی دنیا ہی معشوق فطرت ہے --- ۴۴
دنیا میں مجرموں کو عذاب دینے کی قابلیت کا نہ ہونا --- ۴۴
دنیا میں مکمل عدالت برقرار کرنے کی قابلیت نہ ہونا --- ۴۵
ابدی دنیا میں عدالت کا برقرار ہونا --- ۴۷
قیامت کا برپا ہونا، حرکت جوہری کا تکامل ہے --- ۴۸

تیسری فصل: تجرد نفس اور روح کی بقا

حیوان اور انسان کی غیر مادی حقیقت --- ۵۱
انسان کا مجرد ہونا --- ۵۱
تجرد عقلانی، رسالت انبیاءؑ کا مقصد ہے --- ۵۲
تجرد نفس کے بارے میں محدثین و محققین کا اختلاف --- ۵۲
تجرد نفس کے بارے میں فلاسفہ کی آراء --- ۵۴
تجرد نفس کا مسلمات فلسفہ میں سے ہونا --- ۵۴
ثالیس (Thales) ملطی کی رائے --- ۵۵
انکسیمانس (Anaximenes) کی رائے --- ۵۵
انباذقلیس (Empedecles) کی رائے --- ۵۶
فیثاغورس (Pythagore) کی رائے --- ۵۶
سقراط (Socrate) کی رائے --- ۵۷
افلاطون کی رائے --- ۵۸
ارسطوطالیس (Aristotle) کی رائے --- ۵۸
شیخ الرئیس ابو علی سینا کی رائے --- ۶۰
شیخ اشراق کی رائے --- ۶۱
صدر المتألہین کی رائے --- ۶۲
ڈیکارت کی رائے --- ۶۳
تجرد نفس کا اثبات --- ۶۵
بڑھاپے میں فکری قوتوں کا ناقص ہو جانا --- ۶۶
نفس کے آثار کا خواص جسم کے برعکس ہونا --- ۶۶

بدن کے نابود ہونے سے نفس نابود نہیں ہوتا --- ۶۷
اسفار میں تجرد نفس کی ادلہ --- ۶۸
دلیل اول کا جائزہ --- ۶۸
تجرد نفس، اثبات معاد کا مقدمہ ہے --- ۶۹
کلیات کے ادراک کے ذریعے تجرد نفس کا اثبات --- ۶۹
غیر متناہی امور کا انجام پانا --- ۷۰
اعضائے بدن پر قوۂ عاقلہ کا عدم انطباع --- ۷۰
بڑھاپے میں قوۂ عاقلہ کا ضعیف نہ ہونا --- ۷۱
قوۂ عاقلہ میں جسمانی خواص کا عدم تحقق --- ۷۱
فعل کی انجام دہی میں نفس کا محل سے مستغنی ہونا --- ۷۱
بیک وقت شدید وضعیف امور کو درک کرنا --- ۷۲
نفس کو تأثیر وتأثر میں کسی خاص حالت اور محاذات کی ضرورت نہ ہونا --- ۷۳

عالم تجرد میں نفس کی بقا

مجرد کے فنا کا محال ہونا --- ۷۳
عدم فاعل کے توسط سے مجرد سے عدم کا دور ہونا --- ۷۴
مجرد پر عدم کے محال ہونے کی علت --- ۷۵
عالم طبیعت پر عدم کا وارد ہونا --- ۷۶
نفس کیلئے تجرد تک پہنچنا ضروری ہے --- ۷۶
حرکت جوہری کے ذریعے نفس کا مادہ سے رہائی پانا --- ۷۷
بقائے نفس کے اثبات کیلئے خیالی تجرد کا کافی ہونا --- ۷۷
برزخی تجرد کے حامل حیوانات کا حشر اور بقائے نفس --- ۷۸

حیوانات کا برزخ ومحشر میں حاضر ہونا --- ۷۹

حیوانات کی برزخی سعادت وشقاوت --- ۷۹

تجرد اور روحانی زندگی پر نقلی دلائل

قرآن اور روحانی زندگی --- ۷۹

تجرد نفس پر قرآن کی دلالت --- ۸۱

آیۂ مجیدۂ ﴿علّم آدم الاسماء﴾ سے استدلال --- ۸۲

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شہود اور تجرد نفس کا اثبات --- ۸۴

حضرت ابراہیمؑ کے مشہودات --- ۸۵

مطہرین کا قرآن کو مس کرنا اور تجرد نفس کا ثابت ہونا --- ۸۶

چوتھی فصل: حدوث نفس اور بدن سے اس کا رابطہ

نفس ناطقہ کے نشآت اور ایک دوسرے پر ان کی تاثیر --- ۸۹

انسان کے وجودی نشآت کا مقام --- ۹۰

نفس کے مراتب ومقامات --- ۹۰

بدن کا پہلے مقام کی تجلی ہونا --- ۹۱

منزل ملک میں انسانی قوتیں --- ۹۱

نفس کا دوسرا مقام --- ۹۲

منزل ملکوت پر نفس کی قوتیں --- ۹۲

حدوث نفس کے بارے میں مختلف اقوال --- ۹۲

حکیم ہندی کا نظریہ --- ۹۲

شیخ الرئیس بوعلی سینا کا نظریہ --- ۹۳

صدر المتألہین کا نظریہ --- ۹۴

عالم طبیعت کے ساتھ نفس کا ارتباط

نفس کا مولود عالم طبیعت ہونا --- ۹۵

نفس، بدن اور صورت و مادہ --- ۹۶

نفس کے بدن سے متعلق ہونے کی کیفیت --- ۹۷

نفس و بدن کے درمیان لزومی ارتباط --- ۹۸

نفس و بدن کے رابطہ کے بارے میں افلاطون کا نظریہ --- ۹۸

صدر المتألہین کا جواب --- ۹۹

مادہ کی حرکت اور مرتبہ نفس و عقل تک اس کا پہنچنا --- ۹۹

عمر کے مختلف حصوں میں نفس کی بدن میں مشغولیت --- ۱۰۰

نفس اور جسمانی قوتوں میں رابطے،

اور نفس اور قوت عاقلہ میں رابطے کا ایک دوسرے کے برعکس ہونا --- ۱۰۱

جسمانی قوتوں کا ضعف اور عقلانی قوتوں کی قوت --- ۱۰۲

نفس کا بدن کے تابع ہونا --- ۱۰۲

شئے کی شیئیت اور تحصّل کی عامل صورت ہے --- ۱۰۳

بدن کے نفس کے تابع ہونے کی کیفیت --- ۱۰۳

نفس کا صورت بدن ہونا --- ۱۰۴

وجود انسان اور عالم کے مراتب میں واسطوں کا ہونا --- ۱۰۶

مرتبۂ شہادت سے تجرد عقلانی تک نفس کی حرکت --- ۱۰۷

انسان کے مرتبۂ شہادت و عقل کے درمیان وسائط کا ضروری ہونا --- ۱۰۸

عالم برزخ اور قیامت میں بدن کے ساتھ روح کا ارتباط --- ۱۰۹

اموات کی زیارت کا راز --- ۱۱۰
موت کے بعد بدن سے روح کے تعلق کی حقیقت --- ۱۱۱
طبیعی بدن کا برزخی بدن میں تبدیل ہونا --- ۱۱۱
برزخی بدن کا دنیوی بدن کے پردے میں رہنا --- ۱۱۲
طبیعی جسم کا برزخی جسم میں تبدیل ہونا --- ۱۱۲
نفس اور عالم کبیر کے سہ گانہ مراتب --- ۱۱۴
نچلے مرتبہ کے کمالات کا مرتبۂ بالا میں موجود ہونا --- ۱۱۵
ہر مرتبہ میں قویٰ کا اپنے قانون کے مطابق ہونا --- ۱۱۵
خواب اور خیالی تصورات میں فرق --- ۱۱۶
عوالم بالا میں تکلم اور سمع کی حقیقت کا موجود ہونا --- ۱۱۷
رؤیت برزخ کی شرط، طبیعت سے رہائی پانا ہے --- ۱۱۸
عالم غیب کا عالم شہادت کے کمالی حقائق پر مشتمل ہونا --- ۱۱۹
عقلانی مرتبہ میں نفس کا جامع کمالات ہونا --- ۱۲۰
عالم برزخ میں جسمیّت کا وجود --- ۱۲۱
برزخی بدن کا طبیعی بدن کی قویٰ کے کمالات پر مشتمل ہونا --- ۱۲۱
حرکت کا مرتبۂ طبیعت سے مختص ہونا --- ۱۲۲
ادراک کا نفس کے برزخی مرتبہ سے مختص ہونا --- ۱۲۳
آخرت میں بدن کا نفس کی نافرمانی نہ کرنا --- ۱۲۳
طبیعی بدن کی جوہری حرکت --- ۱۲۳
برزخی بدن کا نفس کی نافرمانی نہ کرنا --- ۱۲۴
بدن کے ساتھ برزخی ابدان کا صدوری قیام --- ۱۲۴

نفس کا برزخی بدن کیلئے فاعل وخلاق ہونا --- ۱۲۴

نفس کی نسبت، برزخی بدن کی عدم معلولیت --- ۱۲۵

ارادے کے نفوذ کے سبب، مادہ سے نجات پانا --- ۱۲۵

نفس کے ذریعے، ایجاد بدن کا مطلب --- ۱۲۷

اخروی مادہ کے مبانی واصول --- ۱۲۸

دنیا اور برزخ میں نفس کی ایجاد شدہ صور میں فرق --- ۱۲۹

نفس کے اپنے فعل سے متألم ہونے پر اعتراض --- ۱۳۱

نفس کے اپنے فعل سے متألم ہونے کی کیفیت --- ۱۳۱

غم والم کے ادراک کے ذریعہ عذاب دینا --- ۱۳۲

تألم نفس کے بارے میں غزالی کا نظریہ --- ۱۳۳

تألم اور اس کے مقدمات کا اصلی سبب --- ۱۳۳

پانچویں فصل: امتناع تناسخ کے دلائل

مادہ کی جوہری حرکت اور اس کے تحولات --- ۱۳۵

مادہ کی حرکت اور جسم ونفس کا تشکیل پانا --- ۱۳۶

مادہ کا حرکت وتغییر کی بنیاد ہونا --- ۱۳۷

فعلیت محض حاصل ہو جانے کی وجہ سے تناسخ کا محال ہونا --- ۱۳۸

حق تعالیٰ کی فاعلیت کی بناء پر تناسخ کا باطل ہونا --- ۱۳۹

قوم کے نظریہ کے مطابق تناسخ کا باطل ہونا --- ۱۴۰

تناسخ یعنی مجرد کو مادی بنانا --- ۱۴۰

بساطت نفس کے ذریعے تناسخ کا بطلان --- ۱۴۱

صعودی اور نزولی تناسخ --- ۱۴۲

تناسخ کی ایک اور قسم --- ۱۴۲

صعودی ونزولی تناسخ کا باطل ہونا

پہلے گروہ کا قول اور اس کا بطلان --- ۱۴۳

قائلین تناسخ کے دوسرے اور تیسرے گروہ کا قول --- ۱۴۴

ایک بدن کیلئے دو نفوس کا ہونا محال ہے --- ۱۴۵

تناسخ کے قائلین کے دوسرے قول کا رد --- ۱۴۶

استقلال کے بعد نفس کا معطل ہونا محال ہے --- ۱۴۷

استقلال کے بعد غیر مستقل کا محال ہونا --- ۱۴۷

تناسخ نزولی کے بطلان کی ادلہ --- ۱۴۷

نزولی تناسخ کے قائلین کا رد --- ۱۴۸

تجرد کی طرف جوہری حرکت --- ۱۴۹

تجرد میں ایمان وکفر اور سعادت وشقاوت کا کردار --- ۱۵۰

عقلانی مجرد موجود کا سعید اور شقی میں تقسیم ہونا --- ۱۵۰

سعادت وشقاوت کا تعلق میزان تجرد سے نہ ہونا --- ۱۵۱

کمال سے نقص کی طرف حرکت کا محال ہونا --- ۱۵۳

تجرد کے ساتھ ہیولائے ثانیہ کی شدت وضعف کا تعلق --- ۱۵۵

تناسخ کے اثبات کیلئے ایک دلیل --- ۱۵۵

برزخ میں شریر نفوس کا غیر عقلانی امور میں مشغول ہونا --- ۱۵۶

عالم غیب کے بارے میں اہل فسق وفجور کے خبر دینے کا سبب --- ۱۵۶

تناسخ کے قائلین کے شبہات --- ۱۵۷

آیۂ شریفہ ﴿اخسئوا فیہا...﴾ کا جواب --- ۱۵۸
ملکی تناسخ کا باطل اور ملکوتی تناسخ کا صحیح ہونا --- ۱۵۹
آیۂ ﴿کلما نضجت جلودھم﴾ سے استدلال کا جواب --- ۱۶۱
رجعت اور جسمانی معاد کے بارے میں اجمالی جواب --- ۱۶۱
حشر اور جسمانی معاد کے ذریعے ثبوت تناسخ کا ادعا --- ۱۶۲
تناسخ کا رد، ضرورت ادیان کو رد کرنے کے مترادف ہے --- ۱۶۳
شبہہ رجعت کا جواب --- ۱۶۴
حضرت علی علیہ السلام کا زمان واحد متعدد مقامات پر حاضر ہونا --- ۱۶۵
آن واحد میں ائمہ اطہار علیہم السلام کا محتضرین کے سرہانے آنا --- ۱۶۶
دنیا میں تناسخ، گناہگاروں کے عذاب کا سبب ہے --- ۱۶۷
مذکورہ بالا شبہہ کا جواب --- ۱۶۸
عذاب اور درد کیلئے مادہ کا ضروری ہونا --- ۱۶۹
تجرد عقلانی محض کا اولیا و خواص سے مختص ہونا --- ۱۷۲
عذاب کا قوت ادراک کے مطابق ہونا --- ۱۷۳
اہل تناسخ کے شبہہ کا خلاصہ --- ۱۷۴
انسان کی ماورائے طبیعت کی طرف جبری حرکت --- ۱۷۵
عالم طبیعت میں انسانوں کی ذاتی حرکت میں فرق ہونا --- ۱۷۶
فلک میں غیر متناہی استعدادات کا ضروری ہونا --- ۱۷۸
نفوس کا متناہی و غیر متناہی ہونا --- ۱۷۸
طبیعی و ناگہانی موت میں تناسخ کا عدم وقوع --- ۱۷۹
مسخ کے بارے میں بحث --- ۱۷۹

تناسخ اور مسخ میں فرق --- ۱۸۱

چھٹی فصل: موت یا بہتر زندگی

موت کا ملکوتی زندگی اور ایک وجودی امر ہونا --- ۱۸۳
نفس کا عالم طبیعت سے کل کر بدن سے استقلال حاصل کرنا --- ۱۸۴
عالم طبیعت سے برزخ کی جانب تدریجی خروج --- ۱۸۵
زندگی کی ابتدا ہی سے موت کا انسان کے ہمراہ ہونا --- ۱۸۵
قوتوں اور ادراکات کا ضعیف ہو جانا --- ۱۸۶
طبیعی حرکت کے ختم ہوتے ہی طبیعی موت کا آ جانا --- ۱۸۷
نقص سے کمال کی طرف منتقل ہونا --- ۱۸۷
موت کا حقیقی زندگی ہونا --- ۱۸۷
حیات کا بلند ترین مرتبہ --- ۱۸۸

موت کی اقسام

طبیعی موت (اجل حتمی) --- ۱۸۸
اختر امی موت (اجل معلّق) --- ۱۸۹
طبیعی و اختر امی موت کے بارے میں ایک دوسرا بیان --- ۱۹۱
اختیاری موت --- ۱۹۲

شہادت کی حقیقت اور مقام

شہادت کا حیات جاوید ہونا --- ۱۹۲
شہدا ربّ کے ہاں رزق پاتے ہیں --- ۱۹۳
مقام شہداء کی عظمت --- ۱۹۳

فقط انسان کامل کا حقیقت شہادت کو درک کر سکنا --- ۱۹۴
شہادت کا ثمرہ، وجہ اللہ پر نظر کرنا ہے --- ۱۹۴
وجہ اللہ پر نظر کرنا، انسان کا انتہائی کمال ہے --- ۱۹۵
مقام جمع الجمع میں حضور و شہود --- ۱۹۶
رضوان خدا اور انبیاء و اولیاء کی ہمجواری --- ۱۹۶
موت کو خلق کرنے کا سبب --- ۱۹۷

موت سے خوفزدہ ہونے کا سبب

دنیا سے لگاؤ اور وابستگی --- ۱۹۸
بقا سے محبت اور فنا سے نفرت --- ۱۹۸
معاد پر اعتقاد نہ ہونے کے سبب خوفزدہ ہونا --- ۲۰۰
مادی زندگی سے افضل زندگی پر اعتقاد نہ ہونا --- ۲۰۰
دنیا و مافیہا سے محبت اور وابستگی --- ۲۰۱
متوسطین کے خوف کا سبب --- ۲۰۲
کامل لوگوں کا عظمت حق تعالیٰ سے ڈرنا --- ۲۰۳
ناقص لوگوں کی موت سے کراہت اور خوف کا سبب --- ۲۰۳

احتضار اور اس کی خصوصیات

عالم غیب کا مشاہدہ --- ۲۰۵
درجات و درکات کا مشاہدہ --- ۲۰۵
اہل ایمان و کفر کے مشہودات میں فرق --- ۲۰۶
وقت احتضار کے مشہودات کا باطن انسان کا مظہر ہونا --- ۲۰۷
احتضار کے وقت ملکوتی آنکھ کے کھل جانے کا سبب --- ۲۰۸

ظہورولایت اور حضورائمہ علیہم السلام --- ۲۰۹
انسان کو اس کی پسندیدہ چیزیں دکھائی دینا --- ۲۱۳
احتضار کے وقت محبت دنیا کا خطرہ --- ۲۱۳
احتضار کے وقت دنیا کے قیدی کی حالت --- ۲۱۴
نفسانی و باطنی امراض کا ظہور --- ۲۱۵

سکرات موت

دنیا سے محبت، موت کی سختی کا باعث بنتی ہے --- ۲۱۶
سکرات موت کے آثار اور شدائد --- ۲۱۶
سکرات موت کے خطرات اور شدائد --- ۲۱۶
سکرات موت میں تلقین کا مؤثر ہونا --- ۲۱۸
عزرائیلؑ اور نزع --- ۲۱۹

ساتویں فصل: عالم قبر یا برزخ

عالم برزخ میں داخل ہونا --- ۲۲۱
عالم برزخ کی حقیقت --- ۲۲۳
دنیا و آخرت کے درمیانی عالم کا نام برزخ ہے --- ۲۲۴
برزخ کا آخرت کی پہلی منزل ہونا --- ۲۲۴
عالم برزخ قیامت کا ایک نمونہ ہے --- ۲۲۵
مشاہدہ برزخ کا مانع حجاب --- ۲۲۵
عالم برزخ کے (مختلف) مراتب ہونا --- ۲۲۵
برزخی زندگی --- ۲۲۶

مدت برزخ کا طولانی ہونا --- ۲۲۶
برزخ کی مدت کے قلیل اور زیادہ ہونے کا معیار --- ۲۲۶
طبیعی وجود کے برزخی وعقلانی وجود پر محیط ہونے کا گمان --- ۲۲۶
نچلے مرتبہ کے کمالات پر بلند کا محیط ہونا --- ۲۲۷
انسان کا ایک ساتھ مختلف نشآت میں ہونا --- ۲۲۸
برزخ اور برزخیوں کے ادراک نہ کرنے کا سبب --- ۲۲۸
مختلف نشآت میں انسان کے حاضر ہونے کی کیفیت --- ۲۲۹
نشہ برزخ اور طبیعت میں اختلاف --- ۲۲۹
برزخ میں باطنی ملکات کا ظاہر ہونا --- ۲۳۰
قبر کا فشار اور عذاب --- ۲۳۰
دنیوی امور کے ساتھ قبر کا عذاب --- ۲۳۱
بداخلاقی اور فشار قبر --- ۲۳۱
سینہ کی گشادگی وتنگی کے نتیجے میں قبر کا فشار --- ۲۳۲
نیک اعمال کا قبر میں مجسم ہونا --- ۲۳۲

آٹھویں فصل: دنیا اور آخرت

دنیا اور آخرت کا معنیٰ --- ۲۳۵
آخرت سے مراد --- ۲۳۵

دنیا

دنیا، مراتب وجود کا پست ترین مرتبہ ہے --- ۲۳۵
دنیا کمال وجود کا واحد راستہ ہے --- ۲۳۷

امام خمینی کی نظر میں .... ﴿۴۷۷﴾

مقام انسانیت پر فائز ہونا --- ۲۳۷

دنیا، اختیاری سیر وسلوک کا مقام ہے --- ۲۴۰

مذموم دنیا --- ۲۴۰

ممدوح اور مذموم دنیا --- ۲۴۱

عالم ملک کی تعریف --- ۲۴۴

مذموم دنیا اور عالم طبیعت میں فرق --- ۲۴۴

دنیا کی مذمت کی گئی ہے عالم طبیعت کی نہیں --- ۲۴۴

دنیا اور ماورائے دنیا

دار تغییر وفنا اور مقام ثبات وبقا --- ۲۴۵

دنیا کے ماوراء، نور مطلق ہونا --- ۲۴۵

بہشت کا ماورائے دنیا ہونا --- ۲۴۵

ماورائے دنیا پر رحمت الٰہی کی نظر ہونا --- ۲۴۵

آخـــرت

وحدت وکثرت کے ساتھ بساطت کا رابطہ --- ۲۴۶

حقیقی دار حیات --- ۲۴۸

گناہوں کی صورتوں کی زندگی اور ارادہ --- ۲۴۸

اعمال کی ملکوتی صورتوں کا مبنی بر حیات ہونا --- ۲۴۸

اخروی مادہ

عالم آخرت میں ہیولیٰ نہ ہونا --- ۲۵۰

وجود کی ابتدا میں مادہ کو صورت کی ضرورت --- ۲۵۰

دارِ آخرت کے زندہ ہونے کی علّت --- ۲۵۱
مادہ ومبدا انفعالہ آخرت کی چارگانہ قوتیں --- ۲۵۲
آخرت کے مقابلے میں دنیا کا چھوٹا ہونا --- ۲۵۴
مادۂ دنیا کا ارادے پرعمل کرنے سے نافرمانی کرنا --- ۲۵۵
آخرت میں ارادے کا نافذ ہونا --- ۲۵۵
آخرت میں ارادے کے نفوذ کے بارے میں ایک روایت --- ۲۵۵
ہرانسان کا منحصر بہ فرد نوع ہونا --- ۲۵۶
ملکی (دنیوی) نسبتوں کا زوال اور ملکوتی رابطوں کی بقا --- ۲۵۶
دنیا میں رحمت وعذاب کا اختلاف --- ۲۵۷
آخرت، خالص نعمت ونقمت کا محل ہے --- ۲۵۷
آخرت کی نعمت ونقمت کا تصور انسان سے بالاتر ہونا --- ۲۵۸
دونوں جہانوں کی نعمت ونقمت کا باہم ناقابل قیاس ہونا --- ۲۵۸
اخروی ذلت وشقاوت کا انسانی تصور سے بالاتر ہونا --- ۲۶۰
بہشتی نعمتوں کا انسان کے تصور سے بالاتر ہونا --- ۲۶۰
بہشت، حق تعالیٰ کا دار کرامت ہے --- ۲۶۱
دنیوی لذتوں کا رنج وغم سے مرکب ہونا --- ۲۶۱
دنیوی لذت کا سعادت کے مانع ہونا --- ۲۶۱
آخرت، رحمت رحیمیہ کا گھر ہے --- ۲۶۱
رحمت رحیمیہ سے محروم افراد --- ۲۶۲
عالم دنیا وآخرت کا فرق --- ۲۶۳
دنیا اور آخرت کے فرق پر ایک دلیل --- ۲۶۴

دنیا سے پرہیز اور آخرت پر توجہ دینے کے بارے میں چند یاد دہانیاں ---- ۲۶۵
دنیا و آخرت کا تقابل اور قلب کا دونوں عالم کی طرف مائل ہونا ---- ۲۷۲

نویں فصل: جسمانی معاد

اصالت وجود ---- ۲۷۵
وجود کے ساتھ تشخص کی عینیت ---- ۲۷۵
وجود کا ذو مراتب ہونا ---- ۲۷۵
حرکت جوہری ---- ۲۷۶
شئے کی شیئیت، صورت سے ہے نہ کہ مادہ سے ---- ۲۷۷
انسان کا مادہ سے تجرد کی طرف سیر کرنا ---- ۲۷۸
جسمانی حرکت، عالم مادہ کا لازمہ ہے ---- ۲۷۸
انسان کیلئے جسمانی معاد کی ضرورت ---- ۲۷۹
انسان کا نقص سے کمال کی طرف حرکت کرنا ---- ۲۸۰
وحدت شخصیہ ---- ۲۸۱
وحدت اور تشخص کے درمیان رابطہ ---- ۲۸۱
مختلف عوالم میں شخصیت و جود کا محفوظ ہونا ---- ۲۸۲
مرتبۂ خیال کا تجرد ---- ۲۸۳
نفس کے ساتھ خیالی و حسی صور کا قائم ہونا ---- ۲۸۳
مختلف عوالم میں نفس کی خلاقیت ---- ۲۸۴
اخروی بدن اور نفس کا بعینہ ایک جیسا ہونا ---- ۲۸۴
ذرات عالم میں ارتباط اور اتصال ---- ۲۸۵

عالم ہستی کے سہ گانہ مراتب --- ۲۸۵
انسان کا سہ گانہ عوالم پر مشتمل ہونا --- ۲۸۵
ہیولائے منضمہ سے جدائی --- ۲۸۶
ہویت انسان کا جسم سے وابستہ نہ ہونا --- ۲۸۷
تجرد نفس اور معاد --- ۲۸۸
تجرد نفس اور جسمانی معاد میں رابطہ --- ۲۸۸
شیخ الرئیس اور جسمانی معاد کا مسئلہ --- ۲۸۹
شیخ الرئیس اور مرتبۂ برزخ کا عدم اثبات --- ۲۹۰
جسمانی معاد کے تحقق میں برزخی تجرد کا کردار --- ۲۹۱
عقل بالفعل کا حقائق عقلیہ کا مدرک ہونا --- ۲۹۱
مختلف عوالم میں جسم کی تدریجی ترقی اور ارتقا --- ۲۹۲
مادہ سے تجرد کی طرف دائمی حرکت --- ۲۹۳
جسم کا تیرگی سے لطافت کی طرف حرکت کرنا --- ۲۹۴
دنیوی اور برزخی جسم میں فرق --- ۲۹۵
اعلیٰ و برتر عوالم میں جسم کی شدت اور قوت --- ۲۹۶
منصرم بالذات حقائق میں شخصی وحدت کا محفوظ رہنا --- ۲۹۶
نفس کا متغیر بالذات حقیقت واحدہ ہونا --- ۲۹۸
جسم طبیعی کے جسم اخروی میں تبدیل ہونے کی کیفیت --- ۲۹۹
حشر کے وقت صورت کا باقی رہنا اور مادے کا فنا ہو جانا --- ۳۰۱
صورت جسمیہ باقی رہے گی اور ہیولیٰ نابود ہو جائے گا --- ۳۰۲
ہیولیٰ کے ساتھ دنیوی اور اخروی جسم کا تعلق --- ۳۰۲

دنیوی جسم کا اخروی جسم میں تبدیل ہونے کیلئے حرکت کرنا --- ۳۰۳
تبدل وتجدد کے نتیجے میں وحدت تشخص کا باقی رہنا --- ۳۰۴
وحدت اور شخصیت کا محافظ جسم --- ۳۰۵
صورت اور مادہ میں فرق یا بدن کے مادہ کی صورت --- ۳۰۵
جسم کی فعلیت تام کی طرف حرکت --- ۳۰۶
روایات میں ابدان کا تبدلٰ --- ۳۰۷
جسم میں تبدیلیاں آنے کے باوجود اس کی حقیقت نہیں بدلتی --- ۳۰۸
وحدت شخصیہ کے محفوظ رہنے کا راز --- ۳۰۹
رجعت میں حاضر ہونے والا جسم --- ۳۱۰
روایات اور جسمانی وروحانی معاد --- ۳۱۱

جسمانی معاد کے متعلق شبہات

پہلا شبہہ: شبہہ آکل وماکول --- ۳۱۳
ملاصدرا کے مسلک کے مطابق شبہہ کا جواب --- ۳۱۳
عجب ذنب کی بقائے مطابق ایک دوسرا جواب --- ۳۱۳
عجب الذنب اور جزء لایتجزیٰ کے جواب پر تنقید --- ۳۱۵
دوسرا شبہہ: احیائے کیلئے زمین کے مواد کا کم ہونا --- ۳۱۶
نفس کا وحدت بدن کا حافظ ہونا --- ۳۱۶
متکلمین کے مبنیٰ کے مطابق مختلف جوابات --- ۳۱۷
تیسرا شبہہ: --- ۳۱۷
اس شبہہ کے جواب میں متکلمین کی مشکل --- ۳۱۸
دونوں جہانوں کے باہمی فرق کی بناء پر اعتراض کا جواب --- ۳۱۹

جسمانی معاد کے بارے میں غلط اعتقادات ـــ ۳۱۹

روحانی معاد

قیامت سے پہلے روحانی معاد ـــ ۳۲۱
روحانی معاد کے حصول کیلئے عقل فطری کی فعلیت ـــ ۳۲۱
روحانی معاد کا فقط عقل بالفعل کے حاملین کیلئے ہونا ـــ ۳۲۲
عالم مثال میں حرکت کا رک جانا اور جسمانی معاد کا واقع ہونا ـــ ۳۲۲
عالم مثال میں حرکت سے جسمانی معاد کی نفی ہونا ـــ ۳۲۳

دسویں فصل: قیامت

قیامت، ملک کا ملکوت کی طرف رجوع کرنا ہے ـــ ۳۲۵
قیامت صغریٰ و کبریٰ ـــ ۳۲۵
برزخ، عالم طبیعت کے ساتھ انس کا خاتمہ ہے ـــ ۳۲۶
اسمائے الہیہ اور اعیان ثابتہ و خارجیہ کی قیامت کبریٰ ـــ ۳۲۶
قیامت میں تمام افراد کا اجتماع ـــ ۳۲۷
صفت جلال کے ذریعے قیامت کا برپا ہونا ـــ ۳۲۷
عظمت حق کے نور کی تجلّی تام، قیامت کے برپا ہونے کا سبب ہے ـــ ۳۲۸
قیامت، حکومت جلالیہ کا دن ـــ ۳۲۹
قیامت کا برپا ہونا اور نزع مطلق ـــ ۳۲۹
حق تعالیٰ کی مالکیت کی کیفیت ـــ ۳۳۰
مختلف عوام کی نسبت حق (تعالیٰ) کی مالکیت ـــ ۳۳۱
یوم الدین سے مالکیت کے اختصاص کا سبب ـــ ۳۳۳

یوم الدین میں موجودات کا ظہور --- ۳۳۴
انسان کامل کیلئے احکام قیامت کا ظہور --- ۳۳۴
انسان کامل کے واسطہ سے سلطنت تام الہیہ کا ظہور --- ۳۳۵
قیامت کا عالم کرامت اور رحمت حق ہونا --- ۳۳۵
تفضل حق کی بنا پر قیامت کا برپا ہونا --- ۳۳۶
رحمت حق سے محرومیت کا سبب --- ۳۳۶

اسمائے قیامت

قیامت کو یوم الدین کہنے کی وجہ تسمیہ --- ۳۳۶
کشف سرائر کا دن --- ۳۳۷
یوم حسرت --- ۳۳۸
ندامت کا دن --- ۳۳۸
زمین کے تبدل اور تبدیلی کا دن --- ۳۳۸
روز قیامت کی شرمندگی اور ذلت --- ۳۳۹

گیارھویں فصل: صراط

موجودات کی صراط کا عرفانی بیان --- ۳۴۱
انسانی صراط سب سے طولانی صراط ہے --- ۳۴۱
انسانوں کی صراط کے مختلف ہونے کا سبب --- ۳۴۲
انسان کامل کی صراط، صراط مستقیم ہے --- ۳۴۲
ولایت کی باطنی صورت، ہی حقیقت صراط ہے --- ۳۴۴
انسان کامل، ہی صراط مستقیم ہے --- ۳۴۵

دنیا،صراط کی ابتداء ہے --- ۳۴۶
انسان کا صراط پر ہونا --- ۳۴۶
صراط آخرت،صراط دنیا کا باطن ہے --- ۳۴۷
صراط مستقیم،طبیعت سے لے کر الوہیّت تک --- ۳۴۸
دنیوی واخروی استقامت --- ۳۴۹
سعادت کا راہ مستقیم کے سائے میں ہونا --- ۳۵۰
صراط سے عبور کرنے کی شرط --- ۳۵۰
صراط کا آگ کے گھیرے میں ہونا --- ۳۵۰
عقل کی نورانیت آگ کے شعلہ کو بجھا دیتی ہے --- ۳۵۱
آگ سے سلامتی کے ساتھ گزرنا --- ۳۵۲
صراط کی دونوں طرف صلۂ رحم وامانت ہونا --- ۳۵۲
صراط کا نور اور روشنی --- ۳۵۳
صراط سے گزرنے کا زاد وراحلہ --- ۳۵۳

بارھویں فصل: نامۂ اعمال

ہمارے اعمال کا محضر حق میں ہونا --- ۳۵۵
عالم بھر کی وسعتیں انسان کا نامۂ عمل ہیں --- ۳۵۵
لوح نفس کا نامۂ عمل ہونا --- ۳۵۵
صفحۂ قلب کا نامۂ عمل کی صورت میں ہونا --- ۳۵۶
انسان کے نامۂ عمل میں دوسروں کے اعمال کا ثبت ہونا --- ۳۵۷
نامۂ عمل کو کھولا جانا --- ۳۵۸

انسان کے ہاتھ میں نامۂ عمل دیا جانا --- ۳۵۸
پیغمبرؐ کے سامنے نامۂ اعمال پیش ہونا --- ۳۵۸
امام زمانہؑ کے سامنے نامۂ اعمال پیش ہونا --- ۳۵۸

تیرھویں فصل: جنت اور جھنم

جنت وجہنم کی اقسام --- ۳۵۹
جنت کے مراتب --- ۳۵۹
جنت کے مراتب کا انسانی مراتب کے ساتھ مربوط ہونا --- ۳۶۰
جنت کے مراتب کا روحانی مقامات کے ساتھ ارتباط --- ۳۶۰
جنت کے مراتب اور معرفت حق کے ساتھ ان کی نسبت --- ۳۶۱
جسمانی جنت کی حقیقت --- ۳۶۳
جسمانی جنت، نیک اعمال کا نتیجہ ہے --- ۳۶۳

جنت

اعمال کی جنت --- ۳۶۴
عام مؤمنین کی جنت --- ۳۶۵
نفس کی مطلوبہ چیزوں کا فراہم ہونا --- ۳۶۵
بہشت اعمال کا فراہم کیا جانا --- ۳۶۵
جنت اعمال کی وسعت --- ۳۶۵

صفات کی جنت

جنت متوسط --- ۳۶۶

جنت اخلاق کا مرتبہ --- ۳۶۶
جنت متوسط کا جسمانی جنت سے برتر ہونا --- ۳۶۶
بہشت متوسطین، اخلاق کریمہ کا نتیجہ ہے --- ۳۶۶
جنت اخلاق کی وسعت --- ۳۶۷
ارادہ، بہشت اخلاق کا میزان ہے --- ۳۶۷

جنت لقاء

جنت کا بلند ترین مرتبہ --- ۳۶۸
جنت کا آخری مرتبہ --- ۳۶۸
جمال الٰہی کی لذت تک پہنچنا --- ۳۶۹
جنت لقاء و باطن معارف --- ۳۶۹
عرفا کی جنت --- ۳۶۹
حق تعالیٰ کے اولیا کی جنت --- ۳۷۰
جنت خداوند --- ۳۷۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کا مقام --- ۳۷۱
شہداء کا مقام، جنت خدا ہے --- ۳۷۱
پروردگار کے حضور شہدا کی ضیافت --- ۳۷۲
اہل جنت کی خصوصیات --- ۳۷۳

جھنم ۱ جہنم کی حقیقت

جہنم کا ضروریات ادیان الٰہی میں سے ہونا --- ۳۷۳
جہنم، عالم طبیعت کا باطل ہے --- ۳۷۳

جہنم دنیا کا باطن ہے ___ ۳۷۳
جہنم، طبیعت کا ظاہر ہونا ___ ۳۷۳
جہنم، ظہور طبیعت ہے ___ ۳۷۴
جہنم کا اعمال انسان سے بننا ___ ۳۷۴
جہنم، انسانی اعمال کی باطنی شکل ہے ___ ۳۷۵
جہنم کا غضب کی صورت میں رحمت ہونا ___ ۳۷۶
جہنم کے باطن کا لطف خدا ہونا ___ ۳۷۶
موحدین کیلئے رحمت کی آگ ___ ۳۷۶
آگ کا رحمت حق کی ایک شکل ہونا ___ ۳۷۷
جہنم گناہگاروں کا شفاخانہ ___ ۳۷۷
جہنم کا دار الشفاء اور دار جزاء ہونا ___ ۳۷۷

جہنم کے مراتب اور خصوصیات

جہنم اعمال ___ ۳۷۸
جہنم اخلاق ___ ۳۷۹
اخلاق یا ملکات کا جہنم ___ ۳۷۹
عقائد کا جہنم ___ ۳۸۰
جہنم کے مراتب اور انسان کے مراتب ___ ۳۸۰
دنیا پر جہنم کا احاطہ ___ ۳۸۰
کفار پر جہنم کا احاطہ ___ ۳۸۱
جہنم کی آگ اور عذاب کا شدید ہونا ___ ۳۸۱
جہنم کی آگ و عذاب کی شدت ___ ۳۸۵

دنیاو آخرت کی آگ کے اختلاف کا سبب --- ۳۸۶
دنیوی آگ کا باطن وقلب کو نہ جلانا --- ۳۸۹
انسان کا دو جہنموں کی درمیان ہونا --- ۳۸۹
دلوں کو جلانے والے آگ --- ۳۹۰
انسان کی روح اور باطن کو جلانے والی آگ --- ۳۹۰
آتش جہنم کا احاطہ، حق کا قیومی احاطہ ہے --- ۳۹۱
جہنم کے مختلف عذاب --- ۳۹۱
سقر --- ۳۹۲
مالک جہنم کی ہیبت --- ۳۹۲
اہل جہنم کی نشانیاں --- ۳۹۳
اہل جہنم کے اوصاف --- ۳۹۳
اہل جہنم کا نزاع --- ۳۹۴
خصومت کا جہنم کے مصائب میں سے ہونا --- ۳۹۴
اہل آتش کا باہمی تخاصم اور مجادلہ --- ۳۹۵

خلود (ہمیشگی)

آگ میں خلود --- ۳۹۵
عالم طبیعت کی ہیشگی کا آگ میں ہیشگی کی صورت میں ظاہر ہونا --- ۳۹۵

ہمیشگی کے اسباب

نور فطرت کا خاتمہ --- ۳۹۶
فطرت توحید کا نابود ہو جانا --- ۳۹۶
ایمان کو زائل کرنے والے ملکات --- ۳۹۶

خودپسندی اور فضل حق سے بے نیازی --- ۳۹۷
بری نیات اور فاسد اخلاق --- ۳۹۷
پیدائش جنت وجہنم کی کیفیت --- ۳۹۹

اعتقادات اور مقام آخرت کے درمیان ارتباط

دین وتمدّن سے جاہل انسانوں کا مقام --- ۴۰۰ ، ۴۰۲
بالقوہ انسانوں کا مقام --- ۴۰۴
بالقوہ استعدادوں کا آخرت میں منتقل نہ ہونا --- ۴۰۵
برزخی تجرد کے حامل انسانوں کا مقام --- ۴۰۷
دوسرے ادیان کے معتقد اور عامل افراد --- ۴۰۷
عقلی تجرد کے حامل انسان --- ۴۰۸

چودھویں فصل: تجسم اعمال

اعمال واخلاق کا مجسّم ہونا --- ۴۱۱
عقائد واخلاق کا تجسم اعمال --- ۴۱۱
قرآن میں تجسم اعمال --- ۴۱۱
احادیث میں تجسم اعمال --- ۴۱۲
اعمال کی ملکوتی حیات کا معیار --- ۴۱۷
اعمال کی مکمل صورت، نیت ہے --- ۴۱۸
صورت کے حامل قلبی افعال --- ۴۱۹
غصے وغضب کا مجسّم ہونا --- ۴۱۹
اطاعت الٰہی کے سوا اعضاء کے استعمال ہونے کا مجسّم ہونا --- ۴۱۹

غیبت کا مجسّم ہونا --- ۴۲۰
بدکردار عالم کے عمل کا مجسّم ہونا --- ۴۲۲
حبّ دنیا اور حبّ نفس کا مجسّم ہونا --- ۴۲۳
نفسانی شہوات میں اسارت کا مجسّم ہونا --- ۴۲۴
عبادات کا مجسّم ہونا --- ۴۲۴
قراءت قرآن کا مجسّم ہونا --- ۴۲۵
حق کے سامنے تسلیم ہونے کا مجسّم ہونا --- ۴۲۵

اعمال وجزاء میں عدم تناسب کے شبہے کا جواب

دنیوی اعمال کے نتیجہ میں اخروی ثواب وعقاب --- ۴۲۶
دنیوی اور اخروی عذاب میں فرق --- ۴۲۶
اخروی ثواب وعقاب، انسانی باطن کا ظہور ہے --- ۴۲۷
اعمال کے نتیجہ سے ڈرانا --- ۴۲۷
آخرت میں ہمارے اعمال کا انعکاس --- ۴۲۸
جنت اور دوزخ کا انسان کے عمل سے بننا --- ۴۲۸
دوزخ، انسانی عمل واخلاق کی مختلف صورتوں کا نام ہے --- ۴۲۹
جہنم کی آگ جلانے والے اعمال وکردار --- ۴۲۹

پندرھویں فصل: اخروی ملکوتی صورت

باطن کا ظاہر سے رابطہ --- ۴۳۱
بدن سے روح کی مفارقت کے سبب نفسانی ملکات کا ظاہر ہونا --- ۴۳۳
دنیا و آخرت میں ملکات کا اظہار اور پوشیدگی --- ۴۳۳

اخروی ملکوتی صورت کا دنیوی ملکات کے تابع ہونا --- ۴۳۴
آخرت میں انسان کی ہشتگانہ صورتیں --- ۴۳۶
مشرک کی ملکوتی صورت --- ۴۳۷
آخرت میں انسان کی وحشتناک صورت --- ۴۳۸
ایک فرد کا مختلف صورتوں میں محشور ہونا --- ۴۳۹
ایک فرد کی متعدد صورتیں ہونا --- ۴۳۹
انسان کا آخری دنیوی شکل میں محشور ہونا --- ۴۴۰
نفس کی آخری حالت پر اخروی صورت کی تعیین کا دارمدار ہونا --- ۴۴۰

بعض اعمال وحرکات کی اخروی صورتیں

رذائل کے حامل لوگوں کی اخروی صورت --- ۴۴۲
منافق کی اخروی شکل --- ۴۴۲
متعصب کی اخروی شکل --- ۴۴۴
متکبر کی اخروی شکل --- ۴۴۵
متکبر کا مظہر شیطان ہونا --- ۴۴۵
غضب کرنے والے کی اخروی شکل --- ۴۴۶
غیبت کرنے والے کی اخروی شکل --- ۴۴۷
آیات حق کی فراموشی اور باطنی اندھاپن --- ۴۴۸

سولھویں فصل: عوالم سہ گانہ میں تغییر اور تکامل

دنیا، جوہری تبدلات کا مقام ہے --- ۴۴۹
دنیا کا دار تغییر وتبدیل ہونا --- ۴۴۹

دنیا میں نفسانی ملکات واخلاق کا تبدیل ہونا --- ۴۴۹
صفات رذیلہ کے ذاتی ہونے کی نفی --- ۴۵۰
مادہ، حرکت و تکامل کا اصلی عامل ہے --- ۴۵۰
حرکت جوہری میں وجود مادہ کی ضرورت --- ۴۵۱
مادہ کے نہ ہونے کی وجہ سے عالم ماورائے طبیعت میں حرکت کا ختم ہو جانا --- ۴۵۲
مادہ کا ممکنات کی ترقی کی بنیادی شرط ہونا --- ۴۵۲
عالم برزخ اور آخرت میں حرکت کا بند ہو جانا --- ۴۵۳
دنیا اور برزخ وآخرت میں تکامل کا فرق --- ۴۵۴
برزخ میں تکامل --- ۴۵۴
عقلانی تجرد کے حصول میں عالم برزخ کا کردار --- ۴۵۵
انسان کی تغییر واصلاح میں اختیار کا کردار --- ۴۵۵
دنیا میں تمام نفسانی امراض کی اصلاح کا ممکن ہونا --- ۴۵۶
احتضار و برزخ کی حالت میں اصلاح کے عوامل --- ۴۵۶
قیامت میں اصلاح کے عوامل --- ۴۵۸
برزخ اور قیامت کا روحانی بیماریوں کیلئے شفا ہونا --- ۴۵۹
آخرت میں تغییرات کی مدت کا دراز ہونا --- ۴۵۹
دنیا وآخرت میں تغییرات کے حصول کی مدت --- ۴۶۰
پاک وطاہر اور خراب وپست نفوس کا کمال --- ۴۶۰

بحمد اللہ